إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا

جہانِ امامِ ربّانی

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اقلیم دوم

سرپرستِ اعلیٰ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ترتیب:
صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرثانی:
محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم:۹۶)

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب رحمن اُن کے لیے محبت کردیگا

جہانِ امامِ ربّانی

گوہر قلم

مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم دوم

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

(جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام .... جہانِ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
مرتبین .... صاحب زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
نظر ثانی .... محمد عالم مختار حق
اقلیم .... دوم (کامل سیٹ سات جلدیں)
تصحیح .... علامہ محمد ظفر احمد نقشبندی، علامہ رضوان احمد مسعودی، مولانا جاوید اقبال مظہری،
مولانا علی انور بگھیو مسعودی، محمد عبدالستار طاہر مسعودی، مولانا اقبال احمد اختر القادری،
مقصود حسین قادری، سیدہ حنا مسعودی، سیدہ صبا مسعودی، سیدہ سمیعہ شاہد، سیدہ ربیعہ شاہد
حروف ساز .... سید شعیب افتخار مسعودی، سید سلمان افتخار، حبیب احمد، سید محمد انیس مسعودی
طابع .... جاوید اقبال مظہری
مطبع ....
طباعت ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء
اشاعت .... اوّل (ایک ہزار)
ناشر .... امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
ہدیہ ....

ناشر
امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
اے-۱، پلاٹ نمبر ۲۳، اسٹیڈیم لین نمبر ۴، خیابان شمشیر، فیز ۷ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، فون ۰۲۱-۵۸۴۰۹۹۳
(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

- ☆ ادارۂ مسعودیہ......۶/۲'۵_ای' ناظم آباد' کراچی_فون ۶۶۱۴۷۴۷_۰۲۱
- ☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز......ضیاء منزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم۔اے۔جناح روڈ، کراچی' فون ۲۲۱۳۹۷۳_۰۲۱
- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز......۱۴-انفال سینٹر، اردو بازار' کراچی_فون ۲۶۳۰۴۱۱_۰۲۱
- ☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل......پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد' کراچی_فون ۴۹۲۶۱۱۰_۰۲۱
- ☆ المختار پبلی کیشنز......۲۵_جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی، فون ۷۷۲۵۱۵۰_۰۲۱
- ☆ فرید بک اسٹال......۳۸-اردو بازار، لاہور_فون ۷۲۴۴۸۹۹-۰۴۲
- ☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم......کڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

- ☆ Khalifa Muhammad Yahya, Roza Shareef, Sirhind, District Fatehgarh, Pin code-140406. (INDIA) Ph:01763-30144.
- ☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmed, Nusratul Islam Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6, (INDIA)
- ☆ Mr. Masood Ahmed Ashrafi, Chairman, Global Islamic Mission, 335, Walnut Street # 2, Yonkers New York-10701 (U.S.A)
- ☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich, West Midlands B67 7JD. (U.K)
- ☆ Mawlana Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Rizvia, 423-Matia Mahal, Jama Masjid Delhi 110006, (INDIA) Ph: 23264524.
- ☆ Abdul Aziz Siddiqui, 20 Chatripura, Main Road, Indoor (M.P) INDIA.

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

انتساب

☆☆

شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ
کے نام

☆......جو سرزمین افغانستان سے برصغیر تشریف لائے اور دہلی کو اپنے وجود مسعود سے منور کیا

☆......دربار اکبری کے وزراء اور اعیان مملکت جن کی غلامی پر فخر کرتے تھے

☆......جنہوں نے فقیرانہ بسر کی اور کچھ نہ چھوڑا

☆......چار سال مسند کو رونق بخشی اور ایک انقلاب برپا کر دیا

☆......شیخ احمد سرہندی جن کے دامن سے وابستہ ہو کر کیا سے کیا ہو گئے

☆......جن کی صحبت کیمیا اثر صحابۂ کرام کی یاد دلاتی تھی

☆......جن کی صحبت میں ہزاروں بگڑے ہوئے بن گئے

(مرتبین)

☆......☆......☆

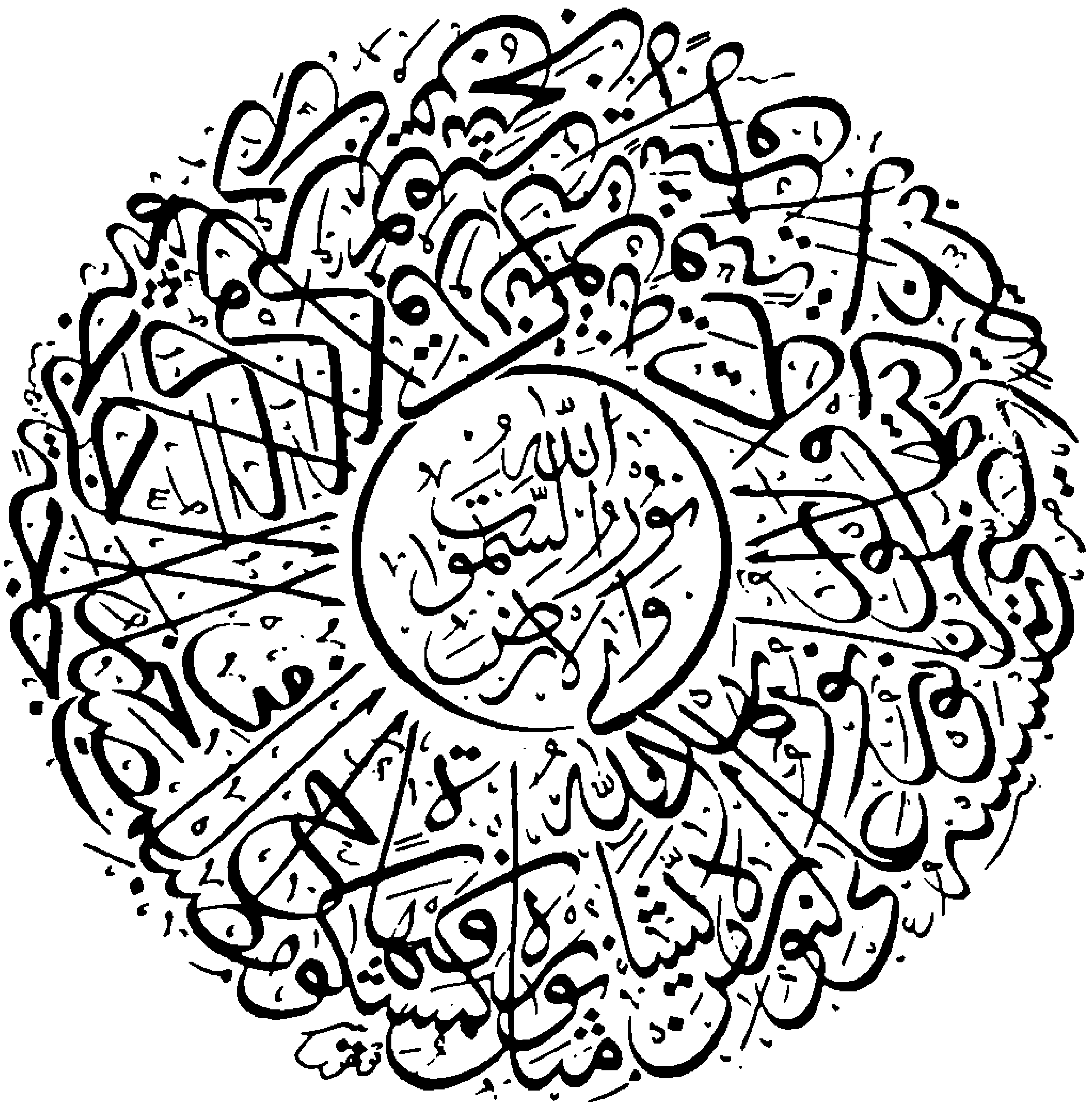
الله نور السموات والأرض

۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہان امام ربانی

اقلیم دوم

پلا دے ساقیا ساغر مجدد الف ثانی کا
کہ ہوں مشتاق میں یکسر مجدد الف ثانی

(احمد حسین مجددی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اقلیم دوم

☆☆

- ...... نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم — امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۱
- ...... مناقب — سید فیض الحسن، شاہ عبدالغنی، ڈاکٹر محمد اقبال ۱۴
- ...... ابتدائیہ — ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری ۱۹
- ...... تأثرات — نواب صدیق حسن خاں، ابوالحسن علی ندوی، رشید احمد گنگوہی، شیخ محمد اکرام ۲۱

کشورِ اوّل

- ...... ماہ و سال (سیرت مجدد الف ثانی) — علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری ۲۷
- ...... تخریجِ احادیث (مکتوباتِ مجدد الف ثانی، جلد سوم) — پروفیسر ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی ۳۲
- ...... حضرت مجدد کی فقہی خدمات — ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ۱۸۳
- ...... حضرت شیخ احمد سرہندی کی عربی زبان وادب میں خدمات — ڈاکٹر محمد آصف ہزاروی ۲۵۸

کشورِ دوم

دعوت الی اللہ میں مجدد الف ثانی کا کارنامہ ...... ڈاکٹر خالد علوی ۲۹۵
سنت، حضرت مجدد کی نظر میں ...... پیر عبداللطیف نقشبندی ۳۲۵
بدعت کیا ہے؟
(بحوالہ خصوصی حضرت مجدد الف ثانی) ...... پیر عبداللطیف نقشبندی ۳۲۹
امام ربانی مجدد الف ثانی کا تصور بدعت ...... پروفیسر حافظ سید مقصود علی ۳۵۷
حضرت مجدد الف ثانی اور مسلک اہل سنت ...... علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی ۳۷۵
ذکر الٰہی کی اہمیت
(حضرت مجدد کے مکتوبات کی روشنی میں) ...... مولانا نور الحسن تنویر چشتی ۳۹۳
حضرت مجدد الف ثانی کے معمولات ...... سید زوار حسین شاہ ۴۰۷
معمولات حضرت امام ربانی ...... پروفیسر سید شبیر حسین شاہ زاہد ۴۲۵

کشورِ سوم

امام ربانی اور علم لدنی ...... شیخ الحدیث ابن الصدیق محمد ہادی بخش ۴۳۱
جذب و سلوک ...... شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ۴۵۲
امام ربانی کی تعلیمات تصوف ...... صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن ۵۰۰
عہدِ اکبری کے صوفیہ کی اصلاح میں
مکتوبات امام ربانی کا کردار ...... ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری مجددی ۵۱۰
حضرت مجدد الف ثانی، تزکیہ نفس اور اخلاص ...... پروفیسر عبدالباری فرنگی محلی ۵۱۹
صحو و سکر مکتوبات امام ربانی کے آئینے میں ...... ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد ۵۳۵

عنوان	مصنف	صفحہ
امام ربانی اور علم النفسیات	ڈاکٹر محمد اقبال مرتبہ: ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۵۵۳
امام ربانی اور علم الکائنات	فضل احمد حبیبی	۵۵۸

کشورِ چہارم

امام ربانی کا لقب ”مجدد الف ثانی“	علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی	۶۱۷
”مجدد الف ثانی“ (ایک تحقیقی جائزہ)	ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر	۶۳۳
امام ربانی کا نظریہ قیومیت اور لفظ ”قیوم“ پر امام احمد رضا کے فتوے کی فقیہانہ تحقیق	مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری	۶۵۱
حضرت مجدد الف ثانی کا مرتبہ قیومیت	مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی	۶۶۰
امام ربانی کا منصب قیومیت	پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی	۶۷۲
امام ربانی مجدد الف ثانی کی شان قیومیت	علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی	۶۹۰

کشورِ پنجم

امام ربانی……عرفان کے مجتہدِ اعظم	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی	۷۱۵
حضرت مجدد الف ثانی اور وحدۃ الشہود	ڈاکٹر سراج احمد خاں	۷۴۰
ابن عربی اور امام ربانی کے بعض نظریات (ایک تقابلی جائزہ)	شاہ ابوالحسن زید فاروقی	۷۵۳
وحدۃ الوجود	محدث اعظم علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی	۷۵۸
نگار خانہ		۷۶۳
مرقعات		۷۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

نعتِ رسولِ مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

☆☆

زمین و زماں تمہارے لیے، مکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

فرشتے خِدَم، رسولِ حشم، تمامِ اُمم، غلامِ کرم
وجود و عدم، حدُوث و قِدَم، جہاں میں عیاں تمہارے لیے

اصالتِ کُل، امامتِ کُل، سیادتِ کُل، امارتِ کُل
حکومتِ کُل، ولایتِ کُل، خدا کے یہاں تمہارے لیے

تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک تمہاری مہک
زمین و فلک، سماک و سمک میں سکہ نشاں تمہارے لیے

وہ کنزِ نہاں، یہ نورِ فشاں، وہ کُن سے عیاں، یہ بزم فکاں
یہ ہر تن و جاں، یہ باغِ جناں، یہ سارا سماں تمہارے لیے

ظہورِ نہاں، قیام جہاں، رکوعِ مہاں، سجودِ شہاں
نیازیں یہاں، نمازیں وہاں، یہ کس کے لیے؟ ہاں، تمہارے لیے

یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکمِ رواں تمہارے لیے

یہ فیض دیئے، وہ جُود کیے، کہ نام لیے، زمانہ جیے
جہاں نے لیے، تمہارے دیئے، یہ اکرمیاں تمہارے لیے

سحابِ کرم، روانہ کیے، کہ آبِ نِعَم زمانہ پیے
جو رکھتے تھے ہم، وہ چاک سیئے، یہ سترِ بداں تمہارے لیے

نہ رُوح امیں، نہ عرش بریں، نہ لوح مبیں، کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں، جو رمزیں کھلیں، ازل کی نہاں تمہارے لیے

جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن، یہ امن و اماں تمہارے لیے

یہ طور کجا، سپہر تو کیا، کہ عرشِ عُلا بھی دُور رہا
جہت سے ورا، وصال ملا، یہ رفعت شاں تمہارے لیے

یہ مرحمتیں کہ کچّی متیں، نہ چھوڑیں لتیں، نہ اپنی گتیں
قصور کریں اور اُن سے بھریں، قصورِ جناں تمہارے لیے

فنا بدَرت، بقا ببَرت، زِہر دو جہت، بگردِ سرت
ہے مرکزیت تمہاری صفت، کہ دونوں کماں تمہارے لیے

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمہارے لیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

منقبت

کیا نہادِ شکستہ دیں کو آ کے پھر استوار تُو نے
خزاں رسیدہ چمن کو پھر کر دیا سراپا بہار تُو نے
زمینِ سرہند کر لیا اپنا عرشِ رفعت وقار تُو نے
سُلا کے آغوشِ عاطفت میں نقیبِ پروردگار تُو نے
عجم کے ماحول کے سبب جو اسے مکدّر کیے ہوئے تھا
ردائے رُوحانیت کے دامن سے دھو دیا وہ غُبار تُو نے
دلوں کو پھر سے سکھائی تُو نے ادائے بے باکیٔ محبت
کیا ہے صدّیق اور حیدر کا آ کے زندہ شعار تُو نے
ہوس کی ریشہ دوانیوں سے ردائے غیرت تھی پارہ پارہ
کیا رفو آ کے پھر فقیری کا دامنِ تار تار تُو نے
اثر ذرا بھی نہ ہو سکا تجھ پہ سیلِ باطل کی یورشوں کا
جہاں کو بن کر دکھا دیا حق کا ساحلِ استوار تُو نے
معاً فضائے بسیط میں اُڑ گئے دھوئیں دینِ اکبری کے
جو آ کے ہندوستاں میں پھونکا فسونِ باطل شکار تُو نے
دکھایا ایماں کا اس طرح زورِ فقر و شاہی کے معرکے میں
بڑھا دیا ہے سریرِ شاہی سے بوریے کا وقار تُو نے
عبائے شاہنشہی پہ خندہ زن ہوئی ہے گلیمِ بوذر
بیک نگہ محفلِ جہاں کے بدل دیئے کاروبار تُو نے

۱۵

خرد کی بادِ سموم سے برگ و بار مُرجھا چلے تھے سارے
کیا ہے کشتِ یقیں کو سیراب آ کے ابرِ بہار تُو نے

رہے گا محفوظ حشر تک جو کہ دستِ باطل کی یورشوں سے
سرِ فقیری پہ آ کے رکھا وہ تاجِ پُر اِفتخار تُو نے

دلِ عجم کو کیا ہے مسحُورِ نغمہ ہائے حجاز سے پھر
بڑے سلیقے سے چھیڑ کر ربطِ محبت کے تار تُو نے

تری نوائے جرس کی دُھن پہ ہے گامزن ذوقِ رہ نوردی
عطا کیا ہے رہروِ طریقت کو شوقِ منزل شکار تُو نے

رفُو نہ اب کر سکے گی اس کو خرد کی حیلہ گری اَبد تک
کیا ہے دامانِ شرک و بدعت کو اس طرح تار تار تُو نے

خزینۂ لازوالِ حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدّد!
لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تُو نے

بڑے سکُوں سے اِس آشیاں بند شاخِ نخلِ مُراد پر اب
کیا ہے دامِ خرد سے فیضِ حزیں کو یُوں رستگار تُو نے

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ
وارثِ مسند آلو مہار شریف سیالکوٹ

۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

منقبت

شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی

☆☆

اے خاک پاک روضہء عبیری و عنبری
کہ اہلِ جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر
عاقل پیشت آمدہ مخمور رفتہ اند!
سرّے ز خاک خلد تو داری کہ اہلِ ارض
یک نفحۂ تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے تر از تربتِ یثرب سرشتہ اند
پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
ایں خاکِ احمدی است بذاتِ احد نگر
نے یک کہ صدہزار ازیں خاک جستہ اند
اھلاً و مرحباً پے زوّارِ تو بسے!
اقفال بعد بر رخِ اعدات بستہ اند

یارب مکن خلاص ازیں خاکِ در مرا
بدحال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند
شیرے بخوابِ ناز بہ پہلوئے دوشبل
یارب چہ رازہا است کہ ایں جانہفتہ اند
تنہا غنی نہ مدح نغمہ تو ساز کرد
کرّوبیانِ عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

(محمد میاں: علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ اوّل، مطبوعہ مراد آباد، ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۹ء ص۔ ۱۴۵)

☆……☆……☆

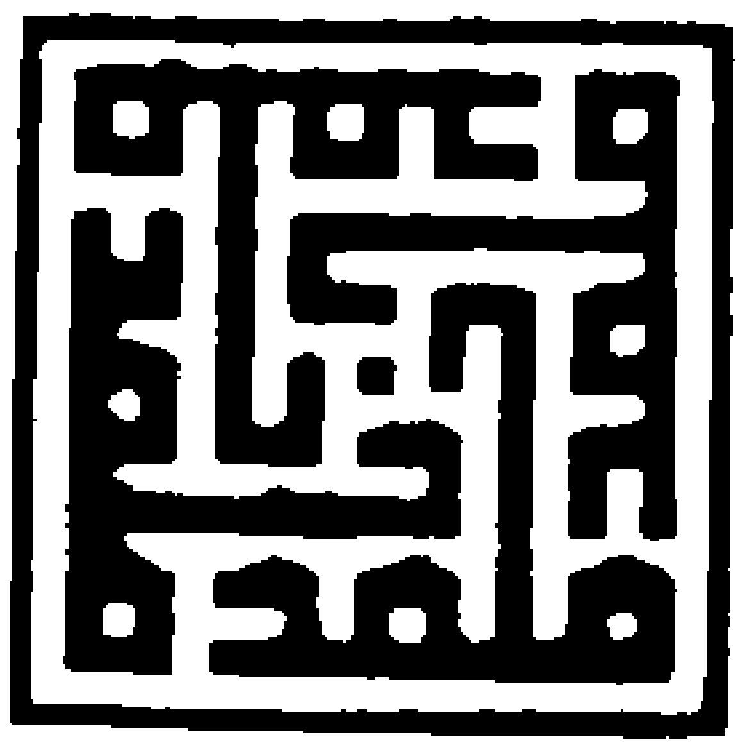

محمدؐ، چار دفعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ڈاکٹر محمد اقبال

حضرت مجدد کے دربار میں

☆

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(ڈاکٹر محمد اقبال، بال جبریل، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ص: ۲۱۱۔۲۱۲)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرات اہل اللہ کے ذکر واذکار اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔ ''جہان امام ربانی'' بھی اللہ کا ایک عظیم لشکر ہے...... یہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ کی ارواح طیبات کا فیض ہے...... یہ مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ کی دعاؤں کی قبولیت کی نشانی ہے...... یہ اہل محبت کے خوابوں کی تعبیر ہے...... یہ دربار سرہند میں ہماری حقیر کوششوں کی رسائی و پذیرائی کی علامت ہے......

اقلیم اوّل (جلد اول) آپ نے ملاحظہ فرمائی، اقلیم دوم آپ کے سامنے ہے...... بعض قارئین کے صرف دوسری جلد سامنے ہوتی ہے تو وہ اوّل کے لیے تشنگی محسوس کرتے ہیں ایسے ہی قارئین کے لیے اقلیم اوّل کے مشمولات کی تفصیل مختصراً یہاں پیش کی جارہی ہے، اقلیم دوم تو آپ کے پیش نظر ہے اس کی فہرس شروع میں دے دی گئی ہے جبکہ اقلیم سوم کی فہرس بھی آخر میں شامل کردی گئی ہے......

اس سے قبل پیش کی گئی اقلیم اوّل بھی پانچ کشور پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے...... تقدیم، ابتدائیہ اور افتتاحیہ کے بعد کشورِ اوّل میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، منقبت، احادیث مبارکہ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں متقدمین و متاخرین علماء وصوفیہ کے تأثرات اور مثنوی درشانِ حضرت مجدد شامل ہیں...... کشورِ دوم میں تصوف...... کشورِ سوم میں اکابر نقشبندیہ پر مقالات ہیں...... کشورِ چہارم میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی حیات اور تاثرات پر مقالات ہیں...... کشور پنجم میں سرہند شریف کا تعارف، حضرت مجدد کے حالات زندگی، آپ کے امتیازات، خانقاہ شریف کا

ماحول، آپ کا لباس وحلیہ شریف کے علاوہ آخر میں نگارخانہ (بعض مقالہ نگاروں کا مختصر تعارف) اور مرقعات بھی شامل ہیں......

دورانِ استفادہ اگر کہیں سہوِ قلم یا فروگزاشتِ کمپوزنگ نظر سے گزرے تو آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشن میں درست کرلیا جائے......امید ہے اقلیم اول کی طرح اقلیم دوم سے بھی قارئین کرام ظاہری و باطنی طور پر مستفیض ہونگے......

یہ مُرادوں کا چمن تا حشر پھلتا ہی رہے
آسیؔ دورِ مئے جواب چلتا ہے، چلتا ہی رہے
(آسیؔ)

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

۱۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
۵؍اکتوبر ۲۰۰۴ء

سبحان اللہ وبحمدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

تأثرات نواب صدیق حسن خان بھوپالی

☆☆

آپ کی قدر ومنزلت جاننے کے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر جانِ جاناں آپ ہی کے طریقے سے منسلک تھے۔ آپ کا طریقہ کتاب وسنت کی اتباع پر مبنی ہے، ظاہر وباطن ہر طرح سے کتاب وسنت کے مخالف کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، آپ کے مکتوبات منازلِ معرفت وقبول طے کرنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، طالبِ صادق اور سالک کسی بھی وقت ان کے مطالعہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

(نواب صدیق حسن خان، تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار' مطبوعہ بھوپال'
۱۲۹۸ھ، ص ۱۱۰۔۱۱۱)

نوٹ: نواب صدیق حسن خان بھوپالی حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر تائب ہوکر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوگئے تھے' جس کی اس تحریر سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ (مرتبین)

۲۲

تأثرات

ابوالحسن علی ندوی

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کا جن کی گیارھویں صدی (جس سے الف ثانی ہزارۂ دوم کا آغاز ہوتا ہے) کی اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام کی حفاظت وتقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام پایا جس کو حدیث کی سادہ ومعروف اصطلاح میں ''تجدید'' کہا گیا ہے اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ کام کیا تھا؟ روح وفکر اسلامی کی جلا وتازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سد باب اور استیصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت وہدایت پر از سر نو اعتقاد اعتماد بحال کرنا، ریاضت واشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدارسی کی کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو، ''ہمہ اوست'' اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو ومبالغہ اور اشاعت ومقبولیت کے نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا ہو رہا تھا اور اس کے متوازی ''وحدۃ الشہود'' کے مسلک ونظریہ کو مدلل ومرتب شکل میں پیش کرنا، بدعات (جنہوں نے ایک مستقل تشریح کی شکل اختیار کر لی تھی) کی کھلی ہوئی تردید ومخالفت اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدموں کے جمانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے اور ہندوستان میں ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش جس کے نتیجہ میں ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء وتلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت وترویج کتاب وسنت، ان کی تفہیم و

ترجمانی اور ان کے سلسلۂ درس و تدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ و تربیت باطنی، اصلاح عقائد و رسوم کے عظیم الشان کام، اور پھر آخر میں جہاد و سعیِ اعلاء کلمتہ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم و شجر اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا، بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم (بالخصوص علم حدیث) اور فکر و دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۵۔۱۸۶)

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

بلاشبہ یہ کہنا زیادہ غلط نہ ہوگا کہ دور اکبری سے لے کر دورِ عالمگیری تک حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جو نشیب و فراز آتے رہے وہ بڑی حد تک حضرت مجدد اور آپ کی تعلیمات ہی کی وجہ سے آئے: (ایس۔ ایم۔ اکرم: مسلم سویلائزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان)

"شرع کی ترویج، طریقہ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت اور طریقت کی تطبیق اور بدعت کی مخالفت کے علاوہ شیخ مجدد نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا عام احیاء تھا۔ اس زمانے میں جب ایک طرف اکبر کے "صلح کل" طریقہ نے اسلام کو اس کی حمایت و دین پناہی سے محروم کر دیا تھا جو اسلامی حکومت کی ابتدا سے اسے حاصل تھی اور دوسری طرف ہندو احیائیت نے مسلمانوں کے لئے طرح طرح کی مشکلات پیدا کر دی تھیں آپ نے شعائر اسلام کے احترام پر زور دیا۔ امراء و اراکین سلطنت کو اس کی تلقین کی۔ خود اپنی زندگی میں اسلامی نقطہ نظر کے احترام کی بڑی جرأت مندانہ مثال قائم کی۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اپنی جرأت اور احترام دین سے خلاف شرع احکام کی عملی مخالفت کی۔ آپ کی اس نیک مثال نے ان لوگوں کو جرأت دلائی جو دبے بیٹھے تھے، وہ دلیر ہو گئے۔ حکمران طبقے میں جو اسلام پسند گروہ تھا اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربار شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں ان کے ازالہ کا سامان ہوا اور شعائر اسلامی کا پھر سے خیال کیا جانے لگا۔ (ایس۔ ایم۔ اکرام: رود کوثر، ص ۲۸۔۲۸۸، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت، ص ۷۶، ۷۷)

تأثرات مولوی رشید احمد گنگوہی

☆☆

وہ جس کی مثال دنیائے اسلام میں کم یاب ہے، جس نے عین اس وقت اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچایا جب چاروں طرف سے طوفانی ہوائیں اس کے خلاف چل رہی تھیں، جس کی آواز سرہند سے اُٹھی اور پورے ملک ہند میں پھیلی اور پھیلتی ہوئی تمام ممالک اسلامیہ تک پہنچ گئی، جس کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ میں اور آپ آج مسلمان تو کہلواتے ہیں۔

(منقولہ از بیاض قلمی، علامہ محمد ہاشم جان سرہندی علیہ الرحمۃ، ۲۵/ مئی ۱۹۶۳ء، حیدرآباد، سندھ)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ اوّل

ہے لمعاتِ حدیث پاک سے قلب و نظر روشن
نثارِ عظمتِ فرقاں مجدد الف ثانی ہیں

(فدؔا)

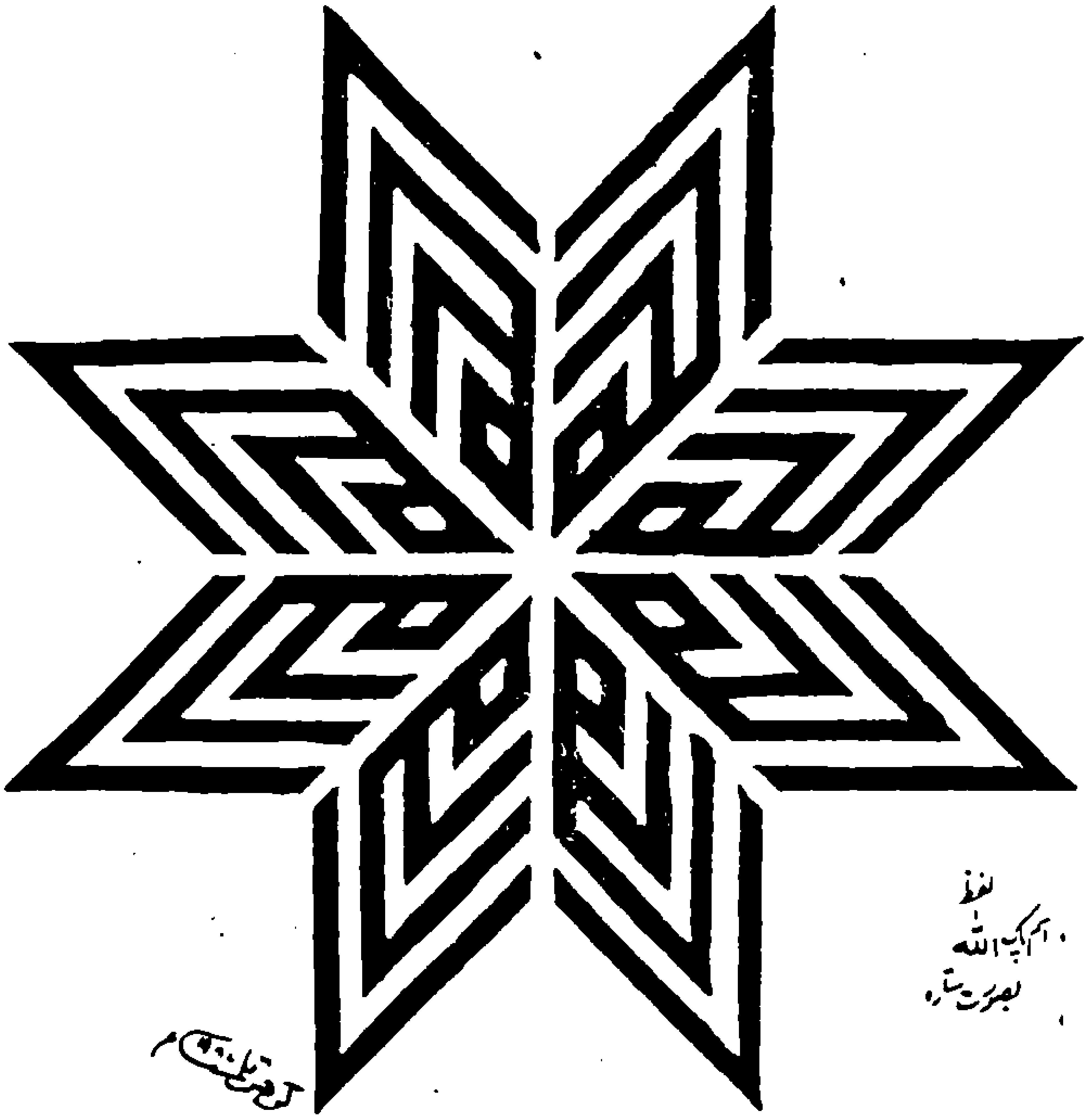
لفظ
اسم پاک الله
بصورت ستاره
کرم تابش ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

ماہ وسال

(سیرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ)

علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری

☆☆

۱......	حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی سرہند شریف میں پیدائش ۱۴ رشوال	۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء
۲......	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی علوم عقلیہ ونقلیہ میں سند فراغت	۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء
۳......	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی پہلی مرتبہ اکبر آباد (آگرہ) تشریف آوری	۹۹۳ھ/۱۵۸۳ء
۴......	رسالہ ”اثبات النبوۃ“ کی تصنیف	۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء
۵......	حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی شادی خانہ آبادی	۹۹۷ھ/۱۵۸۹ء
۶......	آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت	۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء
۷......	”کوائف مذہب شیعہ“ کے تاریخی نام سے روافض کا رد لکھا	۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء
۸......	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے دوسرے فرزند خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ کی ولادت	۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء
۹......	آپ کے والد محترم خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ کا وصال	۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء
۱۰......	آپ کے تیسرے فرزند اور جانشین خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی ولادت	۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء

۱۱......	پہلی مرتبہ دہلی حاضری اور حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے سرفرازی اور حصول کمالات عالیہ	؁۱۰۰۸ھ/؁۱۵۹۹ء
۱۲......	شاہ سکندر کیتھلی علیہ الرحمۃ نے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ (م ؁۵۶۱ھ/؁۱۱۶۴ء) کا خرقہ خلافت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تک پہنچایا	؁۱۰۰۸ھ/؁۱۵۹۹ء
۱۳......	حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں دوسری بار حاضری	؁۱۰۰۹ھ/؁۱۶۰۰ء
۱۴......	''رسالہ تہلیلیہ'' کی تصنیف	؁۱۰۱۰ھ/؁۱۶۰۱ء
۱۵......	آپ کے چوتھے فرزند خواجہ محمد فرخ علیہ الرحمۃ کی ولادت	؁۱۰۱۰ھ/؁۱۶۰۱ء
۱۶......	رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے دست خاص سے آپ کو خلعت قیومیت پہنائی	۱۹/ربیع الاول ؁۱۰۱۱ھ/؁۱۶۰۲ء
۱۷......	تیسری دفعہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضری	؁۱۰۱۲ھ/؁۱۶۰۳ء
۱۸......	حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کا وصال	۲۵/جمادی الآخر ؁۱۰۱۲ھ/؁۱۶۰۳ء
۱۹......	وصال مرشد کے وقت لاہور سے فوراً تعزیت کی غرض سے چوتھی دفعہ دہلی حاضری	؁۱۰۱۲ھ/؁۱۶۰۳ء
۲۰......	اپنے پیرو مرشد خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے عرس میں شمولیت کی غرض سے پانچویں مرتبہ دہلی حاضری	؁۱۰۱۳ھ/؁۱۶۰۴ء
۲۱......	''شرح رباعیات'' نامی رسالہ تحریر فرمایا	(غالباً) ؁۱۰۱۳ھ/؁۱۶۰۴ء

۲۲......	شیخ احمد برکی علیہ الرحمۃ کو خلافت سے سرفراز کر کے تبلیغ دین کے لیے ان کے وطن میں واپس بھیج دیا	۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء
۲۳......	مولانا صالح کولابی علیہ الرحمۃ کو خلافت دے کر طالقان میں تبلیغ دین کے لئے بھیجا	۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء
۲۴......	مولانا قاسم علی علیہ الرحمۃ کو خلافت دے کر ماوراء النہر میں تبلیغ دین کے لئے بھیجا	۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء
۲۵......	شیخ یوسف اور شیخ حسن رحمۃ اللہ علیہما کو خلافت سے سرفراز کیا	۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء
۲۶......	خراسان، بدخشاں اور توران کے ہزاروں افراد اور کتنے ہی علماء و مشائخ حاضر بارگاہ ہو کر آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہوئے	۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء
۲۷......	شیخ طاہر بدخشی علیہ الرحمۃ کو خلافت سے سرفراز کیا	۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء
۲۸......	رسالہ ''معارف لدنیہ'' تصنیف فرمایا	۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء
۲۹......	آپ کے پانچویں فرزند خواجہ محمد عیسیٰ علیہ الرحمۃ کی ولادت	۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء
۳۰......	خواجہ میر نعمان علیہ الرحمۃ کو خلافت سے سرفراز کر کے دکن میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا	۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء
۳۱......	خواجہ محمد اشرف کابلی اور شیخ میرک رحمۃ اللہ علیہما جیسے مشائخ کی آپ کے حلقۂ ارادت میں شمولیت	۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء
۳۲......	رسالہ ''مبداء و معاد'' کی تدوین	۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء
۳۳......	فرزند اکبر خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کو خلافت سے سرفراز فرمایا	۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء
۳۴......	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۶۷ھ/۱۶۴۷ء) جیسے نابغہ عصر عالم کی آپ کے ارادت مندوں میں شمولیت	۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء

۳۵…… شیخ حمید اللہ علیہ الرحمۃ کو خلافت سے نواز کر تبلیغ دین کے لئے بنگال بھیجا	سنہ ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء
۳۶…… بہت سے جِنّات کی اپنے بادشاہ سمیت آپ کے دست حق پرست پر بیعت	سنہ ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء
۳۷…… آپ کے ساتویں فرزند خواجہ محمد یحیٰی علیہ الرحمۃ کی ولادت	سنہ ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء
۳۸…… آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد عیسٰی علیہ الرحمۃ کا مرض طاعون سے وصال	۷/ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء
۳۹…… ان سے چند گھنٹے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد فرخ علیہ الرحمۃ کا اسی مرض سے وصال	سنہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء
۴۰…… اسی مرض سے آپ کی صاحبزادی حضرت اُم کلثوم کا وصال	سنہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء
۴۱…… اسی مرض سے آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کا وصال	سنہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء
۴۲…… مولانا یار محمد جدید بدخشی علیہ الرحمۃ نے ''مکتوبات امام ربانی'' کا دفتر اول مرتب کیا۔ جس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں	سنہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء
۴۳…… مولانا محمد قاسم علیہ الرحمۃ کو ستر آدمی دے کر ترکستان میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا	سنہ ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء
۴۴…… مولانا فرخ حسین علیہ الرحمۃ کو چالیس آدمی دے کر عرب، یمن، شام اور روم میں تبلیغ دین کیلئے بھیجا	سنہ ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء
۴۵…… مولانا محمد صادق کابلی علیہ الرحمۃ کو دس آدمیوں کا نگران بنا کر کاشغر بھیجا	سنہ ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء

۴۶...... شیخ احمد برکی علیہ الرحمۃ کو تیس خلفاء سمیت تبلیغ دین کے لئے توران، بدخشاں اور خراسان بھیجا	۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء
۴۷...... شیخ بدیع الدین علیہ الرحمۃ کو شاہی لشکر میں تبلیغ دین پر مامور فرمایا	۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء
۴۸...... مولانا عبدالحی حصاری علیہ الرحمۃ نے ''مکتوبات امام ربانی'' کے دوسرے دفتر کو ''نور الخلائق'' کے تاریخی نام سے مرتب کیا۔ اس دفتر میں ۹۹ مکتوبات ہیں	۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء
۴۹...... سرمایہ ملت کے اس نگہبان کو گوالیار قلعے میں محبوس کر دیا گیا	۱۰۲۸ھ/۱۶۱۸ء
۵۰...... تقریباً ایک سال بعد آپ کو رہا کر کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا	۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء
۵۱...... خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے ''مکتوبات امام ربانی'' کے تیسرے دفتر کو ''معرفۃ الحقائق'' کے تاریخی نام سے مرتب کیا	۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء
۵۲...... وصال سے تقریباً ایک سال پہلے لشکر شاہی سے دولت کدے پر واپسی	۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء
۵۳...... سرمایہ ملت کے اس عدیم المثال نگہبان کا وصال پر ملال	۲۸/صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء

☆......☆......☆

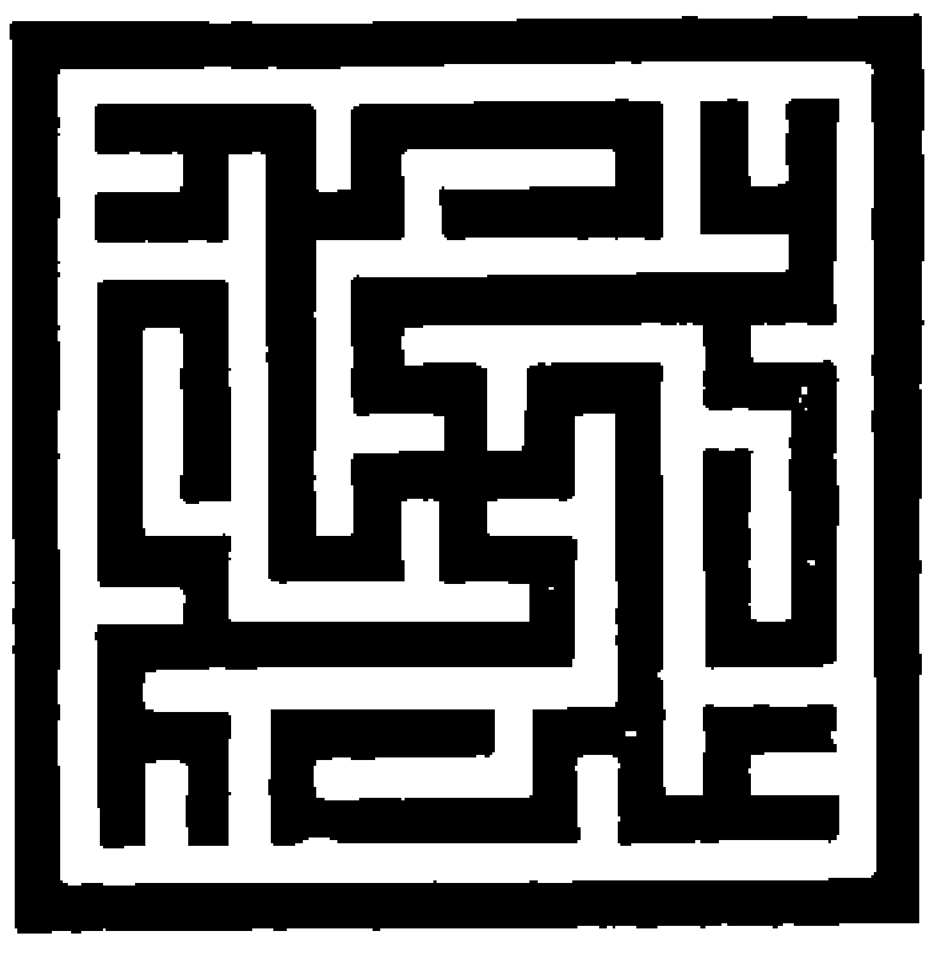
علی چار دفعہ مربع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تخریجِ احادیث

مکتوباتِ مجددالف ثانی جلدسوم

پروفیسر ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی

☆☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی نے پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کی نگرانی میں مندرجہ بالا عنوان پر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور (پاکستان) سے ۱۹۹۴ء میں ڈاکٹریٹ کیا تھا۔ یہ غیر مطبوعہ مقالہ دس ابواب پر مشتمل ہے۔ ہماری درخواست پر فاضل مقالہ نگار نے ساتواں باب (ص۸۰۳تا۹۴۵) ''جہانِ امام ربانی'' میں اشاعت کے لیے عنایت فرمایا...... اس باب میں دو فصلیں ہیں: پہلی فصل میں مکتوباتِ امام ربانی کی جلد سوم کی ۱۰۵ احادیث شریفہ کے عربی متون کی تخریج کی گئی ہے اور دوسری فصل میں ۲۱ احادیث شریفہ کے فارسی متون کی تخریج کی گئی ہے۔ جس میں سے ہم پہلی فصل پیش کر رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ فاضل محقق نے اپنے مقالے کی تدوین میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ ہم ان کے بصمیمِ قلب ممنون ہیں کہ انہوں نے مخلصانہ تعاون فرماتے ہوئے یہ کرم خاص فرمایا۔ (مرتبین)

فصلِ اول

(۱) ''تفکّر سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ أَوْسَبْعِیْنَ سَنَةً'' (دفتر سوم مکتوب۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے علامہ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''نزھة المجالس'' میں مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

قال المقداد ابن الأسود دخلت علیٰ أبی هريرة رضی الله عنه فسمعته يقول قال النّبی صلی الله عليه وسلم: تفكر ساعةٍ خيرٌ من عبادة سنةٍ. • وكان إذ ذاک متفكرًا، ثم دخلت علیٰ ابن عباس رضی الله عنه فسمعته يقول قال النبی صلی الله عليه وسلم: تفكر ساعةٍ خيرٌ من سبع سنين. ثم دخلت علی أبی بكر رضی الله عنه فسمعتهٗ يقول قال النبی صلی الله عليه وسلم: تفكر ساعة خير'' من عبادة سبعين سنة [1]

جبکہ امام ابواللیث سمرقندی: ''تنبيه الغافلين'' 'أبوالنجیب سہروردی علیہ الرحمۃ: ''آداب المريدين'' اور امام اَبوشکور سالمی علیہ الرحمۃ نے ''تمهيد'' میں مرفوعاً بلفظ اول، (تفكر ساعةٍ خيرٌ من عبادة سنة) ذکر کیا[2]۔ امام ابوطالب مکّی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قوت القلوب'' میں بلفظ اول نقل کیا اور اسے خبر قرار دیا[3]۔

جبکہ علامہ رومی علیہ الرحمۃ نے ''مجالس الابرار'' میں بلفظ ثانی ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

جآء نی فی الخبر: تفكر ساعةٍ خيرٌ من عبادة سبعين سنة[4]

مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ نے ''شرح الشمائل'' میں فرمایا:

فی بعض الأخبار: تفكر ساعةٍ خيرٌ من عبادة سنةٍ وفی رواية: من عبادة ستّين سنةً[5]

لیکن اپنی کتاب ''المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع'' میں بلفظ اول: (تكفو ساعةٍ خير من عبادة سنةٍ) ذکر کیا اور فرمایا: ''ليس بحديث، إنّما هو كلام السّرى السقطی'' [6] لیکن امام مناوی نے ''كنوز الحقائق'' میں بلفظ ثانی (تفكر ساعةٍ خيرٌ من عبادة سبعين سنةً) ذکر کیا اور تصریح کی کہ اسے امام ابومنصور دیلمی علیہ الرحمۃ نے ''مسند الفردوس'' میں روایت کیا ہے[7] پھر امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ کے حوالے سے بلفظ (فكرة ساعةٍ خيرٌ من عبادة سبعين سنة) ذکر کیا[8] مگر راقم کو یہ حدیث سنن اَبی داوَد میں نہیں ملی۔ البتہ امام ابوالشجاع دیلمی علیہ الرحمۃ نے ''فردوس الأخبار'' میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (فكرة ساعة خيرٌ من عبادة ستين سنة) روایت کیا[9]۔

اور امام ابوالشیخ اصبہانی علیہ الرحمۃ نے ”کتٰب العظمۃ“ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً (بلفظ ابی الشجاع دیلمی) روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **حدثنا عبداللہ بن محمدبن زکریا حدثنا عثمان بن عبداللہ القرشی حدثنا اسحٰق بن نجیح الملطی حدثنا عطاء الخراسانی عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فکرۃ ساعۃ خیرٌ من عبادۃ ستین سنۃً**[10]

امام ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے اسے (بطریق ابوالشیخ اصبہانی علیہ الرحمۃ) اپنی کتاب ”الموضوعات“ میں نقل کیا اور فرمایا:

> **”عثمان و شیخہٗ کذّابان فأحدھما وضعہٗ“**[11]

راقم الحروف (مطالی) کہتا ہے کہ ”علامہ عراقی علیہ الرحمۃ نے ”تخریج احیاء“ میں اس حدیث کی تضعیف پر اکتفاء کیا[12]۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت ابوالشیخ کو صرف ضعیف کہا[13] علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے اسے فضائل میں قبول کیا[14] امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے ”الزھد“ میں بحیثیت قول حسن رحمۃ اللہ علیہ[15] اور قول ابوالدرداء رضی اللہ عنہ[16] جبکہ ابوالشیخ علیہ الرحمۃ نے ”کتاب العظمۃ“ میں بحیثیت قول ابن عباس رضی اللہ عنہما (تفکر ساعۃٍ خیرٌ من قیام لیلۃ) ذکر کیا[17] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”احیاء علوم الدین“ میں فرمایا:

”فقد وردت السنۃ بأنّ ”تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ“[18] اور علامہ عراقی نے اس ن تخریج میں فرمایا:

> **أخرجہ ابن حیان فی کتاب العظمۃ من حدیث أبی ہریرہ بلفظ ستین سنۃ باسنادٍ ومن طریقہ ابن الجوزی فی الموضوعات ورواہ أبو منصور الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث انس رضی اللہ عنہ بلفظ، ثمانین، سنۃً واسنادہ ضعیف جدًّا**

وروا ہ أبـو الشيخ من قول ابن عباس بلفظ: خيرٌ من قيام الليلة''

''وعن الحسن قال: تكفر ساعةٍ خيرٌ من قيام ليلة''[19]

پھر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابن جوزی کا تعاقب بھی کیا۔ چنانچہ اپنی کتب ''اللآلی المصنوعه'' میں فرمایا:

> (قلتُ) اقتصر العراقی فی تخريج أحاديث الاحياء علىٰ تضعيفه ولهٔ شاهدٌ قال الديلمی أنبأنا أحمد بن نصر أنبأنا طاهر بن ملة حد ثنا صالح بن أحمد حد ثنا علی بن ابراهيم القزوينی حد ثنا ابراهيم بن إسحٰق النيسابوری حد ثنا محمدبن جعفر الود كانی حد ثنا سعيد بن ميسرة سمعت انس بن مالک يقول تفكر ساعة فی اختلاف الليل والنهار خيرٌ من عبادة ألف سنة وقال أبو الشيخ فی العظمة حد ثنا محمد بن يحيٰی المروزی حد ثنا إسحٰق بن المنذر و حدثنا يحيٰی بن المتوكل أبو عقيل عن عمرو بن قيس الملائی قال بلغنی أنّ تفكر ساعة خيرٌ من عملِ دهرٍ من الدهر والله أعلم[20]

اور ''التعقبات على الموضوعات'' میں فرمایا:

> (قلتُ) : ولهٔ شاهد ''أخرج الديلمی عن انس رضی الله عنه مرفوعاً تفكر ساعة خيرٌ من عبادة ثمانين سنةٍ وأخرج الديلمی وأبوالفضل ابن صالح فی التبصره عن انس رضی الله عنه تفكر ساعةٍ خيرٌ من قيام ليلة وأخرجه بهذا اللفظ أبو الشيخ بن حيان فی العظمة من حديث ابن عباس وأحمد فی الزّهد عن أبی الدّرداء موقوفاً[21]

(یہ حدیث ضعیف ہے)

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبارک ''مِلاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ'' (دفتر سوم، مکتوب ۹)

اسے شیخ شہاب الدین سہروردی نے ''عوارف المعارف'' [۲۲] اور علامہ طوسی نے ''کتٰب اللمع'' میں مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا [۲۳] مگر اسناد وراوی کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ امام ابن اَبی شیبہ نے ''مصنف'' میں روایت کیا کہ:

> حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن عمرو بن قيس الملائي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فضل العلم خيرٌ من فضل العبادة وملاك دينكم الورع [۲۴]

اور امام وکیع علیہ الرحمۃ نے اسے ''کتٰب الزھد'' میں (بلفظہٖ واسنادِ مذکورہ) روایت کیا [۲۵]۔ اس سند میں سفیان سے مراد حضرت سفیان بن سعید ثوری رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ ثقہ راوی اور امامِ علوم حدیث ہیں۔ آپ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں انتقال کر گئے [۲۶] اور عمرو بن قیس الملائی، ابوعبداللہ کوفی ۱۴۳ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیانی عرصہ میں فوت ہوئے۔ ''کتٰب الزھد'' کے شارح عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

> عمرو بن قيس الملائي بضم الميم و تخفيف الام المد، أبو عبدالله الكوفي ثقة متقن عابد من السادسة. مات سنة بضع وأربعين وأخرج له البخاري في الأدب المفرد و مسلم والاربعة [۲۷]

امام ذہبی علیہ الرحمۃ ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں:

> عمرو بن قيس الملائي الكوفي صاحب عكرمه وأقرانه صدوق [۲۸]

یوں سند مذکورہ بالا حضرت سفیان اور عمرو بن قیس کے درمیان سقوط راوی کی وجہ سے منقطع ہے۔ البتہ ''کتاب الزھد'' کے شارح عبدالرحمٰن نے اسے معضل تک کہہ دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> رجاله ثقاتٌ واسناده منقطع بل معضل [۲۹]

علامہ اَبو الشجاع دیلمی علیہ الرحمۃ نے: ''فردوس الأخبار'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بلفظ: (فضل العلم خيرٌ من فضل العبادة و خير دينكم الورع) روایت کیا [۳۰]۔

علامہ ہیثمی علیہ الرحمۃ نے "مجمع الزوائد" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ دیلمی علیہ الرحمۃ ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

> **رواه الطبرانی فی الاوسط والبزّار وفیه عبدالله بن عبدالقدوس وثقهٔ البخاری وابن حبان وضعّفهٔ ابن معین**[۳۱]

علامہ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں بلفظ (**فضل العلم احبّ الیّ من فضل العبادة و خیر دینکم الورع**) ذکر کیا اور فرمایا کہ: "اسے حاکم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اور بزار علیہ الرحمۃ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا اور یہ حدیث صحیح ہے" [۳۲] امام حاکم علیہ الرحمۃ "مستدرک" میں لکھتے ہیں:

> **حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا الحسن بن علی بن عفان العامری ثنا خالد بن مخلد القطوانی ثنا حمزة بن حبیب الزیات عن الأعمش عن الحکم عن مصعب بن سعد بن أبی وقاص عن أبیه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: فضل العلم أحبّ الیّ من فضل العبادة و خیر دینکم الورع**[۳۳]

امام بزار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **حدثنا عباد بن یعقوب ثنا عبدالله بن عبدالقدوس عن الأعمش عن مطرّف عن حذیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، فضل العلم أحبّ الیّ من فضل العبادة و خیر دینکم الورع، (قال البزار) لا نعلمه مرفوعاً الاعن حذیفة من هذا الوجه**[۳۴]

علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ نے "جامع بیان العلم" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> **أخبرنا خلف بن سعید قال اخبرنا عبدالله بن محمد قال حدثنا احمدبن خالد و حدثنا خلف بن قاسم قال حدثنا علی بن عبدالعزیز قال نا معلی بن مهدی قال أخبرنا سوار**

بن مصعب عن ليث عن طاؤس عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فضل العلم أفضل من العبادة و ملاک الدين الورع[۳۵]

اور علامہ قضاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو "مسند الشہاب" میں روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو محمد عبدالرحمٰن بن عمر التجيبى ثنا أحمد بن ابرٰهيم بن جامع ثنا على بن عبدالعزيز ثنا معلّى مهدى ثنا السوار بن مصعب عن ليث عن طاوس عن ابن عباس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فضل العلم افضل من العبادة و ملاک الدين الورع[۳۶]

لیکن ان اسناد میں مذکور راوی مصعب بن سوار کے بارے میں علامہ ہیثمی علیہ الرحمۃ نے "مجمع الزوائد" میں فرمایا کہ "ضعيف جدًا"[۳۷] علامہ ابن اثیر جزری نے اسے "النهايه فى غريب الحديث والأثر" میں بلفظ (ملاک الدين الورع) ذکر کیا لیکن اسناد بیان نہیں کیں[۳۸] اور امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے "شعب الايمان" میں فرمایا:

حد ثنا أبو الحسن محمد بن الحسين العلوى املاءً أنا أبو بكر محمد بن على بن أيوب سلموية ثنا محمد بن يزيد السلمى ثنا حفص بن عبدالرحمن ثنا محمد بن عبدالملک عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضى الله عنها إنها قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: انّ الله عزّو جلّ أوحىٰ إلىّ أنّه من سلک مسلكاًفى طلب العلم سهلت لهٗ طريق الجنة ومن سلبت كريمتهٗ اثبيته عليها الجنّة وقصد فى علمٍ خير" من فضل فى عبادةٍ و ملاک الدين الورع[۳۹]

(پس حدیث بلفظ مجدد علیہ الرحمۃ حسن ہے)

(۳) وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام فی موضع اٰخر: ”لا تَعدِل بِالرِّعَۃِ شیئاً“ (دفتر سوم، مکتوب ۹)

اس حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے ”جامع“ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> حدثنا زید بن اخزم الطائی البصری نا ابرٰهیم بن أبی الوزیر نا عبداللہ بن جعفر النمری عن محمد بن عبدالرحمٰن بن بنیه عن محمدبن المنکدرعن جابر قال: ذکر رجل عند النبی صلی اللہ علیه وسلم بعبادة واجتهادٍ وذکر اٰخر بالرّعة، فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم: لا تعدل بالرّعة[۴۰]

اور بعدازاں فرمایا:

> هٰذا حدیثٌ غریبٌ لا نعرفه الامن هٰذا الوجه“[۴۱]

علامہ خطیب تبریزی علیہ الرحمۃ نے: ”مشکوٰۃ المصابیح“ میں بلفظ: (لا تعدل بالرعة) ذکر کیا اور فرمایا: رواہ الترمذی[۴۲] اور علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ”الجامع الصغیر“ میں اسے برمز حسن ذکر کیا[۴۳]۔

(۴) وردفی الحدیث القدسی: ”عاد نفسک فانها انتصبت بمعاداتی“ (دفتر سوم مکتوب ۹)

یہ کلمات ”قدسیات داؤدیہ میں سے ہیں۔ مفتی محمد سعید۔ ”تشیید المبانی“ میں لکھتے ہیں:

> قال الشیخ جلال الدین الخجندی فی شرح قصیده لبردةتحت قوله: (واصرف هواها وحاذ روان تولیه) ورد فی القدسیات الداؤدیة: یاداود: عادنفسک فانها انتصبت بمعاداتی[۴۴]

راقم الحروف کہتا ہے کہ علامہ آمدی علیہ الرحمۃ نے: ”الاحکام“ میں مرفوعاً ذکر کیا، چنانچہ فرمایا:

> قال علیه السلام حکایة عن ربّه: عاد نفسک فانها انتصبت لمعاداتی[۴۵]

البتہ دیگر صوفیہ اور محدثین نے اس معنی کی احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے "کشف المحجوب" میں فرمایا:

در آثار موروست کہ خدای عزوجل بداؤد علیہ السلام وحی فرستاد، گفت:

یاداؤد عاد نفسک فان ودّی بعد اوتها[۴۶]

علامہ بایزید انصاری "مقصود المؤمنین" میں لکھتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: یاداؤد اقرب الی بعداوۃ نفسک[۴۷]

امام غزالی علیہ الرحمۃ "احیاء علوم الدین" میں رقم طراز ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: 'یاداؤد تجنّب إلیّ بمعاداۃ نفسک امنعها الشّهوات[۴۸]

امام ابن رجب حنبلی علیہ الرحمۃ نے "جامع العلوم و الحکم" میں فرمایا:

یروی من حدیث سعد بن سنان عن انس رضی اللہ عنه عن النّبی صلی اللہ علیه وسلم قال: لیس عدوک الذی اذاقتلتک أدخلک الجنّة و .إذا قتلته کان نوراً وَ لک انما اعدی عدوک نفسک التی بین جنبک[۴۹]

امام ابو منصور دیلمی علیہ الرحمۃ نے "مسند الفردوس" میں حضرت أبو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (أعدی عدوک زوجتک التی تضاجعک وماملکت یمینک) روایت کیا اور یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے کہا"[۵۰]

(۵) "ألمرء مع من أحبّ" (دفتر سوم، مکتوب ۱۱)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ متفق علیہ ہے۔ اسے امام بخاری و مسلم "صحیحین" "امام ترمذی"، "جامع" اور احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے "مسند" میں مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں:

حد ثنا بشر بن خالد قال حد ثنا محمد بن جعفر عن شعب عن سلمٰن عن أبی وائل عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیه

وسلم اِنَّهٗ قال: ألمرء مع من احبّ[۵۱]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عثمان بن أبی شیبة و اسحٰق بن ابرٰهیم قال اسحٰق أنا وقال عثمان ناجریر عن الاعمش عن أبی وائل عن عبدالله قال جآء رجلٌ إلٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله صلی الله علیک وسلم کیف تریٰ فی رجلٍ أحبّ قوماً ولما یلحق بهم، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: المرء مع من أحب[۵۲]

امام ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حدثنا محمود بن غیلان نا یحیٰی بن اٰدم ناسفیان عن عاصم عن زر بن حُبیش عن صفوان بن عسال فقال جآء اعرابی جهواری الصوت فقال، یا محمد! الرجل یحب القوم ولمّا یلحق هو بهم، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألمرء مع من أحب[۵۳]

اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

ثنا عبدالرحمن ثنا سفیان عن الأعمش عن أبی وائل عن أبی موسٰی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "المرء مع من أحب"[۵۴]

(۶) "کان الله ولم یکن معهٗ شیء" (دفتر سوم مکتوب ۱۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح حدیث ذکر کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ، اسے خواجہ سید گیسو دراز علیہ الرحمۃ نے "جواهر العشاق" میں بلفظہٖ مگر بلا تصریح حدیث یا قول ذکر کیا[۵۵] لیکن علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فتاویٰ میں مرفوعاً بعینہٖ ذکر کیا[۵۶]۔ اور علامہ دیّار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں فرمایا: "فی الحدیث الصحیح: کان الله

ولـم يـكن معهٗ شیء"[۵۷] امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "صحیح" میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (كـان الله ولـم يـكـن شـیءٌ قبـلهٗ وكان عرشهٗ على المآء الخ) روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

حـد ثـنـا عبـدان عـن أبـی حمزة عن الأعمش عن جامع بن
شدّاد عـن صـفوان بن محرزعن عمران بن حصين قال انی
عـنـد الـنبـی صـلـی الله عليه وسلم إذجآء قومٌ من بنی تميم
فـقـال اقبـلوا البشـرٰی يـا بـنـی تميم قالو ا أبشرتنا فاعطنا
فـدخل ناسٌ من اهل اليمن فقال اقبلوا البشرٰی يا اهل يمن
اذلـم يـقبلها بنو تميم قالوا قد قبلنا جئناک لنتفقه فی الدين
ولـنسـالک عـن اول هـذا الأمر ما كان. قال: كان الله ولم
يـكـن شـیءٌ قبله وكان عرشه على المآء ثم خلق السمٰوٰت
والأرض الخ[۵۸]

پھر آپ نے ایک دوسرے طریق (حـد ثنا عمر بن حفص بن غياث ثنا أبی ثنا الأعمش الخ) سے مرفوعاً بلفظ، (كـان الله ولـم يـكـن شیء" غيره) روایت کیا[۵۹] اور حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے "فتح الباری" میں فرمایا: "وفی رواية غير البخاری: ولم يكن شیء معه"[۶۰]

(یہ حدیث صحیح ہے)

(۷) پیغمبر فرمودہ است علیہ وعلٰی الہ الصلوٰۃ والتسلیمات: "شفاعتی لاهل الكبائر من امتی"

(دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

اس حدیث مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے اپنی "مسـنـد" میں اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "التـاريـخ الكبير" اَبوداوَد نے "سنن" قضاعی "مسـنـد الشهاب" اور ابو نعیم نے "حـلية الأولـيـاء" اور بزار علیھم الرحمۃ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ جبکہ امام ترمذی نے حضرت انس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے' البتہ امام بیہقی اور دیلمی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

حدثنا سلیمان بن حرب نا بسطام بن حریث عن الأشعث الحرانی عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''شفاعتی لأھل الکبائر من امتی''[61]

امام البخاری نے ''التاریخ الکبیر''[62] اور امام أبوداؤد نے ''سنن'' میں انہیں مذکورہ بالا اسناد کے ساتھ بلفظہ روایت کیا[63] امام قضاعی ''مسند'' میں (تین واسطوں سے بطریق سلیمان بن حرب روایت کرتے ہوئے) لکھتے ہیں:

أخبرنا عبدالرحمٰن بن عمر الشاھد ثنا اسمٰعیل بن یعقوب البغدادی ثنا اسمٰعیل بن اسحٰق القاضی ثنا سلیمان بن حرب ثنا بسطام بن حریث الصوفی عن اشعث الحرانی عن انس بن ملٰک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: شفاعتی لأھل الکبائر من امتی[64]

امام ابونعیم رقم طراز ہیں:

حدثنا محمد بن حمید ثنا احمدبن محمدبن سعید ثنامحمد بن عبداللہ بن عبادالحضرمی ثنا ابن أبی بسرۃ ثنا خلاد بن یحیٰی ثنا مسعرعن قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''شفاعتی لاھل الکبائر من امتی''[65]

امام بزار فرماتے ہیں:

حدثنا عمرو بن علی ثنا أبو داؤد ثنا الجراح بن عثمان عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''شفاعتی لاھل الکبائر من امتی''[66]

اور بعدازاں فرمایا:

لا نعلم من رواہ عن ثابت إلا الجراح[67]

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے "ثابت" سے "جراح" کے علاوہ "معمر" نے بھی روایت کیا چنانچہ امام ترمذی "جامع" میں لکھتے ہیں:

> حدثنا العباس العنبری ناعبدالرزاق عن معمر بن ثابت عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: شفاعتی لأهل الکبائر من امتی: (قال الترمذی) هذا حدیث حسنٌ صحیحٌ غریبٌ من هٰذا الوجه"[۶۸]

امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی روایت کی، چنانچہ فرمایا:

> حدثنا محمد بن بشارنا أبوداؤد الطیالسی عن محمدبن ثابت البنانی عن جعفر بن محمدعن أبیهٖ عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: شفاعتی لأهل الکبائر من امتی، قال محمدبن علی فقال لی جابر، یا محمد: من لم یکن من اهل الکبائر فماله وللشفاعة (قال الترمذی) هٰذا حدیث غریبٌ من هٰذا الوجه"[۶۹]

امام بیہقی علیہ الرحمۃ "شعب الإیمان" میں لکھتے ہیں:

> "حدثنا أبو الحسن العلوی أخبرنا أبو حامد بن الشرقی حدثنا احمد بن یوسف السّلمی حدثنا أبو حفص عمرو بن أبی سلمة حدثنا زهیر بن محمد عن جعفر بن محمدعن أبیه عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: شفاعتی لأهل الکبائر من امتی"[۷۰]

اور بعدازاں فرمایا:

> وکذالک رواه الولید بن مسلم عن زهیر بن محمدوزاد، أنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم تلا قوله تعالیٰ: ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ، فقال: "إنّ شفاعتی لأهل الکبائر من أُمّتی"[۷۱]

امام ”**ابو شجاع دیلمی**“ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا[۷۲] (یہ حدیث صحیح ہے)

(۸) قال رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہٖ الذی مات فیہ: ” **أنّہ لیس من الناس أحد أمن علیّ فی نفسہٖ ومالہٖ من أبی بکر بن أبی قحافۃ ولو کنت متخذاً من الناس خلیلاً لا تّخذت أبابکر خلیلاً ولکنّ خلۃ الاسلام افضل، سدّ واعنی کل خوخۃ فی ھذا المسجد غیر خوخۃ أبی بکر** “ (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بخاری نے ”صـحیح“ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

حد ثنا عبداللہ بن محمدن الجعفی قال ناو ھب ابن جریر قال نا أبی قال سمعت یعلیٰ بن حکیم عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہٖ الذی مات فیہٖ عاصباً رأسہٗ بخرقۃ فقعد علی المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال: انّہ لیس من الناس احداً من علی فی نفسہٖ ومالہٖ من أبی بکر بن أبی قحافۃ رضی اللہ عنہ ولو کنت متخذاًمن الناس خلیلاً لا تخذت أبابکرٍ خلیلاً ولٰکن خلۃ الاسلام افضل سدّواعنی کل خوخۃٍ فی ھذاالمسجد غیر خوخۃ أبی بکر“ [۷۳]

امام أبو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسند“ میں بطریق (حد ثنا زھیر حد ثنا وھب بن جریر حد ثنا أبی سمعت یعلیٰ بن حکیم الخ) مرفوعاً روایت کیا[۷۴] اور ابن سعد نے ”طبقات“ میں بطریق (أخبرنا اسحٰق بن عیسٰی أخبرنا جریر بن حازم عن یعلیٰ بن حکیم عن عکرمۃ عن ابن عباس

رضی اللہ عنہ) مرفوعاً روایت کیا۔ [۴۵] امام ابن حجرمکی
علیہ الرحمۃ نے "الصواعق المحرقہ" میں بلفظہٖ ذکر کیا
اور فرمایا کہ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ [۴۶]
(یہ حدیث صحیح ہے)

(۹) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام: انّ اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال أبوبکر صدقت وواسانی بنفسہٖ ومالہٖ فھل انتم تارکون لی صاحبی" (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "صحیح" میں حضرت أبودرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

حدثنا ھشام بن عمار ثنا صدقۃ بن خالد ثنا زید بن واقد عن بسر بن عبید اللہ عن عائذ اللہ ابی ادریس عن ابی الدرداء قال کنت جالساً عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اذاقبل ابوبکر اٰخذً ابطرف ثوبہٖ حتیٰ ابدی عن رکبتیہٖ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما صاحبکم فقد عامر فسلّم فقال انی کان بینی و بین ابن الخطاب شیٌ فاسرعت الیہ ثم ندمت فسألتہ أن یغفرلی فأبیٰ علّی ذالک فأقبلت الیک فقال یغفراللہ ولک یا أبابکر ثلثاًقالو الا فأتیٰ النبیَ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتمعر حتیٰ اشفق أبوبکر فجثا علیٰ رکبتیہٖ فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم واللہ أنا کنت أظلم مرّتین فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انّ اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال أبوبکر صدقت وواسافی بنفسہٖ ومالہٖ فھل انتم تارکون لی صاحبی، مرتین فما اوذی بعدھا" [۴۷]
(یہ حدیث صحیح ہے)

علامہ ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ" میں (بلفظ مجدد) ذکر کیا اور فرمایا: "اخرج البخاری عن أبی الدرداء"[۷۸]

(۱۰) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام: "لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر بن الخطاب"

(دفتر سوم مکتوب ۱۷)

اسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "مستدرک" میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **أخبرنی عبداللہ بن محمد بن اسحٰق الخزاعی بمکّة ثنا أبو یحییٰ ابن أبی میسرہ ثنا عبداللہ بن یزید المقری ثنا حیوٰة بن شریح عن بکر بن عمرو عن مشرع بن هامان عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر بن الخطاب**[۷۹]

اور بعدازاں فرمایا:

> **هذا حدیث صحیح الأسناد ولم یخرجاه**[۸۰]

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اسے "جامع" میں روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **حدثنا سلمة بن شبیب نا المقری عن حیوٰة بن شریح عن بکر بن عمرو عن مشرح بن هامان عن عقبة بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو کان نبیٌّ بعدی لکان عمر بن الخطاب**[۸۱]

اور بعدازاں فرمایا:

> **هٰذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ لا نعرفه الا من حدیث مشرح ابن هامان**[۸۲]

جامع ترمذی کے بعض نسخوں میں یہ حدیث بلفظ مجدد (لو کان بعد نبیٌّ " لکان عمر بن الخطاب) مذکور ہے"[۸۳]

اورعلامہ خطیب تبریزی نے "مشکوۃ المصابیح" میں بلفظہٖ (لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب) ذکر کیا اور فرمایا: "رواہ الترمذی"[۸۴] امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے "مسند" میں باضافہ "من" روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> حدثنا أبو عبدالرحمن ثنا حيوٰة ثنا بكر بن عمرو أنّ مشرح ابن هامان أخبرهُ انّهُ سمع عقبة بن عامر يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لو كان من بعدى نبىّ لكان عمر بن الخطاب[۸۵]

امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں فرمایا:

> حد ثنا هارون بن ملول المصرى ثنا أبو عبدالرحمن المقرئ ثنا حيوٰة بن شريح عن بكربن عمر و عن مشرح بن هامان عن عقبة بن عامر أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو كان بعدى نبىٌ لكان عمر رضى الله عنه[۸۶]
>
> (یہ حدیث صحیح ہے)

(۱۱) علیہ الصلوٰۃ والسّلام کہ فرمودہ: "من أحبّهم فبحبّى أحبّهم" (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے کہ جسے امام ترمذی علیہ الرحمۃ "جامع" ابن حبان "صحیح" اور ابونعیم نے "حلیة الأولیاء" میں حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں:

> حد ثنا محمد بن يحيٰى نا يعقوب بن ابرٰهيم بن سعد نا عبيدة بن أبى رائطه عن عبدالرحمٰن بن زياد عن عبدالله بن مغفل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألله ألله فى أصحابى لا تتخذوهم غرضاً بعدى فمن أحبّهم فبحبّى أحبّهم ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم ومن آذاهم فقد آذانى ومن اٰذٰنى فقد اٰذى الله ومن اٰذى الله يوشك أن يأخذهُ [۸۷]

اور بعدازاں فرمایا:

> هذا حديث حسن غريبٌ لا نعرفه الاّمن هذا الوجه[۸۸]

علامہ خطیب تبریزی نے "مشكوٰة المصابيح" میں بلفظہٖ ذکر کیا اور فرمایا کہ: اسے امام ترمذی سے روایت کیا ہے[۸۹] اور امام جلال الدین سیوطی نے "الجامع الصغير" میں ترمذی کے حوالہ سے ذکر کیا اور اسے حدیث حسن قرار دیا[۹۰] امام ابن حبان روایت کرتے ہیں کہ:

> أخبرنا أبويعلى حدثنا زكريا بن يحيٰى زحموية حد ثنا زكريا بن سعد حدثني عبيدة بن أبى رائطه عن عبدالله بن عبدالرحمٰن عن ابن المغفل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الله أللّه فى أصحابى لا تتخذوهم غرضاً، من أحبّهم فبحبّى أحبّهم ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم ومن اٰذاهم فقد اٰذنى ومن اٰذنى فقد اٰذى الله ومن اٰذى الله يوشک أن يأخذه"[۹۱]

امام اَبونعیم: "حلية الاولياء" میں لکھتے ہیں:

> حد ثنا سليمان بن أحمد ثنا محمد بن عبدالله بن رزين الحلبى ثنا عبيد بن حنا د الحلبى ثنا عبدالعزيز العمرى العابد حد ثنى ابرٰهيم بن سعد حد ثنى عبيد بن أبى رائطه عن عبدالله بن عبدالرحمٰن عن عبدالله بن' مغفل المزنى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألله الله فى أصحابى لا تتخذوهم غرضاً من بعدى فمن احبّهم فبّحبى أحبّهم ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم و من اٰذٰهم فقد اٰذٰنى ومن اٰذٰنى فقد اٰذى الله ومن اٰذى الله يوشک أن يأخذه[۹۲]

امام بغوی نے اس روایت ابن مغفل کو "شرح السنه" میں بیان کیا' البتہ الفاظ "ألله الله فى أصحابى" دو (۲) بار ذکر کیے[۹۳] (یہ قطعہً حدیث حسن ہے)

(۱۲) وعلیہ الصلوٰت والتحیات کہ فرمودہ: "من أبغضهم فبغضی أبغضهم"

(دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

یہ قطعۂ حدیث ہے۔ (دیکھیے تحقیق حدیث نمبر ۱۱ (مذکورہ بالا)

(۱۳) "استغفر الله الّذی لا اِله الّا هو الحیّ القیّوم وأتوب الیه"

(دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بغیر تصریح حدیث یا قول فقط ایک "ذکر" کی حیثیت سے بیان کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا ہے۔ جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی نے "جامع" میں حضرت أبو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے جبکہ امام أبوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے "سنن" میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلة" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

چنانچہ امام احمد فرماتے ہیں:

> حدثنا معاویة ثنا عبید الله بن الولید الوصافی عن عطیة العوفی عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من قال حین یاویٰ إلیٰ فراشه: "استغفر الله الّذی لا إله الاّ هو الحی القیوم و أتوب إلیه ثلاث مرّاتٍ غفر الله لهٗ ذنوبه وان کانت مثل زبد البحروان کانت مثل رمل عالج وان کانت مثل عدد ورق الشجر"[۹۴]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> حد ثنا صالح بن عبدالله نا أبو معاویة عن الوصافی عن عطیّة عن أبی سعید عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من قال حین یاوٰی الیٰ فراشه، استغفر الله الذی لا إله إلاّ هو الحیّ لقیوم وأتوب إلیه "ثلاث مرّات غفر الله لهٗ ذنوبهٗ وان کانت مثل زبد البحروان کانت عدد ورق الشجروان کانت عدد رمل عالجٍ وان کانت عدد ایّام الدّنیا[۹۵]

اور بعدازاں فرمایا:

هٰذا حديث حسنٌ غريبٌ لا نعرفهُ الاّ من هذا الوجه من حديث عبيد الله بن الوليد الوصافى[۹۶]

امام ابوداؤد رقمطراز ہیں کہ:

حد ثنا موسٰى بن اسماعيل حد ثنى حفص بن عمر الثنى حد ثنى أبى عمر بن مرّة قال سمعتُ هلال بن يسار ابن زيد مولٰى النبّى صلى الله عليه وسلم قال سمعت أبى يحد ثنيه عن جدّى انّه سمع النبّى صلى الله عليه وسلم يقول: من قال "استغفر الله الّذى لا اله الاّ هوا لحّى القيّوم وأتوب اليه" غفر لهُ وان كان فرّمن الزحف[۹۷]

اور امام ابن السنی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

حدثنى أحمد بن الحسين اذيبو يه حدثنا ابو يعقوب اسحق بن خالد بن يزيد الباسى حدثنا عبدالعزيز بن عبدالرحمن القرشى عن خصيف عن انس رضى الله عنه بن مالك عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من قال صبيحة يوم الجمعة قبل صلوٰة الغداة: "استغفر الله الذى لا اله هو الحيّى القيوم وأتوب إليه" ثلث مراتٍ غفر الله ذنوبهُ ولو كانت ذنوبه مثل البحر[۹۸] (یہ حدیث حسن ہے)

(۱۴) در خبر آمدہ است: **"طُوبٰى لمن وُجِدَ فى صحيفتهٖ استغفارٌ كثيرٌ"**

(دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

اسے امام اَبونعیم علیہ الرحمۃ نے "حلية الأولياء" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً بلفظہ روایت کیا۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> حدثنا أبی و أبومحمدبن حیان قالا: ثنا محمد بن یحی بن منده ثنا الهزیل بن معاویة ثنا ابرٰهیم بن أیوب ثنا النعمان بن سفیان عن منصور بن صفیّة عن اُمّہٖ عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: .إنّ النبی صلی اللہ علیه وسلم نهٰی عن سب الأموات وقال طُوبٰی لمن وجد فی صحیفتہٖ استغفارٌ کثیر"[99]

امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے "شعب الایمان" میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً (بطرز معروف) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> اُخبرنا أبوطاهر الفقیه انبأ اُبوبکر القطان ثنا أحمد بن یوسف السلمی، ثنا محمدبن یوسف قال ذکر سفیان عن منصور بن صفیة عن أمّہٖ عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: طوبیٰ لمن وجد فی صحیفتہٖ استغفارًا کثیرًا [100]

اور بعدازاں فرمایا:

> هذا هو الصحیح موقوفاًوروی عن النعمان بن عبدالسلام عن سفیان مرفوعاً وروی من حدیث داؤد بن عبدالرحمٰن عن منصور بن صفیّة کذالک مرفوعاً[101]

امام ابن ماجہ نے "سنن" میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً (بلفظ بیہقی) روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

> حدثنا عمروبن عثمان بن سعید بن کثیر بن دینار الحمصی ثنا أبی ثنا محمدبن عبدالرحمٰن بن عرق سمعت عبداللہ بن بسر یقول قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: طوبی لِمَن وُجَدَ فی صحیفتہٖ استغفارًا کثیراً[102]

علامہ نووی نے اسناد ابن ماجہ کو جید (حسن) قرار دیا[103] البتہ امام عبدالوہاب شعرانی نے "لواقح الانوار القدسیه" میں فرمایا:

روی ابن ماجه باسنادٍ صحیحٍ والبیهقی مرفوعاً: طُوبیٰ لمن وُجِدَ فی صحیفتہٖ استغفارٌ کثیرا[۱۰۴]

اور علامہ منذری نے "الترغیب والترهیب" میں بلفظہٖ ذکر کیا۔ چنانچہ فرمایا:

عن عبدالله بن بسر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: طوبیٰ لِمَنْ وَجَدَ فی صحیفتہٖ استغفاراً کثیراً[۱۰۵] (یہ حدیث حسن ہے)

(۱۵) أَللّٰهمّ ما أصبح بی من نعمة أوبأحدٍ من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک ولک الحمد ولک الشکر" (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

اسے علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ نے "صحیح" اور ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلة" میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ جبکہ امام بخاری "التاریخ الکبیر"۔ امام نسائی "عمل الیوم واللیلة"۔ امام بیہقی "شعب الایمان" اور امام بغوی نے "شرح السنة" میں حضرت ابن غنام رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ البتہ امام ابوداؤد نے "سنن" میں ابن غنام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں الفاظ (أوبأحدٍ من خلقک) ذکر نہیں کیے۔

چنانچہ علامہ ابن حبان فرماتے ہیں:

أخبرنا ابن قتیبة حد ثنا یزید بن موهب حد ثنا ابن وهب عن سلیمان ابن بلال عن ربیعة بن أبی عبدالرحمٰن وهو ربیعة الرأی عن عبدالله بن عنبسة عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من قال حین یصبح اللهم ما أصبح بی من نعمةٍ أوبأحدٍ من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک، فلک الحمدولک الشکر، فقد أدّیٰ شکر ذالک الیوم[۱۰۶]

امام ابن السنی لکھتے ہیں:

أخبرنا أبوعبدالرحمٰن أخبر نا یونس بن عبدالأعلیٰ فی حدیثہٖ

عن ابن وهب أخبرنی سلیمان بن بلال عن ربیعة بن أبی عبدالرحمٰن عن عبدالله بن عنبسة عن ابن عباس رضی الله عنه أنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من قال حین یصبح ألّٰلهم ما أصبح بی من نعمةٍ او بأحدٍ من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک ولک الحمد ولک الشکر، فقد أدّی شکر ذالک الیوم[۱۰۷]

امام بخاری "التاریخ الکبیر" میں فرماتے ہیں:

قال (لنا) اسمٰعیل حد ثنی أخی عن سلیمان بن بلال عن ربیعة بن أبی عبدالرحمٰن عن عبدالله بن عنبسة عن ابن غنام رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من قال حین یصبح اللّٰهم ما أصبح (بی) من نعمة أوبأحدٍ من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک ، فلک الحمد ولک الشکر، اذّی شکر ذالک الیوم"[۱۰۸]

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ "عمل الیوم واللّیلة" میں لکھتے ہیں:

أخبرنا عمروبن منصور قال حد ثنا عبدالله بن مسلمة قال: حد ثنا سلیمان عن ربیعة عن عبدالله بن عنبسه عن ابن غنام عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انهٗ قال: من قال حین یصبح: اللّٰهم ما أصبح بی من نعمةٍ أوبأ حدٍ من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر إلّا أدّی شکر ذالک الیوم[۱۰۹]

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حد ثنا أبو عبدالرحمٰن محمدبن الحسین السّلمی انا محمدابن احمدبن سعید الرازی نا أبو حاتم محمدبن

ادریس الرازی نا القعنبی نا سلیمان بن بلال عن ربیعة عن عبداللہ بن عنبسة عن ابن غنام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قال حین یصبح و حین یمسی اللّٰھم ما أصبح بی من نعمةٍ أو بأحدٍ من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمدولک الشکر الاّ أدّی شکر ذالک الیوم[١١٠]

امام بغوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"أخبرنا عبدالواحد الملیحیّ انا أبو منصور السمعانی نا أبوجعفر الرّبانی نا حمید بن زنجویة نا ابن أبی أویس نا سلیمان بن بلال عن ربیعة بن أبی عبدالرحمٰن عن عبداللہ ابن عنبسة عن ابن غنام عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انّہٗ قال، من قال حین یصبح أللّٰھم ما أصبح بی من نعمةٍ أوبأحدٍ من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر، أدّی شکر ذالک الیوم[١١١]

جبکہ امام أبوداوٗد علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

حدثنا احمدبن صالح نا یحیٰی بن حسان و اسمٰعیل قالا نا سلیمٰن بن بلال عن ربیعة بن أبی عبدالرحمٰن عن عبداللہ بن غنبسة عن عبداللہ بن غنام البیاضی أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قال حین یصبح: أللّٰھم ما أصبح بی من نعمةٍ فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمدولک الشکر، فقد أدّی شکریو مہٖ ومن قال مثل ذٰلک حین یمسی فقد اذّی شکر لَیْلَتِہٖ.[١١٢] (یہ حدیث حسن ہے)

علامہ نووی نے روایت أبي داوٗد کی اسناد کو جید (حسن)[١١٣] اور علامہ خطیب تبریزی نے

"مشکوٰۃ المصابیح" میں بلفظہٖ ذکر کیا اور فرمایا "رواہ أبو داؤد"[۱۱۴]

(۱۶) "من مات فقد قامت قیامتہٗ" (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ: اسے علامہ عین القضاۃ ہمدانی علیہ الرحمۃ۔ "تمہیدات"۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ: "فتوحات" اور احمد بن یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ نے: "سہ صدی مکتوبات" میں بعینہٖ مرفوعاً ذکر کیا[۱۱۵]

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے "احیاء علوم الدین" میں فرمایا:

> قال صلی اللہ علیہ وسلم: من مات فقد قامت قیامتہٗ[۱۱۶]

اور علامہ عراقی علیہ الرحمۃ نے اس کی تخریج میں فرمایا:

> أخرجہٗ ابن أبی الدنیا فی کتٰب الموت من حدیث انس رضی اللہ عنہ بسندٍ ضعیف[۱۱۷]

البتہ علامہ أبو الشجاع دیلمی علیہ الرحمۃ نے "کتاب الفردوس" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (اذامات احدکم فقد قامت قیامتہ، فاعبد اللہ کأنکم ترونہ واستغفروہ کل ساعۃٍ) روایت کیا[۱۱۸] امام سخاوی علیہ الرحمۃ نے "المقاصد الحسنہ" میں بلفظہٖ ذکر کیا اور فرمایا:

> رواہ الدیلمی عن أنس رضی اللہ عنہ مرفوعاً ولفظہٗ: إذامات أحدکم فقد قامت قیامتہٗ وللطبرانی من حدیث زیادۃ بن علاقۃ عن المغیرہ بن شعبۃ قال یقولون القیامۃ القیامۃ وانما قیامۃ المرء موتہ، ومن روایۃ سفیان بن أبی قیس قال شہدّت جنازۃً فیھا علقمہ فلما دفن قال أما ھٰذا فقد قامت قیامتہ"[۱۱۹] (یہ حدیث ضعیف ہے)

(۱۷) درخبر آمدہ است: "نوم العلماء عبادۃ" (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

اسے ملا علی قاری نے "أسرار المرفوعۃ" میں بلفظ: (نوم العالم عبادۃ) ذکر کیا اور اس کی رفعیت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: "لا أصل لہٗ فی المرفوع ھکذا"[۱۲۰] لیکن امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں

مرفوعاً بیان کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: نوم العالم عبادۃ و نفسه. تسبیحٌ[121]

مگر علامہ عراقی نے اس کی تخریج میں فرمایا: "المعروف فیه الصائم دون العالم"[122] امام مناوی علیہ الرحمۃ نے "کنوز الحقائق" میں "احیاء علوم الدین" کے حوالہ سے بیان کیا[123] امام اَبوشجاع دیلمی نے "فردوس الأخبار" میں حضرت عبداللہ بن اَبی اَوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (نوم العالم عبادۃ ونفسه تسبیحٌ وَعَمَلَهٗ مضاعفٌ ودعاء ہٗ مستجابٌ و ذنبهٗ مغفورٌ) روایت کیا[124] امام بیہقی نے "شعب الإیمان" میں حضرت عبداللہ بن اَبی اَوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا مگر لفظ "العالم" کی بجائے "الصّائم" ذکر کیا اور نفسہ کی بجائے "صمتهٗ" ذکر کیا، چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

> أخبرنا أبوالحسین علی بن محمدبن علی بن الحسین الکاشانی الھروی قدم علینا أبو عبداللہ محمد بن العباس العصمی املاءً أبو علی أحمد بن محمد بن علی بن رزین (فیما انتخب) علیه أبوالفضل الشھید أن أدریس بن موسیٰ حدثھم نا سھیل بن خاقان نا خلف بن یحیٰی العبدی عن عنبسه بن عبدالواحد القرشی حد ثنا عبدالملک عن عمیر عن عبداللہ بن أبی أوفیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: نوم الصائم عبادۃ وصمته تسبیح و عمله مضاعف ودعاؤہٗ مستجابٌ و ذنبهٗ مغفورٌ[125]

علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس روایت بیہقی کو حدیث ضعیف قرار دیا[126] البتہ علامہ اَبونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث (نوم الصائم) "حلیۃ الأولیاء" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی چنانچہ فرمایا:

> حد ثنا محمدبن الحسین بن محمدبن الحسین الجندی

قال ثنا أبوزرعة أحمد بن موسى المكیّ قال ثنا علی بن حرب قال ثنا جعفر بن أحمد بن بهرام قال ثنا علی بن الحسن عن أبی ظبیة عن کرزبن و برة عن الربیع بن خیثم عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : نوم الصائم عبادة و نفسهٔ تسبیح و دعاؤه مستجاب. [۱۲۷] (یہ حدیث ضعیف ہے)

(۱۸) حدیثِ قدسی: ”یا داوٗد إذا رأیت لی طالباً فکن لهٗ خادماً“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۸)

یہ ”قدسیات داوٗدیه“ میں سے ہے۔ اسے امام نجم الدین رازی: ”مرصادالعباد“ عزالدین کاشانی: ”مصباح الهدایه“ خواجہ یعقوب چرخی: ”رساله انسیّة“ اور شرف الدین ابن یحیٰ منیری (علیہم الرحمۃ) نے ”سه صدی مکتوبات“ میں بلفظہٖ ذکر کیا [۱۲۸]۔ امام اَبوطالب مکی نے ”قوت القلوب“ میں فرمایا:

> فی أخبار داؤد علیه السلام: یاداؤد إذارأیت لی طالباً فکن لهٗ خادماً [۱۲۹]

اسی طرح امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ”احیاء علوم الدین“ میں فرمایا:

> فی اخبار داوٗد علیه السلام حکایة عن الله تعالیٰ.... یاداوٗد اذارأیت لی طالباً فکن له خادماً. [۱۳۰]

اور امام قشیری اپنے ”رساله“ میں لکھتے ہیں:

> سمعت الشیخ أبا علی الدقاق یقول أوحی الله تعالیٰ داؤد علیه السلام: إذارأیت لی طالباً فکن لهٗ خادماً [۱۳۱]

امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں فرمایا:

> اخبرنا أبوعبدالله الحافظ نا أبو عبدالله محمد بن أحمد بن بطة الأصفهانی نا ابرٰهیم بن نائلة الأصفهانی نا أحمدبن أبی الحواری نا عبدا لعزیز بن عمرقال أوحی الله تعالیٰ الیٰ

داؤد علیہ السلام: یاداؤد اصبر اذارأیت لی طالباً فکن لهٗ خادماً، یاداؤد اصبر علی المؤنة تأتیک المعونة[۱۳۲]

(۱۹) **"انّ اللہ سبحانہ یحبُّ معالی الھمم"** (دفتر سوم، مکتوب ۲۰)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔ البتہ آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے مکتوبات میں اسے بحیثیت حدیث بیان کیا[۱۳۳]۔

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے۔ مفتی محمد سعید "تشیید المبانی" میں رقمطراز ہیں:

ذکر فی انیس الغرباء قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ان اللہ یحب معالی الھمم ویبغض سفسافھا[۱۳۴]

جبکہ علامہ بایزید انصاری نے "مقصود المؤمنین" میں فرمایا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "إن اللہ یحبُّ عالی الھمم ویبغض سفسافھا"[۱۳۵] امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (ان اللہ یحبّ معالی الاخلاق الخ) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

أخبرنا أبو محمدبن یوسف نا أبوسعید بن الاعرابی نا ابرٰھیم بن مھدی نا محمدبن عبید نا محمدبن ثور عن معمر عن أبی حازم عن سھل بن سعد الساعدی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنّ اللہ یحبّ معالی الاخلاق ویکرہ سفسافھا[۱۳۶]

ابن النقطہ بغدادی نے "التقیید لمعرفة فی رواة السنن والمسانید" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ہی روایت سے بلفظ بیہقی مذکور بالا بیان کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

أخبرنا زاھد بن أبی طاھر بأصبھان قدم علینا، أنبأ أبوعثمان سعید بن محمدالبحیری أنبأ أبوالھیثم محمد بن المکی بن محمد الکشمھینی بھا. ثنا أبو محمدعبداللہ بن محمدبن ابرٰھیم البوشنجی، ثنا أحمد بن عبداللہ بن یونس ثنا فضیل بن عیاض عن محمدبن ثورعن معمر عن أبی حازم عن سھل بن

سعد الساعدى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ الله يحب معالى الاخلاق ويكره سفسافها[١٣٧]

جبکہ علامہ خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ نے "جامع" میں (بلفظ ابن نقط) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

أخبرنا القاضى أبو عمر القاسم بن جعفر بن عبدالواحد الهاشمىّ بالبصره نا أحمد بن عمروبن فهدٰن نا ابرٰهيم بن قهد نا عبدالله بن ابرٰهيم العفنارى نا عبدالله بن أبى بكربن المنكدر رعن عمهٖ محمدبن المنكدر عن جابر بن عبدالله أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنّ الله يحبّ معالى الأخلاق ويكره سفسافها[١٣٨]

البتہ امام حاکم علیہ الرحمۃ نے "مستدرک" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (إنّ الله يحبّ الكرم ومعالى الاخلاق ويبغض سفسافها) روایت کیا۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

حدثنا أبو زكريا يحيٰى بن محمدالعنبرى ثنا أبو عبدالله محمدبن ابرٰهيم العنبرى (وحدثنا) احمد بن محمد بن مسلمة ثنا عثمان ابن سعد (قالا) ثناأحمدبن يونس ثنا فضيل بن عياض ثنا الصنعانى محمدبن ثور عن معمرعن أبى حازم عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ الله كريمٌ يحبّ الكرم و معالى الاخلاق ويبغض سفسافها[١٣٩]

اور بعد ازاں فرمایا:

هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاهُ[١٤٠]

امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے "شعب الایمان" میں بطریق ولفظِ حاکم علیہ الرحمۃ بھی روایت کیا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو محمد بن يوسف أنا أبو سعيد بن الأعرابى نا أبو

اسامة الكلبی نا أحمد بن یونس نا فضیل بن عیاض عن الصنعانی محمدبن ثور و أخبرنا أبو عبدالله الحافظ أنا أحمدبن محمدبن سلمة نا عثمان بن سعید نا أحمد ابن یونس نا فضیل بن عیاض نا الصنعانی محمدبن ثور عن معمر عن أبی حازم عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الله کریم "یحب الکرم و معالی الأخلاق و یبغض سفسافها[١٤١]

امام ابونعیم نے "حلیة الأولیاء" میں روایت کیا کہ:

حدثنا مخلد بن جعفرو محمد بن حمید فی جماعةٍ قالوا :ثنا ابرٰهیم بن شریک ثنا أحمد بن یونس ثنا فضیل بن عیاض ثنا محمدبن ثور الصنعانی عن معمر عن أبی حازم عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إنّ الله کریمٌ یحبّ الکرم و معالی الأخلاق و یبغض سفسافها"[١٤٢]

اور بعدازاں فرمایا:

غریبٌ من حدیث أبی حازم وسهل تفرّدبهٖ عن أبی حازم معمرو عن فضیل، أحمدبن یونس[١٤٣]

اورامام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ "المعجم الکبیر" میں روایت کرتے ہیں کہ:

حدثنا ابرٰهیم بن شریک الأسدی و محمدبن عثمان بن أبی شیبة قالا ثنا أحمدبن یونس ثنا فضیل بن عیاض عن محمدبن ثورعن معمر عن أبی حازم عن سهل بن سعدقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:إنّ الله عزوجل کریمٌ یحبّ الکرم ویحبّ معالی الاخلاق ویکره سفسافها[١٤٤]

علامہ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں "المعجم الکبیر، حلیۃ الأولیاء" مستدرک حاکم اور "شعب الإیمان" کے حوالہ جات سے بلفظ طبرانی ذکر کیا اور اسے حدیث صحیح قرار دیا[١۴٥] امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت طلحہ بن کریز خزاعی سے مرسلاً بلفظ: (إنّ اللہ تعالیٰ یحبّ معالی الأمور ویکرہ سفسافھا) بھی روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> فرواہ (عبدالرزاق) عن معمر عن أبی حازم عن طلحۃ بن کریز الخزاعی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ: إنّ اللہ تعالیٰ یحب معالی الامور ویکرہ سفسافھا، أخبرنا عبداللہ بن یوسف الاصبھانی أنا أبو سعید بن الأعرابی نا الرمادی نا عبدالرّزاق فذکرہ، وکذالک رواہ سفیان الثوری عن أبی حازم عن طلحۃ بن عبید اللہ بن کریز الخزاعی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً[١۴٦]

اور علامہ عراقی نے "تخریج احیاء" میں فرمایا:

> حدیث: "انّ اللہ یحبّ معالی الاخلاق ویبغض سفسافھا". اخرجہ البیھقی من حدیث سھل بن سعد متصلاً ومن روایۃ طلحۃ بن عبید اللہ بن کریز مرسلاً ورجالھما ثقات[١۴٧]
>
> (یہ حدیث حسن ہے)

(٢٠) "علامۃ اعراضہٖ تعالیٰ عن العبد اشتغالہ بمالا یعنیہٖ" (دفتر سوم، مکتوب ٢٣)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔ البتہ (مکتوبات کے) دفتر اول مکتوب ٣٧ میں صریحاً بحیثیت قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: علامۃ اعراضہٖ تعالیٰ عن العبد اشتغالہ بما لا یعنیہ'

اور پھر دفتر دوم مکتوب نمبر ٦٠ میں بحیثیت خبر ذکر کرتے ہوئے لکھا: "در خبر آمدہ است" (یعنی خبر میں آیا ہے) راقم الحروف کہتا ہے کہ: اسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض رسائل میں مرفوعاً ذکر

کیا۔ چنانچہ فرمایا:

"ای فرزند از نصیحتہا کہ آں حضرت بعالمیان فرمودہ اند یکی اینست کہ:

علامة اعراض الله تعالیٰ من العبد اشتغاله بما لا یعنیه[۱۴۸]

علامہ علی متقی علیہ الرحمۃ نے "جوامع الکلم" میں فرمایا: "ورد فی الخبر: علامة اعراض الله تعالیٰ عن العبد اشتغاله بما لا یعنیه"[۱۴۹]

لیکن مفتی محمد سعید نے تصریح کی ہے کہ:

ذکرہٗ شیخ المحدثین علی المتقی رحمة الله فی جوامع الکلم مرفوعاً بلفظ الشیخ[۱۵۰]

البتہ علامہ علی متقی علیہ الرحمۃ نے بلفظ (علامة اعراض الله تعالیٰ عن العبد أن یشغله بمالا یعنیه) ذکر کیا اور اسے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا[۱۵۱] علامہ ابن حجر مکی نے "فتح المبین" میں بلفظ (من علامة اعراض الله تعالی عن العبد أن یجعل شغله فیما لا یعنیه) نقل کیا اور وضاحت کی کہ یہ "حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔"[۱۵۲] علامہ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمۃ نے "جامع العلوم والحکم" میں تحریر فرمایا:

روی أبو عبیده عن الحسن قال: من علامة اعراض الله تعالی عن العبد أن یجعل شغله فیما لا یعنیه، خذ لانًا من الله عزوجل[۱۵۳]

البتہ یہ معنوی طور پر حدیث (من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه) سے ماخوذ ہے جسے امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے "جامع" میں، بیہقی علیہ الرحمۃ نے "شعب الإیمان" میں، خطیب علیہ الرحمۃ نے "تاریخ بغداد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، قشیری علیہ الرحمۃ نے "رسالہ" میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے، امام احمد نے "مسند" میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے، بیہقی علیہ الرحمۃ نے "شعب الایمان" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً، حکیم اور بغوی نے "شرح السنۃ" اور بیہقی علیہ الرحمۃ نے "شعب الایمان" میں حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[۱۵۴]

(۲۱) آنسرور فرمودہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام: أرحم أمّتی بأمّتی أبو بکر

(دفتر سوم، مکتوب ۲۴)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے، جسے امام اَبونعیم "حلیة الاولیاء" ابن ماجہ "سنن" احمد بن حنبل "مسند" اور امام ترمذی علیہم الرحمۃ نے "جامع" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔

چنانچہ امام اَبونعیم لکھتے ہیں:

> حد ثنا محمدبن جعفر بن الهيثم ثنا جعفر بن محمدالصائغ قال ثنا قبيصه قال ثنا سفيان الثورى عن خالد و عاصم عن أبى قلابة عن انس بن مالك رضى الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أرَحمُ أمتى بأمتى أبوبكر و اشدّهافى دين الله عمر و اصدقها حياءً عثمان وأفرضهم زيد بن ثابت و اقرأهم أبىّ واعلم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل ولكلّ امّةٍ اميناً و أمين هٰذه الامّة أبو عبيده بن الجرّاح رضى الله عنهم[155]

اور بعدازاں فرمایا:

> هٰذا حديث غريبٌ من حديث الثورى ولم يروه عنه عن عاصم و خالد فيما أعلم اِلّاقبيصة[156]

لیکن اس حدیث کو خالد سے سفیان ثوری کے علاوہ عبدالوہاب بن عبدالحمید نے بھی روایت کیا۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> حدثنا محمدبن المثنىٰ ثنا عبدالوهاب بن عبدالحميد ثنا خالد الحذاء عن أبى قلابة عن انس بن مالك رضى الله عنه أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال، أرَحمُ أمتى بأمّتى أبوبكر واشدّ هم فى دين الله عمر وأصدقهم حياء عثمان واقضاهم على بن أبى طالب واقرأهم لكتاب الله أبى بن

كعب واعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وافرضهم زيد بن ثابت، ألاوانّ لكلّ امّةً أميناً وأمين هٰذه الامّة أبوعبيده بن الجرّاح[۱۵۷]

اور خالد الحذاء علیہ الرحمۃ سے وھب علیہ الرحمۃ نے بھی روایت کیا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

حثنا عفّان ثنا وهيب ثنا خالد الحذاء عن أبي قلابة عن أنس بن مالك رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم ارحم امّتى بأمّتى أبوبكر واشدهم فى دين الله عمر وقال عفان مرّة فى أمرالله عمر و أصدقهم حياء عثمان و اضربهم زيد بن ثابت واقربهم لكتاب الله أبى بن كعب واعلمم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ألاوانّ لكل أمةٍ اميناً وانّ امين هٰذه الامة أبو عبيد ه بن الجرّاح رضى الله عنهم[۱۵۸]

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے بطریق قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کیا، چنانچہ فرمایا:

حدثنا سفيان بن وكيع نا حميد بن عبدالرحمٰن عن داؤد العطار عن معمرعن قتاده عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أرحم اُمّتى بأمّتى أبوبكر اشدهم فى أمر الله عمر و أصدقهم حياء عثمان بن عفان واعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وأفرضهم زيد بن ثابت واقرؤهم ابى بن كعب ولكلّ امّة أمين وأمينُ هذهٖ الأمّة أبوعبيدة بن الجرّاح[۱۵۹]

اور بعدازاں فرمایا:

هذٰا حديثٌ غريبٌ لا نعرفه من حديث قتادة الامن هذا الوجه[۱۶۰]

علامہ خطیب تبریزی علیہ الرحمۃ نے "مشكوٰة المصابيح" میں بلفظ ترمذی علیہ الرحمۃ نقل کیا اور فرمایا:

رواه الترمذى[۱۶۱] (یہ حدیث حسن ہے)

(۲۲) فرمودہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام: **لوکان بعدی نبی لکان عمر رضی اللہ عنہ**
(دفتر سوم، مکتوب ۲۴)

اس حدیث پاک کی تخریج سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے تحقیق حدیث نمبر ۱۰)

(۲۳) دراحادیث صحاح آمدہ است: **أطلع اللہ علیٰ أھل بدرٍ، فقال اعملو اماشئتم فقد غفرت لکم"** (دفتر سوم، مکتوب ۲۴)

اسے امام أبوداؤد نے "سنن" میں حضرت أبوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہ جبکہ شیخین علیہ الرحمۃ نے "صحیحین" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بطوالت متن روایت کیا، البتہ امام ترمذی نے "جامع" میں بروایت حضرت علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، ابن حبان علیہ الرحمۃ "کتاب الثقات" اور امام دارمی علیہ الرحمۃ نے "سنن" میں بروایت حضرت أبوھریرۃ رضی اللہ عنہ بمعمولی اختلاف متن مرفوعاً بیان کیا۔

چنانچہ امام أبوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل ناحماد بن سلمۃ ح وحدثنا احمدبن سنان نایزید بن ھارون نا حماد بن سلمۃ عن عاصم عن أبی صالح عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قال موسیٰ: فلعل اللہ، وقال ابن سنان: أطلع اللہ علیٰ اھل بدرٍ فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم"[۱۶۲]

جبکہ امام بخاری فرماتے ہیں:

حدثنی اسحٰق ابن ابرٰھیم قال أخبرنا عبداللہ بن ادریس قال سمعت حصین بن عبدالرحمٰن عن سعد بن عبیدۃ عن أبی عبدالرحمٰن السّلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبا مرثد والزبیر وکلّنا

فارسٌ قال انطلقوا حتیّ تاتوا روضة خاخٍ فان بها امراه من المشرکین معها کتبٌ من حاطب إلی المشرکین فأدرکناها تسیر علی بعیر لها حیث قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلنا الکتاب فقالت مامعنا کتابٌ فأنخناه فالتمسنا فلم نر کتباً فقلنا ما کذب رسول الله صلی الله علیه وسلم لتخرجن الکتاب أو لنجردّنک فلمّا رأتِ الجدّاهوت الی حجزتها وهی متحزة بکسآءٍ فأخرجتهٗ فانطلقنا بها إلیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال عمر یارسول الله قدخان الله ورسوله و المؤمنین فدَعنی فلأ ضرب عنقهٗ فقال النبی صلی الله علیه وسلم ماحملک علی ما صنعت قال حاطبٌ والله مابی أن لا اکون مؤمناً بالله و رسولهٖ أردت أن یکون لی عند القوم یدٌ یدفعُ الله بهاعن أهلی ومالی ولیس احدٌ من أصحابک الالهٗ هناک من عشیرتهٖ من یدفع الله بهٖ عن أهلهٖ ومالهٖ فقال النبی صلی الله علیه وسلم صدق ولا تقولو الهٗ إلّا خیراً فقال عمر رضی الله عنه أنهٗ قدُ خان الله و رسوله والمؤمنین فدَعنی لأضرب عنقه، فقال ألیس من اهل بدرٍ، فقال: لعل الله إطلع علیٰ أهل بدرٍ، فقال اعملو اماشئتم فقد وجبت لکم الجنّة أو فقد غفرت لکم فدمت عینا عُمر وقالَ والله و رسولهٗ أعلم[١٦٣]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا أبو بکر بن أبی شیبة و عمرو الناقدوزهیر بن حرب واسحٰق بن ابرٰهیم وابن أبی عمر واللفظ لعمر وقال اسحٰق أنا وقال الاخرون نا سفیان بن عیینه عن عمرو عن الحسن

بن محمدقال أخبرنی عبید الله بن أبی رافع وهو کاتب علیّ رضی الله عنه قال سمعت علیًا وهو یقول بعثنا رسول الله صلی الله علیه وسلم، أنا والزبیروالمقداد، فقال ائتواروضة خاخٍ فان بها ظعینة معها کتٰبٌ فخذوه منها فانطلقنا تعادی بنا خیلنا فاذا نحن بالمرأة فقلنا أخرجی الکتاب فقالت مامعی کتٰبٌ فقلنا لتخرجن الکتاب أولتلقینّ الثیاب فأخرجته من عقاصها فاتینا بهٖ رسول الله صلی الله علیه وسلم فإذا فیه من حاطب بن أبی بلتعة إلٰی اناس من المشرکین من اهل مکة یخبرهم ببعض أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال رسول الله صلی الله وسلم یا حاطب ماهٰذا، قال لاتعجل علیَّ یا رسول الله اِنی کنت امرأملصقاً فی قریشٍ قال سفیان کان حلیفاً لهم ولم یکن من انفسها وکان من کان معک من المهاجرین لهم قراباتٌ یحمون بها أهلیهم فأحببت إذافاتنی ذالک من النسب فیهم إن اتخذفیهم یداً یحمون بها قرابتی ولم افعلهٗ کفراًولا إرتدادًا عن دینی ولارضی بالکفر بعد الإسلام.

فقال النبی صلی الله علیه وسلم صدق فقال عمر دعنی یارسول الله أضرب عنق هذا المنافق، فقال انه قد شهد بدراً ومایدریک لعل الله اطلع علیٰ اهل بدرٍ فقال اعملو ماشئتم فقد غفرت لکم، فأنزل الله عزوجل، یآیهاالّذین اٰمنوالاتتخذوا عدوّی وعدوّکم اولیآء ولیس فی حدیث أبی بکرٍ وزهیر ذکر الأیة وجعلها اسحٰق فی روایته من تلاوة سفیان[١٦٣]

علامہ خطیب تبریزی نے "مشکوٰۃ المصابیح" میں بطوالت متن ذکر کیا اور فرمایا: "متفقٌ علیہ"[١٦٥]

امام ترمذی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> حد ثنا ابن أبی عمر نا سفیان عن عمروبن دینار عن الحسن بن محمد هو ابن الحنفیّة عن عبید الله بن أبی رافع قال سمعت علی بن أبی طالب یقول...... فقال النبی صلی الله علیه وسلم انه قد شهد بدراً فمایدریک لعلّ الله اطلع علیٰ اهل بدرٍ فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم، وقال، فیه انزلت هٰذهِ السوره یٰآیهاالذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوّی وعدوّکم أولیآء تلقون الیهم بالمودّة السورة، قال عمر و، وقد رأیت ابن أبی رافع کان کاتباً لعلیّ[١٦٦]

اور بعدازاں فرمایا:

> "هٰذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ"[١٦٧]

علاّمہ ابن حبان "کتاب الثقات" میں فرماتے ہیں:

> "أخبرنا الحسن بن سفیان انبانا أبوبکر بن أبی شیبة ثنا یزید بن هارون أنا حماد بن سلمة عن عاصم بن أبی النجود عن أبی صالح عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه :إنّ الله اطّلع علی أهل بدرٍ فقال اعملوا ماشئتم قد غفرتُ لکم"[١٦٨]

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> حد ثنا عمرو بن عاصم ثنا حماد بن سلمة عن عاصم عن أبی صالح عن أبی هریر رضی الله عنه أنّ النبی صلی الله علیه وسلم قال:أین فلانٌ؟ فغمزه رجلٌ منهم فقال، وأنّهٗ، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: الیس قد شهد بدراً؟ قالو

ابلیٰ، قال فلعل اللہ اطّلع علی اہل بدرٍ فقال، إعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم[١٦٩] (یہ حدیث صحیح ہے)

(۲۴) فرمودہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام: **اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذ وھم غرضاً من بعدی، من احبّھم فبحبیّ أحبّھم ومن البغضھم فببغضی أبغضھم،** (دفتر سوم، مکتوب ۲۴)

اس کی تحقیق سابقہ کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۱۱)

(۲۵) "**ألمرء مع من أحبّ**" (دفتر سوم، مکتوب ۲۶)

اسکی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵)

(۲۶) **إن لِلّٰہِ سبحٰنہٗ الف حجابٍ من نورٍ و ظلمۃٍ** (دفتر سوم، مکتوب ۲۶)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔ البتہ اسی دفتر کے مکتوب نمبر ٦٧ میں بحیثیت حدیث نقل کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے خواجہ محمد پارسا نے "**رسالہ قدسیّہ**" میں مرفوعاً بلفظہٖ ذکر کیا[١٧٠] علامہ نجم الدین رازی نے "**مرصاد العباد**" میں بلفظ (**إنّ لِلّٰہ سبعین ألف حجاب من نورٍ و ظلمۃٍ لو کشفھا لاحرقت سبحات وجھہٖ ما انتھٰی الیہ بصرہ**) بیان کیا[١٧١] علامہ عین القضاۃ ھمدانی "**تمھیدات**" میں لکھتے ہیں:

> از مصطفٰے علیہ السلام بشنو کہ می گوید: **إن لِلّٰہ سبعین الف حجاب من نورٍ و ظلمۃٍ لو کشفھا لاحرقت سبحات وجھہٖ کل من أدرکہ بصرہ**[١٧٢]

امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے "**الفتوحات المکیّۃ**" میں فرمایا:

> **قولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم، إنّ لِلّٰہِ سبعین ألف حجابٍ أو سبعین حجاباً، الشک منیّ، من نورٍ وظلمۃٍ ولو کشفھا لاحرقت سبحات وجھہٖ ما أدرکہ بصرہ من خلقہ**[١٧٣]

حضرت شیخ شرف الدین ابن یحییٰ منیری نے "سه صدی مکتوبات" میں بلفظ: (إنّ لِلّٰہِ سبعین ألف حجاب من نورٍ وظلمةٍ ولو كشفها احد بهنّ لأحرقت سبحات وجهه ما أدركه بصره) ذکر کیا[۱۷۴] لیکن اسناد بیان نہیں کیں۔ البتہ أبوشجاع دیلمی نے "فردوس الاخبار" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (دون اللہ عزوجل سبعون ألف حجابٍ من نورٍ وظلمةٍ، ماتسمع نفسٌ شیئاً من حسن تلک الحجب إلازهقت نفسها) روایت کیا[۱۷۵]۔

امام طبرانی "المعجم الکبیر" میں لکھتے ہیں:

> حدثنا عبداللہ بن أحمد بن حنبل والحسین بن اسحاق التستری قالا ثنا العباس بن عبدالعظیم العنبری و ثنا إسحٰق بن داوٗد الصّواف التستری ثنا عبداللہ بن الصباح العطار قالا ثنا مکّی بن ابرٰهیم ثنا موسیٰ بن عبیدة الربزی عن عمربن الحکم بن ثوبان عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وعن أبی حازم عن سهل بن سعد قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إنّ اللّٰه عزّو جلّ دون سبعین ألف حجابٍ من نورٍ و ظلمةٍ ومایسمع من نفسٍ شیئاً من حسن تلک الحجب إلازهقت[۱۷۶]

اور علامہ ہیثمی علیہ الرحمۃ نے "مجمع الزوائد" میں فرمایا:

> فیه موسیٰ بن عبیدة لایحتج[۱۷۷]

امام ابن أبی عاصم "کتاب السنّته" میں روایت کرتے ہیں کہ:

> حدثنا محمدبن المثنیٰ ثنا مکّی بن ابرٰهیم البلخی ثنا موسیٰ بن عبیدة عن عمر بن الحکم بن ثوبان عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وعن أبی حازم عن سهل بن سعد قالا، قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: دون اللہ سبعون ألف حجابٍ من نورٍأوسبعون الف حجابٍ من

نورٍ و ظلمةٍ وما من نفسٍ تسمع شيئًا من حسن تلک الحجب الازهقت نفسها[۱۷۸]

اور بعدازاں فرمایا:

اسنادهٗ ضعيفٌ، موسیٰ بن عبيدة وهو الربزی ضعيفٌ وسائر رواتہٖ ثقاتٌ[۱۷۹]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ "احياء علوم الدين" میں لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: إنّ لله سبحٰنهٗ و تعالیٰ سبعين حجاباً من نورٍ لو كشفها لأحرقت سبحات وجهہٖ كل من أدركه بصره[۱۸۰]

اور علامہ عراقی نے اس کی تخریج میں فرمایا:

أخرجه أبو الشيخ ابن حيان فی كتاب العظمة من حديث أبی هريرة رضی الله عنه (بين الله و بين الملٰئكة الذين حول العرش سبعون حجاباً من نورٍ) واسناده ضعيفٌ، وفيه أيضاً من حديث انس رضی الله عنه (قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لجبريل هل تریٰ ربّک؟قال إنّ بينی و بينهٗ سبعين حجاباً من نورٍ) وفی الأكبر للطبرانی من حديث سهل بن سعد (دون الله تعالیٰ ألف حجابٍ من نورٍ وظلمةٍ) ولمسلم من حديث أبی موسیٰ (حجابه النور لو كشفهٗ لأحرقت سبحات وجهہٖ ما انتهیٰ اليه بصرهٗ من خلقہٖ) ولا بن ماجه (شیءٌ أدركه بصره)[۱۸۱]

علامہ ابن الدّباغ علیہ الرحمۃ نے "مشارق انوار القلوب" میں بلفظ: (انّ لله سبعين ألف حجابٍ من نورٍ وظلمةٍ لو كشفها لأحرقت سبحات وجهہٖ ما انتهیٰ اليه بصرهٗ) ذکر کرنے کے بعد اس کی معنوی توجیہ یوں کی کہ:

اما الحجب فقد ثبت بالبراهين أنّ الحق تعالیٰ لا یسترهٗ حجابٌ وانما الذی حجبه عن خلقهٖ شدّةُ ظهورهٖ وعجز الخلق عن رویته لقوّة نوره. "والحجب لاتكون الاّ فی حقّ الأجسام وهی هاهُنا حق السّلِكین وهی كثیره، اختلف طرق الحديث فی تعدادها.

امّا الظلمٰنيّة فمنها فهی حجب الشكوک وشبهات الاعتقاد و الجهالات والغفلة والاعراض والفُتورعن واجب الخدمة[۱۸۲] (یہ حدیث ضعیف ہے)

(۲۷) **''من مات فقد قامت قیامته''** (دفتر سوم، مکتوب ۳۱)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح قول یا حدیث ذکر کیا۔

یہ حدیث مشہور ہے۔ (دیکھیے تحقیق حدیث نمبر ۱۶)

(۲۸) **''اللّٰهم إنّی أسئلک ایمانالیس بعدهٗ كفراً''** (دفتر سوم، مکتوب ۳۳)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے **''ادعیه مأثوره''** میں سے ذکر کیا'' اور آپ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم نے **''مکتوبات معصومیه''** میں مثل مجدد نقل کیا[۱۸۲] لیکن ماخذ بیان نہیں کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے علامہ ابن حبان ''**صحیح**''، امام نسائی، **عمل الیوم واللیلة.** ''**حاکم**''، ''**مستدرک**'' اور امام اَبویعلی موصلی نے ''**مُسند**'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (**اللّٰهم إنّی أسئلک ایماناً لا یرتدُّ**) جبکہ امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے ''**جامع**'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (**اللّٰهم اعطنی ایماناً ویقیناً لیس بعدهٗ كفراً**) روایت کیا۔ چنانچہ امام ابن حبان علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو خليفة قال حد ثنا موسیٰ بن اسماعيل حد ثنا حما دبن سلمة عن عاصم بن بهد له عن زربن حبيش أنّ أبامسعود رضی الله عنه كان قائماً یصلیّ، فلماّ بلغ رأس المائة من النّساء اخذ یدعوافقال رسول الله صلی الله

علیه وسلم سل تعطهٔ ثلاثاً فقال: اللهم انی اسئلک ایمانا لا یرتد ونعیماً لا ینفد ومرافقة محمدٍ صلی الله علیه وسلم فی أعلی جنّة الخلد“[۱۸۴]

امام نسائی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أخبرنی محمد بن العلاء قال: حد ثنا أبو معاویة قال: حد ثنا الأعمش عن أبی إسحٰق عن أبی عبیدة قال سئِلَ عبدالله ما الدّعاء الّذی دعوت به لیلة، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: سل تعطهٔ؟ قال: قلتُ: اللّٰهم انی أسئلک ایماناً لایرتد ونعیماً لا ینفدّ و مرافقة نبیّنا محمد صلی الله علیه وسلم فی أعلی درجة الجنّة جنّة الخلد[۱۸۵]

امام حاکم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

حدثنا ابرٰهیم بن عصمة ثناء أبی ثنا یحیٰی انباأبومعاویة ثنا الأعمش عن أبی اسحٰق عن أبی عبیدة قال سُئِل عبدالله رضی الله عنه عن الدّعاو الذی دعوت بهٖ حین قال النبی صلی الله علیه وسلم: سل تعطه قال: قلتُ: أللّٰهم إنّی اسئلک ایماناً لا یرتدُّ ونعیماً لا ینفدّومرافقة نبیک محمدٍ صلی الله علیه وسلم فی أعلی درج الجنّة جنّة الخلد[۱۸۶]

امام أبویعلی موصلی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

حد ثنا أبو کریب حد ثنا یحیٰی بن آدم عن أبی بکر بن عیاش عن عاصم عن زر عن عبدالله قال کنت فی المسجد أصلیّ فد خل رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعه أبوبکر و عمر فسجلت سورة النسآء فقرأتها، فلما فرغت جلست

فبدأت بالثناء علیٰ الله عزّ وجلّ والصّلاة علی النبیّ صلی الله علیه وسلم ثم دعوت لنفسی، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: سل تُعَط، ثم قال: "من أحبّ أن یقرأ القرآن غضًّا فلیقرأه کما یقرأبنُ اُمّ عبدٍ، قال فرجعت الیٰ منزلی فأتانی أبوبکر رضی الله عنه: فقال هل تحفظ ممّا کنت تدعواشیئًا ، قال: قلتُ نعم، أللّٰهم إنّی أسئلک ایماناً لا یرتدُّ ونعیمًا لاینفدُّ ومرافقة نبیّنا محمدٍ صلی الله علیه وسلم فی أعلی جَنّةِ الخلد، قال: اتانی عمر رضی الله عنه أیضًا فبشّرنی[۱۸۷]

اور حاشیہ پر شارح (حسین سلیم) نے تحریر کیا کہ: "أسنادهٗ حسن"[۱۸۸]

امام ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

"حدثنا عبدالله بن عبدالرحمٰن أنا محمدبن عمران بن أبی لیلیٰ قال ثنا أبی قال ثنأ ابن أبی لیلیٰ عن داوٗد بن علی هوا بن عبدالله بن عباس عن أبیهٖ عن جدّه ابن عباس رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لیلة حین فرغ من صلوتهٖ: اللّٰهم إنّی أسئلک رحمةً من عندک تهدی بهاقلبی...... أللّٰهمّ اعطنی ایماناً ویقیناً لیس بعدهٗ کفراً"[۱۸۹]

اور بعدازاں فرمایا:

"هٰذا حدیث غریبٌ لا نعرفه مثل هٰذا من حدیث أبی لیلیٰ الاّمن هٰذا الوجه"[۱۹۰]

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس روایت ترمذی علیہ الرحمۃ کو حدیث حسن قرار دیا[۱۹۱]

(٢٩) ''ألمرء مع امن أحبّ'' (دفتر سوم، مکتوب ٣٧)

اسکی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ٥)

(٣٠) **قول آں سرور علیہ وعلیٰ الہ الصّلوٰت والتسلیمات: ''کلّهم فی النّار إلاواحدة''**
(دفتر سوم، مکتوب ٣٨)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے کہ جسے امام طبرانی نے ''**المعجم الكبير**'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **حد ثنا عيسٰى بن محمدالسهسار الواسطى حد ثنا وهب بن بقية حد ثنا عبدالله بن سفيان المزنى عن يحيٰى بن سعيد الأنصارى عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تفترق هذهٖ الامّة على ثلاث وسبعين فرقة، كلّهم فى النار الاّ واحدة، قالوا وماهى تلك الفرقه؟ قال: ماأنا عليهٖ اليوم وأصحابى**[١٩٢]

امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ نے ''سنن'' میں بلفظ (**کلّها فی النّار الاّ واحدة**) ذکر کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

> **حد ثنا هشام بن عمّار ثنا الوليد بن مسلم ثنا أبو عمرو ثنا قتادة عن انس بن مالك رضى الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ بنى اسرآئيل افترقت على احدٰى وسبعين فرقة وانّ امّتى ستفترق على ثنتين وسبعين فرقة، كلّها فى النار الاّواحدة وهى الجماعة**[١٩٣]

اور امام بوصیری نے ''زوائد ابن ماجه'' میں فرمایا:

> **''هذا اسناد صحيح ورجالة ثقات''**[١٩٤]

اور امام ترمذی نے ''جامع'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (**کلهم فی النّار الاّ ملةً واحدة**) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

حدثنا محمود بن غيلان نا أبو دائود الحضری سفيان عن عبدالرحمن بن زياد بن انعم الأفريقی عن عبدالله بن زيد عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ليأتين علیٰ امّتی ما أتی علیٰ بنی اسرآئيل حذو والنعل بالنعل حتی ان كان مهم من أتی امّة علانيةً لكان فی امّتی من يضع ذٰلک وان بنی اسرآئيل تفرّقت علیٰ ثتين وسبعين ملّةً وتفترق امّتی علی ثلاثٍ وسبعين ملّة، كلّهم فی النّار إلاّ ملّة واحدة، قالو امن هی يارسول الله، قال مأأنا عليه وأصحابی[۱۹۵]

اور بعدازاں فرمایاں:

هٰذا حديث غريبٌ مفسّر لا نعرفه مثل هٰذا الا من هذاالوجه[۱۹۶]

البتہ اسکی شاہد حدیث اَبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ہے کہ جسے امام ترمذی نے مرفوعاً بلفظ: (تفرّقت اليهود علیٰ احدٰی وسبعين فرقة أواثنتين وسبعين فرقةً والنّصرٰی مثل ذالک و تفترق امّی علی ثلاثٍ وسبعين فرقة) روایت کیا اور[۱۹۷] بعدازاں فرمایا ”حديث أبی هريرة رضی الله عنه حديث حسنٌ صحيحٌ“[۱۹۸]

(پس حدیث بلفظ مجرد ”حسن“ ہے)

(۳۱) قال عليه وعلیٰ اٰلهٖ الصلوٰة والسّلامه: الشرک فی امّتی اخفٰی من دبيب النهل التی تدبّ فی ليلةٍ مظلمةٍ علیٰ صخرةٍ سودآء“ (دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

اسے امام اَبونعیم: ”حلیته الاولیاء“۔ بزاز: ”مسند“۔ حاکم ”مستدرک“۔ عقیلی: ”اضعفاء الکبیر“۔ حکیم ترمذی: ”نوادر الاصول“ اور اَبوشجاع دیلمی نے: ”فردوس الاخبار“ میں امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً باختلافِ متن روایت کیا۔ چنانچہ امام اَبونعیم لکھتے ہیں:

حد ثنا أبو احمدمحمدبن أحمدالغطريفى ثنا محمدبن هارون ثنا معروف حد ثنا أبى ثنا أبوالحسين بن أبان ثنا عبدالله بن محمدبن سفيان ثنا معروف أبو مهفوظ ثنا عبدالله بن موسٰى ثنا عبدالأعلىٰ بن أعين عن يحيٰى بن أبى كثير عن عروة عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشّرک اخفىٰ فى امّتى من دبيب النّمل على الصفآء فى اللّيلة الظلماء وأدناه أن تحبّ علىٰ شى ءٍ من الجور أوتبغض علىٰ شى ءٍ من العدل وهل الذين الاّ الحبّ فى الله والبغض فى الله؟ قال الله تعالىٰ: (قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحبكم الله)[199]

اور بعدازاں فرمایا:

اقطعها سواء ، الأأنّ الغطريقى لم يكتبهُ (وقال) : معروف عن الهيتم وكناه عبدالله بن محمدبن سفيان، (فقال) معروف أبو محفوظ[200]

امام بزاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حد ثنا محمدبن عثمان بن كرامة والحسين بن مهدى و محمد بن الليث والفظ للحسين قالوا: ثنا عبد الله بن موسٰى ثنا عودالأعلىٰ بن أعين عن يحيٰى بن أبى كثير عن عروة عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه الله: الشرک أخفٰى فى أمّتى من دبيب النّمل على الصفآء[201]

اور بعدازاں فرمایا:

لا نعلمه يرى عن عائشة إلّا بهذ الاسناد[202]

علامہ ہیثمی: "مجمع الزوائد" میں فرماتے ہیں "رواه الزّار وفيه عبدالأعلى ابن أعين وهو ضعيف"[۲۰۳] امام حاکم: "مستدرک" میں لکھتے ہیں:

> أخبرنا أبو العباس محمدبن أحمد المحبوبی ثنا سعيد بن مسعود ثنا عبيد الله بن موسىٰ ثنا عبدالأعلى بن أعين عن يحيىٰ ابن أبى كثير عن عروة عن عائشة رضى الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشرک أخفىٰ من دبيب الذّرعلى الصفآء فى اللّيلة الظلمآء وأدناه أن تحبّ علىٰ شئُ من الجورو تبغض علىٰ شئُ من العدل الا الحبّ والبغض، قال الله عزّو جلّ قل إن كنتم تحبّون الله فاتّبعونى يحيكم الله[۲۰۴]

اور بعدازاں فرمایا:

> هذا حديثٌ صحيح الأسناد ولم يخرجاه[۲۰۵]

لیکن علامہ ذہبی نے "تلخیص مستدرک" میں فرمایا "عبدالأعلىٰ ليس بثقةٍ"[۲۰۶] امام عقیلی رقم طراز ہیں:

> حد ثنا سهل بن سعد القزوينى قال حد ثنا على بن محمدالطنافسى، قال: حد ثنا عبد الله بن موسىٰ قال: حدثنا الأعلىٰ بن أعين عن يحيىٰ بن أبى كثير عن عروة عن عآئشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشرک اخفىٰ من دبيب النمل على الصفآء فى الليلة الظّلمآء وأدناه أن تحبّ علىٰ شىءٍ من الجور و نبغض علىٰ شئُ من الحق وهل الدّين الا الحبّ والبغض، قال الله تبارک و تعالىٰ : ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله"[۲۰۷]

اور بعدازاں فرمایا ''ولایتابع علیه ولایعرف الابه''[۲۰۸] لیکن ڈاکٹر عبدالمعطی نے اسے (حدیث عقیلی) ''احادیثِ صحیح میں شمار کیا''[۲۰۹] امام حکیم ترمذی: ''نوادر الاصول'' میں لکھتے ہیں:

> عن عائشة رضی الله عنه قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الشرک أخفٰی من دبیب النّمل علی الصفآء فی اللیلة الظلماء وأدناٗ ان یحب علی شئ من الجور أو یبغض فی الله، قال الله تعالیٰ: قل إنْ کنتم تحبون الله فاتّبعونی[۲۱۰]

اور امام اَبوشجاع ویلمی نے ''فردوس الأخبار'' میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً بلفظ:

> الشرک أخفٰی فی امتی من دبیب النمل علی الصفآء فی اللیلٰة الظلماء فأدناه أن یحبّ علی شئٍ من الجور أو یبغض علیٰ شئٍ من العدل وهل الدّین الاّالحب فی الله والبغض فی الله) روایت کیا[۲۱۱]

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے ''الجامع الصغیر'' میں امام حاکم، حکیم ترمذی اور اَبونعیم رحمۃ اللہ کے حوالہ سے ذکر کیا اور اسے حدیث ضعیف قرار دیا''[۲۱۲]

(۳۲) قال علیه وعلیٰ اٰلهٖ الصّلوةٍ والسلام: اتقو الشرک الاصغر، قالوا: ماالشرک الاصغر؟قال علیه وعلیٰ اٰلهٖ الصّلوٰة والسلام الرّیاء (دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

اس حدیث نبی صلی اللہ علیٰ صاحبہا وسلم کو قاضی بیضاوی نے ''انوار التنزیل'' میں مرفوعاً بلفظہٖ بیان کیا[۲۱۳] اور علامہ عبدالرؤف مناوی نے اس کی تخریج میں فرمایا:

> أخرجهُ ابن مردویهٖ فی التفسیر والأصبهانی فی الترغیب من حدیث أبی هریرة رضی الله عنه ومن هذا الوجه اخرجه الثعلبی وأبو القاسم الطلحی، وفی الباب عن محمود بن لبید رفعهٗ: أنّ أخاف ما أخاف علیکم الشرک الأصغر قالو ایارسول الله وما الشرک

الأصغر؟ قال : الرّیاءُ، أخرجهُ أحمد والدّار قطنی فی غرائب مالک والبیهقی فی الشعب من روایة عمر بن أبی عمرو عن عاصم بن عمر بن قتادة.

وعن شداد بن أوس قال: کنّا نعذ الرّیاء علیٰ عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه لیه وسلم ألشرک الأصغر

علامہ جلال الدین سیوطی نے ”الدر المنشور“ میں فرمایا:

اخرج ابن مردویه عن أبی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اتّقوا الشرک الأصغر قالو ا وما الشرک الأصغرلإ قال ألرّیاء، یوم یجازی اللّٰه العباد بأعمالهم یقول إذهبوا إلی الذین کنتم ترائون فی الدنیا انظروا هل تصیبون عندهم جزاء[۲۱۵]

امام احمد ”مسند“ میں فرماتے ہیں:

حد ثنا یونس ثنالیث عن یزید یعنی ابن الهاد عن عمرو عن عاصم عن محمودبن لبید أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أن أخوف ما اخاف علیکم الشرک الأصغر قالو ا وماالشرک الأصغر یا رسول اللّٰه، قال : الرّیآء، یقول اللّٰه عزّو جلّ لهم یوم القیامة إذاجزی الناس باعمالهم" إذهبو إلیٰ الّذین کنتم ترائون فی الدنیا فانظرواهل تجدون عندهم جزآء[۲۱۶]

امام بیہقی ”شعب الایمان“ میں لکھتے ہیں:

أخبرنا علی بن أحمدبن عبدان أنا احمد بن عبید بن شریک نا ابن أبی مریم نا أبی الزناد وحد ثنی عمرو بن أبی عمرو عن عاصم بن عمر عن عاصم عن محمود بن

لبید أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: إنّی أخوف ما اخاف علیکم الشرک الأصغر، قال وما الشرک الأصغر قال: الرّیآء، إنّ اللہ یقول: یوم یجازی العباد بأعمالھم إذھبوا إلٰی الذین کنتم ترائون فی الدّنیا فانظروا ھل تجدون عندھم جزاءً أو خیراً[۲۱۷]

امام بغوی ''شرح النسۃ'' میں لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو عبداللہ الخرقی أخبرنا أبوالحسن الطیسفونی أنا عبداللہ بن عمر الجوھری نا أحمد بن علی الکشمھینی ناعلی ابن حجرنا اسمٰعیل بن جعفر عن عمرو بن ابی عمر و مولیٰ المطلب عن عاصم بن عمر عن محمود ابن لبید أنّ النبّی صلی اللہ علیہ وسلم قال: انّ اخوف ما اخاف علیکم الشّرک الأصغر، قالوا: یا رسول اللہ وما الشرک الأصغر؟ قال ألرّیأ، یقول اللہ لھم یوم یجازی العباد بأعمالھم، إذھبوا إلیٰ الّذین کنتم ترائون فی الدنیا، فانظرواھل تجدون عندھم جزاءً[۲۱۸]

اور بعدازاں فرمایا:

محمود بن لبید رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو صغیر[۲۱۹]

علامہ ھیثمی نے حدیث محمود بن لبید کے بارے میں ''مجمع الزوائد'' میں فرمایا ''رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح ''[۲۲۰] امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حدیث شداد بن اوس نے راویت کی۔ چنانچہ فرمایا:

أخبرنا أبو الحسن بن بشران أنا أبو الحسن علی بن محمد المصری نا یحیٰی بن أیوب نا سعید بن أبی مریم نا

يحيٰی بن أيوب وابن لهيعة قالا: ناعمارة بن غزيه عن يعلیٰ بن شداد بن أوس أنّهُ حدثه عن أبيه قال كنّا علیٰ عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم نعدالشّرک الأصغرا الرّياء[۲۲۱]

امام حاکم ''مستدرک'' میں روایت کرتے ہیں کہ:

حدثنی علی بن حمشاذ العدل ثنا عبيد بن شريک ثنا سعيدبن أبی مريم أخبرنی يحيٰی بن أيوب حدثنی عمارة بن غزية حد ثنی يعلی بن شداد بن أوس عن أبيهٖ رضی الله عنه قال: كنّا نعدّ علیٰ عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم: أنّ الرّياء، الشرک الأصغر[۲۲۲]

اور بعدازاں فرمایا:

هذا حديثٌ صحيح الأسناد ولم يخرجاه[۲۲۳] (یہ حدیث حسن ہے)

(۳۳) درحدیث قدسی آمدہ است کہ اوتعالیٰ فرمودہ: ''ألصّوم لی وانا أجزی بهٖ''

(دفتر سوم، مکتوب ۴۵)

یہ ایک قطعہ حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم نے ''صحیحین'' اورامام نسائی نے ''سنن'' میں مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ امام بخاری لکھتے ہیں:

حد ثنا آدم قال حد ثنا شعبة قال حد ثنا محمد بن زياد قال سمعت اباهريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم يرويه عن ربّكم. قال. لكل عملٍ كفّارةٌ والصّوم بی وأنا أجزی بهٖ ولخلوف فم الصّائم اطيب عند الله من ريح المسک[۲۲۴]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حد ثنا أبو بكر بن شيبة حد ثنا محمدبن فضيل عن ابوسنان عن أُبی صالح عن أبی هريرة رضی الله عنه وأبی سعيد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:

إنّ الله عزّ و جلّ يقول ان الصوم بى وأنا أجزى به ان للصّائم فرحتين اذا أفطر فرح وإذا لقى الله فرح والّذى نفسُ محمدٍ بيدهٖ لخلوف فم الصائم اصليب عند الله من ريح المسک[۲۲۵]

امام نسائی فرماتے ہیں:

أخبرنا على بن حرب قال حد ثنا محمدبن فضل قال حدثنا أبو سنان ضرّاربن مرّةٍ عن أبى صالح أبى عن سعيد قال قال النبّى صلى الله عليه وسلم إن الله تبارک و تعالىٰ يقول: اُلصّوم لى وأنا أجزى بهٖ، وللصّائم فرحتان إذا أفطر فرح واذا لقى الله فجزاه فَرِحَ والّذى نفس محمدٍ بيدهٖ لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسک[۲۲۶]

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

أخبرنا محمدبن بشار قال حد ثنا محمدقال حد ثنا شعبة عن أبىٰ إسحٰق عن أبى الأحرص قال عبدالله قال الله عزّوجل الصوم لى وأنا أجزى بهٖ وللصّائم فرحتان فرحة حين يلقى ربّهٗ و فرحة عند فطره ولخلوف فم الصائم اصليب عند الله من ريح المسک ،،[۲۲۷]

امام نسائی نے اسے حضرت علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

أخبرنى هلال بن العلاء قال حدثنا بى قال حد ثنا عبدالله عن زيد عن أبى إسحٰق عن عبدالله بن الحارث عن علىّ بن أبى طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إنّ الله تبارک و تعالىٰ يقول: الصّوم لى وأنا أجزى بهٖ وللصّائم فرحتان حين يفطر وحين يلقى ربّهٗ والذى نفسى بيدهٖ

لخلوف فم الصّائم اطیب عند اللہ من ریح المسک[۲۲۸]
(یہ حدیث صحیح ہے)

(۳۴) فرمودہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام: "الحج یهدم ما کان قبله" (دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

یہ ایک قطعہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے "صحیح" میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (ان الحج یهدم ما کان قبله) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

حدثنا محمد بن المثنیٰ الغندی وأبو معن الرقاشی واسحٰق بن منصور کلّهم عن أبی عاصم واللفظ لإبن مثنیٰ قال نا الضحاک یعنی أباعاصم قال أنا حیوٰۃ بن شریح قال حدثنی یزید بن أبی حبیب ابن شماسه المهدی قال حضرنا عمرو بن العاص و هو فی سیاقهٖ الموت یبکی طویلاً وحوّل وجههٗ الی الجدار فجعل ابنهٗ یقول یأبتاہ أمّا بشرّک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بکذا امّا بشرک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بکذا قال فاقبل بوجهه وقال إنّ افضل مانعدّ شهادة ان لا اله الا اللہ وان محمداً رسول اللہ انی قد کنت علی اطباق ثلاث لقد رأیتنی و ما أحدٌ اشد بغضاً لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم منّی ولا احب الی ان اکون قد استمکنت منه فقتلته منه فلومت علی تلک الحال لکنت من اهل النار فلما جعل اللہ الإسلام فی قلبی أتیتُ النبی صلی اللہ علیه وسلم فقلت أبسط یمینک فلأبایعک فبسط یمینهٗ قال فقبضت یدی قال مالک قال قلت اردت ان اشترط قال تشترط بما ذا قلت ان یغفرلی قال اما علمت یاعمرو إنّ الاسلام یهدم ماکان قبله وان الهجرة تهدم ماکان قبلها وانّ الحجّ یهدم ماکان قبله الخ[۲۲۹]

علامہ خطیب تبریزی سے ''مشکوٰۃ المصابیح'' میں ذکر کیا اور فرمایا: ''رواہ المسلم''[۲۳۰]
(یہ قطعۂ حدیث صحیح ہے)

(۳۵) فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسلام ''ملاک دینکم الورع
(دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

اس کی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے (دیکھئے تخریج حدیث نمبر ۲)

(۳۶) فرمودہ است: ''لاطیرۃ ولا عدویٰ'' (دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

اسے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے ''مسند'' میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جب کہ امام أبویعلیٰ موصلی نے ''مسند'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ جبکہ شیخین نے ''صحیحین'' میں بالترتیب حضرت أبوھریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (لا عدوی ولا طیرۃ الخ) روایت کیا۔ چنانچہ امام أحمد فرماتے ہیں:

> حدثنا حسن ثنا زهير عن أبى الزبير عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاطيرة ولا عدوىٰ ولاغول[۲۳۱]

امام أبویعلیٰ موصلی لکھتے ہیں:

> حد ثنا زهير ثنا هشام حد ثنا أبو عوانة عن سماك عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لاطيرة ولا عدوىٰ ولا هامة ولاصفر، فقال لهٗ رجلٌ يا رسول الله انّا نأخذ الشاة الجرباء فنطرحها فى الغنم فتجربهٗ قال فمن أعدىٰ الاوّل[۲۳۲]

امام مسلم فرماتے ہیں:

> حد ثنى حجاج بن الشاعر قال حد ثنى معلىّ بن أسد قال نا عبدالعزيز بن مختار قال نا يحيىٰ بن عتيق قال نا محمدبن سيرين عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوىٰ ولا طيرة وأحب الفال الصالح[۲۳۳]

اور امام بخاری نے فرمایا:

حدثنی محمدبن بشار قال حدثنا محمد ابن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت قتادة عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا عدویٰ ولا طیرة ویعجبنی الفال، قالوا وما الفال، قال: الکلمة الطیبة[۲۳۴] (یہ حدیث صحیح ہے)

(۳۷) الحدیث القُدسی: "الأطال شوق الأبرار إلیٰ لقائی وأنا الیهم لأشدّ شوقاً"

(دفتر سوم، مکتوب ۴۶)

اسے سید حسین واعظ کاشفی علیہ الرحمۃ نے "تفسیر حسینی" میں بعینہٖ بیان کیا مگر مخرج ذکر نہیں کیا[۲۳۵] امام غزالی نے اسے "اسرائیلیات" میں سے ذکر کیا، چنانچہ فرمایا:

قال أبو الدرد آء لکعب أخبرنی عن اخصّ آیةٍ یعنی فی التّوراة فقال: یقول اللہ تعالیٰ: طال شوق الا برار الی لقائی وانّی إلیٰ لقائهم لأشدّ شوقاً[۲۳۶]

لیکن امام اَبوشجاع دیلمی نے "فردوس" میں حضرت اَبودرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرمایا:

یقول اللہ تعالیٰ: طال شوق الأبرار إلیٰ لقائی وأنا الیهم لأشدّ شوقاً[۲۳۷]

امام غزالی نے "احیاء علوم الدّین" میں فرمایا:

یقوله علیه الصلوٰة والسّلام حکایة عن ربّہٖ عزوجلّ لقد طال شوق الا برار الیٰ لقائی وأنا إلیهم أشدّ شوقاً[۲۳۸]

اور علامہ عراقی نے اس کی تخریج میں فرمایا:

لم أجدلهٗ اصلاً إلا أنّ صاحب الفردوس خرجه من حدیث أبی الدرد آء ولم یذکر لهٗ ولدهٗ فی مسند الفردوس أسنادًا[۲۳۹]

لیکن اس کا معنی ایک دوسری حدیث قدسی سے ماخوذ ہے کہ جسے امام بخاری نے "صحیح" میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

حد ثنا محمدبن عبدالرحیم قال حد ثنا أبو زید سعید بن الربیع الهروی قال حد ثنا شعبه عن قتادة عن انس رضی الله عنه عن النبّی صلی الله علیه وسلم یرویه عن ربّهٖ قال: إذا تقرب العبد إلیّ شبرًا تقربت الیه ذراعًا وإذا تقرب إلّی ذراعًا تقربت منهٗ باعًا واذا اتانی مشیًّااتیتُ هرولةً[۲۴۰]

(۳۸) فرموده است: "لایردّ القضاء الاّ الدّعا" (دفتر سوم، مکتوب ۴۷)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے کہ جسے امام حاکم نے "مستدرک" میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، جبکہ امام ترمذی نے "جامع" میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔

چنانچہ امام حاکم لکھتے ہیں:

أخبرنا عبدالرحمٰن بن حمد ان الجلاب بهمد ان ثنا أبو حاتم محمدبن ادریس الرّازی ثنا قبیصة بن عقبه عن واخبرنا ابوبکر بن ابی نصر الدرابردی بمر وثنا محمد بن غالب ثنا ابو حذیفة قالاثنا سفیان الثوری عبدالله بن عیسٰی عن عبدالله بن أبی الجعد عن ثوبان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لایرد القد رالاّ الدّعا ولا یزید فی العمر الاّ البروان الرّجل لیحرم لرّزق بالذنب یصیبهٗ[۲۴۱]

اور بعدازاں فرمایا:

'هٰذا حدیث صحیح اسناد ولم یخرجاه[۲۴۲]

جبکہ امام ترمذی لکھتے ہیں:

> حد ثنا محمد بن حميد الرازى و سعيد بن يعقوب قالا نا يحيٰى بن الضريس عن أبى مردود عن سليمان التيمى عن أبى عثمان الهندى عن سلمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يردّ القضاء إلاّ الدّعا ولا يزيد فى العمر إلّا البّر[۲۴۳]

اور بعدازاں فرمایا:

"هٰذا حديث حسنٌ غريبٌ"[۲۴۴]

امام سیوطی نے "الجامع الصغير" میں امام حاکم اور ترمذی کے حوالہ سے بلفظ ترمذی ذکر کیا اور اسے حدیث صحیح قرار دیا[۲۴۵] البتہ علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے "مشکوٰة المصابیح" میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا اور فرمایا: "رواه الترمذى"[۲۴۶] (یہ قطعہ حدیث صحیح ہے)

(۳۹) "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليک المهاجرين"

(دفتر سوم، مکتوب ۴۷)

اسے امام طبرانی "المعجم الكبير" اور امام بغوی نے "شرح السنّته" میں حضرت اُمیّہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا۔ چنانچہ امام طبرانی فرماتے ہیں:

> حد ثنا محمدبن اسحٰق بن راهويه ثنا أبى ثنا عيسٰى بن يونس حدّ ثنى أبى عن أبيه عن أُميّة بن عبدالله بن خالد بن أسيد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليک المهاجرين[۲۴۷]

اور بعدازاں فرمایا:

> حد ثنا عبدالله بن محمدبن عبدالعزيز البغوى ثنا عبيد الله بن عمر القواريرى ثنا يحيٰى بن سعيد عن سفيان عن أبى إسحٰق عن اميّة بن خالد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليک المهاجرين[۲۴۸]

علامہ منذری نے ''الترغیب والترھیب'' میں ذکر کیا اور فرمایا:

رواه الطبرانی ورواته رواة الصحیح وهو مرسل[۲۴۹]

امام بغوی لکھتے ہیں:

أخبرنا محمّد بن الحسن المیر بند کشائی أنا أبو العباس الطحان، أنا أبو أحمدمحمّد بن قریش بن سلیمان أخبرنا علی بن عبدالعزیز المکّی أنا أبو عبید القاسم بن سلام حد ثنیہ عبدالرحمٰن ابن مهدی عن سفیان عن عن أبی إسحٰق عن أُمیّة بن خالد بن عبدالله بن أسیدٍ عن النبی صلی الله علیه وسلم: أنّهٗ کان یستفح بصعالیک المهاجرین[۲۵۰]

(یہ حدیث حسن ہے)

(۴۰) حدیث قدسی: ''لا یسعنی أرضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن''

(دفتر سوم، مکتوب ۴۸)

اسے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ''عوارف المعارف'' اور شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ''رساله انیسّه'' میں بعینہٖ[۲۵۱] ذکر کیا۔ جبکہ شیخ ابن یحیٰی منیری نے ''سه صدی مکتوبات'' میں بلفظ: (لا یسعنی سمائی ولا أرضی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن) ج[۲۵۲] اور علامہ ابن عربی نے ''الفتوحات المکیّته'' میں بلفظ: (ماوسعنی أرضی ولا سمائی ووسعنی قلب عبدی المؤمن)[۲۵۳] ذکر کیا امام اَبوطالب المکی نے ''قوت القلوب'' میں فرمایا:

لم تسعنی سمائی ولا أرضی ووسعنی قلب عبدی المُومن الشاکر اللّین الوداع[۲۵۴]

علاّمہ سیوطی نے: ''الدرالمنشور'' میں بلفظ (ماوسعنی سمائی ولا أرضی ولکن یسعنی قلبُ عبدی المؤمن) نقل کرنے کے بعد فرمایا: ''لا أصل لهٗ''[۲۵۵]

امام زرکشی نے ''اللّاتی المنشوره'' میں بلفظ (ماوسعنی سمائی ولا أرضی ولکن وسعی قلب عبد المؤمن) ذکر کیا اور فرمایا: ''قال بعض الحفاظ هٰذا مذکورٌ فی الإسرآئیلیات

وليس لهٗ أسنادٌ معروفٌ عن النبی صلی الله عليه وسلم"[۲۵۶]

قـال الله تعالیٰ: لم يسعنی أرضی ولا سمائی ووسعنی قلبُ
عبدی المؤمن اللّين الوداع[۲۵۷]

اورعلامہ عراقی نے اس کی تخریج میں فرمایا:

لم أرلهٗ أصلاًوفی حديث عتبه قلبهٗ عند الطبرانی بعد قولهٖ:
وانيّة ربّكـم قـلـوب عبـاده الـصـالـحين وأحبّها إليه إلينا
وأرقها[۲۵۸]

لیکن حدیث طبرانی میں ایک راوی بقیّۃ بن ولید (ہے جو) مدلّس ہے علامہ عراقی فرماتے ہیں:

وفيه بقية بن وليد هومدلّس لكنّه صرّح بالتحديث[۲۵۹]

امام اَبوشجاع دیلمی نے "فردوس الأخبار" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ:

قــال الله عــزّو جـلّ: لا يسـعنـــی شـــیءً ووسعنـی قلـب
عبـدالـمـؤمن (اللّين الوداع) وموضع سری الذی أودعته
تسعة وتسعين رحمةً من رحمتی[۲۶۰]

اور"الفردوس بمأثور الخطاب" میں روایت کیا کہ:

قال الله عزّوجل :لايسعنی شیٔ ووسعنی قلب عبدالمؤمن،
إذاألبسته لسبة أحيائی[۲۶۱]

امام احمد نے اسی معنی کی ایک حدیث حضرت وھب بن منبہ سے مرسلاً روایت کی چنانچہ فرمایا:

اخبرنا ابرٰهيم بن خالد حد ثنی عمربن عُبيد انّهٗ سمِعَ وهب
بـن منبّة يقولَ: إنّ الله عزّوجل فتح السمٰوات لحزقيل حتّٰی
نـطـر إلٰـی الـعـرش أو كـمـا قـال فقال حزقيل سبحٰنک ما
أعـطيک يارب فقال الله: إنّ السمٰوات والأرض لم تطق ان
تـحـمـلـنـی و قبـض مـن أن تـسـعنی ووسعنی قلب المؤمن
الوراع اللّين[۲۶۲]

حدیث زیر تحقیق کا مفہوم یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کی امانت، احکام، یعنی قرآن پاک کا بوجھ زمین و آسمان نہیں اٹھا سکتے مگر مؤمن کا دل اسے جگہ دے سکتا ہے، یوں اس کی تائید آیت کریمہ (إنّا عرضنا الأمانة علیٰ السمٰوات والأرض والجبال فأبین أن یحملنها اسفقن، منها وحملها الإنسان)[۲۶۳] سے ہوتی ہے۔

پھر وہ صوفیہ کہ جنہوں نے اس حدیث کو اپنی کتُب میں ذکر کیا، ان کے نزدیک اس حدیث کا معنی اس طرح ہے کہ، مؤمن کا دل ایمان باللہ، محبت و معرفت الٰہی کے خزانوں سے فیضیاب ہونے کے لیے کافی وسعت رکھتا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے ''الفتاویٰ الحدیثیّه'' میں حدیث بلفظ: (ما وسعنی سمائی ولا أرضی وسعنی قلب عبدی المؤمن) نقل کرنے کے بعد امام سیوطی کی طرح ''الا أصل له'' اور زرکشی کا قول بیان کیا اور بعد ازاں فرمایا:

> صالحو الصوفیه أعرف النّاس باللہ ومایجب لہٗ وما یستحیل علیه، وانّما یریدون بذالک أن قلب المؤمن یسع الإیمان باللہ تعالیٰ و محبتہٖ و معرفتہٖ[۲۶۴]

(۴۱) ''ألمرء مع من أحبّ'' (دفتر سوم، مکتوب ۵۰)

اسکی تحقیق سابقہ ہو چکی ہی۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵)

(۴۲) قال علیه وعلیٰ اٰلہٖ الصلوٰۃ والسلام: ''خیارکم فی الجاهلیّة خیارکم فی الإسلام إذا فقهوا'' (دفتر سوم، مکتوب ۵۲)

اسے امام أحمد بن حنبل نے ''مسند'' میں حضرت أبوهریرۃ رضی اللہ عنہ سے جبکہ امام أبوشجاع دیلمی نے ''فردوس الاخبار'' میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا، البتہ امام بخاری نے ''صحیح''، امام ابن حبان نے ''روضة العقلاء'' میں، امام أحمد نے ''مسند'' میں اور امام بغوی نے ''شرح السنه'' میں حضرت أبوهریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بطوالتِ متن روایت کیا۔ لیکن امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مرسلاً، اور امام مسلم نے ''صحیح'' میں حضرت أبوهریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً: (فخیارهم فی الجالیّة) روایت کیا۔

چنانچہ امام احمد فرماتے ہیں۔

حدثنا عبدالرحمٰن ثنا حماد عن عمار قال سمعت أباهريرة رضی الله عنه يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيار كم فى الجالية خياركم فى الإسلام إذا فقهوا[٢٦٥]

اوربطریق حسن روایت کرتے ہوئے فرمایا:

حدثنا حسن بن موسٰی ثنا حماد بن سلمة عن عمّار بن أبی عمار عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم النّاس معادن فى الخير والشّر، خياركم فى الجاهلية خياركم فى الإسلام إذافقهوا[٢٦٦]

امام أبوشجاع دیلمی نے "**فردوس الأخبار**" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا بلفظہ روایت کیا[٢٦٧] جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدثنی محمد قال أخبرنا عبدة بن عبيد الله عن سعيد بن أبی سعيد عن أبی هريره رضی الله عنه قال سُئِلَ رسول الله صلى الله عليه وسلم: أىّ الناس أكرم؟ قال اكرمهم عند الله اتقاهم، قالوا ليس عن هٰذا نسئلك قال فأكرم الناس يوسف نبىّ الله ابن نبىّ الله ابن نبىّ الله ابن خليل الله قالوا ليس عن هٰذا نسئلك قال فعن معادن العرب تسألونی، قالو انعم، قال: فخياركم فى الجاهليّة خياركم فى الاسلام إذا فقهوا[٢٦٨]

اور بعدازاں فرمایا

وتابعهٔ ابو اُسامه عن عبيدالله.[٢٦٩]

امام ابن حبان لکھتے ہیں:

أنبأنا محمد بن الحسن بن الخليل بنسآء حد ثنا أبو كريب حد ثنا عبدة بن سليمان عن عبيد الله بن عمر عن سعيد

> المقبری عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قیل یا رسول الله: أیُّ النّاس أکرم؟ قال اکرمهم عند الله أتقاهم، قالو الیس عن هٰذا نسئلک، قال: فعن معادن العرب تسألونی؟ قالو انعم، قال: خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الإسلام إذا فقهوا[۲۷۰]

امام بغوی نے چار واسطوں (أخبرنا عبدالواحد بن احمد الملیحیّ أنا أحمدبن عبدالله النّیعمیّ أنا محمد بن یوسف نا محمد بن اسمٰعیل) سے امام بخاری کی سند اور متن سے روایت کیا[۲۷۱] جبکہ امام عبدالرزاق نے فرمایا:

> أخبرنا معمر بن الزهری عن سعید بن المسیب، قال: قالو یا رسول الله: أیّنا أکرم؟ قال اتقاکم، قالو ا یارسول الله: إنّما هو فی الدنیا، قال: یوسف بن یعقوب بن إسحٰق بن إبرٰهیم، قالوا إنّما نعنی فیما بیننا، قال: النّاس معادن. خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی لإسلام إذافقهوا[۲۷۲]

علامہ خطیب تبریزی نے ''مشکوٰة المصابیح'' میں حضرت ابوھریرة رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ بخاری ذکر کیا اور فرمایا: ''یہ متفق علیہ ہے''[۲۷۳] لیکن امام مسلم نے ''خیارکم'' کی بجائے ''خیارھم'' ذکر کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> حدثنی حرملة بن یحییٰ أنا ابن وهب أخبرنی یونس عن ابن شهاب حدثنی سعید بن المسیّب عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: تجدون النّاس معادنٌ. فخیارهم فی الجاهلیّة خیارهم فی الإسلام إذافقهوا، وتجدون من خیر النّاس فی هٰذا الأمر اکرمهم لهٗ قبل أن یقع فیه تجدون من شرار النّاس ذالوجهین الّذی یأتی هولاء بوجهٍ و هولاء بوجهه[۲۷۴]

(یہ حدیث صحیح ہے)

(۴۳) جاء فی حدیث النبیّ علی مصدرہٖ الصلوٰۃ والسّلام: "إنما أنا بشر مثلکم أغضب کمیاغضب البشر" (دفتر سوم، مکتوب ۵۳)

اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوۃ" میں مرفوعاً بلفظہٖ مگر بلامخرج بیان کیا[۲۷۵] راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ ایک حدیث سے اقتباس ہے جسے امام اَبونعیم نے "حلیتہ الأولیاء" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا، لیکن "مثلکُم" ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **حدثنا محمد بن المظفر ثنا القاسم بن هارون ثنا محمدبن صالح الأشجع ثنا أبو دائود بن ابرٰهيم ثنا شعبة عن ابی إسحٰق قال سمعت أبا الحوص يحدث عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّما أنا بشر أغضب كما يغضب البشر وأرضىٰ كما يرضىٰ البشر فأيّما مسلم لعنتهُ من غير كنهةٍ فاجعلها له كفارة واجعلها له رحمةً[۲۷۶]**

اور بعدازاں فرمایا:

> **غریبٌ تفرّد بہٖ داؤد عن شعبة[۲۷۷]**

امام مسلم نے "صحیح" میں حضرت اَبوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (**اَللّٰھُمَّ انما محمدٌ بشرٌ یغضب کما یغضب البشر الخ**) روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> **حدثنا قتيبه بن سعيد ناليث عن سعيد بن أبى سعيد عن سالم مولىٰ النصريين قال سمعت أباهريرة يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم: أللّٰهُمَّ انّما محمّد بشر يغضب كما يغضب البشر وانىّ قد اتخذت عندك عهدلم تخلفنيه. فأيّما مؤمن اذيتهُ ابو سيتهُ أوجلّدتهُ فاجلعلها له كفارةُ وقربةُ تقربهُ بها اليك يوم القيامة[۲۷۸]**

البتہ آپ نے اسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (إنّما أنا بشر أرضٰى كما يرضٰى البشر وأغضب كما يغضب البشر) روایت کیا[۲۷۹] اور علامہ بن حبان نے ''صحیح'' میں یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی''[۲۸۰] (پھر مکتوبات امام ربانی کے بعض نسخوں میں ''مثلكم'' موجود نہیں) (یہ حدیث صحیح ہے)

(۴۴) در حدیث آمده است: ''ألمومن القویّ خيرٌ 'من المؤمن الضّعيف''

(دفتر سوم، مکتوب ۵۶)

یہ ایک اقتباس حدیث ہے جسے امام ابن حبّان نے ''كتاب الأمثال''۔ اَبونعیم: ''حليته الأولياء'' اور ابن اَبی عاصم نے ''صحيح'' میں مرفوعاً بلفظ: (المؤمن القوى خيرٌ وأحبّ إلىٰ الله من المؤمن الضّعيف) روایت کیا جبکہ امام ابن ماجہ نے ''سنن'' میں بمثل مسلم اور امام مناوی نے: ''كنوز الحقائق'' میں امام مسلم کے حوالہ سے بلفظہٖ ذکر کیا۔

چنانچہ علامہ ابن حیان لکھتے ہیں:

حد ثنا أبو خليفة ثنا ابرٰهيم بن بشار حد ثنا سفيان عن ابن عجلان عن عجلٍ من ألِ ربيعة عن الاعرج عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال النبّى صلى الله عليه وسلم: المؤمن القوى خيرٌ من المؤمن الضعيف وفى كل خير فاحرص ماينفعک ولا تعجز فان غلبک أمر فقل قدر الله وماشآء الله واياک واللو فان تفتح عمل الشيطان[۲۸۱]

امام اَبونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حد ثنا عبدالله بن محمد ثنا عمرو بن عثمان ثنا يونس بن عبدالأعلٰى ثنا ابن عُيينة عن ابن عجلان عن ابيه عن أبى هريرة أنّ النبّى صلى الله عليه وسلم، قال المؤمن القوىّ خيرٌ من المؤمن الضعيف وكل علىٰ خيرٌ و احرص علٰى ما ينفعک ولا تعجز فان فاتک شئ فقل كذا قدر و كذا كان واياک ولو فانّها مفتاح عمل الشّيطٰن [۲۸۲]

اور بعدازاں فرمایا:

غریب من حدیث ابن عیینه عن ابن عجلان

امام ابن اَبی عاصم لکھتے ہیں:

حدثنا أبو بكر بن أبى شيبة ثنا عبدالله بن ادريس ثنا ربيعة ابن عثمان عن محمد بن يحيىٰ بن حيان عن الاعرج عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤمن القوى خير من المومن الضعيف وفى كل خير واحرص على ماينفعک ولا تعجز فان أصابک شيء فلا تقل: لوفعلت كذا وكذا ولكن قل قدرالله وماشاء فعل فانّ: ”لو“ تفتح عمل الشيطٰن[٢٨٤]

اور بعدازاں فرمایا:

أسناده حسنٌ علىٰ كونهٖ بشرط مسلم فانّ ربيعة بن عثمان قال الحافظ: صدوقٌ لهٗ أوهام[٢٨٥]

ربیعہ رجالِ مسلم میں سے ہے۔ امام مسلم ”صحیح“ میں لکھتے ہیں:

حدثناء أبو بكر بن أبى شيبة وابن نمير قالا نا عبدالله بن ادريس عن ربيعة بن عثمان عن محمدبن يحيىٰ بن حيان عن الأعرج عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤمن القوىّ خيرٌ واحبّ الى الله من المؤمن الضعيف وفى كلٍّ خيرٌ. احرص علىٰ ما ينفعک واستعن بالله ولا تعجز وإن أُصابک شيء فلا تقل لو انى فعلت كان كذا وكذا ولكن قل قدر الله ماشاء فعل فإنّ لو تفتح عمل الشيطان[٢٨٦]

امام ابن ماجہ نے ”سنن“ میں بلفظ واسنادِ مسلم روایت کیا۔[٢٨٧]

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے: ''کنوز الحقائق'' میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بلفظہٖ ذکر کیا[۲۸۸]

(یہ حدیث صحیح ہے)

(۴۵) ''کان اللہ ولم یکن معه شیٔ'' (دفتر سوم، مکتوب ۵۸)

اسکی تحقیق سابق ہو چکی ہے۔ (دیکھئے تخریج حدیث نمبر ۶)

(۴۶) در حدیث قدسی آمده است: ''من لم یرض بقضاعی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیطلب ربًا سوائی ولیخرج من تحت سمائی'' (دفتر سوم، مکتوب ۵۹)

اسے شیخ شرف الدین ابن یحییٰ منیری نے ''سه صدی مکتوبات'' میں بلفظ: (انا الله لا إله إلّا أنا سبقت رحمتی علیٰ غضبی. من لم یرض بقضاعی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیطلب (ربا سوائی) ذکر کیا[۲۸۹]۔

امام اَبوشجاع دیلمی نے ''فردوس الأخبار'' میں حضرت اَبوھند داری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (قال الله عزّوجلّ: من لم یرض بقضاعی ولم یصبر علیف بلائی فلیتمس ربا سوائی) بغیر اسناد کے بیان کیا[۲۹۰]

علامہ خطیب بغدادی نے ''تلخیص المتشابه'' میں حضرت اَبوھند داری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (قال الله تعالیٰ: من لم یرض بقضاعی و یصبر علیٰ بلائی فلیلتمس ربا سوائی) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> أنا أبو منصور محمّد بن أحمد بن شعیب الرویانی أنا أبو بکر محمد بن احمد المفید نا أبو عمرو سلامة بن سعید بن زیاده بن فائد بن أبی هند الداری حد ثنی أبی سعید وعمی ابرٰهیم قالا نا أبو نا زیاد عن أبیهٖ فائد عن جدّهٖ زیاد بن أبی هند عن أبی هند الداری قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: قال الله تعالیٰ: من لم یرض بقضائی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیلتمس ربًا سوائی[۲۹۱]

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المعجم الکبیر '' میں (بلفظ خطیب) روایت کیا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> حدثنا یحیٰی بن عبدالباقی المصیصی حدثنی سعید بن زیاد حدثنی أبی زیاد بن فائد عن أبیهٖ فائد بن زیاد عن جدّهٖ زیاد بن أبی هند عن أبی هند الداری قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم: قال الله تبارک و تعالیٰ: من لم یرض وبقضاعی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیلتمس ربّا سوائی [۲۹۲]

اور علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزّوائد '' میں فرمایا: ''فیهٖ سعید بن زیاده بن هند وَهُوَ متروک '' [۲۹۳] علامہ جلال الدین سیوطی نے ''الجامع الصغیر '' میں امام طبرانی کی ''المعجم الکبیر '' کے حوالے سے بلفظ: (من لم یرض بقضائی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیلتمس ربًّا سوائی) ذکر کیا۔ اور اسے ضعیف قرار دیا۔ [۲۹۴]

البتہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شعب الایمان ''میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (قال الله تعالیٰ: من لم یرضی بقضائی وقدری فلیلتمس ربّاغیری) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> أخبرنا أبو عبدالله الحافظ حدثنی ابو الحسن محمدبن الحسن بن علی الورّاق بمرو، کتبه لی بخطّهٖ ثنا علی بن یزداد الجرحانی وکان قداتٰی علیه مائة وخمسة و عشرون سنة قال سمعت عصام بن اللّیث اللیثی السّدوسی من بنی مرارة فی البادیة یقول سمعت انس بن مالک رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول قال الله تعالیٰ : من لم یرض بقضائی وقدری قلیلتمس ربًّا غیری [۲۹۵]

راقم الحروف کہتا ہے کہ الفاظ مجدد: (ولیخرج من تحت سمائی) زیر مطالعہ کتب میں نہیں ملے۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)

(۴۷) درحدیث قدسی آمدہ است: "**عاد نفسک فانّھا انتصبت بمعاداتی**"

(دفتر سوم، مکتوب ۶۰)

یہ کلمات قدسیات داؤدیہ میں سے ہیں: (تحقیق وتخریج کیلیے دیکھئے حدیث نمبر ۴)

(۴۸) "**ألنظرة الأولیٰ لک**" (دفتر سوم، مکتوب ۶۱)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول نقل کیا۔ لیکن (اسی دفتر کے) مکتوب ۶۶ میں بحیثیت فرمان اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا: علامہ علی متقی نے "**کنز العمال**" میں بلفظ (**ایاک والنظرة بعد النظرة فإنّ الأولیٰ لک والثّانیة علیک**) ذکر کیا اور فرمایا کہ اسے امام حاکم علیہ الرحمۃ نے "**الکنی**" میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے[۲۹۶] امام حاکم علیہ الرحمۃ نے "**مستدرک**" میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے بلفظ دیگر روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> **حدثنا محمدبن صالح بن ھانی ثنا أحمدبن محمد بن نصر ثنا أبو نعیم و ابو غسّان (قالا) ثنا شریک عن أبی ربیعة الأیادی عن ابن بریدة من أبیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعليّ: لا تتبع النظرة، النظرة فان لک الأولیٰ ولیست لک الأخرة**[۲۹۷]

اور بعدازاں فرمایا:

> **ھذا حدیث صحیح علی شرط المسلم ولم یخرجاه**[۲۹۸]

امام أبوداؤد نے "سنن" میں "**بطریقِ شریک**" ہی روایت کیا، چنانچہ فرمایا:

> **حدثنا اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری أنا شریک عن أبی ربیعة الأیادی عن ابن بریدة عن أبیهٖ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعليّ: یا علی لا تتبع النظرة، النظرة فان لک الأولی ولیست لک الأخرة**[۲۹۹]

امام ترمذی: "**جامع**" میں لکھتے ہیں کہ:

حدثنا علی بن حجر أنا شریک عن أبی ربیعة عن ابن بریدة عن أبیه رفعه قال: . یا علی لا تتبع النظرة. النظرة فإن لک الأولیٰ ولیست لک الأخرة[۳۰۰]

اور بعدازاں فرمایا:

هٰذا حدیث حسنٌ غریبٌ لا نعرفه إلاّ من حدیث شریک[۳۰۱]

البتہ امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سنن'' میں سپرد قلم کیا کہ:

أخبرنا أبو الولید الطیالسی ثنا حماد بن سلمة عن محمد بن إسحاق عن محمد بن ابرٰهیم عن سلمة عن أبی الطفیل عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تتبع النطرة. النظرة فان الأولیٰ لک والأخرة علیک[۳۰۲]

اور امام احمد نے ''مسند'' میں فرمایا:

ثنا عفان ثنا حماد بن سلمة ثنا محمد بن اسحٰق عن محمدبن ابرٰهیم الیتمی عن سلمة بن أبی الطفیل عن علی بن أبی الطالب رضی الله عنه أنّ النبیّ صلی الله علیه وسلم قال: یا علی إنّ لک کنزًا من الجنّة وانک ذوقرینها فلا تتبع النطرة، إنّمالک الأولیٰ ولیست لک الآخر[۳۰۳]

(یہ روایت بالمعنیٰ حسن ہے)

(۴۹) ''النّظرة الثانیة علیک'' (دفتر سوم، مکتوب ۶۱)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا جبکہ مکتوب ۶۶ میں مرفوعاً بیان کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ: یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے امام حاکم نے ''الکنی'' اور ''مستدرک'' جبکہ امام ترمذی نے ''جامع'' میں، احمد نے ''مسند'' البتہ ابوداؤد اور دارمی نے ''سنن'' میں مرفوعاً بلا اختلاف متن روایت کیا۔ (دیکھیے حدیث ۴۸)

(٥٠) ''من عرف نفسه فقد عرف ربّهٗ '' (دفتر سوم، مکتوب ٦٦)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ، یہ بحیثیت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زبان زد عام ہے۔ اسے علامہ زرکشی نے "اللآلی المنثورة" میں بعینہٖ نقل کیا اور فرمایا:

> قال النّووی لیس بثابت. و قال الامام ابو المظفر بن السمعانی فی "ألقواطع" فی الکامل علی التحسن والتقبیح العقلی: هٰذا لایثبت عن النبی صلی اللہ علیه وسلم، وانّما هو لفظ محکی عن یحییٰ بن معاذ الرّازی[٣٠٤]

علامہ سیوطی نے "الدرر المنتثرہ" میں مثلِ زرکشی فرمایا:

> قال النووی غیر ثابت وقال ابن سمعانی هو من کلام یحیی بن معاذ[٣٠٥]

علامہ ابن حجر مکی نے "الفتاوی الحدیثیه" میں فرمایا:

> لا أصل لهٗ وانّما یحکی من کلام یحییٰ ابن معاذ الرازی الصّوفی[٣٠٦]

البتہ مولانا روم نے "فیه مافیه" میں فرمایا:

> آنچہ علی گفت: من عرف نفسه فقد عرف ربه[٣٠٧]

امام ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقه" میں بلفظہٖ نقل کیا اور فرمایا:

> کذا نسب هذا الیه (یعنی علی رضی اللہ عنہ) والمشهور أنّه من کلام یحیی بن معاذ الرّازی[٣٠٨]

ملا علی قاری نے "اسرار المرفوعه" میں بلفظہٖ ذکر کیا اور فرمایا:

> قال ابن تیمیة: موضوع. وقال ابن السمعانی انّه لایعرف مرفوعاً وانّما یحکی عن یحیی بن معاذ الرّازی من قوله وقال النّووی انّه لیس بثابت یعنی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم[٣٠٩]

لیکن آپ نے اس کا معنیٰ ثابت اور قرآن مجید سے مستفاد قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

> **والّا فمعناہ ثابت" فقد قیل من عرف نفسهٗ بالجهل فقد عرف ربهٗ بالعلم ومن عرف نفسه بالفناء فقد عرف ربّه بالبقاء ومن عرف نفسه بالعجز والضعف فقد عرف ربه بالقدرة والقوة وهو مستفاد من قوله تعالیٰ (ومن یرغب عن ملّة ابراهٖیم الاّمن سفه نفسه) أی جهلها حیث لم یعرف ربّها**[۳۱۰]

علامہ ابن حجر مکی نے اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> **من عرف نفسه بالعجز والافتقار والتقصیر والذلة والإنکسار عرف ربهٗ بصفات الجلالة والجمالة علیٰ ماینبغی لهما فادام مراقبه حتیٰ یفتح لهٗ باب مشاهدتهٖ فیکون من أخصائهٖ الذین أفرغ علیهم سجال معرفتهٖ وألبسهم صوافی خلافتهٖ**[۳۱۱]

حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے "سہ صدی مکتوبات" میں اس کے تین معنیٰ بیان کیے۔

(۱) **من عرف نفسهٖ بالفناء عرف ربّه بالبقاء**

(۲) **من عرف نفسه بالذل فقد عرف ربّه بالعز**

(۳) **من عرف نفسه بالعبودیّة فقد عرف ربه بالرّبوبیّه"** [۳۱۲]

اور امام سخاوی نے "**المقاصد الحسنه**" میں فرمایا:

> **وقیل فی تَأویلهٖ من عرف نفسه بالحدوث عرف ربّهٗ بالقدم ومن عرف نفسه بالفناء عرف ربّه بالبقاء**[۳۱۳]

البتہ صحت معنیٰ کے ساتھ ساتھ صوفیاء کرام نے اپنی کتب میں بلفظہٖ ذکر کیا۔ علامہ عین القضاۃ ہمدانی نے "**تمہیدات**" میں بحیثیت خبر اور علامہ علاء الدین سمنانی نے "**العروة لاهل الخلوة والجلوة**" میں بحیثیت حدیث ذکر کیا[۳۱۴] جبکہ علامہ ابن عربی: "**الفتوحات مکیة**" حضرت علی ہجویری "کشف

"المحجوب" اور علامہ ابن الدباغ نے "مشارق انوار القلوب" میں مرفوعاً بیان کیا"[۳۱۵] علامہ عز الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مصباح الهداية" میں فرمایا:

در حدیث صحیح است: "من عرف نفسه فقد عرف ربّه"[۳۱۶]

امام ماوردی: "أدب الدّنيا و الدّين" میں لکھتے ہیں کہ:

وقد روی عن عائشة عنها قالت: يارسول الله: متیٰ يعرف الإنسان ربّهٖ؟ قال: إذا عرف نفسهٗ[۳۱۷]

اور امام عبد الرؤف مناوی نے "كنوز الحقائق" میں امام دیلمی کے حوالہ سے بلفظ: (إذا عرف نفسهٗ عرف ربّهٗ) ذکر کیا[۳۱۸]

(۵۱) "النظرة الأولیٰ لک" (دفتر سوم، مکتوب ۶۶)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بحیثیت قول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا۔
اسکی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے: حدیث نمبر ۴۸)

(۵۲) "النظرة الثانيه عليک" (دفتر سوم، مکتوب ۶۶)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے، اسے یہاں بحیثیت قول حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا۔
اس کی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے: حدیث نمبر ۴۹)

(۵۳) "تخلّق باخلاق الله" (دفتر سوم، مکتوب ۶۸)

اسے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے "دفتر اول مکتوب ۱۰۷" میں بلفظ (تخلقوا باخلاق الله) ذکر کیا۔ لیکن ہر دو مقام پر اس کے حدیث یا قول ہونے کی صراحت نہیں کی۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے امام غزالی نے "احياء علوم الدين" میں جلال الدین رومی نے "فيه مافيه" میں علامہ ابن حجر مکی نے "الفتاوی الحديثية" میں سید محمد گیسو دراز "جواهر العشاق" میں اور ابن یحییٰ منیری نے "سه صدی مکتوبات" میں بغیر صراحت حدیث یا قول بلفظ: (تخلّقوا بأخلاق الله) بیان کیا[۳۱۹]

پھر علامہ عین القضاۃ ہمدانی نے "تمهيدات" میں بلا تصریح حدیث یا قول ذکر کیا[۳۲۰] لیکن محقق و "شارح تمهيدات" علامہ "عفيف عسيران" نے احادیث میں شمار کیا[۳۲۱] البتہ علامہ

شیخ شہاب الدین سہروردی نے ''عوارف المعارف'' میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوہ'' میں بحیثیت قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا[۳۲۲] حضرت عین القضاۃ ہمدانی: ''تمہیدات'' میں لکھتے ہیں:

داوٗد را گفت: ''**تخلق باخلاقی وإنّ من اخلاقی الصبور**'' [۳۲۳]

اور امام غزالی نے فرمایا: ''**اوحی اللہ تعالیٰ إلیٰ داؤد علیہ السلام: تخلق باخلاقی وإنّ من إخلاقی أنّی أنا الصبور**'' [۳۱۴]

(۵۴) ''من استوی یوماہ فھو مغبون'' (دفتر سوم، مکتوب ۷۵)

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول جبکہ مکتوب ۹۴ میں بحیثیت حدیث ذکر کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔ امام غزالی نے ''**من استویٰ یوماہ فھو مغبونٌ ومن کان یومہٗ شرًّا من أمسہٖ فھو ملعونٌ**'' [۳۲۵] اور علامہ عراقی نے اس کی تخریج میں فرمایا:

''**لا أعلم ھٰذا إلّا فی منام لعبد العزیز بن أبی روّاد قال رأیتُ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فی النَوم، فقلتُ یا رسول اللہ: أَوصِنی، فقال ذالک بزیادۃ فی اٰخرہ رواہ البیھقی فی الزھد.**'' [۳۲۶] مُلاَّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''**المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع**'' میں بلفظ غزالی ذکر کیا اور فرمایا:

> **لایعرف إلافی منام عبدالعزیز بن أبی روّاد قال أوصانی بہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرویا بزیادۃٍ فی اٰخرہٖ رواہ البیھقی فی الزّھد** [۳۲۷]

علامہ یوسف نبہانی ''**حجۃ اللہ علی العٰلمین**'' میں لکھتے ہیں:

> **رواہ البیھقی فی الزّھد عن عبدالعزیز بن أبی روّاد أنّہٗ رأی النبّی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم فقال یا رسول اللہ أوصنی؟ فقال: من استوی یوماہ فھومغبون ومن کان اٰخریومہٖ شرافھو ملعون ومن لم یکن علی الزیادۃ فھو فی**

> النقصان ومن کان فی النقصان فالموت خیرٌ لهٗ ومن اشتاق الیٰ الجنة سارع الی الخیرات[۳۲۸]

البتہ امام سمرقندی: "تنبیه الغافلین" میں لکھتے ہیں:

> عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہٗ قال من استویٰ یوماہ فھو مغبونٌ و من کان عبدہ شرًّا من یومہٖ فھو ملعونٌ ومن لم یکن فی الزّیادة فھوفی النقصان ومن کان فی النقصان فالموت خیرٌ لہٗ[۳۲۹]

جبکہ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ نے "فردوس الأخبار" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (من استویٰ یوماہ فھو مغبونٌ ومن کان آخریومہٖ شرًّا فھو ملعونٌ ومن لم یکن علی الزّیادة فکان علی النقصان ومن کان علی النقصان فالموت خیرٌ لہٗ) روایت کیا[۳۳۰]

امام زرکشی نے "اللآلی المنثورہ" میں بلفظ: (من استوی یوماہ فھو مغبون ومن کان اٰخریومہٖ شرًّا فھو ملعونٌ ومن لم یکن علی الزیادة فھو فی النقصان فالموت خیر لہٗ ومن اشتاق إلٰی الجنّة سارع الٰی الخیرات ومن اشفق من النار لھیٰ عن الشھوت ومن ترقب الموت ھان علیہ اللذّات ومن زھد فی الدنّیا ھانت علیہ المصیبات) ذکر کیا، اور فرمایا کہ:

> أسندہٗ صاحب الفردوس من حدیث محمدبن سوقہ عن الحارث عن علی مرفوعاً فھو أسناد ضعیفٌ[۳۳۱]

علامہ شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے: "تمییز الطیّب"[۳۳۲] اور امام سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں بلفظ بیہقی ذکر کیا اور فرمایا: (رواہ الدیلمی) "من حدیث محمد بن سوقہ عن الحارث عن علی بہ مرفوعاً، وسندہٗ ضعیفٌ"[۳۳۳] علامہ سیوطی نے "الدرر المنتثرہ" میں بلفظہٖ (من استوی یوماہ فھو مغبونٌ) ذکر کیا اور فرمایا:

> الحدیث بطولہ الدیلمی من حدیث علی رضی اللہ عنہ وھو ضعیفٌ[۳۳۴] (پس الفاظ مجدد قطعۂ حدیث ضعیف ہیں)

(۵۵) گفتہ (صلی اللہ علیہ وسلم) "**اوّل ماخلق اللہ العقل**" (دفتر سوم، مکتوب ۷۶)

اسے امام اَبونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "**حلية الأولياء**" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا، چنانچہ فرمایا:

> **حدثنا أبوبكر عبدالله بن يحيٰى بن معاوية الطلحى وأفادينهٔ أبو الحسن الدّار قطنى ثنا سهل بن المرزبان بن محمد أبو الفضل التميمى الفارسى سنه تسع و ثمانين ومأتين ثنا عبدالله بن الزبير الحميدى ثنا سفيان بن عيينه عن منصور عن الزّهرى عن عروة بن الزّبير عن عائشه رضى الله عنها قالت: حد ثنى رسول الله صلى الله عليه وسلّم أنّ اوّل ماخلق الله سبحانهٔ و تعالىٰ العقل الخ**[۳۳۵]

اور بعدازاں فرمایا:

> **غريبٌ من حديث سفيان والزهرى لا أعلم لهٔ راويًا عن الحميدى إلّا سهلاً واراه واهمًافيه**[۳۳۶]

امام غزالی "**أحياء علوم الدّين**" میں لکھتے ہیں:

> **قال صلى الله عليه وسلم "اوّل ماخلق الله العقل**[۳۳۷]

اور علامہ عراقی نے اس کی تخریج میں فرمایا:

> **أخرجه الطبرانى فى الأوسط من حديث أبى امامة وأبونعيم من حديث عائشة باسنادين ضعفين**[۳۳۸]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "**مدارج النّبوة**" میں فرماتے ہیں:

> **حديث: "اوّل ما خلق الله العقل" نزد محققين و محدثين بصحت نه رسيده**[۳۳۹]

علامہ سخاوی نے اس حدیث کا مخرج "**داؤد بن المحبر**" کی کتاب العقل قرار دیا اور بعد ازاں فرمایا:

ابن المحبر کذابٌ. قال شیخنا: والوارد فی أوّل ماخلق الله،
حدیث ما خلق الله القلم وهو أثبت من حدیث العقل[٣٤٠]

البتہ اگر عقل سے مراد عقل اول لی جائے اور وہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس کی تخلیق نور سے ہوئی تو حدیث زیر تحقیق ضعیف ہونے کے باوجود معناً صحیح ہوتی ہے علماء کرام نے یہی معنی مراد لیے ہیں۔
حضرت عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

عقل اول کہ عبارت است از حقیقت محمدی اصل است وجود تمام عالم را[٣٤١]

علامہ عبدالوہاب شعرانی: "الیواقیت والجواهر" میں لکھتے ہیں:

(فإن قلت) قدورد فی الحدیث اول ما خلق الله نوری و فی
روایة اول ما خلق الله العقل فما الجمع بینهما (فالجورب
الجواب) أن معنا هما واحد لأنّ حقیقة محمدٍ صلی الله
علیه وسلم تارةً یعبر عنها بالعقل الاوّل و تارةً بالنور[٣٤٢]

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مبحث شعرانی کو "حجة الله علی العلمین" میں نقل کیا۔[٣٤٣] اور مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی عقل سے مراد عقل اول ہے۔ جیسا کہ آپ نے (دفتر سوم کے اسی مکتوب ٧٦) میں فرمایا:

ونور است مخبر صادق علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام آنرا مخلوق گفتہ است و
تعبیر ازاں گاہے بعقل فرمودہ انجا کہ گفتہ: اَوّل ماخلق اللہ العقل وگاہے
آنرا بنور یاد فرمودہ وگفتہ اوّل ماخلق اللہ نوری

(٥٦) گفتہ (صلی اللہ علیہ وسلم): "أوّل ما خلق الله نوری" (دفتر سوم، مکتوب ٧٦)

اس حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کو علامہ عین القضاۃ ھمدانی نے: "تمهیدات" علاء الدین سمنانی: نے "العروة لاهل الخلوة والجلوة" نجم الدین رازی نے "مرصاد العباد" اَبومحمد روز بھان نے "شرح الحجب والأستار" علامہ عز الدین کاشانی نے "مصباح الهدایه" اور علامہ سید حسین واعظ کاشفی نے "تفسیر حسینی" میں مرفوعاً بلفظہ بیان کیا[٣٤٤] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوة" میں فرمایا:

''درحدیثِ صحیح واردشدہ است کہ: ''اوّل ماخلق اللہ نوری''[۳۴۵]

البتہ بعض روایات میں یہ بلفظ (أوّل ماخلق اللہ روحی) بھی مذکور ہے۔ اسے علامہ نجم الدین رازی، ''مرصاد العباد'' علاء الدین سمنانی نے العروۃ لأھل الخلوۃ اور عبدالعزیز نسفی نے ''کشف الحقائق'' میں ذکر کیا[۳۴۶] مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مرقاۃ المفاتیح'' میں فرمایا:

> **قولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم: أوّل ماخلق اللہ نوری و فی روایۃ رُوحی و معناھما واحدٌ فإنّ الأرواح نورانیّۃ أی أوّل ماخلق اللہ من الأرواح روحی (وقال) رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریبٌ اسنادًا[۳۴۷]**

بعض روایات میں (أوّل ماخلق اللہ العقل) آیا ہے[۳۴۸] تو ان سے مراد عقلِ اوّل ہے اور وہ نورِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

> **(فان قلت) قدورد فی الحدیث اوّل ماخلق اللہ نوری و فی روایۃ أوّل ماخلق اللہ العقل، فماالجمع بینھما (فالجواب) أنّ معنا ھما واحدٌ لأنّ حقیقۃ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم تارۃً یعبر عنھا بالعقل الأوّل و تارۃ بالنّور[۳۴۹]**

علامہ نبہانی نے اس مبحث شعرانی کو ''حجۃ اللہ علی العٰلمین'' میں نقل کیا[۳۵۰] علامہ ابن حجر مکی ''الفتاوٰی الحدیثیہ'' میں فرماتے ہیں:

> **أخرج عبدالرزاق بسندہٖ عن جابر بن عبداللہ الأنصاری رضی اللہ عنھما قال: قُلتُ یا رسول اللہ بأبی أنت وأُمّی، أخبرنی عن اوّل شیءٍ خلقہ اللہ قبل الأشیاء، قال، یاجابر إنّ اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ[۳۵۱]**

اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو علامہ قسطلانی نے ''المواھب اللدنیہ'' میں بحوالہ امام عبدالرزاق بیان کیا[۳۵۲] اور علامہ زرقانی نے ''شرح المواھب'' میں فرمایا:

> **بقولہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام: أوّل ماخلق اللہ نوری[۳۵۳]**

علامہ سید علی بن سلیمان دمنتی متوفی ۱۳۰۶ھ: ''نفع قوت المغتذی'' میں فرماتے ہیں:

> قال زین العرب بشرح المصابیح رضی اللہ عنہ یعارض ھذا الحدیث (اول ماخلق اللہ القلم) ماروی إن أوّل ماخلق اللہ العقل، إنّ أوّل ماخلق اللہ نورہٗ. إنّ أوّل ماخلق اللہ الرّوح، إنّ أوّل ماخلق اللہ العرش فیجاب إنّ الاوّلیّة من الامور الاضافیّة فیؤول إنّ کلّ واحد ممّاذکر خلق قبل ماھو من جنسہٖ فالقلم خلق قبل الاشجار و نورہ. صلی اللہ علیہ وسلم خلق قبل الأنوار فأوّل ما خلق اللہ من الأجسام اللطیفة العقل ومن الکثیفة العرش فلا تنا قص فی شیءٍ إذاقال حبط حدیث العقل موضوعٌ والثلاثة الباقیہ لم ترد بھذا اللفظ فاستغنی عن التاویل[۳۵۴]

اورعلامہ زین العرب کاقول نقل کرنے کے بعدفرمایا:

> قلت بل صححھا کلھا اھل الکشف والرّوحُ ھُوروح صلی اللہ علیہ وسلم والعقل نور روحہٖ و نورہ یشتملھا معافی الثلاثہٖ[۳۵۵]

علامہ انورشاہ کشمیری ”العرف الشذی“ میں حدیث ترمذی (أول ماخلق اللہ القلم) کے تحت لکھتے ہیں:

> فی بعض الرّوایات: إنّ أوّل المخلوقات نور النبّی صلی اللہ علیہ وسلم، ذکرہٗ القسطلانی فی المواھب بطریق الحاکم والترجیح لحدیث النور علی حدیث الباب[۳۵۶]

علامہ فاسی ”مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات“ میں لکھتے ہیں:

> قد قال الأشعری أنہ تعالیٰ نورٌ لیس کالأنوار والرّوح النبویة القدسیہ لمعة من الانوار والملٰئکہ شررتلک الأنوار وقال صلی اللہ علیہ وسلم: أول ماخلق اللہ نوری و من نوری خلق کلّ شیءٍ[۳۵۷]

اور امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''صلاه الصفاء فی نور المصطفیٰ'' میں فرمایا: ''أجله أئمه دین مثل امام قسطلانی نے: مواهب لدنیه، امام ابن حجر مکی: ''أفضل القریٰ'' علامہ فاسی نے مطالع المسرات۔ علامہ زرقانی نے ''شرح مواهب'' علامہ دیار بکری نے: ''خمیس'' اور شیخ عبدالحق محقق دہلوی نے ''مدارج'' وغیرہا میں اس حدیث (نور) سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں۔ بالجملہ وتلقی امت کا منصب جلیل پائی ہوئی ہے تو بلاشبہہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شئے عظیم ہے کہ جس کے بعد کسی سند کی حاجت نہیں رہتی۔ بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو بھی حرج نہیں کرتی۔ کما بیّناه فی منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین[۳۵۸] (یہ حدیث صحیح ہے)

(۵۷) ''إنّ للہ سبعین ألف حجاب من نور و ظلمةٍ'' (دفتر سوم، مکتوب ۷۶)

اسکی تحقیق ہو چکی ہے (دیکھئے ہدیث نمبر ۲۶) حدیث

(۵۸) فی الحدیث: ''حجابهٔ النور'' (دفتر سوم، مکتوب ۷۶)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ''صحیح'' میں حضرت أبوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> **حدثنا أبوبکر بن أبی شیبة وأبو کریب قالا نا أبومعاویة قال نا الأعمش عن عمرو بن مرّة عن أبی عبیدة عن أبی موسیٰ قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بخمس کلمٰتٍ فقال إنّ اللہ لاینام ولا ینبغی لهٗ أن ینام یخفض القسط ویرفعه یرفع الیهِ عمل اللّیل قبل عمل النهار و عمل النهار قبل عمل اللیل، حجابه النور و فی روایة أبی بکرٍ النار، لو کشفه لأحرقت سبحات وجهه ماانتهیٰ الیه بصرهٗ من خلقهٖ[۳۵۹]**

(یہ قطعۂ حدیث صحیح ہے)

(٥٩) بحدیثے کہ نقل کردہ اند: ”انّ للہ سبعین ألف حجاب من نورٍ و ظلمةٍ ولو کشفت لأحرقت سبحات وجهه ماانتهیٰ الیهٖ بصره من خلقه“ (دفتر دوم، مکتوب ٧٦) اس کا شطر اول ضعیف جبکہ شطر ثانی صحیح ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ٢٦)

(٦٠) در قِصّۂ معراج آمدہ است: قف یا محمد فانّ اللہ یصلّی (دفتر سوم، مکتوب ٧٧)

اسے علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ نے ”الفتوحات المکیة“ میں ذکر کیا، چنانچہ فرمایا:

> فناداه من ناداه بصوت أبی بکر إذ کان قد اعتاد الأنس بهٖ فأنس للنداء وأصغیٰ إلیه وزالت عنه تلک الوحشة بصوت أبی بکرٍ، فقیل لهٗ لمّا أراد الدّخول من ذالک الموقف علی اللہ، قف یا محمّد إنّ ربّک یصلّی[٣٦٠]

ابن الرّبیع بن سبع نے ”شفاء الصدور“ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا۔ جیسا کہ علامہ قسطلانی نے ”المواهب اللدنیه“ میں فرمایا:

> ذکر أبو الحسن بن غالب فیما تکلم فیه علیٰ احادیث الحجب السبعین والسبع مائة والسبعین ألف حجاب، وعزا هالا بن الربیع بن سبع فی شفاء الصّدور من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنه أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال بعد أن ذکر مبدأحدیث الاسراء کماورد فی الامهات، أتانی جبریل وکان السفیر بی الیٰ ربّی إلی أن انتهیٰ الیٰ مقام ثم وقف عند ذالک، فقلت یاجبریل فی مثل هذا المقام یترک الخل خلیله فقال ان تجاوزته احترقت بالنور.
>
> فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم یا جبریل هل لک من حاجةٍ إلیٰ ربّک فقال یا محمدّ سل اللہ تعالی فی أن أبسط جناحی علیٰ الصّراط لِاُمتّک حتی یجوز علیه ثم زج بی

فی النور زجا فخرق بی سبعون الف حجاب لیس فیھا حجاب یشبھه الأخر وانقطع عنّی حس کل ملک وانسی فلحقنی عند ذالک استحیاش فعند ذالک نادانی منادٍ بلغةِ أبی بکر. قف انّ ربّک یصلّی الخ[۳۶۱]

امام عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ: "**الیواقیت والجواھر**" میں لکھتے ہیں:

فرأیٰ صوتا یشبه صوت أبی بکر وھو یقول: یا محمد قف انّ ربّک یصلّیَ[۳۶۲]

البتہ علامہ عین القضاۃ ھمدانی: "**تمھیدات**" میں فرماتے ہیں:

"گوید۔ آں شب کہ مصطفےٰ راعلیہ السلام بمعراج بردند، جایٔ رسید کہ باوگفتند "**قف**"، چرا گفتند "**لأنّ اللہ یصلّی**"، مصطفےٰ گفت: "**وما صلوٰۃ**"، گفت: نماز وی چگونہ باشد؟، گفتند: **صلوتہ الثناء علٰی نفسہٖ سبوح قدّوس ربّ الملٰئکۃ والرّوح**"[۳۶۳]

علامہ خطیب بغدادی نے حضرت عطاء بن أبی رباح سے مرسلًا بلفظ: (**رویداً رویداً فإنّ ربّک یصلّی**) روایت کیا۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

حد ثنا أبو عمر الحسن بن عثمان الواعظ حد ثنا أبو العباس أحمد بن محمد بن یوسف السقطی حد ثنا أبوبکر محمدبن یحیٰی الحفار حد ثنا سعید بن یحیٰی الأموی حد ثنی أبی عن ابن جریح عن عطاء قال لما أسری بالنبیّ صلی اللہ علیه وسلم الی السّمآء السابعة قال له جبریل: رویداً رویداً فإنّ ربّک یصلّی. قال: وھو یصلّیّ؟ قال: نعم. قال: ومایقول؟ قال: یقول: سبّوحٌ قدّوس ربّ الملٰئکة والرّوح سبقت رحمتی غضبی[۳۶۴]

امام ذہبی نے "**میزان الاعتدال**" میں (روایت عطاء کے بارے) فرمایا: "**ھذا منکرٌ**"[۳۶۵]

امام ابن جوزی نے اسے بطریق خطیب: "**کتب الموضوعات**" میں ذکر کیا اور فرمایا:

> **وھٰذا اسناد کلّ رجاله ثقات الاّ انّه موقوف علیٰ عطاء فلعلّه سمعه ممن لایوثق بهٖ ولایثبت مثل هذا بھٰذا** [۳۶۶]

لیکن امام مجدالدین شیرازی نے "الصّلوٰہ علیٰ خیر البشر" میں ابن جوزی پر اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کرنے کی وجہ سے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "**والعجب منه كيف أخرجه فی هٰذا الكتٰب مع هٰذا القول منه**" [۳۶۷] پھر آپ (امام مجدالدین شیرازی) نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (**قال له جبرئیل لیلة أسرٰی بهٖ انّ ربّک یصلیّ، قال یاجبریل: کیف یصلیّ؟ قال یقول سبّوح قدّوسٌ ربّ الملٰئکة والرّوح سبقت رحمتی علیٰ غضبی**) روایت کیا [۳۶۸] امام طبرانی نے "**المعجم الصّغیر**" میں (بغیر مطلوبہ الفاظ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **حد ثنا أحمد بن یحیٰی بن خالد بن حبان الرقی أبو العباس المصری بمصر حد ثنا یحیٰی بن سلیمان الجعفی حد ثنا عمی عمرو بن عثمان قال حد ثنا أبو مسلم قائد الأعمش عن الأعمش عن عمرو بن مرّة عن عطاء بن أبی رباح عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قلت: یأجبریل: أیصلیّ ربّک جلّ ذکره و تعالیٰ جدّه (قال نعم) قلت: ما صلوٰته؟ قال: سبّوحٌ قدوسٌ سبقت رحمتی علیٰ غضبی** [۳۶۹]

اور بعدازاں فرمایا:

> **لم یروه عن الأعمش الاأبو مسلم تفرد به الجعفی** [۳۷۰]

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

> **قال محمد بن نصر المروزی فی کتاب الصّلوٰة حد ثنا إسحٰق أنبأنا محمد بن بکر البرسانی أنبأنا ابن جریح عن عطا قال بلغنی أنّ النبیّ صلی الله علیه وسلم لمّا أسرٰی بهٖ**

> **كلما مرّ بسمآء سلمت عليه الملٰئكة فلما جاء الى السّمآء السابعة قال له جبريل انّ الله تبارک و تعالىٰ يقول سبّوحٌ قدوس ربّ الملٰئكة والرّوح تسبق رحمتى غضبى**[۳۷۱]

راقم الحروف کہتا ہے کہ امام ابن جوزی نے حدیث عطاء، کتاب الموضوعات میں ایک دوسری روایت کی شرح میں نقل کی نہ کہ بحیثیت موضوع حدیث، پھر محمد بن یحییٰ الحفار کو بھی ثقات میں شمار کیا[۳۷۲] تو بالجملہ حدیث بلفظ مجدّد حسن ہے۔

(٦١) **"ألمرء مع من أحبّ"** (دفتر سوم، مکتوب ۷۹)

اسکی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵)

(٦٢) **"إنّ الله خلق اٰدم علىٰ صورتہٖ"** (دفتر سوم، مکتوب ۷۹)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا لیکن مکتوب ۸۰ میں اسے خبر قرار دیا۔ (راقم الحروف کہتا ہے کہ) یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے امام احمد بن حنبل نے "مسند" میں اور امام مسلم نے "صحیح" میں حضرت اَبوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ امام احمد فرماتے ہیں:

> **حدثنا سفيان عن أبى الزناد عن الأعرج عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبىّ صلى الله عليه وسلم: إذا ضرب أحد كم فليجتنب الوجه. فان الله خلق اٰدم علىٰ صورتہٖ**[۳۷۳]

اور امام مسلم فرماتے ہیں:

> **حد ثنا نصر بن علىّ الجهضمى قال نا أبى قال نا المثنىٰ وحد ثنى محمد بن حاتم قال نا عبدالرحمٰن بن مهدى عن المثنىٰ بن سعيد عن قتادہ رضى الله عنه عن أبى ايوب عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفى حديث ابن حاتم عن النبى صلى الله**

عليه وسلم قال: إذا قاتل أحدكم اخاه فليجتنب الوجه. فان الله خلق آدم علىٰ صورته[۳۷۴]

امام غزالی نے "**احياء علوم الدين**" میں مرفوعاً بعینہٖ ذکر کیا[۳۷۵]

اور علامہ عراقی نے تخریج احیاء میں فرمایا:

أخرجه مسلم من حديث ابى هريرة رضى الله عنه[۳۷۶]

(یہ حدیث صحیح ہے)

(۶۳) ''مخبر صادق فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسلام'' ''**عليكم بالسّواد الأعظم**''

(دفتر سوم، مکتوب ۷۹)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے امام ابن ماجہ نے "سنن" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

حد ثنا العباس بن عثمان الدمشقى ثنا الوليد ابن مسلم ثنا معاذ بن رفاعة السلامى حد ثنى أبو خلف الأعمى قال سمعت انس بن مالك يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنّ امّتى لا تجتمع على ضلالة فاذا رأيتم اختلافاً فعليكم بالسّواد الأعظم[۳۷۷]

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث ابن ماجہ کو صحیح قرار دیا[۳۷۸]

اور علاّمہ ابن اَبی عاصم "کتاب السنّة" میں لکھتے ہیں:

حدثنا محمد بن مصفاثنا أبو المغيرة عن معاذبن رفاعة عن أبى خلف الأعمى عن انس بن مالك قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: انّ امّتى لا تجتمع علىٰ ضلالةٍ، فإذا رأيتم الاختلاف فعليكم بالسّواد الاعظم[۳۷۹] (یہ حدیث صحیح ہے)

(۶۴) ”أَنَّ اللہ خلق اٰدم علی صورتہٖ“ (دفتر سوم، مکتوب ۸۰)

اس کی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۶۲)

(۶۵) ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم متواصل الحزن دائم الفکر“

(دفتر سوم، مکتوب ۸۸)

اسے شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے ”سه صدی مکتوبات“ میں بعینہٖ لیکن بغیر مخرج ذکر کیا[۳۸۰] امام ابن جوزی: ”الوفاء باحوال المصطفی“ میں فرماتے ہیں:

عن الحسن بن علی رضی اللہ عن خالہٖ ہند قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم متواصل الاحزان دائم الفکر لیست لهٗ راحة[۳۸۱]

اور امام ترمذی ”شمائل“ میں روایت کرتے ہیں کہ:

حد ثنا سفیان بن وکیع أبانا جمیع بن عمرو بن عبدالرّحمٰن العجلی ثنیٰ رجلٌ من بنی تمیم من ولد أبی هالة زوج خدیجة یکنی ابا عبداللہ عن ابن ألی هالة عن الحسن بن علی قال سألت خالی هند بن أبی هالة وکان وصّافاً، قلت: صف لی منطق رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم متواصل الأحزان دائم الفکرة لیست له راحة الخ[۳۸۲]

جبکہ امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں (سفیان بن وکیع) کے بجائے (مالک بن اسماعیل النّهدی) کے طریق سے روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو عبداللہ الحافظ ثنا أبو سعید أحمد بن محمّد بن عمرو الأحمیسی من أصل کتابه ثنا الحسین بن حمید بن الربیع اللخمی ثنا أبو غسّان مالک بن اسمٰعیل النهدی ثنا جمیع بن عمرو بن عبدالرحمٰن العجلی حدثنی

رجل بمكّة عن أبى هالة التميمى عن الحسن بن على
قال: سألت خالى هند بن أبى هالة التميمى وكان وصّافاً
عن حلية النّبى صلى الله عليه وسلم قال: قلت صف لى
منطقه ، قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم متواصل
الأحزان، دائم الفكر، ليست له راحة الخ[۳۸۳]

علامہ ابن سعد نے "الطبقات الکبریٰ" میں "بطریق مالک بن اسماعیل سے روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

أخبرنا مالك بن اسمٰعيل أبو غسان النهدى أخبرنا جميع
بن عمر ابن عبدالرحمٰن العجلى حدثنى رجل بمكة عن
ابن لأبى هالة التميمى عن الحسن بن على قال: سألت
خالى هند بن ابى هالة التميمى وكان وصّافًا عن حلية
رسول الله عليه وسلم...... قلت: صف لى منطقه قال: كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم متواصلاً الاحزان دائم
الفكرة ليست له. راحة الخ[۳۸۴]

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے "الشفا" میں اسے باختصار ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قال ابن أبى هالة رضى الله عنهٗ: كان رسول الله صلى الله
عليه وسلم متواصل الأحزان دائم الفكرة، ليست لهٗ
راحة[۳۸۵]

اور حاشیہ "شفا" پر محمد امین قرۃ علی اور اسامۃ الرفاعی وغیرہما لکھتے ہیں کہ:

"قال ابن القيم كما سيأتى انه لم يثبت وفى سنده من لايعرف ولاأعلم صحته،

لیکن یہ فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم محل بحث نہیں کیونکہ شراح حدیث نے اس کی معنوی توجیہ کو حسن قرار دیا۔ ملا علی قاری "شرح شفا" میں لکھتے ہیں:

(كان متواصل الأحزان) اى متتابعها لعلمه بشدائد

الاحوال و موارد الاهوال حالاً ومالاً ولكونه في سبحنه سبحانه المقتضٰى احزانه وما احسن قول ابن عطاء"

مادمت في هذه الدار
لاتستغرب وقوع الاكدار[۳۸۷]

(٦٦) فرمودہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام "مأاوذی نبیٌ مثل أوذیت"

(دفتر سوم، مکتوب ۸۸)

اسے علّامہ عین القضاۃ ھمدانی نے "تمہیدات" میں، شیخ شرف الدین ابن یحیٰی منیری نے "سہ صدی مکتوبات میں علامہ حسین واعظ کاشفی نے تفسیر حسینی" اور حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے "مدارج النبّوۃ" میں مرفوعاً بلفظہٖ ذکر کیا، لیکن ماخذ بیان نہیں کیا[۳۸۸]

امام اَبونعیم نے "حلیة الأولیاء" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا لیکن لفظ "نبی" کے بجائے "أحدٌ" بیان کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

حد ثنا ابرٰهيم بن محمدبن يحيٰى و ابرٰهيم بن عبدالله بن إسحٰق قالا ثنا أحمد بن محمدالأزهرى ثنا محمدبن سلمان بن هشام ثنا وكيع عن مالك عن انس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، مأاوذى أحدٌ مثل مأاوذيت فى الله[۳۸۹]

اور بعدازاں فرمایا:

غريبٌ من حديث مالك تفّردبهٖ وكيع[۳۹۰]

علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الصغیر" میں "حلیة الأولیاء" کے حوالہ اور الفاظ سے ذکر کیا اور اسے حدیث حسن قرار دیا[۳۹۱] جبکہ امام ترمذی "جامع" میں لکھتے ہیں۔

حد ثناعبدالله بن عبدالرحمٰن اناروح بن أسلم أبو حاتم البصرى نا حماد بن سلمة نا ثابت عن انس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد اخفت

فی اللہ وما یخاف أحدٌ ولقد أوذیت فی اللہ ولم یوذ احدٌ
ولقد علیّ ثلثون من بین یوم ولم لیلۃٍ ومالی ولبلالٍ طعامٍ
یاکلہٗ ذو کبد الاّشئ یواریہ أبط بلالٍ[٣٩٢]

اور بعدازاں فرمایا۔ ”ھٰذا حدیث حسن صحیحٌ“[٣٩٣]

(٦٧) حدیث قدسی است: **”الاطال شوق الأبرار الی لقائی و أنا الیھم لأشد شوقاً“** (دفتر سوم، مکتوب ٨٨)

اسکی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ٣٧)

(٦٨) **”ألمرء مع من أحبّ“** (دفتر سوم، مکتوب ٨٨)

اسکی تخریج سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ٥)

(٦٩) حدیث قدسی است: **”فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق“** (دفتر سوم، مکتوب ٨٨)

یہ ایک مشہور حدیث قدسی کا اقتباس ہے کہ: جسے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ”مثنوی“ میں بلفظ: (کنت کنزاً مخفیاً فأحببتُ أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف) ذکر کیا۔[٣٩٤]

علامہ نجم الدین رازی نے ”مرصاد العباد“ میں قدسیات داؤدیہ سے ذکر کیا چنانچہ فرمایا:

چنانچہ داؤد علیہ السلام پرسید کہ ”یارب لماذ اخلقت الخلق، قال: کنتُ کنزاً مخفیاً فاحببت أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف[٣٩٥]

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”مدارج النبوۃ“ میں اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

کنت کنزاً مخفیاً فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق و
تعرفت الیھم فبی عرفونی و عرفت بھم[٣٩٦]

امام زرکشی نے ”اللآلی المنثورہ“ میں بلفظ (کنت کنزاً لا أعرف فأحببت أن أعرف فخلقت خلقا فعرفتھم بی) ذکر کیا اور فرمایا:

قال بعض الحفاظ لیس ھذا من کلام النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ولا یعرف لہٗ أسناد صحیحٌ ولاضعیفٌ[٣٩٧]

امام سخاوی نے "المقاصد الحسنه" میں بلفظ (كنت كنزا، لا أعرف فأحببت أن أعرف فخلقت خلقاً فعرفتهم بى فعرفونى) ذکر کیا اور بعدازاں فرمایا:

> قال ابن تيميّه: انّه ليس من كلام النّبى صلى الله عليه وسلم ولا يعرف لهٗ سند صحيح ولا ضعيف وتبعه الزركشى وشيخنا[۳۹۸]

لیکن مُلّا علی قاری نے اس کا معنی صحیح قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

> لكنّ معناه صحيح مستفادٌ من قوله تعالى (وما خلقت الجنّ والإنس إلّا ليعبدون) اى ليعرفون كما فسرّهُ ابن عباس رضى الله عنه[۳۹۹]

اور بارھویں صدی کے محقق علامہ عجلونی نے "کشف الخفاء" میں فرمایا:

> والمشهور على الالسنة كنت كنزاً مخفياً فاحببت أن أعرف فخلقت خلقاً فبى عرفونى، وهو واقع كثيراً فى كلام الصوفيه واعتمد واوبنوعليه أصولا لهم[۴۰۰]

(۷۰) "إنّ لله سبعين ألف حجابٍ من نورٍ و ظلمةٍ" (دفتر سوم، مکتوب ۸۹)
اسکی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۲۶)

(۷۱) درحدیثِ قدسی آمدہ است: "عاد نفسک فانّها انتصبت بمعاداتى" (دفتر سوم، مکتوب ۹۱)
اس کی تخریج سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۴)

(۷۲) فرمودہ است: (صلی اللہ علیہ وسلم) "أوّل ماخلق الله نورى" (دفتر سوم، مکتوب ۹۳)
اس کی تخریج سابقہ گزرچکی ہے (دیکھیے حدیث نمبر ۵۶)

(۷۳) "درحدیث قدسی آمدہ است درشان حبیب اِلٰہ"
"لولاک لما خلقت الأفلاک ولما اظهرت الرّبوبيّة" (دفتر سوم، مکتوب ۹۳)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے یہ الفاظ دو مشہور احادیث کا مجموعہ ہیں۔ ان میں سے ایک (لولاک لما خلقت الأفلاک) کو ملّا علی قاری نے "المصنوع" میں ذکر کیا اور فرمایا: "قال الصغانی موضوعٌ"[۴۰۱] البتہ صوفیاء کرام نے اسے اپنی کتُب میں ذکر کیا اور حدیث قدسی قرار دیا ہے۔ علاء الدین سمنانی نے "العروہ لأهل الخلوة والجلوة" میں جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے "فیه مافیه" میں اور نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "مرصاد العباد" میں بعینہٖ بیان کیا۔[۴۰۲] حضرت شیخ شرف الدین ابن یحییٰ منیری نے "سه صدی مکتوبات" میں اور آپ کے صاحبزادے اُحمد فردولی البہاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مخ المعانی" میں بلفظہٖ ذکر کیا[۴۰۳] مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے "مثنوی" خواجہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے "جواهر العشاق" اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مدارج النبّوة" میں بعینہ ذکر کیا[۴۰۴] البتہ بعض احادیث میں "أفلاک" کے بجائے "سمآء" مذکورہ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> فی حدیث رواه صاحب شفاء الصّدور وغیره قال اللہ:
> یا محمد وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت أرضی
> ولاسمائی ولارفعت هذه الخبراء ولا بسطت هٰذهِ
> الغبراء[۴۰۵]

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے "نخرهة النظر" میں حدیث مشہور کی تعریف (ألمشهور یُطلق علی ماحررنا وعلی ما اشتهر علیٰ الالسنة فیشتمل ماله اسنادٌ واحدٌ فقاعدًا بل مالا یوجد له اسنادٌ اصلاً) کی شرح میں احادیث مشہورہ کی مثالیں بیان کیں تو ان میں ایک (لولاک لما خلقت الافلاک) بھی ذکر کی"[۴۰۶] قدوۃ المحدّثین مولانا صبغت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوٰی میں حدیث (لولاک لما خلقت الافلاک) کے بارے میں فرمایا:

> مارأیت لفظ الحدیث فی کتُب الموجوده عندی
> بالفعل لٰکن أوردهٗ اکثر الصوفیه من المتقدمین
> والمتأخرین فی کتبهم لعلّه وصل سنده الیهم کماقال
> المتأ خرون من المحدثین فی الأحادیث المذکوره فی

> كتٰب الامام الغزالي وغيره من الفقهاء ولم يوجد اسنادها في اكثر كتٰب الحديثية ضاعت في ديار العجم في فتنة التتار حتّٰى ماوصل الينا اسنادها ولهذا ما ثبت اصلها عندنا (ثم قال) بعد ذكر بعض الاحاديث في معناه ثبت من هٰذه الشواهدان لهٗ اصلاً والله اعلم[407]

اورحدیث زیرتحقیق کاشطرِثانی: (ولما اظهرت الرّبوبية)

صوفیاءکرام کے ہاں بحیثیت حدیث قدسی بلفظ (لولاک لما اظهرت الربوبيّة) مشہور ہے۔ اسے شیخ شرف الدین ابن یحییٰ منیری نے "سه صدی مکتوبات" اور سیّد گیسودراز نے "جواهر العشاق" میں ذکر کیا لیکن اسناد بیان نہیں کیں[408] امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ نے "فردوس الاخبار" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

> يقول الله عزّو جلّ: و عزّتي وجلالي. لولاک ماخلقت الجنّة ولولاک ماخلقت الدُّنيا، [409]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ "مستدرک" میں لکھتے ہیں:

> حدثنا علي بن حمشاء العدل املاء ثنا هارون بن العباس الهاشمي ثنا جندل بن والق ثنا عمرو بن أوس الأنصاري ثنا سعيد بن أبي عروة عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابن عباس رضي الله عنه قال اوحى الله تعالٰى الٰى عيسٰى عليه الاسلام يٰعيسٰى اٰمن بمحمّدٍ وأمرمن أدركه من امّتک أن يؤمنوابه، فلولا محمّد ماخلقت اٰدم ولولا محمّد ماخلقت الجنه ولاالنّار ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتب عليه لا اله الاّ الله فسكن[410]

اور بعدازاں فرمایا "هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه"[411]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "**الخصائص الکبریٰ**" اور علامہ تقی الدین بکی نے "**شفاء السقام**" میں حدیث حاکم بیان کی اور اس سے استدلال کیا[۴۱۲] یہ حدیث اگر چہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کہ اخبارِ غیب پر مشتمل ہے۔ امام حاکم نے "**مستدرک**" میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک حدیث (**لمّا اقترف اٰدم الخطیئة......الخ**) میں الفاظ (**ولولا محمّد ماخلقتک**) بیان کیے اور اسے صحیح الأسناد قرار دیا[۴۱۳] علامہ مرادمکی نے "**الدّر المکنونات**" میں حدیث زیرِ تشریح کا معنی صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا:

> **معنی هٰذا الحدیث لاشبهة فی صحّتهٖ و مطابقتهٖ لنفس الأمر عند کافیة الصّوفیة و عامة من سواهم فهو صحیح" انشاء اللہ**[۴۱۴]

راقم الحروف (مطالی) کہتا ہے کہ "حدیث (**لولاک لما اظهرت الرّبوبیّة**) کا معنی صحیح ہے۔ کیونکہ آیت قرآن حکیم (**وما خلقت الجنّ والإنس الا لیعبدون**)[۴۱۵] کے تحت جن وانس کی پیدائش کا مقصود عبادتِ خداوندی، معرفت الٰہی اور اظہار ربوبیّت ہے۔ اور حدیث عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہ سے واضح ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جنت و دوزخ، عرش و فرش، چاند اور تارے، شجر و حجر، شرق و غرب، الغرض کائنات ہست و بود کچھ نہ ہوتا اور نہ ہی اظہار ربوبیّت ہوتا۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقصودِ کائنات اور وجہِ تخلیق عالم ہیں۔

(۷۴) فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام: "**سلوا الی الوسیلة**" (دفتر سوم، مکتوب ۹۴)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "**جامع**" میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ روایت کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> **حدثنا محمدبن اسمٰعیل أخبرنا عبداللہ بن یزید المقرئ نا حیوٰة أنا کعب بن علقمة سمع عبداللہ بن جبیر أنّهٗ سمع عبداللہ بن عمرو انّهٗ سَمِعَ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: اذاسمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فانه من صلّی علیّ صلوٰة صلی اللہ علیه عشراً. ثم سلوا الی**

> الوسيلة فانّها منزلة فی الجنّة لا ينغی الا لعبدٍ من عباد الله وارجوأن اكون أنا هوومن سأل لی الوسيلة حلّت عليه الشفاعة[۴۱۶]

اور بعدازاں فرمایا: "ھٰذا حدیث حسن 'صحیح'"[۴۱۷]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح" میں بلفظ: (سلو االله لی الوسیلة) ذکر کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> حدثنا محمدبن سلمة المرادی قال نا عبدالله بن وهب عن حیٰوة وسعید بن ابی أیوب وغیر هما عن کعب بن علقمة عن عبدالرحمٰن بن جبیر عن عبدالله بن عمرو بن العاص انّه سمع النبّی صلی الله علیه وسلم یقول: اذا سمعتم المؤذّن الخ[۴۱۸]

(یہ قطعۂ حدیث صحیح ہے)

(۷۵) "من سنّ سنّةً حسنةً فلهٗ أجرها وأجرمن عمل بها" (دفتر سوم، مکتوب ۹۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے یہاں بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح" اور امام احمد بن حنبل نے "مسند" میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (من سنّ فی الإسلام سنّةً حسنةً فله أجرها وأجرمن عمل بها بعده من غیرأن ینتقص من أجورهم شیء ومن سنّ فی الإسلام سنّةً سیّئةً کان علیه وزرها ووزرمن عَمِلَ بها بعده من غیر ان ینتقص من أوزارهم شئ) روایت کیا[۴۱۹] جبکہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مدارج النبوہ" میں بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں اور ابن عربی نے "الفتوحات المکیة" میں مرفوعاً بلفظہٖ ذکر کیا[۴۲۰] البتہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء السقام میں فرمایا:

> قد قال صلی الله علیه وسلم: من سنّ سنّةً حسنةً فله أجرها وأجرمن عمل بها إلٰی یوم القیٰمة و من سنّ سنّةً سیّئةً فعلیه وزرها ووزرمن عمل بها إلٰی یوم القیٰمة[۴۲۱] (یہ حدیث صحیح ہے)

(٧٦) درحدیث آمده است: "**من استوی یو ماه فهو مغبون**" (دفتر سوم، مکتوب ۹۴)
اس کی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵۴)

(٧٧) درحدیث صحاح آمده است:

"**کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یَسْتَفتِحُ بصعالیک المهاجرین**" (دفتر سوم، مکتوب ۹۴)
اسکی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث، نمبر ۳۹)

(٧٨) پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "**ألدّنیا ملعونة**" (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے کہ جسے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "**العلل المتناهیه**" ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے "**سنن**" امام ترمذی نے "**جامع**" اور بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے "**شرح السُّنّه**" میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> **انبانا الحریری قال انبانا العشاری قال نا الدّار قطنی قال نا الحسن ابن إبراهیم بن عبدالحمید قال نا سلمة بن احمد بن مجاشع قال نا خالد بن یزید قال نا سفیان الثوری عن عطاء بن قرّة عن عبدالله بن همزة عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الدّنیا ملعونة وملعون مافیها إلّا ذکر الله او عالم أومتعلمٌ**[٤٢٢]

اور بعدازاں فرمایا:

> **تفرّد به خالد بن یزید العدوی قال ابن عدی لاتتابع علیٰ حدیثه**[٤٢٣]

البتہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے بجائے ابن ثوبان رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

> **حدثنا علی بن میمون الرقی ثنا أبو خلید عتبة بن حماد الدمشقی عن ابن ثوبان عن عطاء ابن قرة عن**

عبدالله بن ضمرة السلولى قال ثنا أبو هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول الدنيا ملعونةٌ ملعونٌ ما فيها إلاذكر الله وما والاه أوعالماً أو متعلّمًا[٤٢٤]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

حدثنا محمدبن حاتم المؤدب نا على بن ثابت ناعبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان قال سمعت عبدالله بن ضمرة قال سمعت اباهريرة رضى الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنّ الدّنيا ملعونة ملعون ما فيها إلّا ذكر الله و ماوالاه و عالم أومتعلّمٌ[٤٢٥]

اور بعدازاں فرمایا: ”هٰذا حديث حسنٌ غريبٌ“[٤٢٦]

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

أخبرنا الامام أبو على الحسين بن محمد القاضى، أناأبو العباس عبدالله بن محمّد بن هارون الطيفونى أناأبو الحسن محمد بن أحمد الترابى أنا أبو بكر أحمد بن محمدبن عمر بن بسطام أنا أحمد بن سيّار القرشى ناقتيبة بن سعيد نا الخنيسى وهو محمد بن يزيد بن خنيس عنْ وهيب بن الورد العابد عن عطاء بن قرّة سلولى عن عبدالله بن ضمرة أنّ النبّى صلى الله عليه وسلم قال: الدّنيا ملعونة، ملعون مافيها إلّا ذكرالله أو معلماً أو متعلما“[٤٢٧]

اور بعدازاں فرمایا:

ويروٰى عن عبدالله بن ضمره عن أبى هريرة رضى الله عنه

> عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ألا إنّ الدّنیا ملعونۃ ملعون
> مافیھا إلّا ذکر اللہ وما والاہ وعالماً أو متعلما[۴۲۸]

علامہ خطیب تبریزی نے "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا بلفظ (ألا إنّ الدّنیا معلونۃ ملعون ما فیھا الاّذکر اللہ وماوالاہ و عالمٌ أومتعلّمٌ) ذکر کیا اور فرمایا کہ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔[۴۲۹] (یہ حدیث بلفظ مجد: حسن ہے)

(۷۹) درخبر آمدہ است: "سین بلالٍ عند اللہ شین" (دفتر سوم، مکتوبات نمبر ۱۰۰)

یہ خبر مشہور ہے، اسے امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے "نـزھۃ الـنظـر" میں بلفظہٖ ذکر کیا ہے[۴۳۰] البتہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلیٔ المنثورۃ" میں فرمایا:

> قال الحافظ جمال الدّین المزی: أشھر علی ألسنۃ العوام انّ بلالاً رضی اللہ عنہ کان یبدل الشین فی الاذان سیناً. ولم نرہ فی شی ء من الکتٰب . (قال الزرکشی) کذاوجدتہ عنہ بخط الشیخ برھان الدّین السفاقیسی[۴۳۱]

جبکہ ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "المصنوع" میں بلفظہٖ ذکر کیا اور فرمایا "قال ابن کثیر لیس لہٗ اصلٌ"[۴۳۲]

علامہ شیبانی "تمییز الطیب" میں لکھتے ہیں:

> "قال ابن کثیر لیس لہٗ أصلٌ ولا یصحّ وکذا سلف عن المزی فی أنّ بلا لامن الھمزۃ. انتھٰی"[۴۳۳]

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المقاصد الحسنہ" میں بلفظہٖ نقل کیا اور فرمایا:

> "قال ابن کثیر: انّہ لیس لہٗ أصل: ولا یصحّ وکذاسلف عن المزی فی: إنّ بلاً لاً من الھمزہ ولٰکن قدوردالموفق بن قدامۃ فی المغنی بقولہ: روی أن بلا لاً کان یقول اسھد یجعل الشین سیناً، والمعتمد

الاول، وقد ترجمه غير واحدٍ بأنه كان لذَىّ الصوت حسنهٗ فصيحه، وقال النبي صلى الله عليه وسلم لعبد الله بن زيد صاحب الرويا ألق عليه، أى عليٰ بلالٍ، ألاذان، فأنَّهٗ أندٰى صوتاً منک ولو كانت فيه لثغة لتوفرت الدواعي على نقلها ولعابها أهل النّفاق والضلال والمجتهدين في التنقص لأهل الاسلام، فسأل الله التوفيق"[۴۳۴]

اور بارھویں صدی کے محقق علامہ عجلونی نے "كشف الخفاء" میں فرمایا:

وقال العلامة ابرٰهيم النّاجي: اسهد بالسين المهملة قط كما وقع لموفق الدين ابن قدامة في مغنيهٖ وقلّدهٗ ابن اخيه الشيخ أبو عمر شمس الدين في شرح كتٰبه المقنع. وردّ عليه الحفاظ كما بسطتهٗ في ذكر مؤذنيه بل كان بلالاً أفصح الناس وانداهم صوتاً[۴۳۵]

راقم الحروف (مطالی) کہتا ہے کہ صوفیہ کے ہاں اس کا حال صحو کا ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خطائے ایشاں حکم صواب دارد سکرِشاں حکم صحو در خبر آمدہ است:

سینِ بلال عنداللہِ شین
بر اُشہد تو خندہ زند اُسہد بلال

تو اس صورت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا "سین" نقص نہیں بلکہ کمال تصور ہوگا کہ ربّ کائنات کے ہاں اسے ہی قبولیت کا شرف حاصل ہوگیا۔

(۸۰) "ألمرء مع من أحبّ" (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

اسکی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵)

(۸۱) قال علیہ وعلیٰ الہٖ الصلوٰۃ والسلام: "خلقت من نور الله" (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے کہ جسے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے مکتوب ۱۲۲ میں بلفظ (خلقت من نور الله والمؤمنون من نوری) ذکر کیا[۴۳۷]

راقم الحروف کہتا ہے، کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے "مدارج النبوہ" میں ذکر کیا مگر لفظ "خلقت" کی بجائے "أنا" بیان کیا، چنانچہ فرمایا:

> قولِ وی صلی الله علیہ وسلم: أنا من نور الله والمؤمنون من نوری. وفی روایة. أنامن الله والمؤمنون منی[۴۳۸]

علامہ جلال الدین سیوطی نے "الدررا المنتشرہ" میں بلفظ (أنا من الله والمؤمنون منی) ذکر کیا اور فرمایا:

> أورده الدیلمی عن عبدالله بن جراد بلا اسنادٍ انتهیٰ[۴۳۹]

البتہ امام ابن حجر مکی نے حدیث (أنا من الله والمؤمنون منی) کے بارے میں فرمایا:

> "هو کذبٌ مختلق وان ذکره الدّیلمی بلااسنادٍ"[۴۴۰]

لیکن امام زرکشی نے اسکے ثبوت میں دلائل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> (أنامن الله والمومنون منّی) : قال بعض الحفاظ: هذا لایعرف عن النبی صلی الله علیه وسلم لکن ثبت فی الکتب والسنة أن المؤمنین بعضهم من بعضٍ کماقال الله تعالیٰ: بعضکم من بعضٍ (القرآن) وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الأشعرییّن هم منّی وأنا منهم وقال: لعلی رضی الله عنه أنت منّی وأنا منک، وقال للحسن رضی الله عنه: هذا منّی وانامنه وکلها صحیحةٌ"[۴۴۱]

راقم الحروف کہتا ہے کہ قطعہ زیر تحقیق کا معنی ایک دوسری حدیث سے بھی ماخوذ ہے کہ جسے امام عبدالرزاق نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ علامہ قسطلانی "المواهب اللدنیه" اور ابن حجر مکی "الفتاوی الحدیثیه" میں لکھتے ہیں:

اخرج عبدالرزاق بسندهٖ عن جابر بن عبدالله الأنصاری رضی الله عنهما قال: قلت یا رسول الله بابی أنت وأمّی، اخبرنی عن اول شیٔ خلقهُ اللهُ قبل الاشیاء، قال: یا جابر إنّ الله (تعالٰی) خلق قبل الأشیاء نور نبیّک من نورهٖ [۴۴۲]

اورعلامہ فاسی نے "**مطالع المسرّات**" میں فرمایا:

قال صلی الله علیه وسلم: أوّل ماخلق الله نوری ومن نوری خلق کلّ شیٔ [۴۴۳]

پھر امام اَبوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ نے "**فردوس الأخبار**" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ:

إنّ الله عزّو جلّ خلقنی من نورهٖ و خلق أبا بکر من نوری و خلق عمر من نور أبی بکرو خلق المؤمنین کلّهم من نور عمر رضی الله عنه غیر النبیّین والمرسلین [۴۴۴]

(۸۲) "فانّ الله تعالٰی جمیل یحبّ الجمال" (دفتر سوم مکتوب ۱۱۰)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بغیر تصریح حدیث یا قول ذکر کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "**صحیح**" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

حدثنا محمدابن المثنٰی و محمد بن بشارو ابرٰهیم بن دینار جمیعاً عن یحیٰی بن حماد قال ابن المثنٰی حد ثنی یحیٰی بن حماد قال أنا شعبة عن ابان بن تغلب عن فضیل بن عمرو الفقیمی عن ابرٰهیم النخعی عن علقمة عن عبدالله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لا ید خل الجنّة من کان فی قلبهٖ مثقالُ ذرّ ةٍ من کِبرٍ قال رجلٌ: إنّ الرّجل

يحبّ أن يكون ثوبه حسناً ونعله حسناً، قال: إنّ الله جميل
ويحبّ الجمال، الكبر بطر الحق وغمطُ الناس[۴۴۵]

علامہ خطیب تبریزی نے ”مشکوۃ المصابیح“ میں ذکر کیا اور فرمایا: ”رواہ المسلم“[۴۴۶] امام حاکم نے ”مستدرک“ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

(على شرط مسلم) أخبرنا أبو العباسى عبدالله بن الحسين القاضى بمرو ثنا عبيد بن شريک البزار ثنا يحيٰى بن بكير ثنا اللّيث بن سعد ثنا هشام بن سعد عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار عن عبدالله بن عمرو قال قلت يا رسول الله؟ أمن الكبر أن ألبس الحلة الحسنة قال: إنّ الله جميلٌ يحبّ الجمال ”[۴۴۷]

اور امام قضاعی نے ”مسند الشهاب“ میں فرمایا:

أخبرناه عبدالرحمٰن بن مظفر الأديب أنبأ احمد بن اسمٰعيل ثنا أبو القاسم على بن الحسن بن خالد بن قدير ثنا عبيد الله قال حدثنى أبى عن أبيه عن جدّه أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”إنّ الله جميلٌ يحبّ الجمال[۴۴۸]

(یہ حدیث صحیح ہے)

(۸۳) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام

”أكرموا عمّتكم النخلة فانّها خلقت من طينة ادم“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

اس حدیث کو ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے ”الفتاوى الحديثيه“ میں مرفوعاً بلفظ (أكرموا عمتكم النّخلة فانّها خلقت من فضلة طينة ادم) ذکر کیا لیکن مخرج بیان نہیں کیا[۴۴۹]

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تاريخ“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

روی عن علی رضی اللہ عنہ مرفوعاً: أکرموا عمّتکم النخلة فانّها خلقت من الطین ألذی خلق منه ادم ولیس من الشجر شئ یلقح غیر ها وأطعموا نسائکم الولد الرّطب فان لم یکن رطب فالتمر ولیس من الشجر شجرة أکرم علی اللہ من شجرة نزلت تحتها مریم بنت عمران[۴۵۰]

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے "الضّعفاء الکبیر" میں روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

حدثنا أحمد بن أبی جعفر النصیبی قال: حدّثنا شیبان بن فروح قال حدثنا مسرور بن سعید التمیمی عن عبدالرحمن الأوزاعی عن عروة بن رویم عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أکرموا عمّتکم النخلة فإنّها خلقت من الطین التی خلق منها ادم[۴۵۱]

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ "الکامل فی ضعفاء الرّجال" میں لکھتے ہیں:

ثنا محمدبن سعید بن مهران الابلی ثنا سنان ثنا مسرور بن سعید التمیمی عن الأوزاعی عروة بن رویم عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أکرموا عمتکم النخلة فانّها خلقت من الطین الّذی خلق منه ادم، لیس من الشجر فیّ یلقّح غیرها وأطعموا نسائکم الولدالرّطب فان لم یکن الرطب فالتمرهی الشجرة التی نزلت تحتها مریم بنت عمران[۴۵۲]

اور بعدازاں فرمایا:

هذا حدیث عن الأوزاعی منکر و عروه بن رویم عن علی لیس بالمتصل و مسرور بن سعید غیر معروف لم أسمع بذکره الافی هذا الحدیث[۴۵۳]

امام أبویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسند“ میں بطریق شیبان ذکر کیا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

حدثنا شیبان حدثنا مسرور بن سعید التمیمی حدثنا عبدالرحمٰن الأوزاعی عن عروۃ بن رویم عن علی ابن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من الطّین الذی خلق منہ اٰدم و لیس من الشجر یلقح غیرھا[۴۵۴]

امام ابن حیان ”کتاب الأمثال“ میں فرماتے ہیں:

حدثنا ابراھیم بن محمد بن الحارث ثنا شیبان بن فروخ ثنا مسرور بن سعید التمیمی عن الأوزاعی عن عروہ بن رویم عن علی بن أبی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من الطین الذی خلق منہ اٰدم، لیس من الشجر شیء یلقح غیرھا فأطعموا انسأء کم الولد الرطب فان لم یکن فالتمر ولیس من الشجر شجرۃ أکرم علی اللہ من شجرۃ نزلت تحتھا مریم بنت عمران[۴۵۵]

امام أبونعیم رحمۃ اللہ علیہ ”حلیۃ الأولیاء“ میں لکھتے ہیں:

حدثنا أبوبکر الأجری ثنا أحمد بن یحیٰی الحلوانی ثنا شیبان بن فروخ ثنا مسرور بن سعید التمیمی عن لأوزاعی عن عروۃ عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من فضلۃ طینۃ أبیکم اٰدم ولیس من الشجر شجرۃ أکرم علی اللہ من شجرہ ولدت تحتھا مریم بنت عمران، فأطعموا انسآئکم الولد الحطب فان لم یکن رطبًافتمر[۴۵۶]

اور بعدازاں فرمایا:

> غریبٌ من حدیث الأوزاعی عن عروۃ بن رویم تفرّد بہٖ مسرور بن سعیدٌ[۴۵۷]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتب الموضوعات" میں بطریق أبي نعیم روایت کیا لیکن "أبیکم" ذکر نہیں کیا اور بعدازاں فرمایا:

> حدیث علی فتفرد بہٖ مسرور، قال ابن عدی: مسرور غیر معروفٍ وھو منکر الحدیث وقال ابن حبّان یروی عن الأوزاعی المناکیر لایجوز الإحتجاج بمن یرویھا ومنھا ھذا الحدیث[۴۵۸]

لیکن علامہ سیوطی نے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا:

> مسرور لم یتھم بکذب ولہ شاھد "من حدیث ابی سعید الخدری قال سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ممّاذ اخلقت النخلۃ، قال خلقت النخلۃ والرمان والعِنب من فضل طینۃ اٰدم، أخرجہ ابن عساکر فی تاریخہٖ[۴۵۹]
>
> (یہ حدیث ضعیف ہے)

(۸۴) درحدیث نبوی آمدہ است: "أخي یوسف أصبح وأنا أملح" (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں بلفظہٖ ذکر کیا لیکن اسناد بیان نہیں کیں۔[۴۶۰]

(۸۵) "تقوم السّاعۃ علیٰ شرارُ الناس" (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۳)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے بحیثیت خبر ذکر کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "مستدرک" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> أخبرنا أبو عبداللہ محمدبن عبداللہ الصغار ثنا أحمد بن

عیسٰی القاضی ثنا محمّد بن کثیر و أبو نعیم (قالا) ثنا سفیان عن سلمة بن کهیل عن أبی الزعرآء عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال یبعث اللہ عزّو جلَ ریحًا فیھا زمھریر بار دلاتدع علی وجہ الأرض مؤمنا إلاّمات بتلک الریح ثم تقوم السّاعة علٰی شرار الناس[۴۶۱]

اور بعدازاں فرمایا:

ھٰذا حدیث صحیح'' علٰی شرط الشیخین ولم یخرجاہ و کذا روی باسنادٍ صحیحٍ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ[۴۶۲]

البتہ امام مسلم نے ''صحیح'' میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (لاتقوم السّاعة إلاّ علٰی شرار الناس) روایت کیا، چنانچہ فرمایا:

حدثنا زھیر بن حرب نا عبدالرّحمٰن یعنی ابن مھدی نا شعبة عن علی بن الأقمر عن أبی الأحوص عن عبداللہ عن النبّی صلی اللہ علیہ وسلّم قال: لا تقوم السّاعة إلاّ علٰی شرار الناس[۴۶۳] (یہ قطعۂ حدیث صحیح ہے)

(۸۶) فرمودہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام: ''من أحبّھم فبحبّی أحبّھم ومن أبغضھم فببغضی أبغضھم'' (دفتر سوم، مکتوب ۱۱۰)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۱۱)

(۸۷) الحدیث المرفوع الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

''مانزل من القرآن اٰیة الّا ولھا ظھرو بطن ولکلّ حرفٍ حدّ ولکلّ حدٍّ مطّلع'' (دفتر سوم، مکتوب ۱۱۸)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے ''عوارف المعارف'' کے حوالہ سے بلا اسناد نقل کیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے حضرت شہاب الدین سہروردی نے ''عوارف المعارف'' میں حضرت حسن علیہ الرحمۃ سے مرسلاً روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

حدثنا شيخنا أبو النجيب سهروردى، قال انبانا الرئيس أبو علی بن نبهان قال أنا الحسن بن شاذان قال أنا د علج بن أحمد قال أنا أبو الحسن ابن عبدالعزيز البغوى قال أنا أبو عبيد القاسم بن سلام قال حد ثنا حجاج عن حماد بن سلمة عن على بن زيد عن الحسن يرفعه الى النبى صلى الله عليه وسلم قال: مانزل من القران اية الا ولها ظهر وبطن ولكلّ حرف حدّ ولكل حدّ مطّلع[٦٤]

اورامام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح السنۃ" میں روایت کیا چنانچہ آپ فرماتے ہیں

أنا محمد بن الحسن الميربند كشانى أنا أبو العباس أحمد بن محمد ابن سراج الطحان أنا أبو احمد محمدبن قريش بن سليمان المروزى أنا أبو الحسن على بن عبدالعزيز المكى أخبرنا أبو عبيد القاسم بن سلام قال نا حجاج عن حماد بن سلمة عن على بن زيد عن الحسن يرفعه الى النبىّ صلى الله عليه وسلم: مانزل من القران اية الا لها ظهرٌ وبطنٌ ولكلّ حرف حدّ ولكلّ حدّ مطلع[٦٥]

[illegible] ایک راوی "علی بن زید" ضعیف [illegible]

[illegible] امام سیوطی نے "الدر المنثور" میں [illegible]

[illegible] الحديث [illegible] عن مرسل الحسن[٦٦]

[illegible] حدیث ابن مسعود [illegible]

[illegible] میں روایت کی چنانچہ [illegible]

حدثنا حسن بن [illegible] حدثنا [illegible] عن [illegible] عن سعيد بن بلال عن ابى الاحوص عن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال انزل القرآن على سبعة احرف لكل حرف منها ظهر وبطن[٦٧]

اور علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ”صحیح“ میں فرمایا:

أخبرنا عمر بن محمد الهمداني قال حدثنا اسحٰق بن سويد الرمل قال حد ثنا اسمٰعيل بن أبي اويس قال حد ثني أخي عن سليمان بن بلال عن محمّد بن عجلان عن أبي اسحٰق الهمداني عن أبي الأحوص عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنزل القراٰن علىٰ سبعة أحرفٍ لكلّ اٰيةٍ منها ظهرٌ و بطنٌ“[۴۶۸]

(یہ حدیث حسن ہے)

(۸۸) حدیث: **”ألمرء مع من أحبّ“** (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۱)

اسکی تحقیق سابقہ ہو چکی ہی۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵)

(۸۹) فرمودہ است علیہ الصّلوٰۃ والسّلام: **”علماء امّتی کأنبیاء بنی إسرائیل“** (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۱)

یہ حدیث مشہور ہے۔ اسے علامہ زرکشی نے ”اللآلی المنثورہ“ میں بلفظہٖ ذکر کیا اور اس کی عدم اصل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ”لایعرف لهٗ أصلٌ“[۴۶۹]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الدرّر المنتشرہ“ میں مثل زرکشی فرمایا ”لا اصل لهٗ“[۴۷۰]

لیکن آپ ہی نے ”الخصائص الکبریٰ“ میں اُمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”علمأء هم كأنبيأء بني اسرائيل“[۴۷۱]

علامہ ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفتاویٰ الحدیثیہ“ میں ذکر کیا اور فرمایا:

قال الدّميري هٰذا الحديث لا يعرف له مخرج لكنّ في صحيح البخاري: ألعلماء ورثة الأنبياء خرّجهٗ أبو داؤد والترمذي وابن ماجه والحاكم في صحيحهما[۴۷۲]

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد الحسنة" میں لکھتے ہیں:

> علماء أمتی كأنبيآءِ بنی اسرآئيل": قال شيخنا ومن قبله الدميری والزركشی انّه لا اصل لهٗ و زاد بعضهم ولا يعرف فی كتبٍ معتبر وقد مضٰی فی: اكرموا حملة القراٰن: كاد حملة القراٰن أن يكونوا أنبياءِ الاّ انّهم لايوحٰی اليهم ولأبی نعيم فی فضل العالم الصّف بسندٍ ضعيف عن ابن عباس رضی الله عنه: أقرب الناس من درجة النبوّة اهل العلم والجهادؔ[۴۷۳]

لیکن یہ حدیث صوفیہ کے ہاں ثابت ہے۔ اسے علامہ عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تمهيدات" میں، نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "مرصاد العباد" میں، ابومحمد روزبہان نے "شرح الحجب والأستار" میں بکری رحمۃ اللہ علیہ نے، "تاريخ الخميس" میں ابن یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے "سه صدی مکتوبات" میں مرفوعاً بلفظِ (علماء امّتی كأنبياء بنی اسرآئيل) بیان کیا[۴۷۴] البتہ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفتوحات المكيه" میں فرمایا:

> قد ورد الخبر عن النبّی صلی الله عليه وسلم أنّ علماء هٰذه الامّة كأنبياء بنی اسرائيل[۴۷۵]

اور اس کا معنی حدیث صحیح (العلماء ورثة الأنبياء) سے ماخوذ ہے کہ جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ "جامع"۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ "سنن"۔ امام بخاری "التاريخ الكبير" اور "الجامع الصحيح"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ "مسند" اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح" میں مرفوعاً روایت کیا۔[۴۷۶]

پھر علماء کی انبیائے کرام بنی اسرائیل سے تنظیر صرف میراث علم اور تشریع احکام میں ہے۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> معنی تنظير العلماء بأنبياء بنی اسرائيل أنّهم مثلهم فی ميراث العلم وتشريع الأحكام لكن قطع الأنبيآء بالوحی والعلماء بالإجتهاد.[۴۷۷]

بارھویں صدی کے محقق علامہ عجلوانی نے بھی اس حدیث کے واقع ہونے کا ذکر کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> قال النجّم ممّن نقله جازمًا بأنّه موضوعٌ القمر الرازی و موفق الدّین بن قدامة والأسنوی والبارزی والیافعی واشار الیٰ الأخذ بمعناه التفتازای وضح الدّین الشّهید وأبوبکر موصلی والسیوطی فی الخصائص ولهٗ شواهد ذکر تها فی حسن التشبیهٖ لماورد فی التشبیه انتهّی. وقد یؤیّده أنّهٗ لواقعٌ[۴۷۸]

(۹۰) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام: ”أوّل ماخلق الله نوری“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اسکی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۵۶)

(۹۱) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام: ”خلقت من نور الله والمؤمنون من نوری“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اس کی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۸۱)

(۹۲) درحدیث قدسی کہ مشہور است آمدہ است: ”کنت کنزاً مخفیاً فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

یہ قدسیات داؤدیہ میں سے ہے۔ (دیکھیے تخریج حدیث نمبر ۶۹)

(۹۳) حدیث قدسی: ”لولاک لما خلقت الأفلاک“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

یہ مشہور حدیث قدسی ہے۔ (دیکھیے تخریج حدیث نمبر ۷۳)

(۹۴) ”لولاک لماظهرت الرّبوبیّة“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اسکی تحقیق سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۷۳)

(۹۵) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام: ”ماصبّ الله شیأفی صدری إلاّ وقد صببتهٗ فی صدر أبی بکر“ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اسے شیخ شرف الدین ابن یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ”سه صدی مکتوبات“ میں مرفوعاًبلفظ بیان کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

چوں مصطفیٰ باید کہ بود تا گوید: ماصبّ اللہ شیئاً فی صدری الاّوقد صببته فی صدر أبی بکرٍ[۴۷۹] آپ (منیری رحمۃ اللہ علیہ) کے صاحبزادے علامہ احمد فردولی البہاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مخ المعانی" میں بھی بلفظہٖ ذکر کیا[۴۸۰] علامہ عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تمھیدات" اور علامہ عبدالرحمٰن صفوری نے "نزھة المجالس" میں مرفوعاً بلفظ: (ما صبّ اللہ فی صدری شیئا الاّ وصببتهٗ فی صدر أبی بکر) ذکر کیا[۴۸۱] امام ابن حجر مکی نے "الفتاویٰ الحدیثیه" میں بلفظ ھمدانی رحمۃ اللہ علیہ وصفوری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا مگر اس پر کذب اور وضع کا حکم لگایا[۴۸۲] اور مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے موضوعات میں شمار کیا[۴۸۳] لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الحاوی للفتاوی" میں بحوالہ "نزھة المجالس" بیان کیا اور حکم لگانے کی بجائے سکوت کیا[۴۸۴] اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سے استدلال کرتے ہوئے "مدارج النبوۃ" باب ششم ذکر فرضیت حج میں فرمایا کہ:

> ویقین بمتابعت وارد بحدیث: ما صبّ اللہ فی صدری شیئاً
> الاّ وصببت فی صدر أبی بکرٍ رضی اللہ عنه[۴۸۵]

البتہ علامہ نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ "مرصاد العباد" میں بلفظ (ماصبّ اللہ فی صدری شیئاً الاّ وصببتهٗ فی صدرا خوانی) ذکر کیا[۴۸۶]

پس علمائے حدیث کا سکوت اور استدلال اس کے موضوع ہونے کی نفی کرتا ہے۔

(۹۶) درحدیث نبوی آمدہ است علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام:

"من سنّ سنّة حسنةً فلهٗ أجرها وأجر من عمل بها" (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اس کی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے (دیکھیے حدیث ۸۵)

(۹۷) قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام: أوّل ماخلق اللہ نوری (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اس کی تحقیق سابقہ ہو چکی ہے (دیکھیے حدیث ۸۶)

(۹۸) درحدیث دیگر تعیین وقت خلقت آن نور نیز آمدہ است چنانچہ فرمود:

"قبل خلق السّموٰت بالفی عامٍ" (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے ذکر کردہ قطعۃً حدیث میں تخلیق نورِ اوّل کا وقت (زمین و آسمانوں) کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل بتایا گیا ہے۔

اسے علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے ''نزهة المجالس'' میں ذکر کیا لیکن وہاں یہ دورانیہ ایک ہزار سال مدّت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> **عن النبّی صلی الله علیه و اٰله وسلم قال: ''خلق الله نوراً قبل السمٰوٰت والأرض بألف عامٍ ثم خلق من ذٰلک النّور مسکاً الخ**[۴۸۷]

علامہ سیوطی نے اس روایت صفوری کو ''الحاوی للفتاوی'' میں نقل کیا اور حکم لگانے سے سکوت کیا[۴۸۸] البتہ آپ نے ''الخصائص الکبریٰ'' میں فرمایا:

> **أخرج ابن أبی عمر العدنی فی مسند عن ابن عباس رضی الله عنه أنّ قریشاً کانت نوراً بین یدی الله تعالیٰ قبل أن یخلق اٰدم بالفی عامٍ**[۴۸۹]

اس روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو علامہ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''نزهة المجالس'' اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المطالب العالیه'' میں بیان کیا[۴۹۰] لیکن علامہ بکری رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ الخمیس'' میں فرمایا:

> روی عن ابن عباس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنّهٗ قال: کنت نوراً بین یدی الله قبل أن یخلق الله عزّو جلّ اٰدم بألفی عام یسبح ذٰلک النّور[۴۹۱]

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المواهب اللدّنیه'' میں تحریر کیا کہ:

> **فی احکام ابن القطان (أبی الحسن علی بن محمّد) فیما ذکره ابن مرزوق عن علی بن الحسین عن أبیه عن جدّهٖ رضی الله عنه أن النبّی صلی الله علیه وسلم قال: کنت نوراً بین یدی الله قبل خلق اٰدم باربعة عشر الف عامٍ**[۴۹۲]

اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا:

لاینافی مامران نوره مخلوق قبل الأشیاء وانّ الله قدر مقادیر الخلق قبل خلق السّمٰوٰت والارض بخمسین الف سنةٍ لانّ نوره خلق قبل الأشیاء وجعل یدوره بالقدره حیث شاء الله ثم کتٰب فی اللّوح ثم جسم صدرته علی شکل اخصر من ذالک النّور ولان التبعیر بین الیدین اشارة لزیادة القرب فالمقدر بهذه المدّة مرتبة أظهرت لهٗ لم یکن قبلُ [۴۹۳]

جبکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "روضۃ الطالبین" میں فرمایا:

(قولہ صلی اللہ علیہ وسلم) علیه الصلوٰة والسلام : "خلق الله تعالیٰ الارواح قبل خلق الأجساد بألفی عامٍ" [۴۹۴]

(۹۹) حدیثِ نفیس: **"أنا سیّد ولد اٰدم ولافخر"** (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اسے امام حاکم علیہ الرحمۃ نے "مستدرک" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظہٖ جبکہ امام ابن ماجہ نے "سنن" میں حضرت أبوسعید رضی اللہ عنہ سے، علامہ ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں اور ابویعلی موصلی نے "مسند" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بطوالت متن البتہ امام البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "مسند" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع" میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح" میں حضرت أبوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بمعمولی اختلاف متن روایت کیا۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنی بکر بن محمّد الصیرفی بمرو ثنا أبو الأحوص محمد بن الهیثم القاضی ثنا عبید بن اسحٰق العطار ثنا القاسم ابن محمدبن عبدالله بن محمد بن عقیل حدثنی أبی حدثنی أبی عن جابر بن عبدالله قال صعد رسول الله

صلى الله عليه وسلم على المنبر فحمد الله واثنىٰ عليه ثم قال من أنا، قلنا رسول الله قال نعم ولكن من أنا، قلنا: أنت محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف، قال: أنا سيّد ولد اٰدم ولافخر[۴۹۵]

اور بعدازاں فرمایا:

هٰذا حديث صحيح الأسناد ولم يخرجاه[۴۹۶]

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا مجاهد بن موسىٰ وأبو اسحق الهروى ابرٰهيم بن عبدالله بن حاتم قالا ثنا هشيم أنبأ على بن زيد بن جدعان عن ابى نضرة عن أبى سعيد رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا سيّد ولد اٰدم ولا فخر و أنا أوّل من تنشق الأرض يوم القيٰمة ولا فخر و أنا اوّل شافع و اوّل مشفّع ولا فخر ولواء الحمد بيدى يوم القيامة ولا فخر[۴۹۷]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

أخبرنا عبدالله بن محمد بن سالم ببيت المقدس ثنا عبدالرحمٰن بن ابرٰهيم ثنا الوليد بن مسلم ثنا الأوزاعى حدثنا شدّاد أبو عمار و اثلة ابن الأسقع قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انّ الله اصطفى (كنانه) من ولد اسمٰعيل واصطفىٰ قريشا من كنانة واصطفىٰ بنى هاشم من قريش واصطفانى من بنى هاشم فأناسيّد ولد اٰدم ولا فخر، وأنا أوّل من تنشق عنه الأرض و (أنا) اوّل شافعٍ و أوّل مشفّعٍ"[۴۹۸]

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ:

أخبرنا أبو الحسن على بن عبدالله بن ابراهيم الهاشمى ببغداد ثنا أبوبكر محمد بن عبدالله بن ابرٰهيم البزار ثنا

> اسمٰعیل بن اسحٰق ثنا هدبة بن خالد ثنا حماد بن سلمة عن علیٰ بن زید عن أبی نضرة قال سمعت ابن عباس یخطب علیٰ منبر البصرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لم یکن نبی الا له دعوه یتنجز ها فی الدّنیا وانی اختبأت دعوتی شفاعة لأمّتی یوم القیٰمة وأنا سیّد ولد اٰدم ولا فخر و أوّل من تنشق عنه الأرض ولا فخر و بیدی لواء الحمد واٰدم و من دونه تحت لوائی ولا فخر[۴۹۹]

امام ابویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے "مسند" میں (بطریق هدبة) روایت کیا۔ چنانچہ فرمایا:

> حدثنا هدبة ثنا حماد بن سلمة عن علی بن زید عن أبی نضره قال سمعت ابن عباس یخطب علی منبر البصرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انه لم یکن نبی الاّ وله دعوة یتنجز ها فی الدّنیا وانّی خبّأت شفاعة لا متی یوم القیٰمة وانا سیّد ولد اٰدم ولا فخر وأوّل من تنشق عنه الأرض ولا فخر بیدی لواء الحمد و اٰدم ومن دونه تحت لوائی ولا فخرو یطول یوم القیٰمة علی الناس الخ[۵۰۰]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بطریق حماد بن سلمۃ نقل کی لیکن الفاظ مطلوبہ: "أنا سیّد ولد اٰدم یوم القیٰمة ولا فخر" ذکر کیے[۵۰۱] جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع" میں حضرت اُبوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ: (أنا سیّد ولد اٰدم یوم القیٰمة ولا فخر) قطعہ حدیث روایت کیا[۵۰۲] جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اُبوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (أنا سیّد ولد اٰدم یوم القیامة)[۵۰۳] اور امام اُبوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اُبوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (أنا سیّد ولد اٰدم) قطعۂ حدیث روایت کیا۔[۵۰۴] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء علوم الدین" اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "کتٰب الشفاء" میں بعینہٖ ذکر کیا لیکن ماخذ بیان نہیں کیا[۵۰۵] اور شیخ اُبوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے "آداب المریدین" میں فرمایا:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند غلبة الحال: ''أنا سیّد ولد اٰدم ولا فخر[۵۰۶] (یہ حدیث صحیح ہے)

(۱۰۰) ''اٰدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیٰمة'' (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

حضرت مجدد علیہ الرحمة نے اسے بحیثیت حدیث نقل کیا لیکن ماخذ بیان نہیں کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسند'' بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شعب الایمان'' اور امام ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسند'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (اٰدم ومن دونہ تحت لوائی ولا فخر) جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع'' میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (ومامن نبی یومئذٍ اٰدم فمن سواہ الاتحت لوائی) قطعۂ حدیث روایت کیا۔

چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ثنا عفان ثنا حماد بن سلمة عن علی بن زید عن أبی نضرة قال خطبنا ابن عباس رضی اللہ عنہ علیٰ منبر البصرة فقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انّہ لم یکن نبیٌّ الّا لہٗ دعوة قدتنجز ها فی الدنیا وانیّ قد اختبأنی دعوتی شفاعة لامتی وانا سید ولد اٰدم یوم القیٰمة ولا فخر وأنا أوّل من تنشق عنہ الارض ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر اٰدم فمن دونہ تحت لوائی ولا فخر[۵۰۷]

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو الحسن علی بن عبداللہ بن ابرٰهیم الهاشمی ببغداد ثنا أبوبکر محمد بن عبداللہ بن ابرٰهیم البزار ثنا اسمٰعیل بن اسحاق ثنا هدبة بن خالد ثنا حماد بن سلمةعن علی بن زید عن أبیِ نضرة قال سمعت ابن عباس یخطب علیٰ منبر البصرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لم یکن نبّی الالٰہ دعوة یتنجّز هافی الدنیا وانّی اختبأت

دعوتی شفاعةً لأمّتی یوم القیٰمة و أنا سیّد ولد اٰدم ولا فخر و أوّل من تنشقّ عنه الأرض ولافخر و بیدی لواء الحمد واٰدم ومن دونه تحت لوائی ولا فخر[508]

امام أبویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حد ثنا هدبة حد ثنا حماد بن سلمة عن علی بن زید عن أبی نضرة قال سمعت ابن عباس یخطب علیٰ منبر البصرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: انّه لم یکن نبیّ الاّ وله دعوة یتنجزّ ها فی الدّنیا وانّی خبّأت شفاعة لِأمّتی یوم القیٰمة وانا سیّد ولد اٰدم ولافخرو أوّل من تنشقّ عنه الارض ولا فخر بیدی لواء الحمد واٰدم ومن دونه تحت لوائی ولا فخر ویطول یوم القیٰمة علی الناس الخ[509]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن أبی عمرنا سفیان عن ابن جدعان عن أبی نضرة عن أبی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: انا سیّد ولد اٰدم یوم القیٰمة ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر، ومامن نبیٍ یومئذٍ اٰدم فمن سواه الاتحت لوائی وأنا اوّل من تنشقّ عنه الأرض ولافخر[510]

اور بعدازاں فرمایا:

هٰذا حدیث حسنٌ[511]

جبکہ شیخ أبوالنجیب سہروردی نے "آداب المریدین" میں مرفوعاً بلفظہ ذکر کیا۔ چنانچہ فرمایا:

"قال النبی صلی الله علیه وسلم عند غلبة الحال..... واٰدم ومن دونه تحت لوائی یوم القیٰمة" محقق عجلوانی نے "کشف الخفاء" میں بلفظ (اٰدم فمن دونهُ تحت لوائی یوم القیٰمة) ذکر کیا۔

اور بعدازاں فرمایا:

> رواہُ احمد و أبو یعلی عن ابن عباس مرفوعاً من حدیث
> صدرہ: انّہ لم یکن نبّی الاّ لہ دعوۃ الخ [۵۱۳] (یہ حدیث حسن ہے)

(۱۰۱) "فعلمت علم الأوّلین والأٰخرین" (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ نے اسے بحیثیت قول محمد مصطفٰے علیہ التحیّہ والثناء ذکر کیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ ایک قطعۂ حدیث ہے جسے سیّد حسین واعظ کاشفی نے "تفسیر حسینی" میں بعینہٖ ذکر کیا لیکن ماخذ بیان نہیں کیا [۵۱۴] امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ "الفتوحات المکیۃ" میں لکھتے ہیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنّ اللہ ضرب بیدہٖ بین کتفی فوجدت برد انا ملۃ بین ثدیٰ فعلمت علم الأولین والأٰخرین [۵۱۵]

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر روح البیان" میں فرمایا:

> جاء فی حدیث اختصام الملٰئکۃ أنّہ قال: فوضع کفّہٗ علٰی کتفی فوجدت بردھا بین ثدیَّ فعلمت علم الأولین والأٰخرین [۵۱۶]

اور بعدازاں تصریح کی کہ اسے علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفکوک" میں بیان کیا ہے [۵۱۷] علامہ عین القضاۃ ہمدانی نے "تمہیدات" میں بلفظ (وضع یدہٗ علٰی کتفی فوجدت بردأنا ملہٖ بین ثدیّ فعلمت علم الأولین والأٰخرین) ذکر کیا [۵۱۸] جبکہ امام ابن أبی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ "مصنف" میں روایت کرتے ہیں کہ:

> حد ثنا عبداللہ بن نمیر قال حد ثنا موسٰی بن مسلم عن عبدالرحمٰن بن سابط قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انّ اللہ تجلّی لی فی أحسن صورۃ فسألنی فیما اختصم (الملأالأعلیٰ) قال فقلت ربّی لا علم لی بہٖ قال: فوضع یدہ بین کتفی فما سألنی عن شیءٍ الا علمتہ [۵۱۹]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الخصائص الکبریٰ" میں ابن اَبی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ذکر کیا[۵۲۰] امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ "سنن" میں روایت کرتے ہیں کہ:

> أخبرنا محمد بن المبارک حد ثنی أبو الولید حد ثنی أبی عن جابر بن خالد بن اللجلاج وسأله. مکحول ان یحدّثه قال سمعت عبدالرحمٰن بن عائش یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: یقول ربّی فی أحسن صورة قال فیم یختصم الملاء الاعلیٰ فقلت أنت أعلم یا ربّ قال فوضع کفّه بین کتفی وجدت بردھابین ثدیّ فعلمت ما فی السمٰوٰت و الأرض وتلا (وکذالک نری ابرٰھیم ملکوت السمٰوٰت والأرض ولیکون من الموقنین۔[۵۲۱]

اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن عائش کے صحابی رسول ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ "الاکمال فی اسماء الرجال" میں لکھتے ہیں:

> ھو عبدالرحمن بن عائش الحضرمی یعدّفی اھل الشّام مختلفٌ فی صحبتہٖ له حدیث فی الرّؤیة، روی عنه أبوسلام ممطور و خالد اللجلاج وحدیثهٗ عن مالک بن یخامر عن معاذ ابن جبل عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و عن بعضھم حدیثهٗ عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والصحیح الاوّل[۵۲۲]

علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت عبدالرحمٰن بن عائش سے "مشکوٰۃ المصابیح" میں بیان کی اور فرمایا: "رواہ الدارمی مرسلاً"۔ [۵۲۳] راقم الحروف کہتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع" میں حدیث اختصام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی اور اس میں الفاظ (فعلمت ما فی السمٰوٰت وما فی الأرض) ذکر کیے، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

> قال یحییٰ بن عمارة حد ثنا عبد بن حمید نا عبدالرّزاق عن

معمر عن أیوب عن أبی قلابة عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اتانی اللیلة ربّی تبارک و تعالیٰ فی أحسن صورة قال احسبه قال فی المنام فقال یا محمد هل تدری فیم یختصم الملأ الأعلی قال: قلتُ : لا، قال فوضع یده بین کتفی حتّٰی وجدت بردها بین ثدیّ أوقال فی نحری فعلمت ما فی السمٰوٰت ومافی الأرض الخ[۵۲۴]

اور بعدازاں فرمایا:

وقد ذکروا بین أبی قلابة و بین ابن عباس فی هذا الحدیث رجلاً[۵۲۵]

پھر بطریق قتادہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہوئے فرمایا:

حدثنا محمد بن بشار نا معاذ بن هشام ثنی أبی عن قتادہ عن أبی قلابة عن خالد بن اللجلاج عن ابن عباس رضی الله عنه أنّ النبّی صلی الله علیه وسلّم قال أتانی ربّی فی أحسن صورة فقال یا محمد فقلت لبیّک ربّی وسعدیک قال فیم یختصم الملاء الأعلیٰ قلت ربّ لا أدری فوضع یده بین کتفی حتّٰی وجدت بردها بین ثدیّ فعلمت ما بین المشرق والمغرب[۵۲۶]

اور بعدازاں فرمایا:

هذا حدیث حسنٌ غریبٌ من هذا الوجه[۵۲۷]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً بلفظ (فرأیتهٗ وضع کفّه بین کتفی قدوجدّت بردانا مه بین ثدیّ فتجلّیٰ لی کلّ شیٔ) بھی روایت کیا۔[۵۲۸]

اور بعد ازاں فرمایا:

هذا حديث حسنٌ صحيح. سألت محمد بن اسمٰعيل عن هذا الحديث فقال هذا صحيح[۵۲۹] (یہ قطعہ حدیث حسن ہے)

(۱۰۲) آں سرور فرمودہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام کما ورد:

"ياليت ربَّ محمّد لم يخلق محمّدًا" (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

یہ حدیث صوفیہ کے ہاں مشہور ہے۔ اسے سیّد محمد گیسو دراز نے "**جواهر العشّاق**" میں جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے "**فيه مافيه**" میں، احمد فردولی البھاری رحمۃ اللہ علیہ نے "**المعاني**" میں اور شرف الدین ابن یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ نے "**سه صدی مکتوبات**" میں بلفظ مجدّ د بیان کیا[۵۳۰] شیخ شرف الدین ابن یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ مولانا حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور عین القضاۃ ھمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی۔ چنانچہ فرمایا:

> ایں معنی جملہ در تواریخ مولانا حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ مشرح آوردہ است لیکن آں عاشق فانی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ میگوید کہ تواں دانستن آں حالت را کہ دراں حالت حضرت رسالت گفتہ است: **ياليت ربُّ محمدلم يخلق محمدًا**"[۵۳۱]

علامہ عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ "**تمھیدات**" میں فرماتے ہیں:

> اگر دنیا و قالب ضرّت نبودی، چرا مصطفیٰ را بداں حال باز گذاشتندی کہ و تضرّع گفتی: **ليت ربّ محمدٍ لم يخلق محمداً**[۵۳۲]

اور ایک دوسرے مقام پر اس کا معنی یوں بیان فرمایا:

> حقیقتِ ایں گفتار مصطفیٰ: لیت ربّ محمد لم تخلق محمد ا۔ اینست کہ میگوید: کاشکی ایں قالب نبودی تا دریشان الٰھی برگل کبریاء سدا بیدن ثنای، **لأحصىٰ ثناء عليك أنت كما اثنيت علىٰ نفسك. مى گفتمى.**[۵۳۳]

علامہ ابُومحمد روز بھان رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ اغانۃ قرار دی۔ چنانچہ فرمایا:

> بقوله عليه السلام: ليت ربُّ محمّدٍ لم يخلق محمّدًا لمحل الاغانة. وهذا الاغانة اٰخر حال الانبياء و الأولياء والملٰئِكة المقربين لذالك يستغفرون كما يستغفر الأنبياء والصّدّيقون من الأغانة[۵۳۴]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے " احياء علوم الدين" میں اسی معنی کی ایک حدیث موقوفاً نقل کی۔ چنانچہ فرمایا:

> من الصحابة رضوان الله عليهم وقد كان بعضهم يقول: ياليتني لم تلدني امّى[۵۳۵]

جبکہ امام ابن اَبی شیبۃ رحمۃ اللہ علیہ "مصنف" میں فرماتے ہیں:

> شبابة بن سوار قال حد ثنٰى شعبة عن عاصم بن عبيد الله عن عبدالله بن عامر قال: رأئيت عمربن الخطاب أخذتبنة من الأرض فقال: ليتني هذه التنبة. ليتني لم اک شيئًا. ليت امّى لم تلدني. ليتني كنت نسياً منسيًا[۵۳۶]

(۱۰۳) فرمودہ علیہ وعلٰی الہ الصلوٰۃ والسّلام: "ما اوذى نبّىٌ مثل ما أوذيت" (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

اسکی تخریج سابقہ ہوچکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ٦٦)

(۱۰۴) ورد: "لولاه لما خلقت الأفلاک ولما اظهرت الرّبوبيّة" (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۴)

احادیث مشتھرہ میں ضمیر "ہ" کے بجائے "ک" درج ہے۔ (تخریج وتحقیق کے لیے دیکھیے حدیث نمبر ۴۷)

(۱۰۵) حدیث قدسی: ولكن يسعنى قلب عبدى المؤمن، (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۴)

یہ ایک قطعۂ حدیث ہے۔
(تحقیق کے لیے دیکھیے حدیث نمبر ۴۰)

حواشی

۱......نزهة المجالس۔ جلد۲۔ صفحہ۲۳۹۔ باب(فضائل هذه الامّة المرحومة)

۲......تنبیه الغافلین. صفحہ۶۔ مقدمہ

+ آداب المریدین، صفحہ۲۵۵(بہر دوم متن تازی)فصل:ذکر آداب الجوارح

+ تمهید، صفحہ۱۳۷۔ باب۷۰(المعرفة والایمان) بیان(القول الثامن عشر) ۱۸

۳......قوت القلوب۔ جلد اوّل، صفحہ۱۴ فصل۶:(ذکر عمل المرید بعد صلوٰة الغداة)

۴......مجالس الأبرار۔ صفحہ۱۶۔ مجلس ثانی نمبر۲ فضیلة الذکر۔

۵......علی بن سلطان القاری، ملاّ:(متوفی ۱۰۱۴ھ)جمع الوسائل فی شرح الشمائل''(دار المعرفة للطباعة والنّشر.
بیروت، لبنان. الطبعة الثانیة)
جلد۲۔ صفحہ۱۰۔ باب: کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شرح لفظ:(لیست لهٗ راحة)

۶......المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع۔ صفحہ۵۳۔ حدیث نمبر۹۴

۷......کنوز الحقائق۔ جلد اوّل۔ صفحہ۱۰۶ حرف التاء

۸......ایضاً، جلد۲۔ صفحہ۲۵

۹......''فردوس الأخبار''۔ جلد۳۔ صفحہ۱۷۴۔ باب الفاء۔ فصل(متفرقات) حدیث ۴۳۲۶

۱۰......ابو الشیخ الاصبهانی(ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان)۔(۲۷۴ھ۔۳۶۹ھ)''کتٰب العظمة''
(دراسہ وتحقیق: رضاءاللہ بن محمد اویس المبارکفوری)
(ناشر، دار العاصمہ۔ الرّیاض النشرة الاولیٰ ۱۴۰۸ھ) جلد اوّل۔ صفحہ۲۹۹/۳۰۰۔ بیان:''ماذکر من الفضل
فی المتفکر فی ذالک''۔ حدیث۴۳

۱۱......کتٰب الموضوعات۔ جلد۳۔ صفحہ۱۴۴۔ کتٰب الزهد۔ باب۔ ثواب الفکر

۱۲......دیکھئے المغنی بذیل احیاء علوم الدین جلد۴۔ ص۴۲۳ کتٰب التفکر۔ بیان:(فضیلة التفکر)

۱۳......الجامع الصغیر۔ جلد۲۔ صفحہ۷۶۔ حرف الفاء۔

۱۴......امام ابن حجر مکی، الفتاویٰ الحدیثیه، میں فرماتے ہیں:
وردفی احادیث مابین فضل التفکر والمراد بہٖ فمن ذالک حدیث أبی الشیخ فی العظمة:
تفکر ساعةٍ خیرٌ من عبادة ستین سنة''(دیکھیے:الفتادی الحدیثیه۔ صفحہ۸۴۔ مطلب:فضل التفکر)

۱۵......امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ''حد ثنا محمد بن فضیل عن العلاء بن المسیّب عن الحسن قال: تفکر ساعة خیرٌ من قیّام لیلةٍ'' (دیکھیے: کتاب الزھد۔ صفحہ ۳۳۲۔ بیان: اَخبار الحسن بن اَبی الحسن)

۱۶......آپ نے فرمایا: ''حد ثنا أبو معاویة حد ثنا الأعمش عن عمرو ابن مرّة عن سالم بن أبی الجعد عن امّ الدّرداء عن أبی الدّرداء قال: تفکر ساعةٍ خیرٌ من قیام لیلة'' دیکھیے (کتاب الزھد۔ صفحہ ۱۷۳ بیان: زہد اَبی الدرداء)

۱۷......علامہ اَبوالشیخ نے روایت کیا کہ:

حد ثنا جعفر بن عبداللہ بن الصّباح حد ثنا محمد بن حاتم المؤدب حد ثنا عمار بن محمد عن لیث عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنھما

قال: تفکر ساعةٍ خیرٌ من قیام لیلةٍ (دیکھیے: کتٰب العظمة، جلداوّل۔ صفحہ ۲۹۷/۲۹۸ بیان: ماذکر من الفضل فی المتفکر، خبر ۴۲)

۱۸......احیاء علوم الدّین: جلد ۴. صفحہ ۴۲۳ کتٰب التفکر بیان فضیلة التفکرَ

۱۹......ایضاً برحاشیہ کتٰب التفکر بیان : فضیلة التفکر

۲۰......اللّآلی المصنوعہ، جلد ۲۔ صفحہ ۳۲۷۔ کتاب الأدب والزّھد

۲۱......التعقبات علی الموضوعات۔ صفحہ ۴۳ باب الأدب والرقائق

۲۲......عوارف المعارف، صفحہ ۲۳۲، باب ۲۰ (ذکر اشارات المشایخ فی المقامات علی الترتیب) فصل (قولھم الورع)

۲۳......کتٰب اللمع فی التصوف. صفحہ ۴۴۔ باب (مقام الورع)

۲۴......مصنف ابن أبی شیبہ، جلد ۸، صفحہ ۵۴۰۔ کتٰب الأدب. بیان (ماجآء فی طلب العلم و تعلیمه) حدیث ۶۱۶۶

۲۵...... کتاب الزھد. جلد ۲۔ صفحہ ۴۷۱۔ باب نمبر ۳۰۔ (لاجتھاد و الورع) حدیث نمبر ۲۲۲

۲۶......الاکمال فی أسماء الرّجال ملحق بمشکوٰة المصابیح. صفحہ ۶۰۲، ۶۰۳۔ حرف السّین. فصل فی التاّبعین، بیان: (سفیان)

۲۷......برحاشیہ، کتاب الزّھد. جلد ۲۔ باب ۳۰ (الأجتھاد والورع) حدیث ۲۲۲

۲۸......میزان الاعتدال. جلد ۳۔ صفحہ ۲۸۴۔ بیان نمبر ۶۴۲۷

۲۹...... برحاشیہ کتٰب الزّھد. حدیث نمبر ۲۲۲

۳۰......فردوس الأخبار، جلد۳، صفحہ۱۵۵، حدیث نمبر۴۲۵۵

۳۱......مجمع الزّوائد، جزء اوّل، صفحہ۱۲۰، باب(فضل العلم)

۳۲......الجامع الصغیر، جلد۲، صفحہ۸۴، حرف الفاء.

۳۳......مستدرک. جلد اوّل، صفحہ۹۲۔ کتاب العلم۔ بیان: (فضل العلم أحبّ من فضل العباده)

۳۴......کشف الاستار، جلد اوّل، صفحہ۸۵۔ کتاب العلم. باب (فضل العلم و المتعلم) حدیث نمبر۱۳۹

۳۵......جامع بیان العلم، جزء اوّل، صفحہ۲۳، باب: (تفضیل العلم علی العبادة)

۳۶......مسند الشهاب. جلد اول۔ صفحہ۵۹۔ جزء اوّل، باب اول۔ بیان نمبر۲۷۔ (ملاک الدین الورع) حدیث۴۰

۳۷......مجمع الزّوائد. جزء اوّل۔ صفحہ۱۲۰۔ باب: (فضل العلم)

۳۸......النّهایه فی غریب الحدیث و الاثر جزء۵۔ صفحہ۱۷۴۔ حرف الواؤ مع الرّآء، بیان (الورع)

۳۹......شعب الإیمان. جلد۵۔ صفحہ۵۳۔ شعبہ۳۹۔ باب: (المطاعم و المشارب) فصل (طیب المطعم و الملبس) حدیث(۵۷۵)

۴۰......جامع ترمذی، جلد۲، صفحہ۷۸، أبواب صفة القیامة. باب آخر

۴۱......ایضاً ترمذی، جلد۲، صفحہ۷۸، أبواب صفة القیامة. باب آخر

۴۲......مشکوٰة المصابیح، صفحہ۴۴۱، کتاب الرقاق. فصل ثانی

۴۳......الجامع الصغیر، جلد۲، صفحہ۲۰۴، حرف: "لا"

۴۴......تشیید المبانی. صفحہ۱۷۔

۴۵......الإحکام فی اصول الأحکام، جلد اوّل، صفحہ۲۱۴۔ القاعده الأولیٰ. الأصل الثالث، المسألة الخامسه نمبر ۵

۴۶......کشف المحجوب، صفحہ۲۰۸۔ باب۱۴۔ (فرق فرقهم فی مذاهبهم) ذکر: الکلام فی النفس و معنی الهویٰ

۴۷......مقصود المؤمنین، صفحہ۱۹۹، فصل سادس، بیان: العلم و معرفة النفس و عداوتا

۴۸......احیاء علوم الدین، جلد۴۔ صفحہ۳۲۶۔ کتٰب المحبة و الشوق و لأنس و الرّضا. بیان: معنی الشوق الیٰ اللہ تعالیٰ.

۴۹......جامع العلوم و الحکم، صفحہ۱۹۵۔ شرح حدیث نمبر۱۹

۵۰......الجامع الصغیر، جلد اوّل، صفحہ ۴۵. حرف الألف

۵۱......صحیح البخاری، جلد۲۔صفحہ۹۱۱۔جزء۲۵۔کتاب الأدب، باب (علامة الحبّ فی الله)

۵۲......صحیح مسلم، جلد۲۔صفحہ۳۳۲۔کتٰب البرّ والصّلة، باب المرءمع من أحبّ

۵۳......جامع ترمذی۔جلد۲۔صفحہ۶۴۔أبواب الزّهد. باب (ألمرء مع من أحبّ)

۵۴...... مسند احمد بن حنبل، جلد۴۔صفحہ۳۹۵۔(حدیث أبی موسیٰ الأشعری رضی الله عنه)

۵۵......جواهر العشاق. صفحہ۸۹۔بیان: شرح (الاتحاد لایعبر بلسان المقال)

۵۶......الفتاوی الحدیثیه، صفحہ۲۶۸۔(مطلب حدیث: کان الله ولم یکن معه شیٌ)

۵۷......تاریخ الخمیس، جلداوّل۔صفحہ۱۷۔بیان: الفرق بین النبّی والولی والساحر. القسم الرابع

۵۸......صحیح البخاری، جلد۲۔صفحہ۱۱۰۳۔کتٰب الرد علی الجهمیّة وغیرهم التوحید

۵۹......صحیح البخاری، جلداوّل۔صفحہ۴۵۳۔کتٰب بدء الخلق۔

باب ماجآء فی قول الله وهو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدهٗ وهواهون علیه

۶۰......فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد۶. صفحه ۲۲۱. کتٰب بدء الخلق. شرح حدیث (کان الله ولم یکن شئ غیره)

۶۱......مسند احمد بن حنبل، جلد۳۔صفحہ۲۱۳، (مسند انس رضی الله عنه)

۶۲......التاریخ الکبیر، جلد۲، صفحہ۱۲۶، جزءاوّل۔قسم ثانی باب (بسطام) بیان (بسطام بن حریث)

۶۳......سنن أبی داؤد، جلد۲۔صفحہ۲۹۶۔کتٰب السنّه، باب: (الشفاعة)

۶۴......مسند الشهاب، جلد اوّل، صفحه ۱۶۶. جزء ثانی باب اوّل بیان ۱۶۵ (شفاعتی لاهل الکبائر من امتی) حدیث۲۳۶

۶۵...... حلیة الاولیاء جزء ۷/ص ۲۶۱ باب (مسعر بن کدام)

۶۶......کشف الأستار، جلد۴، صفحه ۱۷۲، کتاب البعث. باب: الشفاعة

۶۷......ایضاً (حوالہ نمبر۶۶)

۶۸......جامع ترمذی، جلد۲۔صفحہ۷۰، ابواب، صفة القیامة، باب (ماجاء فی الشفاعة)

۶۹......ایضاً ترمذی، جلد۲۔صفحہ۷۰، ابواب، صفته القیامة، باب (ماجاء فی الشفاعة)

۷۰......شعب الایمان، جلداوّل، صفحہ۲۸۷۔شعبہ نمبر۸۔باب (حشر الناس بعد مایبعثون فی قبورهم) فصل: (أصحاب الکبائر) حدیث نمبر۳۱۱

۷۱......ایضاً

۷۲......فردوس الاخبار، جلد۲۔صفحہ۴۹۷۔باب الشین. حدیث۳۳۹۶۔

۷۳......صحیح البخاری، جلداوّل۔صفحہ۶۶۔کتٰب الصلوٰۃ. باب الخوخة والممّر فی المسجد.

۷۴......مسند أبی یعلی موصلی، جلد۴صفحہ۴۵۸، بیان(مسند ابن عباس رضی اللہ عنہ) حدیث ۲۵۷
(مطبوعہ دارالمامون)

۷۵......الطبقات الکبرٰی، جلد۲۔صفحہ۲۲۷۔۲۲۸۔بیان (أبی بکر الصدیق) ذکر: (سدّواالأبواب غیر
باب أبی بکر رضی اللہ عنہ)

۷۶......الصواعق المحرقہ. صفحہ۲۲۔باب اوّل(بیان کیفیة خلافة الصدیق) فصل ثالث: النصوص
السمعیّہ الدالة علی خلافتہٖ من القرآن والسنة

۷۷......صحیح البخاری، جلداوّل۔صفحہ۵۱۶۔۵۱۷ کتٰب المناقب، باب: فضل أبی بکر رضی اللہ عنہ

۷۸......الصواعق المحرقہ، صفحہ۷۱۔۷۲، باب۳۔بیان: فضیلة أبی بکر علیٰ سائر الامة. فصل (۲)
ذکر: فضائل أبی بکر الواردة فیہ وحدہٗ وفیہا آیات واحادیث. حدیث:۴۸

۷۹......مستدرک حاکم، جلد۳، صفحہ۸۵، کتٰب معرفة الصحابة، مناقب امیر المؤمنین عمر بن
الخطاب ٗبیان (لوکان بعدی نبی لکان عمر رضی اللہ عنہ)

۸۰......ایضاً

۸۱......جامع ترمذی. جلد۲۔صفحہ۲۰۹، أبواب المناقب ٗمناقب أبی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

۸۲......ایضاً

۸۳......*جیسا کہ جامع ترمذی کے اس نسخۂ زیرِ مطالعہ میں تصریح کی گئی کہ "ن"* "بعدی نبیٌّ"

۸۴...... مشکوٰة المصابیح. صفحہ۵۵۸، مناقب عمر رضی اللہ عنہ. فصل ثانی

۸۵......مسند أحمد بن حنبل، جلد۴، صفحہ۱۵۴، حدیث (عقبہ بن عامر الجہنی)

۸۶......المعجم الکبیر، جلد۱۷، بیان۔بکر بن عمر وعن مشرح بن ہامان. حدیث، ۸۲۲

۸۷......جامع ترمذی، جلد۲۔صفحہ۲۲۵۔أبواب المناقب، باب :ماجاء فی فضل من بایع تحت الشجرة.

۸۸......ایضاً

۸۹......مشکوٰة المصابیح، صفحہ ۵۵۴، مناقب صحابہ، فصل ثانی

۹۰......الجامع الصغیر، جلداوّل، صفحہ ۵۴. حرف الألف

۹۱...... صحیح ابن حبان، جلد۱۰، صفحہ ۱۸۹. کتاب: اخبارہٗ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب
الصحابة رجالہاونسآءہم، باب فضل الصّحابة والتابعین، حدیث ۷۲۲

۹۲......حلية الأولياء، جزء۸۔صفحہ ۲۸۷. باب (عبدالله العمری)

۹۳......شرح السُنَّـه، جلد ۱۴. صفحہ ۷۰. کتٰب فضائل الصحابه، باب (فضل الصّحابه) حدیث. ۳۸۶۰

۹۴......مسند احمد بن حنبل، جلد۳،صفحہ ۱۰. ،بیان (سند أبی سعید الخدری رضی الله عنه)

۹۵......جامع ترمذی، جلد۲۔صفحہ ۱۷۷. أبواب الدعوات، باب بعد (باب ماجآ ء فی الدّعاء إذا أوی إلیٰ فراشه)

۹۶......ایضاً

۹۷......سنن أبی دائود، جلداوّل،صفحہ ۲۱۲، کتاب الصّلوٰة، باب : الاستغفار.

۹۸......عمل الیوم واللیلة، صفحہ ۳۴. باب مایقول صبیحةً یوم الجمعة. حدیث: ۸۳

۹۹......حلية الأولیاء، جزء۸. صفحہ ۳۹۵. باب:(أبوجعفر الفریابی)

۱۰۰......شعب الایمان جلداوّل،صفحہ ۴۴۰.شعبہ ۱۰. ، (باب فی محبّة الله عزّو جلّ(فصل (إدامة ذکر الله عزّ و جلّ) حدیث ۶۴۶

۱۰۱......ایضاً

۱۰۲. ......سنن ابن ماجه، جلد۲۔صفحہ ۱۲۵۴. کتاب الأدب. باب الاستغفار، حدیث ۳۸۱۸.

۱۰۳......الاذکار ،صفحہ ۱۷۸، کتٰب جامع الدعوات، باب الاستغفار.

۱۰۴......عبدالوهاب شعرانی : لواقح الانوارالقدسیّه فی بیان العهود المحمدیه" (المطبعة المیمنة، مصر ۱۳۰۶ھ) صفحہ۱۱۳۔بیان: الاستغفار لیلاً ونهاراً.

۱۰۵......الترغیب والترهیب، جزء۳۔صفحہ ۲۷۸. کتٰب الذکر والدعاء. بیان (الترهیب فی الاستغفار) حدیث ۲۳۶۳

۱۰۶......صحیح ابن حبان. جلد۳۔صفحہ ۵۷. کتٰب الصلوٰة، باب الاذکار، ذکر الشی الذّی إذا قالهُ المرٔ عند الصباح کان مؤدّیاً، حدیث ۸۵۸

۱۰۷......عمل الیوم واللّیلة، (لابن السنی) صفحه ۱۹. ۲۰ باب، یقول إذا أصبح. حدیث ۴۱.

۱۰۸......التاریخ الکبیر. جلد۸۔صفحہ ۴۴۳. جزء۴. قسم ثانی (۲) باب الغین. بیان نمبر ۳۶۳۶ ذکر: من لایعرف لهٗ اسمٌ ولایعرفون، بابآئهم.

۱۰۹......عمل الیوم واللّیلة للنسائی. صفحہ ۱۳۷. حدیث نمبر ۷ بیان :تواب من قال حین یصبح وحین یمسی رضیت باللہ ربّا وبالاسلام دیناً"

۱۱۰......شعب الایمان، جلد ۴، صفحہ ۸۹، شعبہ ۳۳ باب(تعدید نعم اللہ عزّ وجلّ و شکرها) حدیث نمبر ۴۳۶۸

۱۱۱......شرح السنّة، جلد۵، صفحہ ۱۱۵، باب مایقول حین یصبح، حدیث ۱۳۲۸.

۱۱۲...... سنن أبی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۳۳۶، کتاب الأدب باب مایقول إذا أصبح.

۱۱۳......أذکار. صبح ۳۷. ۳۸. باب مایقال عند الصّباح وعند المسآء.

۱۱۴...... مشکوٰة المصابیح، صفحہ ۲۱۱، کتٰب الدعوات، باب مایقول عند الصباح والمسآء والمنام

۱۱۵......تمهیدات، صفحہ ۳۲۵، تمہید نمبر ۱۰ (اصل و حقیقت آسمان و زمین الخ) بیان نمبر ۴۲۷ +
الفتوحات المکیّه، جلد۳، صفحہ ۳۸۹، باب ۳۶۹ (معرفة منزل مفاتیح خزان الجود، فصل نمبر ۱۳. خزائن الجود)
+ ایضاً، صفحہ ۲۰۶، باب۳۴۸ معرفة منزل سرین من اُسرار قلب الجمع والوجود
+ سه صدی مکتوبات، صفحه ۳۰۹ (حصه جوابی مکتوبات)

۱۱۶......احیاء علوم الدین، جلد۴، صفحہ ۶۴. کتٰب الصّبر والشکر. بیان: حقیقة الصّبر

۱۱۷...... ایضاً برحاشیه

۱۱۸......الفردوس بمأثور الخطاب: جلد اوّل، صفحہ ۲۸۵. حدیث ۱۱۱۷
+ فردوس الأخبار، جلد اوّل، صفحہ ۳۵۰. حدیث نمبر ۱۱۲۱

۱۱۹...... المقاصد الحسنة. حرف المیم. حدیث ۱۱۸۳

۱۲۰......اسرار المرفوعه فی الأخبار الموضوعة، صفحہ ۳۷۴. حدیث ۵۶۴

۱۲۱......احیاء علوم الدین، جلد اوّل، صفحہ ۳۴۳، کتٰب ترتیب الأوراد. بیان: (أوراد اللّیل)

۱۲۲......ایضاً برحاشیه

۱۲۳......کنوز الحقائق، جلد۲، صفحہ ۱۳۱، (حرف النّون)

۱۲۴......فردوس الأخبار، جلد۵۔ صفحہ ۷. حدیث ۶۹۹۹

۱۲۵......شعب الایمان، جلد۳۔ صفحہ ۴۱۵. شعبہ ۲۳. باب الصّیام. فصل (اخبار و حکایات فی الصیّام) حدیث ۳۹۳۷

۱۲۶......الجامع الصّغیر، جلد۲۔ صفحہ ۱۸۷. حرف النون

۱۲۷......حلیة الاولیاء، جلد۵، صفحہ۸۳، بیان نمبر ۲۹۳ (کرزبن وبرة)

۱۲۸......مرصاد العباد. صفحہ ۳۰۶. باب۵۔ فصل ہشتم۔ در بیان سلوک محترضه واهل ضایع.

+ مصباح الهدایه، صفحہ۱۱۹۔ باب سوم در معرفت اختلاف احوال مردم. بیان زهّادوفقرآء وخدّام و عنّاد.

+ رساله انسیّه. صفحہ۳۰۔ + سه صدی مکتوبات. صفحہ ۳۹۴ مکتوب ۲۳. در تجرید و تفرید

۱۲۹......قوت القلوب. جلد اوّل، صفحہ ۱۴۱. فصل ۳۱. (ذکر العلم و تفضیل، وأوصاف العلماء، بیان: (الفرق بین علماء الدّنیا و علماء الأخرة و ذمّ علماء السوّء)

۱۳۰......احیاء علوم الدین، جلداوّل، صفحہ ۶۰. کتٰب العلم. باب۶: آفات العلم و بیان علماء الأخرة و العلماء السوّء)

۱۳۱......الرسالة القشیریه، صفحہ۱۰۵۔ باب الحدیّة.

۱۳۲......شعب الایمان، جلد۷۔ صفحہ۱۹۰، ۱۹۱. شعبہ نمبر ۷۰. باب (الصبر علی المصائب) فصل (ذکرها مافی الأوجاع والأمراض والمصیبات من الکفارات حدیث نمبر۹۹۵۵۔

۱۳۳......مکتوبات معصومیّه، دفتر سوم. مکتوب۲۰۶۔ صفحہ۲۵۱

۱۳۴......تشیید المبانی. صفحہ۳۴۔

۱۳۵......مقصود المؤمنین. صفحہ ۱۲۳. فصل نمبر ۱۲. بیان العلم و معرفة التوکلّ والقناعة.

۱۳۶......شعب الایمان. جلد۶، صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱. شعبہ ۵۷. باب (حسن الخلق) حدیث:۸۰۱۱

۱۳۷......التقیید لمعرفة، رواة السنن والمسانید. صفحہ۱۱۔ ترجمہ۱۲۶. (محمد بن المکّی، أبو الهیثم)

۱۳۸......الجامع لأخلاق الراوی و آداب السّامع، جلد اوّل، صفحہ ۹۲. بیان: (ذکر ماینبغی للرّاوی والسامع أن یتمیّز بہ من الاخلاق الشریفة) حدیث۳۸

۱۳۹......مستدرک حاکم، جلداوّل، صفحہ ۴۸. کتٰب الایمان. بیان (إن الله کریمٌ یحبّ الکرم و معالی الاخلاق و سفسافها)

۱۴۰......ایضاً

۱۴۱......شعب الایمان، جلد ۶، صفحہ ۳۴۰، شعبہ ۵۷. باب: (حسن الخلق) حدیث نمبر۸۰۱۱

۱۴۲......حلیة الأولیاء، جلد۳. صفحہ ۲۵۵. ترجمہ نمبر ۲۴۰. (سلمه بن دینار أبو حازم)

۱۴۳......ایضاً

۱۴۴......المعجم الکبیر، جلد ۶، صفحہ ۲۲۳. بیان: (معمر بن راشد عن أبی حازم) حدیث ۵۹۲۸۔

۱۴۵......الجامع الصغیر، جلد اوّل، صفحہ ۷۱. حرف الألف

۱۴۶......شعب الایمان. جلد ۶. صفحہ ۲۴۰. ۲۴۱ شعبہ نمبر ۵۷. باب (حسن الخلق) حدیث نمبر ۸۰۱۲

۱۴۷......المغنی برحاشیہ احیاء علوم الدین. جلد ۲. صفحہ ۳۵۸. کتاب آداب المعیشة واخلاق النبوة.
بیان: (تادیب اللہ تعالیٰ حبیبہ و صفہ محمّدًا بالقرآن (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۴۸......فضائل الانام من رسائل حجة الاسلام. صفحہ ۹۲. ضمیمہ.

۱۴۹......جوامع الکلم. صفحہ ۷۴. حرف التآء. باب التوبة وما یتعلّق بھا.

۱۵۰......تشیید المبانی. صفحہ ۲۳۔

۱۵۱......جوامع الکلم. صفحہ ۲۳۱. حرف الفآء. باب، الفراسة الشریعیّة والحکمیّة.

۱۵۲......فتح المبین لشرحِ الأربعین، صفحہ ۱۲۸۔ بیان: حدیث نمبر ۱۲۔ (من حسن اسلام المرء ترکہٗ مالا یعنیہٖ)

۱۵۳......جامع العلوم و الحکم فی شرح خمیس حدیثًا من جوامع الکلم، صفحہ ۱۱۵۔ شرح حدیث نمبر ۱۲۔
(من حسن اسلام المرء)

۱۵۴......دیکھیے دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۵۷ کی تخریج بذیل باب پنجم۔ فصل اوّل: حدیث نمبر ۱۱۱۔ مقالہ ھذا

۱۵۵......حلیة الاولیاء. جزء ۳. صفحہ ۱۲۲. باب: عاصم بن سلیمان الأحول

۱۵۶......ایضاً

۱۵۷......سُنَنُ ابن ماجہ جلد اوّل، صفحہ ۵۵۔ باب: (فضائل أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بیان
(فضائل خباب رضی اللہ عنہ)۔ حدیث نمبر ۱۵۴

۱۵۸......مسند احمد بن حنبل، جلد ۳، صفحہ ۲۸۱. (مسند أنس رضی اللہ عنہ)

۱۵۹......جامع ترمذی. جلد ۲. صفحہ ۲۱۹. أبواب المناقب. باب: (مناقب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

۱۶۰......ایضاً

۱۶۱......مشکوٰة المصابیح، صفحہ ۵۶۶۔ کتاب المناقب، باب (مناقب العشرة رضی اللہ عنہ) فصل ثانی

۱۶۲......سنن أبی داوٗد، جلد ۲، صفحہ ۲۸۳. کتاب السنّة، باب (الخلفاء)

۱۶۳......صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۶۷، کتٰب المغازی، باب فضل من شھد بدراً

۱۶۴......صحیح مسلم، جلد ۲. صفحہ ۳۰۲. باب (فضائل حاطب بن أبی بلتعہ واھل بدر)

۱۶۵......مشکوٰة المصابیح، صفحہ ۵۷۷. کتٰب المناقب. باب (جامع المناقب) فصل اوّل

۱۶۶......جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۶۶ . أبواب التفسیر سورة الممتحنه

۱۶۷......ایضاً

۱۶۸......کتاب الثقات ، جلداوّل، صفحہ ۱۸۲ . بیان (السنة الثانیه من الهجرة) غزوة بدر، ذکر (عدد تسمیة من شهد بدراًمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم)

۱۶۹......سنن الدّارمی، جلد ۲. صفحہ ۲۲۲. کتُب الرقائق. باب، :فضل اهل بدرٍ. حدیث نمبر ۲۷۶۴

۱۷۰...... رساله قدسیّه. صفحہ ۱۸۳

۱۷۱......مرصاد العباد. صفحہ ۵۷. باب سوم در معاش، فصل اوّل

۱۷۲......تمهیدات، صفحہ ۱۰۲. تمهید نمبر ۲ :(حقیقت و حالات، عشق) بیان نمبر ۱۴۴

۱۷۳......الفتوحات المکیّه، جزء ۳. صفحہ ۲۱۰. باب: ۳۵۰ (معرفة منزل تجلیَ الاستفهام ورفع الغطاء عن أعین المعانی وهومن الحضرة المحَمدیّة من اسمهٖ الرّبّ

۱۷۴......سه صدی مکتوبات، صفحہ ۹۰ حصہ اوّل، مکتوب سی و سوم (۳۳) در روزه

۱۷۵......فردوس الأخبار. جلد ۲، صفحه ۳۴۳. حدیث ۲۸۹۷

۱۷۶......المعجم الکبیر. جلد ۶، صفحہ ۱۸۲. حدیث نمبر ۵۸۵۲ :بیان: موسیٰ بن عبیدة الرّبزی

۱۷۷......مجمع الزوائد. جلداوّل ، صفحہ ۷۹. کتُب الایمان. باب عظمة اللہ سبحانه و تعالیٰ

۱۷۸......کتُب السنّه. جلد ۲، باب ۱۶۲. ذکر فی المیزان. حدیث نمبر ۷۸۸

۱۷۹......ایضاً

۱۸۰......احیاء علوم الدّین، جلد اوّل، صفحہ ۱۰۱. کتاب: قواعد العقائد، فصل: ثانی نمبر ۲ بیان :وجه التدریج إلیٰ الارشاد و ترتیب درجات الاعتقاد.

۱۸۱...... ایضاً برحاشیه

۱۸۲......مشارق انوار القلوب: صفحہ ۱۲۴. ۱۲۵. خاتمة الکتب

۱۸۳......مکتوبات معصومیّه، دفترسوم، صفحہ ۱۳۵. (مکتوب ۹۲)

۱۸۴......صحیح ابن حبان، جلد ۴، صفحہ ۲۱۲، حدیث نمبر ۱۹۶۷. کتاب الصّلوٰة. بیان :(ذکر الدّعا الذی یعطی سائل اللہ ماسأل فی موضع صلاته)

۱۸۵...... عمل الیوم واللّیلة، صفحہ ۴۹۷. حدیث ۸۲۹. بیان، –مایستحب لهٗ من الدّعاء)

۱۸۶......مستدرک حاکم، جلد اوّل، صفحہ ۵۲۶، کتاب الدّعا. بیان: دُعا أبن مسعود رضی اللہ عنہ)

۱۸۷......مسند أبی یعلی موصلی. (مطبوعۃ دار المامون) جلد ۸، صفحہ ۴۷۲، ۴۷۳۔ حدیث نمبر ۵۰۵۹۔ (مسند ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

۱۸۸......ایضاً

۱۸۹......جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۷۹، أبواب الدعوات، باب (بعد باب ماجاء یقول اذاقام من اللَیل إلیٰ الصلوٰۃ)

۱۹۰......ایضاً برحاشیۃ

۱۹۱......الجامع الصغیر، جلد اوّل، صفحہ ۵۲. حرف الألف

۱۹۲...... المعجم الکبیر، جلد اوّل، صفحہ ۲۵۲. بیان: (من اسمہٖ عیسیٰ)

۱۹۳...... سنن ابن ماجہ، جلد ۲، صفحہ ۱۳۲۲، کتٰب الفتن، باب. (افتراق الامم) حدیث نمبر ۳۹۹۳

۱۹۴......مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ، جلد ۴، صفحہ ۱۸۰، باب: (افتراق الامم)

۱۹۵......جامع ترمذی. جلد ۲. صفحہ ۹۲. أبواب الایمان. باب (افتراق ھذہٖ الامّۃ)

۱۹۶......ایضاً صفحہ ۹۳

۱۹۷......ایضاً صفحہ ۹۲

۱۹۸......ایضاً صفحہ ۹۲

۱۹۹...... حلیۃ الأولیاء. جلد ۸. صفحہ ۳۶۸. بیان نمبر ۴۳۶ (معروف الکرخی)

۲۰۰......ایضاً

۲۰۱...... کشف الأستار عن زوائد البزّار. جلد ۴، صفحہ ۲۱۷. کتٰب الزھد. باب (ماجآء فی الرّیاء) حدیث نمبر ۳۵۶۶

۲۰۲......ایضاً

۲۰۳......مجمع الزّوائد، جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۲۳ کتٰب الزّھد. باب: (منہ فی الرّیاء و خفائِہٖ)

۲۰۴......مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۲۹۱. کتٰب التفسیر، بیان (اخبار القتل عوض الحسین رضی اللہ عنہ)

۲۰۵......ایضاً

۲۰۶......تلخیص الذھبی علیٰ حاشیۃ المستدرک. (حوالہ مذکورہ نمبر ۲۰۴)

۲۰۷...... کتٰب الضعفاء الکبیر، جلد ۳، صفحہ ۶۱. بیان: ۱۰۲۴ (عبدالأعلی ابن أعین)

۲۰۸......ایضاً

۲۰۹......فهرس کتب الضعفآء الکبیر، بیان (ألأحادیث الصحیحة)

۲۱۰......نوادر الاصول. صفحہ۳۹۹۔ اصل نمبر ۲۷۴. (محبّة الأسباب و معرفة الشرک والتوحید فیها)

۲۱۱......فردوس الأخبار، جلد۲، صفحہ۵۲۸۔ ذکر (الفصول من أدوات الألف واللام) المحلّی بالألف واللّام، حدیث ۳۴۹۱

۲۱۲......الجامع الصّغیر، جلد۲، صفحہ ۴۱ (حرف الشّین)

۲۱۳......انوار التنزیل، جلد ۲، سورة الکهف، شرح آیت نمبر ۱۱۰ (فمن کان یرجوالقآء ربّه فلیعمل عملاً صالحاً)

۲۱۴......الفتح السمّاوی بتخریج احادیث تفسیر القاضی البیضاوی، جلد۲، صفحہ۸۰۳۔ حدیث نمبر۶۹۰

۲۱۵......الدّر المنثور فی التفسیر الماثور، جلد۴، صفحہ ۲۵۷ تفسیر سوره الکهف، آیت نمبر۱۱۰ (فمن کان یرجوالقآء ربّه)

۲۱۶...... مسند احمد بن حنبل، جلد۵، صفحہ ۴۲۸، (حدیث محمود بن لبید)

۲۱۷...... شعب الایمان، جلد۵، صفحہ۳۳۳، شعبہ۴۵۔ باب (اخلاص العمل لِللّٰہ وترک الرّیاء) حدیث نمبر۶۸۳۱

۲۱۸......شرح السنّة، جلد۱۴، صفحہ۳۲۴، ۳۲۳، کتب الرقاق، باب: (الرّیاء و السُّمعة) حدیث نمبر۴۱۳۵

۲۱۹......ایضاً

۲۲۰......مجمع الزوائد جلد اوّل میں ۱۰۲ صفحه کتاب الایمان باب : باماجاء فی الریاء

۲۲۱......شعب الایمان جلد۵ ص ۳۳۷ شعبہ نمبر ۴۵. باب (اخلاص العمل لله وترک الریاء) حدیث نمبر ۶۴۸۲

۲۲۲...... مستدرک حاکم، جلد۴، صفحہ۳۲۹، کتب الرّقاق، بیان: (إنّ الرّیاء الشّرک الأصغر)

۲۲۳......ایضاً

۲۲۴...... صحیح البخاری جلد۲، صفحہ۱۱۲۵۔ کتب الرّد الجهمیّة و غیرهم التوحید، باب (ذکر النبی صلی الله علیه وسلم وروایته عن ربّه)

۲۲۵...... صحیح مسلم، جلد اوّل، صفحہ ۳۶۴، کتب الصّیام. باب: (فضل الصّیام)

۲۲۶......سنن نسائی. جلداوّل۔ صفحہ ۳۰۹. کتب الصّیام. باب: (فضل الصّیام)

۲۲۷......ایضاً

۲۲۸......ایضاً

۲۲۹......صحیح مسلم، جلداوّل، کتٰب الإیمان، باب(کون الاسلام یھدم ماقبلہ وکذاالحجّ والھجرۃ)

۲۳۰...... مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۱۴ . کتٰب الإیمان، فصل اوّل

۲۳۱......مسنداحمدبن حنبل، جلد۳، صفحہ ۲۱۲ . (مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

۲۳۲...... مسند أبی یعلیٰ موصلی (مطبوعۃ دارا لمامون) جلد۴ـ صفحہ ۴۵۵، حدیث نمبر ۲۵۵ . (مسند ابن عباس رضی اللہ عنہ)

۲۳۳...... صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ ۲۳۱ . کتاب السّلام. باب(الطیرۃ والفال ومایکون فیہ الشوم)

۲۳۴...... صحیح البخاری، جلد۲، صفحہ ۸۵۹ . کتاب الطّب. باب(لاعدویٰ)

۲۳۵...... تفسیر حسینی، صفحہ۷۹۱ـ پارہ ۲۵ . رکوع۷ . سورۃ الزخرف. آیت نمبر ۷۱ . (ویطاف علیھم...... وتلذّالأعین کے زیر تفسیر)

۲۳۶......احیاء علوم الدّین، جلد۴، صفحہ ۰۳۲۴ کتٰب المحبّۃ والشوق والأنس والرضا، بیان (محبّۃ اللہ للعبد)

۲۳۷...... الفردوس، بمأثور الخطاب. جلد۵ـ صفحہ ۲۴۰ . حدیث نمبر ۸۰۶۷

+ فردوس الأخبار، جلد۵، صفحہ ۳۴۸ . حدیث نمبر ۸۱۲۶

۲۳۸...... احیاء علوم الدّین، جلد۳، صفحہ ۹، کتٰب شرح عجائب القلب، بیان:(خاصیّۃ قلب الانسان)

۲۳۹......ایضاً برحاشیہ

۲۴۰......صحیح البخاری، جلد۲، صفحہ۱۱۲۵، کتٰب ردّالجھمیّۃ. باب (ذکر النبّی صلی اللہ علیہ وسلم وروایتہٖ عن ربّہٖ)

۲۴۱......مستدرک، جلداوّل، صفحہ۴۹۳، کتٰب الدّعاء. بیان (لایردّ القدر إلاّ الدّعا)

۲۴۲......ایضاً

۲۴۳......جامع ترمذیجلد نمبر ۲ ُصفحہ ۳۵ ُابواب القدر ُباب :ماجاء لایرد القدرالا الدعاء

۲۴۴......ایضاً......................

۲۴۵......الجامع الصغیر، جلد۲، صفحہ۲۰۳، حرف:لا ـ

۲۴۶...... مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ۱۹۵ . کتٰب الدّعوات. فصل ثانی

۲۴۷...... المعجم الکبیر، جلد اوّل، بیان نمبر۷۲۔ (امیّہ بن خالد) حدیث نمبر۸۵۷ (صفحہ۲۹۲)

۲۴۸...... ایضاً حدیث نمبر۸۵۸

۲۴۹...... التّرغیب والترهیب، جلد۵، صفحہ۳۱۱. کتٰب التوبة. بیان: (الترغیب فی الفقر)

۲۵۰...... شرح السنّه، جلد۱۴۔ صفحہ ۲۶۴. کتٰب الرّقاق، باب (فضل الفقراء) حدیث نمبر۴۰۶۲

۲۵۱...... عوارف المعارف، صفحہ ۱۳۳. باب نمبر ۲۹ (اخلاق الصّوفیه)+ رساله انسیّة، صفحہ ۲۸

۲۵۲...... سه صدی مکتوبات، صفحہ۱۰۲، حصہ اوّل، مکتوب سی وهشتم (۳۸) دربندگی.

۲۵۳...... الفتوحات المکیّة، جزء اوّل، صفحہ ۲۱۶، باب: ۳۴. (معرفة شخص)

۲۵۴...... قوت القلوب، جلداوّل، صفحہ ۲۴۰، فصل ۳۲ (ذکر: شرح مقام الخوف ووصف الخائفین)

۲۵۵...... الدرر المنشرة، صفحہ۲۳۶۔

۲۵۶...... اللآلیٰ المنثوره، صفحہ۱۳۵، باب ۳: الزّهد، حدیث نمبر ۸

۲۵۷...... احیاء علوم الدّین، جلد۳۔ صفحہ ۱۵، کتٰب (شرح عجائب القلب)
بیان: (مثل القلب بالاضافة إلیٰ العلوم خاصة)

۲۵۸...... ایضاً بر حاشیه

۲۵۹...... ایضاً

۲۶۰...... فردوس الاخبار، جلد۳، صفحہ نمبر۲۱۳۔ حدیث۴۴۶۲

۲۶۱...... الفردوس بمأثور الخطاب، جلد۳، صفحہ۱۷۴، حدیث۴۴۶۶

۲۶۲...... کتاب الزّهد (لأحمد بن حنبل) بیان: زهد یوسف علیہ السّلام

۲۶۳...... قرآن مجید، سورة احزاب. آیت نمبر۷۲

۲۶۴...... الفتاویٰ الحدیثیه، صفحہ۲۹۰۔ مطلب حدیث (ماوسعنی سمائی ولاأرضی الخ)

۲۶۵...... مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: جلد۲۔ صفحہ۴۸۵۔ (مسند أبی هریرة رضی اللہ عنه)

۲۶۶...... ایضاً

۲۶۷...... فردوس الأخبار جلد۲۔ ص۲۷۵۔ حدیث نمبر۲۶۸۵

۲۶۸...... صحیح البخاری، جلد۲، صفحہ۲۷۹، کتٰب التفسیر، باب (قوله تعالیٰ لقد کان فی یوسف واخوته اٰیٰت للسّائلین)

۲۶۹...... ایضاً

۲۷۰......روضة العقلاء، صفحہ۱۳۹ـ ذکر (صفة الکریم و اللئیم)

۲۷۱...... شرح السنّة، جلد۱۳، صفحہ۱۲۵، ۱۲۶، کتٰب البرّ و الصّلة، باب (ألإفتخار بالنّسب)

۲۷۲......مصنف عبدالرّزاق، جلد۱۱، صفحہ۳۱۶، باب: (الکرم و الحساب) حدیث نمبر۲۰۶۴۱

۲۷۳......مشکوٰة المصابیح، صفحہ۴۱۷، کتٰب الأداب، باب: المفاخرة و العصبیّة، فصل اوّل

۲۷۴......صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ۳۰۷، کتٰب الفضائل. باب (خیار الناس)

۲۷۵...... مدارج النبوة، جلداوّل، صفحہ۱۰۷، باب سوم، دربیان فضل و شرافت، وصل: "ازالهٔ شبهات"

۲۷۶...... حلیة الأولیاء، جزء۷، صفحہ۲۰۸ـ باب: (شعبة بن الحجاج)

۲۷۷......ایضا

۲۷۸......صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ۳۲۴ کتٰب البرّ و الصّلة، باب (من لعنه النبی صلی الله علیه وسلم أو سبّهٗ أو دعا علیه و لیس هو أهلاً لذالک کان له. زکوة و أجرا و رحمةً)

۲۷۹......ایضاً

۲۸۰......صحیح ابن حبان، جلد۲، صفحہ۱۵۳ـ کتاب التاریخ. باب المعجزات. ذکر (ماجعل الله وعلا دعوة المصطفیٰ علامن لم لها بأهل طهورًا و قربةً إلَی الله جلّ و علا) حدیث۶۴۸۰ـ

۲۸۱......أبو محمد. عبدالله بن محمد بن جعفر بن حیان. المتوفی ۳۶۹ھ کتاب الأمثال فی الحدیث النبّوی صلی الله علیه وسلم. (الدار السلفیه. بومبائی، هند. ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) صفحہ۱۲۶ـ حدیث نمبر۲۰۸ بیان: قولهٗ صلی الله علیه وسلم المؤمن القوی احبّ الی الله من المؤمن الضّعیف.

۲۸۲......حلیة الأولیاء، جزء۱۰ـ، صفحہ۲۹۶ـ باب: (عمر و بن سلمان السلکی)

۲۸۳......ایضاًـ

۲۸۴...... کتٰب السنّة، جلداوّل، صفحہ۱۵۷ـ باب۷۷ـ حدیث (المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف)

۲۸۵......ایضاً

۲۸۶...... صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ۳۳۸ـ کتٰب القدر، باب (الإیمان بالقدر و الاذعان لهٗ)

۲۸۷......سنن ابن ماجه، جلداوّل، صفحہ۳۱ـ مقدمّه، باب: القدر. حدیث نمبر۷۹

۲۸۸......کنوز الحقائق، جلد۲، صفحہ۱۲۳ـ (حرف المیم)

۲۸۹......سه صدی مکتوبات صفحہ نمبر۴۳۰ حصہ دوم جزء دو صدی مکتوبات مُکتوب: چهل و نهم در حکم ازو معزولی عقل.

۲۹۰......فردوس الأخبار. جلد۳، صفحہ۲۱۸۔ حدیث۴۴۸۴۔

۲۹۱......تلخیص المتشابہ، جزءاوّل، صفحہ۸۱۔ بیان نمبر۱۰۱(ابراھیم بن زیاد بن فائد بن أبی ھند الدّاری)

۲۹۲......المعجم الکبیر، جلد۲۲، صفحہ۳۲۰و۳۲۱، بیان: (من یکنی أبا صعصۃ...... أبو ھند الدّاری) حدیث نمبر۸۰۷

۲۹۳......مجمع الزوائد، جلد۷، صفحہ۲۰۷، کتاب القدر باب: (ماجآء فیمن یکذب بالقدر و مسائلھم والزّنادقہ۔)

۲۹۴......الجامع الصّغیر، جلد۲، صفحہ۸۰، حرف القاف۔

۲۹۵......شعب الایمان، جلداوّل، صفحہ۲۱۹۔ شعبہ نمبر۵۔ بیان: (إنّ القدر خیرہ و شرّہ من اللہ عزّ و جلّ) حدیث: نمبر۲۰۰

۲۹۶...... کنز العمّال، جزء۵، صفحہ۳۲۹۔ بیان: النظر (الاکمال) حدیث نمبر۱۳۰۷۲

۲۹۷...... مستدرک حاکم، جلد۲، صفحہ۱۹۴، کتاب النّکاح، بیان: (إذا تزّوج بغیر اذن سیّدہ کان عاھرًا)

۲۹۸......ایضاً

۲۹۹...... سنن أبی داؤد، جلداوّل، صفحہ۲۹۲، کتاب النکاح۔ باب: مایؤمر بہ من غضّ البصر۔

۳۰۰...... جامع ترمذی، جلد۲، صفحہ۱۰۶، أبواب الأدب، باب: ماجآء فی نظرۃ الفجأۃ۔

۳۰۱......ایضاً

۳۰۲......سنن دارمی، جلد۲، صفحہ۲۰۸۔ کتاب الرقائق، باب (حفظ السمع) حدیث نمبر۲۷۱۲

۳۰۳......مسند احمد، جلداوّل، صفحہ۱۵۹۔ (مسند علی رضی اللہ عنہ)

۳۰۴...... اللآلی المنثورہ فی الأحادیث المشھورہ، ص۱۲۹، الباب الثّالث، فی الزھد، حدیث نمبر۱۰

۳۰۵...... الدرّر المنتثرۃ، صفحہ۲۴۹

۳۰۶...... الفتاویٰ الحدیثیّہ، صفحہ۲۸۹۔ (مطلب حدیث من عرف نفسہٗ عرف ربّہٗ)

۳۰۷...... فیہ مافیہ، صفحہ۵۶

۳۰۸...... الصواعق المحرّقہ، صفحہ۱۲۹۔ باب۹: (مآثر علی رضی اللہ عنہ و فضائلہ) بیان: (ومن کلامہ رضی اللہ عنہ)

۳۰۹......اسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ۔ حرف المیم۔ حدیث (من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ)

۳۱۰......ایضاً

٣١١......الفتاویٰ الحدیثیه، صفحہ٢٨٩، (مطلب حدیث: من عرف انفسهٔ عرف ربّهٗ)

٣١٢......سه صدی مکتوبات، صفحہ٢٢٦۔ حصہ اوّل، مکتوب (١٨) درنفس

٣١٣......المقاصد الحسنه، حرف المیم، حدیث نمبر١١۴٩

٣١۴......تمهیدات، صفحہ٥٦۔ تمهید نمبر ۴. (خود را بشناس تاخدارابشناسی) بیان نمبر٧٦

+العروة لا هل الخلوة والجلوة، صفحہ٢٦٠۔ باب سوم در تقسیم چیزها از روی حصر الخ

٣١٥......الفتوحات المکیّه، جزء٢، صفحہ ١٧٦. باب نمبر ٩١ (معرفة الورع واسراره)

+ ایضاً جزء اوّل' صفحہ١١٢' باب نمبر ٥ (معرفة أسرار بسم الله الرحمٰن الرحیم، فصل اوّل (المعارف)

+ ایضاً، صفحہ ٣٥٣، باب ٦٨ (أسرار الطّهارة)

+ ایضاً، صفحہ ٣٩٩، باب ٦٩ (معرفة أسرار الصّلوٰة وعمومها)

+ ایضاً، جزء٣، صفحه ٣٧، باب: ٣١٩ (معراج النّفس عن قید و جه مامن وجوه الشریعة بوجه آخر منها)

+ کشف المحجوب صفحہ ٣٠٠، باب ١۴، (فرق فرقهم فی مذاهبهم) ذکر: کشف الحجاب الاوّل فی معرفة الله تعالیٰ. فصل: ٢،

+ مشارق انوار القلوب، صفحہ ١٢، باب اوّل: (الطریق الموصلة للنّفوس الزکیّة إلیٰ المحبة الحقیقیّة)

٣١٦......مصباح الهدایة، صفحہ٩٠، باب سوم در معارف، فصل چهارم درکیفیت ارتباط معرفت الٰهی بمعرفت نفس.

٣١٧...... ادب الدّنیا والدّین، صفحہ ٢٣١. باب٥: (أدب النّفس) بیان (أدب الریاضة والاستصلاح) فصل اوّل (مجانبة الکبر والإعجاب)

٣١٨...... کنوز الحقائق، جلداوّل، صفحہ ٢١. حرف "الف"

٣١٩...... احیاء علوم الدّین، جلد۴، صفحہ ٩٧، کتٰب الصبر والشکر، بیان: (تمییز مایحبّه الله تعالیٰ عما یکره)

+ "فیه مافیه" صفحه ١٢٣

+ الفتاویٰ الحدیثیه، صفحہ٢٩٠۔ (مطلب فی تاویل خلق الله آدم علیٰ صورته)

+ جواهر العشاق، صفحه ١٦ اور صفحہ ٦١

+ سه صدی مکتوبات، صفحہ ١٧، مکتوب ششم (حصه اوّل مکتوبات)

٣٢٠......تمهیدات، صفحہ٢٢، تمهید نمبر ٢، م(شه طهای سالک در راهِ خدا. بیان نمبر٣٣)

۳۲۱......دیکھیے فہرست تمہیدات ”احادیث“

۳۲۲...... عوارف المعارف۔ صفحہ۲۴۱۔ باب۶۱۔ (ذکر الاحوال وشرحها)
+ مدارج النبوّۃ، جلد۲، صفحہ۵۷۷، تکملہ باب در وصل ست وصل اوّل در کمال معنوی۔

۳۲۳......تمہیدات، صفحہ۲۴۵۔ بیان (حقیقت ایمان وکفر)

۳۲۴...... احیاء علوم الدین، جلد۴، صفحہ۶۱۔ کتاب الصبر والشکر۔ بیان (فضیلة الصبر)

۳۲۵...... احیاء علوم الدین، جلد۴، صفحہ۳۳۵۔ کتٰب المحبّة والشوق والأنس والرضاء۔

۳۲۶......ایضاً

۳۲۷......المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع۔ صفحہ۱۳۹، ۱۴۰۔ حدیث نمبر۳۱۱

۳۲۸......حجّة اللہ علی العٰلمین، صفحہ۷۶۶۔ القسم الرابع (۴) فیماوقع بعد وفاتہٖ من خوارق العادات
الدّالة علی صحّة نبوّتہٖ باب اوّل، فصل: (دلائل تتعلق بالرّوح)

۳۲۹...... تنبیہ الغافلین، صفحہ۱۲۶، ۱۲۷۔ باب: (ماجآءَ فی خوف اللہ تعالیٰ)

۳۳۰...... فردوس الأخبار، جلد۳، صفحہ۲۶۳، حدیث۶۳۲۳

۳۳۱...... اللآلیٔ المنثورہ فی الاحادیث المشہورہ، صفحہ۱۳۸۔ باب نمبر۳۔ (الزّھد) حدیث نمبر۲۴

۳۳۲...... تمییز الطَّیب من الخبیث، صفحہ۱۷۹، حرف المیم، حدیث نمبر۱۳۴۶

۳۳۳...... المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر۱۰۸۰

۳۳۴...... الدرّر المنتثرة، صفحہ۲۴۳

۳۳۵...... حلیة الأولیاء، جزء۷، صفحہ۳۱۸، باب: (سفیان بن عُیینة)

۳۳۶......ایضاً

۳۳۷......احیاء علوم الدّین، جلداوّل، صفحہ۸۳، کتاب: فضیلة العلم، باب۷ (العقل و شرفهٗ و حقیقتهٗ
وأقسامهٗ) بیان: (شرف العقل)

۳۳۸...... ایضاً برحاشیہ

۳۳۹......مدارج النبوّۃ، جلد۲، صفحہ۲، باب اوّل، درذکر نسب شریف۔

۳۴۰...... المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر۲۳۳

۳۴۱...... مدارج النبوۃ، جلد۲، بیان، تکملہ، وصل اوّل (صفحہ۷۷۳)

۳۴۲......الیواقیت والجواهر، جلد۲، مبحث ۳۲۔ بیان: ثبوت رسالة نبینا محمدٍ صلى الله عليه وسلم وأفضل خلق الله على الاطلاق۔

۳۴۳......حجة الله على العالمين، صفحہ۴۴۔ مقدمہ۔ مبحث ثانی

۳۴۴......تمهيدات، صفحہ۶۵۔ تمهيد نمبر ۵۔ (شرح ارکان پنجگانہ اسلام) بیان: نمبر۸۸

+ایضاً، صفحہ۹۴، بیان نمبر۱۳۴

+ایضاً، صفحہ۱۱۷، تمهید نمبر۶، (حقیقت وحالات عشق) بیان نمبر۱۶۴

+ایضاً صفحہ۱۷۴، تمهید نمبر۸، (اسرار قرآن وحکمت خلقت انسان) بیان نمبر۲۳۱

+ایضاً صفحہ۲۶۵، تمهید نمبر۱۰۔ (حقیقت آسمان و زمین و نور محمد صلى الله عليه وسلم) بیان۳۴۸۔

+ایضاً صفحہ۲۶۶۔ بیان نمبر۳۴۹ +ایضاً صفحہ۳۰۳، بیان نمبر۳۹۷

+العروة لا هل الخلوة والجلوة، صفحہ۲۱۶، باب سوم در تقسیم چیز ها الخ

+ مرصاد العباد، صفحہ۲۱، باب دوم

+ایضاً، صفحہ۶۷۔ باب سوم، فصل چہارم،

+شرح الحجب والأستار، صفحہ۴۸۔

+مصباح الهدایه، صفحہ۱۰۳، باب سوم، فصل ہفتم درمعرفت سرّ وعقل۔

+تفسیر حسینی، جلداوّل، صفحہ۱۷۶، پارہ۶۔ سورہ المائدة. آیت نمبر۱۵(قدجاء کم من الله نور و کتابٌ مبین) کی شرح۔

۳۴۵......مدارج النبوة، جلددوم، صفحہ۲۔ باب اوّل، در ذکر نسب شریف صلی الله عليه وسلم۔

۳۴۶...... مرصاد العباد، صفحہ۲۲۹۔ باب چہارم، فصل چہارم

+العروة لأهل الخلوة والجلوة، صفحہ۲۱۶، باب سوم در تقسیم چیز ها از روی حصرالخ

+ کشف الحقائق، صفحہ۴۸، رسالہ اوّل دربیان وجود و آنچه تعلق بوجود دارد. فصل در بیان احادیث

۳۴۷...... مرقاة المفاتیح، جلداوّل، صفحہ۱۶۷۔ کتب الایمان، باب الایمان بالقدر، فصل ثانی، بیان(اوّل ماخلق الله نوری)

۳۴۸......دیکھیے حدیث گذشتہ (نمبر۵۵)

۳۴۹......الیواقیت والجواهر، جلد۲، صفحہ۲۰، مبحث نمبر۳۲(ثبوت رسالة صلى الله عليه وسلم)

۳۵۰......حجة الله على العلمين، صفحہ۴۴۔ مقدمہ، مبحث ثانی

۳۵۱......الفتاویٰ الحدیثیه، صفحہ۵۹۔ مطلب(المراد من قول النبی صلی اللہ علیه وسلم: "إنّ من اجلال اللہ"الخ)

۳۵۲...... المواهب اللّدنیه، (معهٗ شرح الزرقانی) جزءاوّل، صفحہ۴۶ المقصد الأوّل فی تشریف اللہ تعالیٰ لهٗ علیه السّلام بسبق نبوتهٖ الخ

۳۵۳...... شرح زرقانی، جلداوّل، صفحہ۲۷۔ شرح لفظ (ایراز الحقیقة المحمدّیة)

۳۵۴......نفع قوت المغتذی برحاشیه جامع ترمذی. جلد، صفحہ۳۸۔ أبواب القدر. باب اٰخر، شرح حدیث :اوّل ماخلق اللہ القلم.

۳۵۵......ایضاً

۳۵۶...... العرف الشذی (برحاشیه جامع ترمذی) جلد۲، صفحہ۳۸۔

۳۵۷...... علامه محمد مهدی بن احمد بن علی بن یوسف الفاسی: مطالع المسرّات بجلاء دلائل الخیرات: (ألمکتبه النوریة الرضویه، لائلبور) صفحہ۲۶۵۔ شرح لفظ (نور ضیائِک)
+ یہ حدیث صفحہ۱۲۹، ۲۲۱، ۲۶۹، پر بھی ہے

۳۵۸...... امام احمد رضا خاں، اعلٰحضرت: (۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۰ھ)صلاۃ الصفآء فی نور المصطفیٰ (ناشر، بزم رضا گوجرانوالہ، باراوّل تمبر۱۹۸۲ء)صفحہ۸۹

۳۵۹...... صحیح مسلم، جلداوّل، صفحہ۹۹۔ کتٰب الإیمان، باب(معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد راٰہ نزلةً اُخریٰ)

۳۶۰......الفتوحات الملکیة، جلد۳، صفحہ۱۵۷، باب۳۴۰۔(معرفة المنزل الذّی منه خبأالنّبی صلی اللہ علیه وسلم لابن صیاد، سورة الدّخان)

۳۶۱......المواهب اللدنیه، جلد۶، صفحہ۹۳، المقصد الخامس(۵) فی تخصِیصهٖ علیه الصلوٰة والسلام بخصائص المعراج والاسراء.

۳۶۲......الیواقیت والجواهر، جزء۲، صفحہ۳۵، مبحث نمبر۳۴۔ بیان(حجّة الاسراء و توابعه الخ)

۳۶۳...... تمهیدات، صفحہ۸۱۔ تمهید نمبر۵، (شرح ارکان پنجگانۂ اسلام) بیان نمبر۱۱۶

۳۶۴......تاریخ بغداد، جلد۳، صفحہ۴۲۵، بیان نمبر۱۵۶۲۔(محمد بن یحییٰ ابوبکر الحفار)

۳۶۵...... میزان الاعتدال، جلد۴، صفحہ۶۴، بیان نمبر۸۳۰۵(محمد بن یحییٰ الحفار لایدریٰ من ذا، روی عنه ابو العباس السقطی احمد بن محمّد)

۳۶۶......الموضوعات، جلداوّل، صفحہ ۱۱۹، کتاب التوحید. باب: (من روی من تسبیح اللہ عزّ و جلّ نفسہ)

۳۶۷......دیکھئے اللآلی المصنوعہ، جلداوّل، صفحہ ۲۲، کتاب التوحید

۳۶۸......ایضاً حوالہ سابق نمبر ۳۶۷

۳۶۹......المعجم الصغیر، جلداوّل، صفحہ ۲۳، ۲۴، بیان: (من اسمہ أحمد)

۳۷۰......ایضاً

۳۷۱......اللآلی المصنوعہ، جلداوّل، صفحہ ۲۲، ''کتاب التوحید''

۳۷۲......دیکھیے کتاب الموضوعات، جلداوّل، صفحہ ۱۱۹، کتب التوحید، باب: (من روی من تسبیح اللہ عزّوجلّ نفسہٗ)، (الفاظ: روی بعضہٗ عن عطاء)

+قول ابن جوزی: (ھذا أسناد کل رجالہ ثقات)

۳۷۳......مسند احمد بن حنبل، جلد ۲، صفحہ ۲۴۴، (مسند أبی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

۳۷۴......صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۲۷۔ کتاب البر والصّلۃ، باب النھی عن ضرب الوجہ

۳۷۵......احیاء علوم الدین، جلد ۲، صفحہ ۱۶۸، (کتب آداب الالفۃ والاخوۃ والصحبۃ الخ) باب اوّل، (فضیلۃ الالفۃ والاخوۃ)

۳۷۶...... ایضاً برحاشیہ

۳۷۷...... سنن ابن ماجہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۳، کتب الفتن۔ باب (السواد الاعظم) حدیث ۳۹۵۰۔

۳۷۸......الجامع الصغیر، جلداوّل، صفحہ ۸۷۔ حرف الألف.

۳۷۹......کتاب السنّۃ، جلداوّل، باب ۲۰۔ (ماذکر عن النبّی صلی اللہ علیہ وسلم من أمر بلزم الجماعۃ واخبارہٖ أن یداللہ علی الجماعۃ) حدیث ۸۴

۳۸۰...... سہ صدی مکتوبات، صفحہ ۴۶۳۔ حصہ دوم (۲) جزء مکتوب دوصدی، مکتوب ہفتاد و چہارم نمبر ۷۴۔ درکمال محبت وبلندی ہمت،

۳۸۱......الوفاء باحوال المصطفٰی، جزء ۲، صفحہ ۵۳۸، أبواب خوفہٖ و تضرعہٖ و حزنہٖ وفکرہٖ و غیرھما. باب ۴ (ذکر خوفہٖ وفکرہٖ)

۳۸۲ ......شمائل ترمذی، صفحہ ۱۴، باب (کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۸۳...... شعب الإیمان، جلد ۲، صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵۔ شعبہ نمبر ۱۴۔ (باب: حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) فصل فی: (خلقہٖ و خلقہٖ صلی اللہ علیہ وسلم) حدیث نمبر ۱۴۳۰

۳۸۴.....الطبقات الکبریٰ، جلداوّل، صفحہ۴۲۲، ذکر صفة خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

۳۸۵.....کتٰب الشفاء، صفحہ۲۸۷۔ باب نمبر۲: (تکمیل اللہ تعالیٰ لہٗ المحاسن خَلقاً و خُلقاً) فصل۲۳۔
(بیان: کان متواصل الاحزان، دائم الفکرۃ)

۳۸۶.....ایضاً (حوالہ سابق نمبر۳۸۵) برحاشیہ

۳۸۷.....(ملا علی قاری) شرح شفاء، جلداوّل، صفحہ۳۱۸، باب ثانی (۲) فصل (امّا خوفہٗ صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۸۸..... تمہیدات، صفحہ۲۰۳۔ تمہید نمبر۸ (اسرار قرآن وحکمت خلقت انسان) بیان: ۲۶۲
+سہ صدی مکتوبات، صفحہ۳۴۸، حصہ دوم، جزء مکتوب دوصدی، مکتوب چہارم، در نزول بلاء۔
+صفحہ۲۵۰۔ مکتوب ہشتاد و ہشتم، (۸۸) در غفلت۔
+تفسیر حسینی، سورۃ بقرۃ، آیت نمبر۲۱۴، (أم حسبتم أن تد خلو الجنة ولمآ یأتکم مثل الّذین خلواَ من قبلکم)
+مدارج النبّوۃ، جلداوّل، صفحہ۴۵، باب اوّل، (حسن خلقت و جمال وَی صلی اللہ علیہ وسلم)
وصل: صبر و حلم،

۳۸۹..... حلیة الأولیاء، جلد۶، صفحہ۳۳۳، باب (مالک بن انس رضی اللہ عنہ)

۳۹۰.....ایضاً

۳۹۱.....الجامع الصغیر، جلد۲، صفحہ۱۴۲، حرف المیم

۳۹۲..... جامع ترمذی، جلد۲، صفحہ۳،۷۴،۷ أبواب صفة القیامة

۳۹۳.....ایضاً

۳۹۴.....مثنوی مولوی معنوی دفتر چہارم۴ صفحہ۲۴۴

۳۹۵.....مرصاد العباد، صفحہ۲، دیباچہ۔

۳۹۶.....مدارج النبّوۃ، جلد۲، صفحہ۲،۷۸، تکملہ، وصل در تسمیہ وی صلی اللہ علیہ وسلم.

۳۹۷.....اللآلی المنثورہ، صفحہ۱۳۶، باب۳ (الزھد) حدیث نمبر۲۰

۳۹۸..... المقاصد الحسنة حرف الکاف، حدیث نمبر۸۳۸

۳۹۹..... اسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، صفحہ۳۷۳، حدیث۳۵۳

۴۰۰..... کشف الخفاء، جلد۲، صفحہ۱۷۳، حدیث۲۰۱۶

۴۰۱.....المضوع فی معرفة الحدیث الموضوع. صفحہ۱۱۶، حدیث۲۵۵

۴۰۲.....العروۃ لاھل الخلوۃ والجلوۃ، صفحہ۲۰۷، باب دوم، قابل ہفتاد و پنجم۷۵
+فیہ مافیہ، صفحہ۲۰۳، فصل گفت قاضی عزّ الدّین
+مرصاد العباد، صفحہ۲۱، باب دوم

۴۰۳...... سه صدی مکتوبات، صفحہ۱۴۵، حصہ اوّل، مکتوب پنجاه و دوم ۵۲ در گفت و رفت
+ (علامہ احمد فردولی) مخ المعانی، صفحہ۱۵۳، مجلس ۵۲

۴۰۴...... مثنوی مولوی معنوی، دفتر پنجم، صفحہ۲۷۷
+و جواهر العشاق، صفحہ۱۷۳، شرح کلمات (قال...... یا غوث الاعظم اهل الطاعات یذکرون النعیم)
+ مدارج النبوّة، جلد۲، صفحہ۷۸۲، تکمله، وصل در تسمیه وی صلی اللہ علیه وسلم

۴۰۵...... الفتاویٰ الحدیثیه، صفحہ۱۸۹، (مطلب فی جماعة یصلوّن علی النبّی صلی اللہ علیه وسلم)

۴۰۶...... ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین احمد بن علی بن محمد : (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر'' (المطبع العلیمی ، دهلی ۱۹۴۶ء) صفحہ۱۳۔

۴۰۷...... تشیید المبانی، صفحہ۱۲، ۱۳

۴۰۸...... سه صدی مکتوبات، صفحہ۴۴۹، حصه دو صدی مکتوبات، مکتوب۲۴، در حمل حدیث:
یالیت ربَّ محمدٍ لم یخلق محمّدًا''
+جواهر العشاق، صفحہ۱۷۳، شرح کلمٰت (یاغوث الاعظم: اهل الطاعات یذکرون النّعیم)

۴۰۹...... فردوس الاخبار، جلد۵، صفحہ۳۳۸۔ حدیث۸۰۹۵ +الفردوس بما ثور الخطاب، جلد۵، صفحہ۲۲۷، حدیث نمبر ۸۰۳۱

۴۱۰...... مستدرک حاکم، جلد۲، صفحہ۶۱۴، ۶۱۵، کتاب التاریخ، بیان: (کان اجود الناس بالخیر من الریح (المرسلة)

۴۱۱...... ایضاً

۴۱۲...... الخصائص الکبریٰ، جلداوّل، صفحہ۷، باب: (خصوصیة صلی اللہ علیه وسلم بکتابة اسمه الشریف مع اسم اللہ تعالیٰ علی العرش و سائر ما فی الملکوت)
+ شفاء السقام، صفحہ۱۳۵، باب۸، التوسل و الاستغاثه و الشفع بالنبی صلی اللہ علیه وسلم

۴۱۳...... مستدرک حاکم، جلد۲، صفحہ۶۱۵، کتاب التاریخ، بیان (استغفار آدم علیه السلام، بحق محمد صلی اللہ علیه وسلم)

۴۱۴...... الدر المکنونات النفیسه، جلداوّل، مکتوب۴۴۔ (صفحہ۵۹)

۴۱۵...... القرآن الحکیم، سورة الذاریات، آیت کریمہ نمبر ۵۶

۴۱۶...... جامع ترمذی، جلد۲، صفحہ۲۰۲، أبواب المناقب، باب: ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیه وسلم

۴۱۷...... ایضاً

۴۱۸..... صحیح مسلم، جلداوّل،صفحہ۱۶۶، کتٰب الصلوٰۃ، باب: استحباب القول مثل قول المؤذّن لمن سمعهٗ ثم یصلّی علی النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم یسأل لهٗ الوسیلة

۴۱۹..... صحیح مسلم، جلداوّل،صفحہ۳۲۷، کتٰب الزکوٰۃ باب البحث علی الصدقة ولو بشقّ تمرةٍ .

+ مسند احمد بن حنبل، جلد۴،صفحہ۳۵۹،(من حدیث جریر بن عبداللّٰہ عن النبّی صلی اللّٰہ علیہ وسلم) امام احمد کی اَسنادیوں ہیں:(ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن عون بن أبی جحیفة عن المنذر بن جریر عن أبیهٖ قال کنّا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی صدر النها (الخ) اورامام مسلم علیہ الرحمۃ نے یوں فرمایا:(حدثنا محمدبن المثنیٰ الغندی قال أنا محمدبن جعفر قال ناشعبة عن عون بن أبی جحیفة الخ) بمثل احمد بن حنبل"

۴۲۰..... مدارج النبوّة، جلد۲،صفحہ۷۷۸۔تکمله باب در دووصل است وصل دوم درکمالات صوری، قسم ثانی،

+ شعب الإیمان، جلد۵،صفحہ۳۷۵،شعبہ۴۶۔باب السّرور بالحسنة و غتمام بالسیّئة، حدیث ۷۰۰۶،(تحت قولِ حلیمی)

+ الفتوحات المکیّة، جلداوّل،صفحہ۲۸۲،باب:۵۵۔(معرفة الخواطر الشّیطانیّة)

۴۲۱..... شفاء السّقام،صفحہ۱۵۶،باب:۹(حیاة المکیّة) فصل اوّل بما ورد فی حیاة الأنبیآء.

۴۲۲..... العلل المتناهیه فی الاحادیث الواهیة، جلد۲،صفحہ۳۱۱_۳۱۲، کتٰب الزّهد، حدیث فی ذم من کانت الدّنیا همّهٗ، حدیث۱۳۳۰

۴۲۳..... ایضاً

۴۲۴..... سنن ابن ماجه، جلد۲،صفحہ۱۳۷۷، کتٰب الزّهد، باب (مثل الدّنیا) حدیث۴۱۱۲

۴۲۵..... جامع ترمذی، جلد۲،۵۸،أبواب الزّهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا علی اللّٰہ.

۴۲۶..... ایضاً

۴۲۷..... شرح السنّة، جلد۱۴،صفحہ۲۲۹،۲۳۰، کتاب الرقاق، باب(هوان الدنیا علی اللّٰہ سبحانه و تعالیٰ) حدیث۴۰۲۸

۴۲۸..... ایضاً

۴۲۹..... مشکوٰة المصابیح ،صفحہ۴۴۱، کتٰب الرقاق، فصل ثانی

۴۳۰..... نزهة النظرفی توضیح نخبة الفکر ،صفحہ۱۳،بیان:"حدیث مشهور"

۴۳۲..... اللّآلیٔ المنثورة فی الاحادیث المشهوره،صفحہ۲۰۷،۲۰۸،باب۷(ألقصص والأخبار) حدیث نمبر۵

۴۳۲..... المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع، حدیث نمبر۱۵۹

۴۳۳ ..... تمییز الطیب من الخبیث، صفحہ۱۰۴، حرف السّین، حدیث نمبر۴۳۷

۴۳۴ ..... المقاصد الحسنة، حدیث نمبر۵۸۲، حرف السّین

۴۳۵ ..... کشف الخفاء، جلداوّل، صفحہ۵۶۴، حدیث نمبر۱۵۲۰

۴۳۶ ..... مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر۱۰۰

۴۳۷ مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب۱۲۲

۴۳۸ مدارج النّبوۃ، جلد۲، صفحہ۳۷۷، تکملہ وصل اوّل۔ درکمال معنوی

۴۳۹ ..... الدّر المنتثر۔ ۵، صفحہ۵۹، حرف الهمزہ، حدیث۳۹

۴۴۰ الفتاویٰ الحدیثیہ، صفحہ۲۸۹،
(مطلب فی موت فرعون کافرًا)

۴۴۱ اللآلی المنثورہ فی الأحادیث المشہورہ، صفحہ۱۸۹، باب۵: (الفضائل) حدیث۳۶

۴۴۲ ..... المواهب اللّدنیه (مع شرحه، للزرقانی) جلد اوّل، صفحه ۴۲، المقصد الاوّل فی تشریف
الله تعالیٰ اله علیه السّلام بسبق نبوته الخ
+ الفتاوٰی الحدیثیه، صفحه ۵۹، مطلب: المراد من قول النبی صلی الله علیه وسلم (ان من
اجا ل اللہ الخ)

۴۴۳ ..... مطالع المسّرات، صفحہ۲۶۵، شرح لفظ (نور ضیائک) + ایضا صفحہ۱۲۹، ۲۲۱، ۲۲۹

۴۴۴ ..... فردوس الاخبار جلداوّل، صفحہ۲۰۶، ذکر الأخبار المبداۃ بہ۔ حدیث۶۱۳

۴۴۵ ..... صحیح مسلم، جلداوّل، صفحہ۶۵، کتٰب الایمان، باب (تحریم الکبر وبیانهٗ)

۴۴۶ ..... مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ۴۳۳، کتٰب الاداب، باب الغضب والکبر، فصل اوّل

۴۴۷ ..... مستدرک حاکم، جلداوّل، صفحہ۲۶، کتاب الایمان، بیان (انّ الله جمیل ویحبّ الجمال)

۴۴۸ ..... مسند الشهاب، جلد۲، صفحہ۱۴۴، جز سابع، باب سابع، بیان (ان الله جمیل یحبّ الجمال) حدیث ۱۰۶۸

۴۴۹ ..... الفتاوٰی الحدیثیه، صفحہ۲۷، مطلب فی حدیث، یعذّبان و مایعذّبان فی کبیر۔

۴۵۰ ..... تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد۲، صفحہ۳۴۰، بیان (آدم علیہ السّلام)

۴۵۱ ..... الضعفآء الکبیر، جلد۴، صفحہ۲۵۶، بیان نمبر۱۸۵۳ (مسرور بن سعید عن الأوزاعی حدیثه غیر محفوظ
والایعرف الابه)

۴۵۲ ..... الکامل فی ضعفاء الرجال، جلد۶، صفحہ۲۴۴۴، بیان (مسرور بن سعید التمیمی منکر الحدیث)

۴۵۳ ..... ایضا

۴۵۴ ..... مسند ابی یعلیٰ موصلی (مطبوعہ: دارالمامون) جلداول، صفحہ۳۵۳، (مسند علی رضی اللہ عنہ) حدیث ۱۹۵

۴۵۵......کتب الأ مثال فی الحدیث النّبی صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۱۷۰، حدیث ۲۶۳

۴۵۶......حلیۃ الأ ولیاء، جلد ۶، صفحہ ۱۲۳، بیان (عروۃ بن رویم)

۴۵۷......ایضا

۴۵۸......کتب الموضوعات (لابن الجوزی)، جلداوّل، صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴
باب (خلق النخلتہ من طین' ادم)

۴۵۹......التعقبات علی الموضوعات' صفحہ ۳۸ (باب الاطعمہ)

۴۶۰......مدارج النبّوۃ۔ جلداوّل، صفحہ ۴ (باب حسن خلقت و جمال صورت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

۴۶۱......مستدرک، جلد ۴، صفحہ ۵۵۶، کتب الفتن والملاحم، بیان (ماتکرھون فی الجماعۃ خیر وماتحبون فی الفرقۃ)

۴۶۲......ایضا

۴۶۳......صحیح مسلم جلد ۲، صفحہ ۴۰۶ کتاب الفتن، باب قرب السّاعۃ

۴۴۶......عوارف المعارف، صفحہ ۵۰، باب ۲، (تخصیص الصوّفیہ بحسن الاستماع)

۴۶۵......شرح السنّہ، جلداوّل ۲۶۲، باب: الخصومۃ فی القرآن، حدیث نمبر ۱۲۲

۴۶۶......الدّرر المنتثرہ، صفحہ ۱۶۵

۴۶۷......مسندأ بی یعلیٰ موصلی علیہ الرحمۃ (مطبوعۃ: دارالمامون) جلد ۹، ۲۷۸
بیان (مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) حدیث نمبر ۴۳۷

۴۶۸......صحیح ابن حبان، جلداوّل، صفحہ ۲۴۳، کتب العلم' ذکر العلّۃ التی من أ جلھاَ،
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وما جھلتم منہ فردوہ الی عالمہ، حدیث ۷۵

۴۶۹......اللآلی المنثورہ، صفحہ ۱۶۷، باب ۵ (الفضائل) حدیث ۸

۴۷۰......الدّرہ المنتثرہ' صفحہ ۲۱۴

۴۷۱......الخصائص الکبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۲۱۶، باب (اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بأ ن امّتہ أوتیت العلم الخ)

۴۷۲......الفتاویٰ الحدیثیہ، صفحہ ۲۷۹، مطلب، (حدیث: علمآء امّتی کأ نبیاء بنی اسرائیل)

۴۷۳......المقاصد الحسنہ (حرف العین) حدیث نمبر ۷۰۲

۴۷۴......تمھیدات، صفحہ ۵، تمہیداوّل، علم مکتسب وعلم لدنّی، بیان ۷
+مرصادالعباد، صفحہ ۲۷۴، باب پنجم، فصل چہارم در بیان سلوک علماء ازمفتیان، +ایضاً صفحہ ۲۷۷
+شرح الحجب والأ ستار، صفحہ ۳۹
+تاریخ الخمیس، جلداوّل، صفحہ ۷، بیان (الطلیعتہ الأ ولیٰ فی تعریف النّبی صلی اللہ علیہ وسلم)
+سہ صدی مکتوبات، صفحہ ۱۴، حصہ اوّل، مکتوب پنجم

۴۷۵......الفتوحات المکیّۃ، جلد اوّل، صفحہ ۱۵۱، فصل اوّل (المعارف) باب ۱۴ (معرفة اسرار الأنبياء)

۴۷۶......جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۹۷، ابواب العلم باب (ماجآء في فضل الفقه على العبادة)

+ سنن ابن داوٗد، جلد ۶، صفحہ ۱۵۷، کتٰب العلم، باب (فضل العلم)

+ سنن ماجہ، جلد اوّل صفحہ ۸۱، مقدمہ، باب، (فضل العلماء و الحث علىٰ طلب العلم) حدیث نمبر ۲۲۳

+ التاریخ الکبیر، جلد ۸، صفحہ ۳۲۷، بیان ۳۲۲۹ (یزیدبن سمرة)

+ صحیح البخاری، جلد اوّل، صفحہ ۱۶، کتٰب العلم، ترجمہ باب العلم قبل القول والعمل الخ

+ مسند احمد بن حنبل، جلد ۵، صفحہ ۱۹۶، بیان، (باقی حدیث ابی الدرداء رضی الله عنه)

+ صحیح ابن حبان، جلد اوّل، صفحہ ۲۵۳، ذکر (وصف العلماء الّذين لهم الفضل الخ)

۴۷۷......الفتاوٰی الحدیثیه، صفحہ ۲۷۹، مطلب (حدیث: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل)

۴۷۸......کشف الخفاء، جلد ۲، صفحہ ۸۳، حدیث نمبر ۱۷۴۴

۴۷۹......سه صدی مکتوبات، صفحہ ۳۷۲، حصہ دوصدی مکتوبات، مکتوب چہاردھم دَر اطاعت

+ ایضاً صفحہ ۳۱۴، مکتوب ۱۰ (امام مظفر)

۴۸۰......مخ المعانی، صفحہ ۲۵، مجلس چہاردہم ۱۴

+ صفحہ ۱۰۲، مجلس: ۳۵

۴۸۱......تمهیدات، صفحہ ۳۴، تمہید ۲ (شرطهای سالک در راهِ خُدا) بیان ۴۷

+ ایضاً......صفحہ ۹۱، ۵ (شرح ارکان پنجگانہ اسلام)، ۱۲۸

+ نزهته المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۸۲، فضائل صحابہ، مناقب سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

۴۸۲......الفتاوی الحدیثیه، ۱۷۳، ۱۷۴

۴۸۳......اسرار المرفوعه فی الأخبار الموضوعة، صفحہ ۲۷۶

فصل: (ومَماوضعه جهل المنتسبين الىٰ النسبته فى فضل الصّديق)

۴۸۴......الحاوی الفتاوی، جلد ۲، صفحہ ۴۲، بیان (حکایات وفوائد ومواعظ متفرقہ)

۴۸۵......مدارج النبوۃ، جلد ۲، صفحہ ۲۸۷

باب ششم، ذکر فرضیّت حج۔ وصل بعد ازاں حویطب بن عبدالعزٰی

۴۸۶......مرصادالعباد۔ ۲۷۵، باب ۵، فصل ۴

۴۸۷......نزهة المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۵۸، باب (قوله تعالىٰ سبحان الّذى اسرٰى) لطائف اولىٰ: المركب الخامس. فائدة

۴۸۸...... الحاوی للفتاوی، جلد ۲، صفحہ ۴۲، بیان (حکایات وفوائد ومواعظ متفرقہ)

۴۸۹..... الخصائص الكبرىٰ، جلد اوّل، صفحہ ۳۹، باب (اختصاصه صلى الله عليه وسلم بطهارة نسبه وانهٗ لم يخرج من سفاحٍ من لدّن آدم)

۴۹۰..... نزهته المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۰۱، باب مولد النبّى صلى الله عليه وسلم. فصل: (نسبهٗ صلى الله عليه وسلم)

+ المطالب العاليه، جلد ۴، صفحہ ۱۷۷، (باب) اوّليّة النبّى صلى الله عليه وسلم و شرف أصله۔ حديث نمبر ۴۲۵۶

۴۹۱..... تاريخ الخميس، جلد اوّل، صفحہ ۲۱، بیان: (مطلب اللّوح و القلم)

۴۹۲..... المواهب اللدنيه (مع شرحه للذرقانى) جلد اوّل، صفحہ ۴۹، المقصد الأوّل فى تشريف الله تعالىٰ لهٗ عليه الصلوٰة والسّلام بسبق نبوّته فى سابق اوّليته۔

۴۹۳..... زرقانى شرح المواهب۔ حوالۂ مذکورہ نمبر ۴۹۲

۴۹۴..... روضته الطالبين، صفحہ ۲۷، باب: ٦ (معنى النفس والرّوح و القلب والعقل)
فصل (بيان المعنىٰ المراد من قوله تعالىٰ (فاذاسوّ يته‘ ونفخت فيه من روحى فقعواله سجدين)

۴۹۵..... مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۶۰۵، كتاب التاريخ، بیان: (ذكر اسماء النبى صلى الله عليه وسلم)

۴۹۶..... ايضاً

۴۹۷..... سنن ابن ماجہ، جلد ۲، صفحہ ۱۴۴۰، أبوب الزّهد، باب (ذكر الشفاعة) حدیث نمبر ۴۳۰۸

۴۹۸..... كتاب الثقات، جلد اوّل، صفحہ ۲۱، ذکر (نسب سيّد ولد آدم و أوّل من تنشق الأرض عنه يوم القيمة)

۴۹۹..... شعب الايمان، جلد ۲، صفحہ ۱۸۱، شعبہ نمبر ۱۴۔ باب (حبّ النبّى صلى الله عليه وسلم) فصل: (برائتهٗ فى النبّوة)

۵۰۰..... مسند أبى يعلىٰ موصلى (مطبوعۃ دار الهامون) جلد ۴، صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵، بیان (اوّل مسند ابن عباس رضى الله عنه) حدیث ۲۳۲۸

۵۰۱..... مسند احمد بن حنبل، جلد اوّل، صفحہ ۲۸۱ (مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ)

+ دیکھئے حدیث نمبر ۱۰۰ حوالہ نمبر ۵۰۷

۵۰۲..... جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۲۰۱، أبوب المناقب، (ماجآء فی فضل النبّی صلی اللہ علیہ وسلم)

+ دیکھئے حدیث نمبر ۱۰۰ حوالہ نمبر ۵۰۹

۵۰۳..... امام مسلم فرماتے ہیں:

”حدثنى الحكم بن موسىٰ أبوموسىٰ أبو صالح قال ناهقل يعنى ابن زياد عن الأوزاعى قال حدّثنى أبوعمار قال حدثنى عبدالله بن فروخ قال حدثنى ابوهريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا سيّد ولد ادم يوم القيمة و اوّل من ينشق عنه القبر و اوّل شافع و اوّل

مشفع" (دیکھئے: صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۲۴۵۔ کتب الفضائل. باب: تفضیل نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ جمیع الخلائق)

۵۰۴.....امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"حدثنا عمرو بن عثمان نا الولید عن الأوزاعی عن ابن عمار عن عبداللہ بن فروخ عن أبی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أنا سیّد ولد آدم و اوّل من تنشق عنہ الأرض و اوّل شافع و اوّل مشفّع".

(دیکھئے: سنن أبی داوٗد، جلد ۲، صفحہ ۲۸۶۔ کتب السّنتہ. باب التخییر)

۵۰۵... احیاء علوم الدین، جلد ۳، صفحہ ۱۶۱، کتب (آفات اللّسان وفضیلتہ الصمت) الآفتہ الثامنہ عشرہ المدح

+ کتاب الشفاء، جلد اوّل، صفحہ ۹۰، باب اوّل (ثناء اللہ تعالیٰ و ظھارہ) فصل ۴ (بیان سیادتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۵۰۶.....آداب المریدین: صفحہ ۱۱۲، فصل: (ذکر آدابھم فی الرخص)، بیان: الصّحر و الحدد وجود المحال

۵۰۷.....مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: جلد اوّل، صفحہ ۲۸۱ (مسند ابن عباس رضی اللہ عنہ)

۵۰۸.....شعب الایمان، جلد ۲، صفحہ ۱۸۱، شعبہ ۱۴۔ باب (حبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) فصل، (برائتہ فی النبوّۃ)

۵۰۹... مسند أبی یعلیٰ موصلی علیہ الرحمۃ (مطبوعہ دار المامون) جلد ۴، صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵، بیان (اوّل مسند ابن عباس رضی اللہ عنہ) حدیث نمبر ۲۳۲۸

۵۱۰... جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۲۰۱، أبواب المناقب، باب (ماجآء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۵۱۱.....أیضا

۵۱۲.....آداب المریدین، صفحہ ۱۱۲، فصل: (ذکر آدابھم فی الرخص) بیان: (الصحر والحدر عند وجود المحال)

۵۱۳.....کشف الخفاء، جلد اوّل، صفحہ ۱۶، جزء اوّل۔ حدیث نمبر ۱۱

۵۱۴ ....تفسیر حسینی، سورہ طٰہٰ، رکوع ۶، آیت ۱۱۴ (وقل ربّ زدنی علما) کے تحت (صفحہ ۵۱۱)

۵۱۵... الفتوحات المکیّتہ، جزء اوّل، صفحہ ۲۱۴، باب ۳۴ (معرفتہ شخص تحقق فی منزل الأنفاس فعاین منھا أموزا أذکرھا ان شاء اللہ)

۵۱۶ ....روح البیان، جلد ۹، صفحہ ۲۳۲، سورۃ النجم، شرح آیت: لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ)

۵۱۷. ایضا

۵۱۸. تمہیدات ۲۷۷، بیان (اصل حقیقت آسمان وزمین) ذکر: (نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

۵۱۹.....مصنّف ابن ابی شیبہ، جلد ۱۱، صفحہ ۴۶۵۔ کتاب الفضائل. باب نمبر ۲۰۴۶ (ما اعطی اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حدیث نمبر ۱۱۷۵۲

۵۲۰ ..... الخصآئص الکبریٰ۔ جلد۲۔ صفحہ۸۸۔ باب: تجلی ملکوت السمٰوٰت والأرض له

۵۲۱ ..... سنن الدارمی، جلد۲، صفحہ۵۱۔ کتٰب الرّؤیاء۔ باب (رویة الرّب فی النَوم) حدیث نمبر۲۱۵۵

۵۲۲ ..... الاکمال فی اسماء الرجال ملحق بمشکوٰة المصابیح، صفحہ۶۰۷، حرف العین، فصل (الصابته)

۵۲۳ ..... مشکوٰة المصابیح، صفحہ۷۰، کتٰب الصلوٰة۔ باب المساجد، فصل ثانی

۵۲۴ ..... جامع ترمذی، جلد۲، صفحہ۱۵۹۔ ابواب التفسیر۔ باب (تفسیر سورة والصّٰفّٰت)

۵۲۵ ..... ایضاً

۵۲۶ ..... ایضاً

۵۲۷ ..... ایضاً

۵۲۸ ..... ایضاً

۵۲۹ ..... ایضاً

۵۳۰ ..... جواهر العشاق، صفحہ۱۰۷، شرح کلمات، (قال: یاغوث الأعظم لوعلم الانسان ماکان له بعد الموت الخ)

+ کتاب: فیہ مافیہ، صفحہ۲۰۳، فصل (گفت قاضی عزّ الدین) + مخ المعانی، صفحہ۱۲۷۔ مجلس نمبر۴۶

+ سہ صدی مکتوبات، صفحہ۲۷۳، مکتوب نود و چہارم در عزلت

+ ایضاً صفحہ۳۷۹، حصہ دوصدی مکتوبات۔ مکتوب شانزدهم در افلاس خود و صدف طلب۔

+ ایضاً صفحہ۳۹۸۔ مکتوب نمبر۲۵۔ در نزول بلا + صفحہ۴۲۰۔ مکتوب۴۴۔ در ترک جاہ

۵۳۱ ..... سه صدی مکتوبات: صفحہ۴۴۹، ۴۵۰۔

حصہ دوصدی مکتوبات۔ مکتوب نمبر۶۴

در حمل حدیث، یالیت ربّ محمد لم یخلق محمّدًا

۵۳۲ ..... تمہیدات، صفحہ۱۹۴۔ تمہید نمبر۸ (اسرار قرآن و حکمت خلقت انسان) بیان نمبر۲۵۱

۵۳۳ ..... ایضاً، صفحہ۱۹۹، ۲۰۰، تمہید نمبر۸ .... بیان، ۲۵۸

۵۳۴ ..... (ابومحمد روزبہان رحمۃ اللہ علیہ) شرح الحجب و الأستار، صفحہ۳۸۔

۵۳۵ ..... احیاء علوم الدین، جلد۳، صفحہ۳۶۳۔ کتاب ذم الکبر والعجب۔

بیان: (الطریق فی معالجة الکبر و اکتساب التواضع له)

۵۳۶ ..... مصنف ابن ابی شیبہ، جلد۱۳، صفحہ۲۷۶۔

کتاب الزهد۔ کلام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ حدیث نمبر۱۶۳۲۷

☆ ..... ☆ ..... ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مجدد کی فقہی خدمات

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

☆☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا کی نگرانی میں ۲۰۰۲ء میں مندرجہ ذیل عنوان پر بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان (پاکستان) سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیری وفقہی خدمات (ایک تحقیقی اور تجزیاتی جائزہ)''

ہماری درخواست پر فاضل موصوف نے ازراہِ کرم اپنے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالے کا باب پنجم اشاعت کے لیے عطا فرمایا جو قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ہم اس کرمِ خاص کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ (مرتبین)

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کتب کا نہ صرف خود مطالعہ کرتے بلکہ مریدین کو بھی مطالعہ کی تلقین کرتے۔ علم فقہ کے مقابلے میں بعض دیگر علوم کو ہیچ سمجھتے۔ ایک مکتوب میں اپنے پیر و مرشد سے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> علماء اور طلبہ علوم کے گرد بیٹھے ہوں اور تلویح[1] کے مقدماتِ اربعہ کی کسی طالب سے تکرار کر رہا ہو۔ نیز ہدایہ[2] کا تکرار بھی شروع کر رکھا ہو[3]۔

ایک مکتوب میں کتب فقہ کی کتب تصوف پر فوقیت کا ذکر کر کے ان کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ شیخ نظام تھانیسری کو لکھتے ہیں:

> جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتبِ تصوف کا ذکر و مطالعہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کتبِ فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو۔ فارسی زبان میں فقہ

> کی بے شمار کتابیں موجود ہیں، جیسے مجموعۂ خانی، عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی، بلکہ اگر آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے وہ قال میں نہیں آ سکتا۔ لیکن کتبِ فقہ کے زیرِ مطالعہ نہ ہونے سے ضرور نقصان کا احتمال ہے[4]۔

شیخ احمد نامی کسی شخص نے اسلام قبول کیا، اس کے لیے نصیحت کرتے ہوئے عبدالکریم سنامی کو لکھتے ہیں:

> مشارالیہ (شیخ احمد) نومسلم ہے۔ اس لیے اس کو عقائد کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں، سکھائیں اور احکام فقہیہ کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال، حرام، مکروہ و مشتبہ کو پہچان لے اور اس کے موافق اپنی زندگی بسر کرے، گلستان و بوستاں کا پڑھنا بے کاری میں داخل ہے[5]۔

درج ذیل مکاتیب میں بھی آپ نے علمِ فقہ کی اہمیت اور مطالعہ کی ترغیب دلائی ہے:

دفتر اول مکتوب: ۲۶۶، دفتر دوم مکتوب: ۶۱، دفتر سوم مکتوب: ۱۷

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ احمد سرہندی کے افکار کی روشنی میں[6]

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ چونکہ حنفی المسلک تھے، اس لیے اپنی تصانیف میں جابجا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں توصیفی کلمات لکھتے ہیں۔ ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حاسدوں کے بے جا تعصب اور فاسد نظر پر افسوس، ہزار افسوس، امام اعظم فقہ کے بانی ہیں۔ تین چوتھائی فقہ ان کے لیے مسلم ہے جبکہ باقی ائمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ امام ابوحنیفہ ہیں اور باقی سب ان کے عیال ہیں۔ دوسرے ائمہ مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح دیکھتا ہوں[7]۔

فقۂ حنفی کی عظمت کو اپنے کشف کی بناء پر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> بغیر تکلف کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم[۸] متبعین امام ابوحنیفہ پر مشتمل ہے[۹]۔

امام اعظم کے طریق اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> مذہب حنفی اصول و فروع میں باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباطِ مسائل میں اس کا طریقہ کار ہی نرالا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں سب ائمہ سے آگے ہیں اور اسی لیے مرسل احادیث کو وہ مستند احادیث کی طرح لائقِ متابعت جانتے ہیں اور اپنی رائے سے بہر صورت مقدم رکھتے ہیں[۱۰]۔‘‘

دیگر ائمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس ضمن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام فقہائے ابوحنیفہ کی عیال ہیں۔ منقول ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے سے عمل نہیں کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ان (امام ابوحنیفہ) کے سامنے شرم آتی ہے کہ ایسا عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہیں پڑھتے تھے۔ یقیناً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھ سکتے ہیں[۱۱]۔

بعض لوگوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے آپ نے لکھا:

> امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مخالفین صاحبِ رائے[١٢] جانتے ہیں اور ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ سب آپ کے کمالات کے علمی اور تقویٰ وورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اگر ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ اپنی رائے سے حکم دیتے ہیں اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تو اس طرح مسلمانوں کا سوادِ اعظم ان کے زعمِ فساد کی رو سے گمراہ اور بدعتی قرار پاتا ہے بلکہ وہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتے ہیں مگر وہ جاہل جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا زندیق ایسا عقیدہ رکھے گا جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نیم ملا چند حدیثیں یاد کر کے شرعی احکام کو ان میں منحصر ٹھہرا لیتے ہیں اور جو چیز ان کی معلومات سے باہر ہے اس کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کرتے ہیں[١٣]۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور دیگر کمالاتِ علمیہ اور عملیہ نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے ورع وتقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد واستنباط میں وہ بلند مقام حاصل کیا ہے کہ دوسرے حضرات کی فہم اس کے سمجھنے سے عاجز وقاصر ہے[١٤]۔

دیگر بہت سے مقامات پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات، حالات واحوال، عظمتِ شان، تفقہ ودین داری پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چند مقامات درج ذیل ہیں:

دفتر اول مکتوب ٣٨، ٢١٣، ٢٨٢، ٢٨٤' دفتر دوم مکتوب ٥٥'
دفتر سوم مکتوب ١٧، ٦٤، ٣٦، ١٢٢' مبداء ومعاد ص ١٦٧

تقلید کی شرعی حیثیت (حضرت مجدد کے افکار کی روشنی میں)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التَّقْلِیْدُ العَمَل بقَول من لَیْس قَولَه احدی الحجَج بلاَ حجَّة مِنهَا[۱۵]

تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول ماخذ شریعت نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کیے بغیر عمل کر لینا۔ تقلید کی دو صورتیں ہیں۔

۱...... **تقلید عام یا تقلید غیر شخصی:**

تقلید کے لیے کسی امام و مجتہد کو معین نہ کیا جائے بلکہ ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے۔

۲...... **تقلید شخصی:**

تقلید کے لیے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے اور ہر ایک مسئلہ میں اس کا قول اختیار کیا جائے۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہِ راست قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ جس مجتہد کو قرآن و سنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کی فہم و بصیرت اور اس کے تفقہ پر اعتماد کر کے اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے۔

چوتھی صدی کے بعد تقلید ائمہ اربعہ میں محصور ہوگئی۔ تقلید کی ابتداء، اسباب، حیثیت اور اب سے ائمہ اربعہ میں محدود کرنا جیسے مباحث کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث و مناظرہ کی وجہ سے، کچھ ان کے دینی و اخلاقی معیار کے پست ہو جانے کی وجہ سے، کچھ علمی انحطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ پیشرو ائمہ مجتہدین اور مذاہبِ مدونہ کی تقلید اختیار کی جائے اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتوی پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں تعیین و التزام اور تقلید

> شخصی کی وہ پابندی پیدا نہیں ہوئی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے۔ رفتہ رفتہ تعیین والتزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا لیکن اس کی حیثیت بھی تشریعی نہیں، بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباعِ ہویٰ سے بچانے کے لیے، نیز عملی سہولت کی بناء پر ایک مذہب کی تقلید عملاً رائج ہو گئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا، خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالمِ اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب وسنت کے مطابق ہونا ثابت ہے اور جو بحث ومباحثہ کے منازل طے کر چکے ہیں اور ان کی تدوین مکمل ہو چکی ہے، ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی ہیں اس لیے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا[16]۔''

عہد اکبر میں فقہی مسائل میں اختلافات کی حقیقت نہ جاننے والے نام نہاد علماء نے ان اختلافات کو اسلام میں عیوب ونقائص بتایا۔ اسی وجہ سے فقہی مسائل کا مذاق اڑایا جاتا۔ ان حالات میں عوام الناس کے سامنے فقہی مسائل کو زیر بحث لانا مناسب نہ تھا، اسی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبِ حنفی کی تقلید کی اور مریدین کو اس پر کاربند رہنے کا حکم دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب مقاماتِ نبوت کا حامل ہے اور امت کی ایک کثیر تعداد اس سے وابستہ ہے۔ علاوہ ازیں مشائخِ نقشبند اکثر حنفی گزرے ہیں۔ آپ خطا کی صورت میں بھی مجتہد کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں۔ شیخ صوفی کو ایک خط میں اربابِ کشف اور مجتہدین کی خطاء کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> اہلِ کشف کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں جائز نہیں اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز اور درست ہے بلکہ واجب ولازم ہے[17]۔

ملا مقصود تبریزی کو لکھتے ہیں:

> اور مجتہد پر کیا اعتراض کہ اس کی غلطی بھی ایک ثواب کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اگرچہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے[18]۔

ایک اور مقام پر مقلد کو نصیحت فرماتے ہیں:

> جس طرح کتاب وسنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب وسنت پر اس طریقہ کے مطابق جو ائمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال و حرام، فرض و واجب اور سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب وسنت سے احکام اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل کرے۔ عمل میں اپنے مجتہد کے مذہب میں جس کا تابع ہے قولِ مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے[19]۔

عامی کے لیے نجات کا انحصار تقلید پر ہے۔ معارفِ لدنیہ میں لکھتے ہیں:

> تقلید کے شایانِ شان تو علومِ شرعیہ ہی ہیں۔ نجات ابدی حنفی اور شافعی رحمہما اللہ کی تقلید میں ہی منحصر ہے[20]۔

آپ کے نزدیک اولیاء اللہ اور صوفیہ باوجود اپنی عظمت و بزرگی کے تقلید کے مکلّف ہیں۔ صاحبزادگان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ولایتِ خاصہ کے مالک اور عام مؤمن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، اور شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمرو، بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ مومنین سے ہیں برابر ہیں[21]۔

> حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا ایک قسم کا الحاد ہے [22]۔

دفتر اول کے مکتوب ۳۱۲ میں آپ نے وضاحت کی ہے کہ مقلد کسی بھی صورت میں امام کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔

واضح رہے کہ امام کا کوئی قول نصوصِ صریحہ کے خلاف ہو اس صورت میں امام کے قول کو چھوڑنا ہی اس

امام کا مذہب ہوگا[۲۳]۔ علماء کرام اور مشائخ نقشبندیہ اسی کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں سلسلۂ مجددیہ کے نامور سپوت حضرت مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ظاہر ہے کہ امت کے افراد پر پیغمبر کا اتباع واجب ہے لیکن ائمہ میں سے کسی کا اتباع واجب نہیں اور اہل امت کو اختیار ہے کہ وہ جس مجتہد کا مذہب چاہیں اختیار کریں اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے سے حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس اس دعوٰی کی کوئی دلیل ہے تو وہ لائے۔ البتہ ان مشہور مذاہب میں سے ایک مسلک سے دوسرے مسلک میں منتقل ہونا تفصیل کا محتاج ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر رسالہ ''جزیل المواہب فی انتقال المذاہب'' تالیف کیا جس کا خلاصہ یہ ہے: ''ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا جائز ہے۔ امام رافعی نے اس کی تائید کی ہے اور امام نووی نے بھی اس کا اتباع کیا ہے اور روضہ[۲۴] میں لکھتے ہیں کہ مذاہب کی تدوین کے بعد یہ جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جائے۔'' ہم کہتے ہیں مقلد پر لازم ہے کہ دونوں مذہب کے مجتہدوں کے مطابق طلبِ علم کرے، اور جب اسے یقین ہو جائے کہ دوسرا گروہ زیادہ عالم ہے تو وہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔ اگر اسے اختیار بھی دے دیں تو جائز ہے۔ انتہٰی مقلد کی بھی کئی حالتیں ہیں۔ عقل کا تحصر بھی چار چیزوں سے خالی نہیں کیونکہ مقلد عامی ہے یا عالم، ان دونوں کے انتقالِ مذہب کی وجہ دینی ہے یا دنیاوی، اس لیے اگر جاہل ہے اور فقہ سے واقف نہیں اور اپنے مذہب کے بارے میں سوائے نام کچھ نہیں جانتا اور صرف مال و جاہ کے لیے مذہب بدلتا ہے تو یہ اس کی گھٹیا حرکت ہے۔ نیز اس کی تبدیلی مذہب محض خلل

ہے۔ اگر وہ عالم اور فقیہ ہے اور دنیا کے لیے مذہب تبدیل کرتا ہے تو یہ زیادہ سخت ہے۔ گویا کہ وہ مذہب کے ساتھ مذاق کرتا ہے، صرف دنیا کی غرض کے لیے، یہ ناجائز ہے۔

اگر اپنے مذہب میں وہ فقیہ ہے اور انتقال مذہب کا سبب دینی ہے اور دوسرے مذہب کو اس کے نزدیک قوی دلائل کے ساتھ ترجیح ہے تو اس پر انتقالِ مذہب واجب اور ایک روایت کے مطابق جائز ہے اور اگر وہ فقہ سے واقف نہیں ہے اور اپنے مذہب میں تفقہ کے باوجود جاہل رہا اور دوسرے مذہب کو اپنے لیے زیادہ آسان اور جلد سمجھ میں آجانے خیال کیا اور دوسرے مذہب میں فقہ کی حیثیت حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی انتقال مذہب واجب ہے کیونکہ مذہب میں تفقہ جہالت سے بہتر ہے۔ کیونکہ کسی ایک مذہب میں مرتبہ تفقہ حاصل کرنا تمام مذاہب کے جہل سے بہتر ہے۔ غالباً جاہل کی عبادت صحیح نہیں ہوتی اور اگر انتقال کا کوئی دینی یا دنیاوی مقصد نہیں ہے بلکہ محض عمل کی وجہ سے ہے تو عام کے لیے بھی جائز ہے۔ لیکن فقیہ کے لیے ممنوع ہے۔ کیونکہ اس نے ایک مدت میں اس مذہب کا فقہ حاصل کیا ہے اور اگر اس نے دوسرے مذہب کو اختیار کیا تو اس مذہب کا فقہ حاصل کرنے کے لیے اسے پھر ایک عمر درکار ہے اور عمل جو اصل مقصد ہے، نہیں ہو سکے گا۔ پس اس کا مذہب تبدیل نہ کرنا ہی سب سے بہتر ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی غیر، حنفی مذہب میں آئے تو جائز ہے اور حنفی کسی دوسرے مذہب میں جائے تو یہ ناجائز ہے، کہ محض تعصب ہے۔ اس کی کوئی سبیل نہیں، کیونکہ حقیقت میں تو سب امام برابر ہیں اور اگر حنفی مذہب یا کسی دوسرے مذہب کی تقدیم کے بارے میں کوئی

> آیت یا حدیث وارد ہوتی تو اس مذہب کی تقلید امت کے ہر فرد پر واجب ہوتی اور دوسرے مذہب کی تقلید ناجائز ہوتی۔ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔
>
> صاحب جامع الفتاوی[۲۵] نے، جو کہ حنفی المذہب ہیں، کہا ہے کہ مرد یا عورت کا مذہب شافعی سے مذہب حنفی میں جانا جائز ہے۔ لیکن یہ انتقال تمام مسائل میں ہونا چاہیے نہ کہ صرف چند مسائل میں، ماضی اور حال کے بہت سے بزرگوں نے مسلک تبدیل کیا ہے اگر یہ ناجائز ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے[۲۶]۔
>
> جو کوئی اس کے خلاف کہے، اس کا قول بے دلیل، ناقابلِ قبول اور نامعقول ہے۔ ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلامتی ہو[۲۷]۔

خود شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک فقیہ اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر دوسرے امام کے قول پر بھی، بوقتِ ضرورت فتویٰ دے سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> شافعیہ بعض مسائل میں جن میں امام نے تنگی پیدا کی ہے، حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں میں آسانی مہیا کرتے ہیں مثلاً مصارفِ زکوٰۃ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کو مصارفِ زکوٰۃ کی تمام اقسام پر تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہیں جو اس وقت مفقود ہیں، علماء شافعیہ نے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان اقسام میں اگر کسی ایک کو بھی زکوٰۃ دے دی جائے تو کافی ہے[۲۸]۔

اسی مکتوب میں چند سطور پہلے لکھتے ہیں:

> فتویٰ آسان اور سہل قول پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو، خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جس تبدیلی مذہب کو الحاد کی قسم سے قرار دیا ہے وہ عوام الناس کے لیے ہے تاکہ وہ شریعت کو بازیچۂ اطفال نہ بنالیں اور مسائلِ شریعت کو خواہشاتِ نفسانی کے تابع نہ کرلیں۔

فقہِ اسلامی کے مآخذ (حضرت مجدد کے افکار کی روشنی میں)

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ چار ہیں جنہیں ادلہٴ اربعہ کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

> شرعی احکام ادلہٴ اربعہ سے وابستہ ہیں۔ احکامِ شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب و سنت ہے مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے۔ ان چار شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکامِ شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی[۲۹]۔

قرآن، سنت اور قیاس

قرآن و سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

جو آدمی قرآن و سنت سے آنکھیں بند کر کے جھگڑنا شروع کر دے وہ بحث سے خارج ہے شیخ سعدیؔ نے فرمایا ہے:

> آنکس کہ بقرآن و خبر زونہ رہی
> آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی
>
> یعنی جس شخص سے بحث کے وقت تو قرآن و حدیث کے دلائل سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس کو بالکل جواب نہ دے[۳۰]۔

قرآن کریم، سنت اور قیاس کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

> قرآن مجید کے احکام کی تیسری قسم وہ ہے کہ انسانی طاقت ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب تک اللہ عزوجل کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو، ان احکام کو سمجھا نہیں جا سکتا اور اس اطلاع کا حصول پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ احکام چونکہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں لیکن ان کا اظہار نبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو مجبوراً ان کو سنت کی طرف منسوب

کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اظہار سنت کی طرف سے ہوا ہے بلکہ اسی طرح جیسے کہ احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مظہر قیاس ہے پس سنت اور قیاس دونوں مظہرِ احکام ہیں اگرچہ ان دونوں میں بہت فرق ہے کہ ان میں سے ایک (قیاس) کا اعتماد تو رائے پر ہے جس میں غلطی کا امکان ہے اور دوسرے سنت کو خدا تعالیٰ کی تائید حاصل ہے جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ آخری قسم اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے۔ گویا کہ احکام کی مثبت یہی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام کی مثبت وہی کتاب عزیز (قرآن مجید ہے[۳۱]۔)

اجماع اور اجتہاد

جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام کتاب وسنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی انہی کے زمانہ سے وابستہ ہے[۳۲]۔ زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد احکام اجتہادیہ ظنیہ ہیں جو مفید عمل تو ہیں لیکن مثبت اعتقاد نہیں ہیں کہ ان کا منکر کافر قرار پائے ہاں اگر مجتہدین کا اجماع کسی حکم پر منعقد ہو جائے تو وہ مثبت اعتقاد بھی ہو جاتا ہے[۳۳]۔ باقی رہا قیاس اور اجتہاد فقہی یہ بالکل بدعت نہیں بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی نئی چیز یا زائد چیز کو ثابت نہیں کرتا[۳۴]۔

دیگر مآخذ

فقہ اسلامی کے جن ثانوی مآخذ کا حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا درج ذیل ہیں:

۱......الہام:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر صوفیہ کے حوالے سے الہام کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

> ہاں! شرعی احکام ادلۂ اربعہ سے وابستہ ہیں کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن امورِ دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے

> ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب وسنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور وہ چھوڑنا پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں اِس کو عابد سمجھتے ہیں اور اُس کو مکار اور فریبی۔

سوال: جب دین کتاب وسنت سے مکمل ہو چکا تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی اور کیا نقصان رہ گیا تھا جو کہ الہام سے پورا ہوا؟

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے، نہ کہ کمالاتِ زائدہ کا مثبت۔ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق واسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اس (اجتہاد) کا دارومدار رائے پر ہے اور اس (الہام) کا دارومدار اللہ جل جلالہٗ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کے اعلام کی طرح ہے جو کہ سنت کا ماخذ ہے۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور اعلام قطعی[۳۵]۔"

اسی مکتوب میں دوسرے مقام پر آپ لکھتے ہیں:

> الہام حلت وحرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہلِ باطن کا کشف فرض وسنت کا اثبات نہیں کرسکتا۔ ولایتِ خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی۔

اصولیین نے الہام کے عدم حجت پر تفصیلی بحث کی ہے[۳۶]۔ حضرت مجدد کا نکتۂ نظر اصولیین کے عین مطابق ہے۔ اسی لیے آپ کے نزدیک وحی قطعی اور الہام ظنی ہے[۳۷]۔

قرآن وسنت کی نصوص کو الہام پر ترجیح دیتے ہوئے ملا طاہر بدخشی کو لکھتے ہیں:

> غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی انہی دو اصولوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصولوں کے سوا اور جو کچھ بھی ہو، خواہ صوفیہ کے علوم و معارف اور ان کے کشف و الہام اگر ان اصولوں کے مطابق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ ہاں وجد و حال کو جب تک شرعی کی میزان پر نہ تول لیں، نیم جَو سے بھی نہیں خریدتے۔ کشوف و الہام کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم دام کے برابر بھی پسند نہیں کرتے[۳۸]۔

۲......تعامل:

مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں جو تعامل معتبر ہے، وہ ہے۔ جو ابتدائی دور سے آ رہا ہو یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے بلکہ ہم متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کریں گے کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا۔ جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر مسلسل چلا آ رہا ہوتا کہ یہ رسول اللہ کی تقریر پر دلیل ہو کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا۔ ماسوا اسی صورت کے تمام آدمی اس پر عمل کریں تا کہ یہ اجماع ہو جائے اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنا لیں تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور اس میں شک نہیں ہے کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے وہ درحقیقت آپ ہی کی سنت ہے[۳۹]۔

۳......عرف:

قول یا عمل میں جمہور کی عبادت کا نام عرف ہے۔ جن مسائل میں کوئی صریح حکم نہ ہو ان کا فیصلہ لوگوں کی عادات کے مطابق ہوتا ہے لیکن عرف کا دائرہ ان ہی حدود تک وسیع رہے گا جن میں شارع نے انسان کو آزادی دی ہے اور جہاں شارع نے پہلے ہی سے تحدید کر دی ہو وہاں عرف و عادات کا اعتبار نہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ کے ذریعے شریعت اسلامی کے اس اصول کی وضاحت کی ہے۔ آپ کی بیان کردہ تفصیلات درج ذیل ہیں:

> جان لیں کہ اس باب میں ہم بھی تردد اور شک رکھتے ہیں عرب کے لوگ پیش چاک پیراہن پہنتے ہیں اسے سنت جانتے ہیں اور فقہ حنفی کی بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش چاک پیراہن مردوں کو نہیں پہننا چاہیے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ امام احمد و ابو داؤد‘ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے۔
>
> **لعن الرّجل یلبس لبس المرءۃ والمرأۃ تلبس لبس الرّجل**
>
> ترجمہ: اس مرد پر لعنت ہوتی ہے جو عورت جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت ہوتی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔

مطالب المومنین میں ہے:

> اور عورت مردوں سے مشابہت پیدا نہ کرے اور نہ ہی مرد عورتوں سے مشابہت کرے کیونکہ دونوں گروہوں پر لعنت ہوئی ہے۔
>
> معلوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک اہل دین اور اہل علم کا لباس نہیں لہذا اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے لیے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔

جامع الرموز میں محیط سے نقل ہے:

> تو ذمی شخص وہ لباس نہ پہنے جو اہل علم اور اہل دین کے ساتھ خاص ہے بلکہ موٹے کھدر کی قمیص پہنے جس کا چاک سینے پر ہو جیسا عورتوں کا ہوتا ہے۔
>
> نیز بعض علماء کے قول کے مطابق پیش چاک قمیص نہیں ہے بلکہ درع ہے ان کے نزدیک قمیص یہ ہے کہ جس کا چاک کندھوں کی طرف رکھا گیا ہو۔ جامع الرموز میں عورت کے کفن کے بیان میں ہے (اور ہدایہ میں ہے قمیص کا بدل درع ہے) اور ان دونوں میں فرق یہ بتایا گیا ہے کہ درع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا چاک

کندھے کی طرف۔ بعض نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ بات درست دکھائی دیتی ہے کہ جب مردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے تو ہم دیکھیں گے کہ جس علاقے کی عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں اس علاقے کے مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کی مشابہت ترک کرتے ہوئے گول چاک والا پیراہن پہنیں اور جس علاقے کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں، وہاں مرد ضرورت کی بناء پر پیراہن پیش چاک استعمال کریں۔ عرب کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں، اس لیے وہاں کے مرد پیش چاک کا پیرہن پہنتے ہیں اور ماوراء النہر اور ہندوستان کی عورتوں کا لباس پیش چاک پیراہن ہے اس لیے مرد گول حلقے والا پیراہن استعمال کرتے ہیں۔

میاں شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں مکے میں تھا تو شیخ نظام نارنولی کے ایک مرید کو دیکھا کہ وہ گول حلقے والا پیراہن پہن کر کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا اور عربوں کا ایک گروہ اس کرتے پر تعجب کر رہا تھا کہ اس نے عورتوں کا کرتہ پہنا ہوا ہے تو اعتبار عرف و عادت کا ہے۔ اہلِ عرب کا عمل بھی درست ہے اور ہندوستان اور ماوراء النہر والوں کا عمل بھی درست ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف۔۔ وہ رخ کرتا ہے۔

اگر پیش چاک پیراہن کی سنیت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہوتی تو اس لباس کو ذمی لوگوں کے لیے جائز قرار نہ دیتے، اور اہلِ دین اور اہل علم اسے خاص رکھتے۔ چونکہ اس لباس میں عورتیں پیش چاک پہنتی ہیں اس لیے یہاں کے مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا ہے[۴۰]۔

آپ کے نزدیک زمان و مکاں کی تبدیلی سے عرف بھی تبدیل ہو جاتا ہے[۴۱]۔

تشریع کے قرآنی اصول

انسانی طبیعت و مزاج کے پیش نظر، قرآن کے اوامر و نواہی میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱......عدم حرج
۲......قلت تکلیف
۳......تدریج
۴......نسخ

ان میں سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جن اصولوں کے حوالے سے کچھ لکھا ہے وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

عدم حرج اور قلت تکلیف

حرج درحقیقت تنگی کو کہتے ہیں وہ مشقتیں جو عادتاً روزانہ کے کام میں ہوتی ہیں حرج میں داخل نہ ہوں گی ورنہ مطلقاً حرج سے گلوخلاصی تو ممکن ہی نہیں۔ عدم حرج کا لازمی نتیجہ قلت تکلیف ہے۔ امتِ محمدیہ ﷺ پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ اسے غیر معتاد مشقت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

عدم حرج اور قلت تکلیف کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے افکار درج ذیل ہیں:

مولانا بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے، دین میں آسانی کے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> یہ بات بھی علم میں ہونی چاہیے کہ اللہ عزوجل نے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے مطابق مکلّف بنایا ہے اور ان کے ضعفِ خلقت کے باعث تکلیف میں ان کے لیے آسانی رکھی ہے۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:
>
> یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الانسان ضَعِیْفًا[۴۲]۔
>
> ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اور اللہ جل جلالہ کی طرف سے آسانی کیوں نہ ہو حالانکہ وہ ذات سبحانہ حکیم، رؤف اور رحیم ذات ہے۔ اس کی حکمت، نرمی اور رحمت کے یہ لائق نہیں کہ بندے کو اس امر کی تکلیف دے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو چنانچہ اللہ نے کسی انسان کو بہت بڑی چٹان اٹھانے کی تکلیف نہیں دی جس کے اٹھانے پر بندہ قادر نہیں بلکہ ایسے امور کی تکلیف دی ہے جو بندے کے لیے بہت آسان ہیں جیسے:۔

نمازیں؛ جو قیام، رکوع، سجود اور آسان قرأت پر مشتمل ہیں اور یہ سب نہایت ہی آسان کام ہیں۔ اسی طرح روزوں میں بھی سہولت ہے اور زکوٰۃ کی بھی یہی نوعیت ہے، چنانچہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔ سارا یا نصف مال دینا لازم نہیں تاکہ بندوں کو گراں اور بھاری محسوس نہ ہو۔

یہ بھی اللہ کی کمال کرم نوازی ہے کہ ہر مامور بہ کا اس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں بدل اور عوض مقرر کر دیا۔ چنانچہ وضوء کے بدلے تیمّم جائز قرار دے دیا گیا اسی طرح یہ حکم بھی دیا کہ جو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو، بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو لیٹ کر نماز پڑھ لے اور جو رکوع وسجود پر قدرت نہ رکھتا ہو اشارے سے نماز ادا کرے وغیر ذالک۔ جیسا کہ نظر انصاف واعتبار سے احکام شرعیہ کو دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں تو ایسا شخص دیکھے گا کہ تمام تکلیفاتِ شرعیہ میں نہایت آسانی اور سہولت ہے۔ تکلیفات شرعیہ کے آسان ہونے کی گواہی اس سے ملتی ہے کہ عوام زیادہ تکلیفاتِ شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں چنانچہ بعض یہ آرزو کرتے ہیں کہ فرض روزے ایک ماہ سے زیادہ ہونے چاہئیں۔ اور بعض فرض نمازوں میں زیادہ ہونے کے آرزو مند ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، اور اس تمنا کی وجہ صرف یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ میں نہایت آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے[۴۳]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا خبث باطن اور بداعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔ وہ علماء جو مشرکوں کی نجاست کو نجس العین سمجھتے ہیں انکار کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> مشرک لوگ نجاست سے پرہیز نہیں کرتے تو یہ بات آج اکثر اہلِ اسلام
> میں موجود ہے اور یہ چیز آدمی کی نجاست کا سبب ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے
> گا اور اسلام میں تنگی نہیں[۴۴]۔

اسی مکتوب میں چند سطور بعد آپ لکھتے ہیں:

اور پھر یہ بھی ہے کہ دین میں تنگی نہیں ہے اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ ان پر نجاست کا حکم لگانا اور ان کو نجس العین سمجھنا مسلمانوں پر کتنی تنگی ڈالتا ہے اور ان کو کسی قدر محنت میں مبتلا کرتا ہے۔

وہ لوگ جو کافروں کے کھانے، پانی کے حرام ہونے کے قائل ہیں، یہ عادۃً محال ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خصوصاً ہندوستان کے علاقہ میں یہ مصیبت بہت زیادہ ہے، اس مسئلہ میں جو ”عموم بلوی[۴۵]۔ رکھتا ہے، بہتر یہ ہے کہ فتویٰ آسان اور سہل قول پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَايُرِيْدُ بِكُمُ الْعسر[۴۶]۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔ تنگی مقصود نہیں۔

یہ بھی فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الانْسَانُ ضَعِيْفًا[۴۷]۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

مخلوق کو تنگ کرنا اور ان کو ناراض کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے برخلاف ہے۔ شافعیہ بعض مسائل جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تنگی پیدا کی ہے، حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو آسانی مہیا کرتے ہیں[۴۸]۔

نسخ

نسخ کے دو مطلب ہیں:

۱۔ پہلا حکم بالکل ختم کر دیا جائے۔
۲۔ حالات کے لحاظ سے پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم کر دی جائے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

پس نسخ ان احکام میں ہوتا ہے جو کہ بحسب لغت صحیفہ منزلہ سے ثابت ہوں اور وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت ہوں اور سنت واجتہاد کی طرف منسوب ہوں ان میں نسخ نہیں ہوتا۔ نسخ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حکم ثانی تمام لوگوں کے لیے عام ہوتا کہ اس حکم کو رفع کرے جو ایک گروہ کی نسبت دیا گیا تھا۔ پس ایک پیغمبر کا اجتہاد اور اس کی سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد اور اور سنت کی ناسخ نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی دوسری قوم کے لیے ہوتا ہے اور یہ کسی اور قوم کے لیے۔ ہاں گر یہ اختلاف سب لوگوں کے لیے یا کسی ایک قوم کے لیے ہو تو اس صورت میں واقعی نسخ ہوگا، جیسا کہ اس شریعت میں ہے جو کہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔ حکم ثانی اول کے لیے ناسخ ہوگا۔ پس ہمارے پیغمبر ﷺ کی پچھلی سنت انکی پہلی سنت کی ناسخ ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کی اتباع کریں گے کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے [۴۹]۔

نص کی الفاظ پر دلالت:

نص کی الفاظ پر دلالت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے۔ بلکہ تمام پہلی شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ ہاں اتنی بات یہ ہے کہ اس شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو عبارۃ النص [۵۰]۔ اشارۃ النص [۵۱]۔ دلالۃ النص [۵۲] اور اقتضاء النص [۵۳] سے معلوم ہوے ہیں [۵۴]۔

سنت کی اقسام

سنت کی دو اقسام ہیں:

سنت ہدیٰ: انہیں سنت موکدہ بھی کہتے ہیں جیسے جماعت، اذان، اقامت

سنتِ عادیہ: اسے سنت غیر موکدہ بھی کہا جاتا ہے جیسے عصاء کا پکڑنا، عمامہ باندھنا۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سنن کے احکامات کی درج ذیل تفصیل بیان کی ہے:

سنن ہدیٰ میں وہ سنن موکدہ جو شعائر کا درجہ رکھتی ہیں ان کے تارکین پر عتاب ہوگا حتیٰ کہ اگر کسی شہر کے مکین اذان، جماعت کے ترک پر مصر ہوں تو حاکمِ وقت ان کو طاقت کے ذریعے ان سنن کی دعوت دے کیونکہ ایسی سنن شعائر اسلام ہونے کی وجہ سے بمنزلہ واجب ہیں وہ سنن جو شعائرِ اسلام کے درجہ پر فائز نہیں تو ان کا حکم یہ نہیں ہوگا۔

سنن پر عمل مستحسن ہے کیونکہ جو عمل رسالت مآب نے کیا ہے خواہ بطور عبادت یا بطور عادت۔ اس پر عمل خیر ہی خیر ہے بلکہ ازراہِ محبت کرنے سے امتی کے درجات میں بلندی اور حضور ﷺ کا قرب نصیب ہوتا ہے مگر اس پر عمل پیرا نہ ہونے والے انسان پر ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ نے ان بیان کردہ سنن کا امت کو پابند نہیں کیا تو اب دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس میں سختی کرے[۵۵]۔

ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کیوں کہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر کیوں کہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے[۵۶]۔

فرائض کی نوافل پر فضیلت

اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ نفلی عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو توجہ کے لائق نہیں سمجھتے اور انہیں حقیر و بے اعتبار جانتے ہیں۔ تمام

> دولت وقت یا بے وقت مستحق، غیر مستحق کو دے دیتے ہیں۔ لیکن ایک دمڑی بھی ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دینا جو کہ صحیح مصرف ہے، بڑا مشکل ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقہ میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے[۵۷]۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں۔ کاش کے ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط کی ہی نسبت ہوتی، بلکہ نفل کی سنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے، اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے[۵۸]۔

مباحات کا دائرہ وسیع ہے

> حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندوں پر اپنی مہربانی سے مباحات کا دائرہ بڑا وسیع کیا ہے، وہ بڑا ہی کوئی بدنصیب ہوگا جو کہ سینہ کی تنگی کی وجہ سے اس دائرہ کو تنگ سمجھے اور وسیع دائرہ سے باہر قدم رکھے اور حدود شریعت سے تجاوز کرے اور مشتبہ و حرام میں مبتلا ہو جائے[۵۹]۔

اگر کوئی امر سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو؟

اگر کوئی کام بعض علماء کے نزدیک سنت اور دوسروں کے نزدیک بدعت ہو تو اسکے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

> اذا تردد الحکم بَیْنَ سُنَّة وَ بِدْعَة کَان ترک السُّنّة رَاجحاً عَلیٰ فِعْل البِدعَة[۶۰].

یعنی اس صورت میں سنت کو ترک کیا جائے گا۔

احمد رضا قادری سنت و مکروہ میں تعارض کی صورت میں ترک ہی کو اولیٰ سمجھتے ہیں[۶۱]۔

درج بالا صورتوں کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> علماء کے ہاں یہ مسلم ہے کہ احتمال کے لیے منافع کثیرہ کو چھوڑنا چاہیے۔ اسی کے قریب وہ کلام ہے کہ اگر کوئی معاملہ سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو عملِ سنت سے ترکِ بدعت بہتر ہے۔ کیونکہ بدعت کے کرنے میں احتمالِ ضرر ہے اور سنت میں توقع منافع ہوتی ہے، پس ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا چاہیے[۶۲]۔

جواز و عدمِ جواز میں تعارض کا حل

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے دستورِ فقہی کی وضاحت کرتے ہوئے خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> آپ پوری عزیمت سے فقہاءِ کبار کے مختار اور مفتیٰ بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں کچھ جواز اور کچھ کراہت کا پہلو فقہاء بیان کرتے تو آپ کراہت کے پہلو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے کہ اگر جواز عدم جواز اور حل و حرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیے[۶۳]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں:

> اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے درمیان جواز و عدم جواز اور حلال و حرام کا تعارض واقع ہو جائے تو عدمِ جواز کے پہلو کو ترجیح دی جائے[۶۴]۔

مکروہ تحریمی

جو مکروہ مباح کے مقابلے میں آتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے[۶۵]۔

مطلق اور مقید

علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو ہی اپنے اطلاق پر رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر عمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے[۶۶]۔

مسئلہ تکفیرِ مسلم

تکفیرِ مسلم بدترین گناہ ہے۔ علماء نے ہمیشہ اس سلسلہ میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے اور حزم و احتیاط کا حکم دیا۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر ٹوٹ پڑتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> اِذا قَال الرَّجلِ لا خَیۃِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِھَا اَحَدھُمَا[٦٧]۔
>
> یعنی ''جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو بے شک ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کلمہ کفر کا حق دار ہو جاتا ہے۔''

یہی وہ خطرہ ہے جس کی وجہ سے علماء کرام اور فقہاء عظام نے تکفیرِ مسلم کے معاملہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> اے بھائی! اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق عطا فرمائے۔ مسلمان کو کافر کہنے پر اقدام بڑی دشوار چیز ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہوگا وہ بدمذہبوں کے کافر کہنے کو بھی خطرناک جانے گا باوجود اس چیز کے کہ وہ لا اِلٰہَ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے قائل ہیں۔ یقیناً کافر کہنا بڑا ہولناک اور بڑے خطرے کی چیز ہے[٦٨]۔

اسی احتیاط وللّٰہیت کی بناء پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار نہیں دیتے۔ اس سلسلہ میں آپ رقمطراز ہیں:

> مومن گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک روز علماء کبار کے ایک بڑے مجمع میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آیا اور اس نے محفل میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا فرماتے ہیں علماء کبار ایک ایسے فاسق مومن کے حق میں جس نے ناحق اپنے باپ کو قتل کیا اور اس کا سر تن سے جدا کر کے اس کے سر کا کاسہ بنا کر اس میں شراب ڈال کر پی لی اور شراب نوشی کے بعد اپنی ماں سے زنا کیا۔ کیا وہ شخص مومن ہے یا کافر؟ اس علماء کے زمرہ میں

> ہر ایک نے اس کے حق میں بڑھ چڑھ کر غلو سے کام لیا اور اسے ایمان سے خارج بتایا۔ امام ابو حنیفہ نے اسی دوران میں فرمایا کہ وہ شخص مومن ہے اور ان کبائر کے ارتکاب سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا۔ امام صاحب کی یہ بات دوسرے علماء کو نہایت ناگوار گزری اور اس پر انہوں نے طعن و تشنیع کی، زبان کو دراز کیا۔ بالآخر مباحثہ کے بعد امام صاحب کی بات کو سب نے قبول کیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا[۶۹]۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک کوئی ضروریات دین کا انکار نہ کرے گا وہ کافر نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں:

> چونکہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے، جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کریں اور احکامِ شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو رد نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس کی وجہ تصحیح کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے[۷۰]۔

واضح رہے کہ ضروریات دین سے مراد وہ امور ہیں جن کو ان کی شہرت کی وجہ سے عوام خواص سب ہی دین کی ضروری باتیں سمجھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، پانچ نمازیں وغیرہ، ان کی دو اقسام ہیں:

۱۔ وہ امور جن کا ضروریات دین میں سے ہونا خواص اور علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے عوام کو معلوم ہو۔ ایسے امور کا انکار خواص کریں یا عوام، بہرحال یہ کفر ہے۔

۲۔ وہ امور جن کا ضروریات دین میں سے ہونا بعض عوام پر مخفی ہوتا، اگر عوام میں سے کوئی ان کا انکار کردے تو اسے کافر نہیں کہیں گے۔ لیکن علماء کے بتانے پر بھی وہ بضدر ہے تو کافر ہے[۷۱]۔

اگر کوئی شیخین کی فضیلت کا انکار کرے تو علماء اسے کافر قرار نہیں دیتے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

> **الرافض اذا کان یسب الشیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ویلعنہما والعیاذ باللہ فھو کافر و ان کان یفضلا علیا**

كرم الله تعالیٰ وجهه علی ابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه لا یکون کافر الا مبتدع[۷۲]

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کفر ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

من انکر صحبة ابی بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه کفر بخلاف انکار صحبة غیره[۷۳]

یعنی اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت دیں تو بدعتی ہیں کافر نہیں اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کفر ہے کیونکہ یہ نص سے ثابت ہے لیکن دوسروں کی صحابیت کا انکار کفر نہیں۔ اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے درج ذیل ہے:

> لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل وقال ہے۔ ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علماء نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے[۷۴]۔

دوسری جگہ یزید پر لعنت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> بعض علمائے اہل سنت نے اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے، اس پر راضی ہونے کی بناء پر نہیں بلکہ رجوع اور توجہ کے احتمال کی رعایت کے باعث کیا ہے[۷۵]۔

یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہلِ سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لیے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے[۷۶]۔

اگر کسی مسلمان سے کوئی ایسا لفظ صادر ہو گیا، جو بظاہر علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کر کے اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر مطابق شریعت کے کرنا چاہیے۔ اشاعتِ فاحشہ

اور فاسق کی رسوائی کرنا جب کہ شریعت میں حرام ہے تو مسلمان کو رسوا کرنا، فقط اشتباہ کی وجہ سے کیونکر مناسب ہوگا؟ اور شہر بشہر اس کی منادی کرنا کون سی دین داری ہے؟ طریق مسلمانی و مہربانی کا یہ ہے کہ اس کلمہ کو جس کا ظاہر مخالف علومِ شرعیہ ہے، اگر کسی سے صادر ہوا تو دیکھنا چاہیے کہ وہ شخص کیسا ہے۔ اگر ملحد و زندیق ہے تو اس کا رد کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور اگر اس کلمہ کا قائل مسلمان ہو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس بات کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے اور اس کے لیے صحیح محمل نکالنا چاہیے یا اس قائل سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے۔ اگر وہ شخص اس کے حل کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کو نصیحت کرنا چاہیے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نرمی سے کرنا بہتر ہے کہ قبول کرنے کے نزدیک ہے اگر مقصود تسلیم کرانا ہو اور اگر صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے[۷۷]۔

بدعت

بدعت[۷۸] لغت میں ایسی نئی چیز کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ اصطلاحِ شریعت میں اس محدث فی الدین کو کہتے ہیں کہ جس کا وجودِ شرعی زمانہ رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔ شریعت میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد دین میں کسی بدعت کی گنجائش نہیں۔ ہر کام کے لیے کسوٹی اسوۂ حسنہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں کوشس کرنے سے بہتر ہے[۷۹]۔ جس کو سنت سے جس قدر محبت ہوگی وہ بدعت سے اتنا ہی متنفر ہوگا۔

فطرت انسانی کو مسخ کر کے صفائی قلب سے محروم کرنے والی شئے بدعت ہے اسی وجہ سے سلف صالحین اس سے اجتناب کرتے۔ بدعت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے مقابل انسان کسی نہ کسی سنت کی حلاوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بدعت درحقیقت شرک فی النبوۃ ہے۔ اس سے ہر ممکن اجتناب ضروری ہے۔

بعض علماء نے بدعت کی تقسیم کی ہے۔ ان کے مطابق امورِ انتظامیہ، تعلیم و تدریس کے متعلقہ امور اور مباحات متجددہ بدعتِ حسنہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث **من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد** میں **فی امرنا هذا** کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ بدعت کا تعلق امور دینیہ سے ہے نہ کہ امور دنیوی سے، لہٰذا اقترابات میں تو بدعت کا قاعدہ جاری ہوگا۔ اس میں کسی قرینہ شرعی کے بغیر

مطلق کو مقید اور عام کو خاص نہیں کر سکتے کیونکہ مـا لیس منه یں ماعموم پر دلالت کرتا ہے، لیکن اختراعات، ملبوسات، ماکولات وغیرہ میں بدعت کا قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جب بدعت کی مثالیں دیں تو اقترابات (ذکر بالجہر، عبادت کے لیے اپنی طرف سے تقرر ایام و تعین صورت، زبان سے نماز کی نیت، نوافل کی جماعت وغیرہ) کا ذکر کیا اور جب آپ سے میر نعمان نے یہ پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں لباس فرجی، شال اور شلوار نہیں تھی، آپ اس سے منع کیوں نہیں کرتے لیکن ذکر بالجہر سے منع کرتے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سنت ہدیٰ اور عادیہ کا فرق بیان کر کے وضاحت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مجدد بدعت کی اس تقسیم کے بھی قائل نہیں جو علماء نے کی ہے۔ بدعت کے حوالے سے آپ کے افکار و نظریات درج ذیل ہیں۔

احادیث کے حوالے سے بدعت کی مذمت کرتے ہوئے حضرت مجدد لکھتے ہیں:

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد

جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے۔ جو شے مردود ہو اس میں حسن کہاں سے آسکتا ہے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

امابعد فان خیر الحدیث کتاب الله

بعد حمد و صلاۃ، پس بے شک بہتر بات کتاب اللہ ہے اور سب سے بہتر سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور چیزوں میں سب سے بدتر نئی باتیں ہیں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔

دوسری جگہ آپ نے فرمایا:

اوصیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وان کان عبد اجبشیا فانه من الخ

اے لوگو میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، اپنے اولی الامر کی بات سننے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہوں اگر چہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔ تو تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھامو اور اسے اپنی ڈاڑھوں سے پختگی سے

> پکڑو اور نئے نئے امور سے بچنا۔ پس بے شک ہر نئی چیز بدعت ہے
> اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے۔

تو جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور بدعت ضلالت وگمراہی تو بدعت میں اچھائی ہونے کے کیا معنی؟ نیز احادیث سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے، یہ ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہے لہٰذا ہر بدعت سیّہ ہی ہوگی۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

> **مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَۃٍ**
>
> کوئی قوم بدعت جاری نہیں کرتی مگر اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے
> تو سنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

> **مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَۃً فِیْ دِیْنِھِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰہِ مِنْ سُنَّتِھِمْ مِثْلَھَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُھَا اِلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ**
>
> کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ اس کی مثل
> ان کی سنتوں میں سے چھین لیتا ہے پھر قیامت تک وہ سنت انہیں
> واپس عطا نہیں کرتا۔

جاننا چاہیے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں[۸۰]۔

تکمیل دین کے بعد دین میں کسی نئے امر کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو
> امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان
> حسنات سے دین کی تکمیل اور تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کو
> بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سیدھے رستے کی
> ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور

> نعمت خداوندی تمام ہو چکی اور حق تعالیٰ کی رضا مندی اس سے حاصل ہو چکی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً** پس ان بدعات سے دین کا کمال طلب کرنا درحقیقت قرآن پاک کی اس آیۂ کریمہ کے مضمون کا انکار کرنا ہے[۸۱]۔

سنت کی اہمیت اور بدعت کے نقصانات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> سعادت مند وہ ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہوا ہے۔ سنت عہد نبوت کے بُعد کے باعث پوشیدہ ہوگئی ہے اور بدعت جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہوگئی ہے۔ اب ایک ایسے بہادر جوان مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی، اس نے اسلام کو گرانے میں مدد دی، (۱) پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے خصوصاً ان دنوں میں کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کے مراسم تب ہی قائم رہ سکتے ہیں جب سنت کو جاری کیا جائے اور بدعتوں کو دور کیا جائے[۸۲]۔

---

(۱) امام احمد رضا محدث بریلوی نے بدعتی کے حوالے سے امام ربانی مجدد الف ثانی کا یہ قول نقل کیا ہے۔
''فساد مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافراست'' (محمود احمد قادری: مکتوبات امام احمد رضا' لاہور ۱۹۹۶ء' ص ۸۸) مرتبین

بدعت کی اقسام

بعض علماء بدعت کو حسنہ اور سیۂ میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس تقسیم کے قائل علماء کبار درج ذیل ہیں:
امام شافعی، العزبن عبدالسلام، نووی، ابو شامتہ، زرقانی، ابن عابدین شامی، ابن الجوزی، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

لیکن علماء کا ایک گروہ اس تقسیم کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شاطبی، طرطوشی، الشمنی، عینی، البیہقی، ابن حجر العسقلانی، الہیثمی، ابن رجب اور ابن تیمیہ شامل ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے بدعت کی سخت مذمت کی ہے (۲) علامہ مراد مکی، شیخ محمد مظہر دہلوی، سعید احمد نقشبندی اور ڈاکٹر مسعود احمد کے نزدیک امام ربانی بدعتِ حسنہ کو سنت میں داخل سمجھتے تھے۔ حیرت ہے کہ ان محققین نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اقوال پر غور نہیں کیا مکتوبات کی داخلی شہادتوں کی رو سے ان محققین کا یہ نقطۂ نظر درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل ارشادات قابل غور ہیں:

> حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور نہ کسی بدعت پر عمل کرنیکا فتویٰ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو۔ کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔ گزشتہ زمانے میں چونکہ اسلام قوی تھا، اس لیے بدعت کے ظلمات کا اٹھا سکتا تھا اور ہوسکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوں

---

(۲) امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سرے سے بدعت کے مخالف نہیں بلکہ اُس بدعت کے مخالف ہیں جو یا تو رافع سنت ہو یا سنت میں کمی بیشی کر کے نکالی گئی ہو۔ دوسرے بدعات حسنہ کے جواز کے لیے آپ نے یہ حدیث شریف نقل فرمایا ہے: من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا (مسلم شریف) (مکتوبات شریف، ج ۱، م ۹۲؛ ج ۲، م ۵۷؛ ج ۳، م ۹۴؛ ج ۳، م ۱۳۲)
اور یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بدعت حسنہ کے لیے بعض مکتوبات شریفہ میں جو اظہار خیال فرمایا ہے وہ فقیہانہ نہیں حکیمانہ ہے، حکیم مریضوں کو بہت سی حلال چیزوں سے روکتا ہے نہ کوئی اعتراض کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشوب چشم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہد کے استعمال سے روکا اگرچہ نص قطعی سے اس کی افادیت ثابت ہے۔ (مرتبین)

> اور حسن کو حکم پالیتے ہوں اگر چہ ان میں درحقیقت کسی قسم کا نور اور حسن نہ ہوگا۔ مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے، بدعتوں کے ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کے فتوی کو جاری نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں[۸۳]۔
>
> گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو انہوں نے بعض پہلوؤں کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسین نہیں جانتا۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ متقدمین کی اس تقسیم سے اتفاق نہیں کرتے کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں کسی کے بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا[۸۴]۔

اس اقتباس میں آپ نے واضح کر دیا ہے کہ بدعت کی تقسیم درست نہیں۔ اگر مان بھی لیں کہ آپ بدعتِ حسنہ کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں تو پھر اسے بدعتِ حسنہ کہنے کا تکلف کیوں کیا جائے اسے سنت ہی کیوں نہ کہہ دیا جائے۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب بدعت کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے حکیمانہ مدبرانہ طرز عمل کا سبب اس دور کا تاریخی پس منظر گردانتے ہیں[۸۵]۔ اگر اس موقف کو بھی درست تسلیم کرلیا جائے تو عہد حاضر کے سیاسی و مذہبی پس منظر میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس دور میں بدعت کے حوالے سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کی ترویج کے بغیر چارہ نہیں۔ آپ نے تو یہاں تک فرمایا کہ امام مہدی مدینہ طیبہ کے ایک عالم کو قتل کرنے کا حکم دیں گے جس نے بدعت حسنہ کو دین میں شامل کرلیا ہوگا[۸۶]۔

اس کے بعد بدعت کے حوالے سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو سمجھنے میں کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ بدعت کی بحث کے آخر میں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے ہمیں جو نصیحت کی ہے اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں:

بہر حال حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں زوال و انحطاط ملتِ اسلامیہ کے زمانے میں صرف سنت پر عمل کیا جائے کیونکہ مرض دور کیے بغیر غذا کا استعمال نقصان دہ ہوتا ہے[۸۷]۔

ماءِ مستعمل

وہ پانی جو ازالۂ حدث یا حصولِ قربت کے لیے استعمال کیا جائے، ماءِ مستعمل کہلاتا ہے۔ یہ پانی طاہر ہے، مطہر نہیں، یعنی اسے برتن اور کپڑے دھونے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ وضو اور غسل کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اعضاء وضوء پر بہائے ہوئے پانی کو بطورِ تبرک استعمال کرنے کے لیے حضرت مجدد نے ایک حیلہ اس طرح بیان کیا:

> وہ پانی جس سے ازالۂ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیتِ عبادت و ثواب وضوء کے لیے استعمال کیا گیا ہو، لوگوں کے لیے اس کا پینا جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ پانی سیدنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نجاستِ غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں وضوء سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے شفاء کہا ہے۔ اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔ اس فقیر کو ایک دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آگئی۔ بعض دوستوں کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ فقیر کے وضوء کا مستعمل پانی پیں۔ ورنہ ضررِ عظیم لاحق ہوگا۔ ہر چند اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں تو وہ مستعمل نہ ہوگا۔ اس حیلہ سے بے نیتِ قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لیے دیا[۸۸]۔

وضو

وضو کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ہر عضو کو تین مرتبہ تمام و کمال دھونا چاہیے تا کہ وضوء بروجہِ سنت ادا ہو، سر کا مسح بالا ستیعاب کرنا چاہیے۔ کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہیے۔ بائیں ہاتھ کی خنصر (چھنگلی) سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا چاہیے۔ اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجالانے کو تھوڑا نہ جانیں[۸۹]۔

کسی بھی فعل کو اس طور سے انجام دینا چاہیے کہ تمام ائمہ کے اقوال پر عمل ہو جائے۔ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

> رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے اور حتی الامکان اقوالِ مجتہدین کے جمع کرنے میں پوری کوشش کرے۔ تا کہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وضوء میں ترتیب اور پے در پے دھونے کو لازم قرار دیتے ہیں تو پے در پے اور ترتیب کا خیال رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعضاء دھوتے وقت ان کو ملنا فرض جانتے ہیں تو چاہیے کہ اعضاء مل کر دھوئے جائیں۔ اسی طرح یہ ائمہ عورت کو چھونے اور ذکر کو ہاتھ لگانے کو وضوء ٹوٹنے کا سبب قرار دیتے ہیں تو چاہیے کہ عورت کو چھونے اور ذکر کو ہاتھ لگانے کی صورت میں نیا وضوء کرے[۹۰]

نمازِ عشاء کا وقت

رات کے نصف اخیر میں ادا کرنا اور اسے نوافل تہجد کی ادائیگی کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت برا ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز عشاء نصف اخیر میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ ظاہراً اس سے فقہائے احناف نے نماز عشاء کو نصف رات تک ادا کرنے کو مباح رکھا ہے اور اس سے آگے مکروہ کہا

ہے۔ لہٰذا جو مکروہ مباح کے مقابلہ میں آتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء شافعیہ کے نزدیک تو نصف اخیر میں نماز عشاء ادا کرنا جائز ہی نہیں۔ سردیوں میں عشاء میں تیسرے حصے رات تک تاخیر مستحب ہے[۹۱]۔

نماز کی ادائیگی کا مستحب وقت

نماز اول وقت میں ادا کریں۔ تجاہل و تکاسل سے تاخیر کو بالکل راہ نہ دیں۔ مقبول بندہ وہی ہے جو خدا کا حکم ملتے ہی اس کی تعمیل کرے کیونکہ حکم کی تعمیل میں تاخیر کرنا سرکشی اور سوء ادبی ہے[۹۲]۔

شیخ محمد چتری کو لکھتے ہیں:

> موسم سرما کی عشاء کے سوا باقی تمام نمازیں اول وقت میں ادا کریں[۹۳]۔

اذان

اذان کے کلمات کی ترتیب توقیفی ہے کیونکہ اولاً یہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں فرشتے کی تعلیم کے ذریعے حاصل ہوئی، ثانیاً امیر المومنین حصرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں ایسے ہی الفاظ کا سکھایا جانا مزید توثیق کا باعث بنا۔ نبی کریم ﷺ کا اس پر مداومت کرنا اور یہ فرمانا کہ یہ خواب سچا ہے۔ اس سے اسکو فعلاً وحی کا درجہ حاصل ہو گیا رابعاً قرآن مجید کے اشارات سے یہ بمنزلہٗ وحی ہو گئی[۹۴]۔

اذان کا لغوی معنی اعلام ہے یعنی کسی چیز کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرنا، خبردار کرنا، اصطلاحِ شریعت میں اذان کا معنی مخصوص کلمات کے ساتھ فرض نماز کے وقت کے بارے میں اعلان کرنا۔ اذان ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی[۹۵]۔ یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ اذان کے ذریعہ اللہ کی تعظیم و تکریم، کلمۂ شہادت اور شعائرِ اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دین اسلام کا خلاصہ ہے۔ اس میں غور و فکر کرنے سے اسلام کے نظامِ عبادت کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کلماتِ اذان میں پوشیدہ حکمتوں کے متعلق حضرت مجدد لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ اذان میں سات کلمے ہیں:

۱...... **اللہ اکبر**

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند تر ہے کہ اسے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت کی چاہت ہو۔ یہ کلمہ اس عظیم الشان معنی کی تاکید کے لیے چار دفعہ تکرار کے ساتھ آیا۔

۲...... **اشھد ان لا الہ الا اللہ**

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ اپنی صفتِ کبریائی اور لوگوں کی عبادت سے بے نیاز ہونے کے باوجود عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔

۳...... **اشھد ان محمداً رسول اللہ**

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ جل جلالہٗ کے آخری رسول اور اس کی جانب سے طریقِ عبادت کے مبلغ اور بتانے والے ہیں، تو اس واجب تعالیٰ کی ذات کے لائق صرف وہی عبادت ہوگی جو آنحضرت ﷺ کی جہتِ تبلیغ و رسالت سے ماخوذ ہو۔

۴...... **حی علی الصلوٰۃ**

۵...... **حی علی الفلاح**

یہ دونوں کلمے نمازی کو فلاح اور نجات سے ہمکنار کرنے والی نماز کی طرف بلانے والے ہیں۔

۶...... **اللہ اکبر**

یعنی اللہ جل جلالہ اس سے برتر ہے کہ کسی کی عبادت اس کی جنابِ قدس کے لائق ہو۔

۷...... **لا الہ الا اللہ**

یعنی لامحالہ صرف اللہ جل جلالہ مستحق عبادت ہے اگرچہ کسی سے ایسی عبادت نہیں ہو سکتی جو اس کی شان کے لائق ہو۔ شانِ نماز کی بزرگی ان کلمات سے معلوم کرنی چاہیے جو نماز سے آگاہ کرنے کے لیے معین کیے گئے ہیں[۹۶]۔

نوٹ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان میں ''ش'' کے بجائے ''س'' ادا کرتے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے مبداء و معاد کے صفحہ ۲۰۹ پر یہ روایت لکھی

''سِیْنُ بَلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ'' (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ''س'' خدا تعالیٰ کے نزدیک ''ش'' ہے۔)

حضرت مجددؒ مزید لکھتے ہیں:

> چونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجمی تھے، اس لیے وہ اذان میں سین مہملہ کے ساتھ اسھد کہا کرتے تھے اور خدائے عزوجل کے نزدیک ان کا اسھد کہنا اشھد ہی تھا۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مجدد نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ موضوع ہے۔ وہ فصیح اللسان تھے۔ اور ''شین'' کو ''شین'' ہی ادا کرتے تھے۔

اس حوالے سے عبدالقادر عطا لکھتے ہیں۔

> **وقال ابن کثیر. انه لیس له اصل، ولایصح الزرکشی.**
> **محمدبن عبدالله، التذکره فی الاحادیث المشتهره،**

تحقیق عبدالقادر عطا، دارالکتب علمیہ بیروت ۱۹۸۶ء ص: ۲۰۸

نماز کے لیے زبان سے نیت

تمام نیک اعمال میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے نماز شروع کرنے سے پہلے دل میں یہ قصد وارادہ کرلینا چاہیے کہ میں فلاں نماز کی اتنی رکعت پڑھ رہا ہوں اور مقصود ارشاد الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے اس کے لیے زبان سے الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> **النیة: هی القصد، فیحضر المصلی فی ذهنه ذات الصلوٰة**[۹۷].

نیت کے شرعی اور اصطلاحی مفہوم کو ابن حجر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> **والشرع خصصه بالارادة المتو جهة نحو الفعل لابتغاء رضاء الله وامتثال حکمه**[۹۸].

یعنی شریعت نے نیت کے لفظ کو کسی کام کے ایسے ارادہ اور توجہ سے خاص کردیا ہے جو اللہ عزوجل کی رضا کے حصول اور اس کی تعمیل کے لیے ہو۔

متقدمین ومتاخرین کی تصریحات سے پتا چلتا ہے کہ نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرنا خلافِ سنت ہے۔ ابنِ قیم لکھتے ہیں:

> **کان صلی الله علیه وسلم اذا قام الی الصلوٰة قال: الله اکبر ولم یقل شیئاً قبلها ولا تلفظ بالنیة البتة**[۹۹].

نبی کریم ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اس سے پہلے ہرگز کچھ نہ کہتے اور نہ ہی نیت کے الفاظ ادا فرماتے۔

ائمہ اربعہ [۱۰۰]۔ ابن تیمیہ [۱۰۱]۔ امام نووی [۱۰۲]۔ ابن ہمام [۱۰۳]۔ شیخ عبدالحق [۱۰۴]۔ ملا علی قاری [۱۰۵]۔ عبدالحئی لکھنوی [۱۰۶]۔ انور شاہ کشمیری [۱۰۷]۔ ناصرالدین البانی [۱۰۸]۔ جیسے اکابرین نے بھی زبان سے نیت کو خلاف سنت جانا۔

سنت سے حد درجہ لگاؤ کی بنا پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی زبان سے نیت کی سخت مخالفت کی ہے۔ زبان سے نیت کے عدم جواز اور مفسدات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> علماء نے جو نیت کے بارے میں کہا ہے کہ دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے، حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے نہ صحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی بدعتِ حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمہ کو بھی باعث ہے کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر کفایت کر بیٹھیں گے اور دل کی غفلت کی کوئی پروا نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی چھوٹ جاتی ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے [۱۰۹]۔

تعدیلِ ارکان

نماز میں تعدیلِ ارکان جو کہ اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فرض ہے اور بعض علمائے احناف کے نزدیک سنت موکدہ ہے [۱۱۰]۔

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ''بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرے۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے

پوچھا۔ ''اے اللہ عزوجل کے رسول ﷺ! نماز کس طرح چراتا ہے؟'' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''وہ نماز کے رکوع وسجود کو پورا نہیں کرتا اور یہ بھی فرمایا اللہ اس بندے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع وسجود کو پورا نہیں کرتا اور یہ بھی فرمایا ہے اللہ عزوجل اس بندے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع وسجود میں پیٹھ کو سیدھی نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا اور رکوع وسجود پورے نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر تو اسی حالت میں مرگیا تو دین محمد ﷺ پر نہیں مرے گا۔'' آپ کا یہ بھی ارشاد ہے ''تم میں سے کسی کی اس وقت تک نماز پوری نہیں ہوسکتی جب تک رکوع کے بعد پوری طرح کھڑا نہ ہوجائے اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ قرار نہ پکڑے۔'' اسی طرح آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جب تک دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے اس کی نماز پوری نہیں ہوسکتی۔

نبی کریم ﷺ ایک نماز پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرے، دیکھا کہ وہ قومہ، جلسہ کے ارکان واحکام پوری طرح نہیں بجالاتا۔ آپ نے فرمایا۔ ''اگر تو اسی حالت پر مرجائے تو قیامت کے دن تجھے میری امت نہ کہیں گے۔'' ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''اگر تو اسی حالت پر مرا تو دین محمدی ﷺ پر نہ مرے گا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ یہ وہ شخص ہے جو رکوع وسجود کو پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ کہتے ہیں کہ زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور رکوع وسجود پوری طرح نہیں کرتا تو آپ نے اس آدمی کو بلایا اور کہا۔ کتنی مدت سے تو اس طرح نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا چالیس سال سے تو آپ نے فرمایا تو نے اس چالیس سال میں ایک دفعہ بھی نماز نہیں پڑھی اگر تیری موت ہوگئی تو محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نہیں ہوگی۔

منقول ہے کہ مومن جب نماز پڑھتا ہے اور اس کے رکوع وسجود اچھی طرح ادا کرتا ہے تو وہ نماز خوش ہوتی ہے اور نورانی ہوتی ہے اور اس کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز اپنے پڑھنے والے کے لیے اچھی دعا کرتی ہے اور اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے تو وہ نماز سیاہ ہوتی ہے اور فرشتوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے اور اس نماز کو آسمان پر نہیں لے کر جاتے اور نماز اپنے پڑھنے والے کے لیے بددعا کرتی ہے اور کہتی ہے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا اللہ عزوجل تجھے برباد کرے۔

پس نماز اچھی طرح پڑھنی چاہیے اور ارکان کی تعدیل پوری طرح کرنی چاہیے، رکوع، قومہ، سجود، جلسہ اچھی طرح بجالانا چاہیے۔ اور دوسروں کو بھی پوری طرح نماز پڑھنے کی ہدایت کرنی چاہیے اور ارکان کو تعدیل وطمانیت سے ادا کرنا چاہیے۔ کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں۔ اور یہ عمل متروک ہو چکا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا بھی اسلام کے اہم کاموں میں سے ہے[۱۱۱]۔

بوقتِ قیام نظر کہاں رکھی جائے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بحالتِ نماز بوقتِ قیام نگاہ کو سجدے کی جگہ رکھنا مسنون ہے[۱۱۲]۔''

فاتحہ خلف الامام

مسئلۂ فاتحہ خلف الامام ان مسائل میں سے ہے جن میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے زمانہ سے اختلاف اور بحثیں چلی آتی ہیں۔ ایسے اجتہادی مسائل میں تمام اہل حق کا مسلک یہی ہے کہ ان کے جس پہلو کو وہ راجح سمجھتے ہیں اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور دوسرے فریق پر طعن وتشنیع نہیں کرتے۔

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں سلف کے تین مسلک ہیں[۱۱۳]۔

۱...... سرّی رکعتوں میں قراءت کی جائے اور جہری رکعتوں میں خاموش رہا جائے۔ یہ سعید بن مسیّب، عروہ، شعبی، نافع بن جبیر، مکحول، زہری اور بہت سے دوسرے متقدمین کا مسلک ہے۔ اسی کو امام مالک، احمد بن حنبل اور احناف میں سے امام محمد نے ایک روایت میں اختیار کیا۔

۲...... سری اور جہری نمازوں میں ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ حسن بصری، سعید بن جبیر، میمون بن مہران، امام شافعی، امام بخاری اور دیگر محدثین کا یہی مسلک ہے۔

۳...... سری اور جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ بالکل نہ پڑھی جائے یہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، اور کوفہ کے دوسرے فقہاء کا مسلک ہے۔

واضح رہے کہ محققین ایسے مسائل میں تحقیق کے بعد جس راہ کو صواب سمجھتے ہیں، اختیار کر لیتے ہیں، اور مقلدین اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے:

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں:

> شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ قراءت فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے اس لیے وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور احادیث صحیحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام کی قرأت کو مقتدی کی قراءت قرار دے کر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور جمہور فقہائے احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ سے بعض روایات مرجوحہ امام کے پیچھے قرأت کے جواز کے متعلق بھی منقول ہیں[۱۱۴]۔"

دوسرے مقام پر ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

> وفاتحہ خلف امام ہمی خواندند وآن را مستحسن ہمی شمردند

یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور اس کو مستحسن شمار کرتے تھے[۱۱۵]۔

آپ مبداء ومعاد میں لکھتے ہیں:

> ہمارے حضرت خواجہ (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑے عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے (نماز میں) سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا ہوں۔ آخر کار میں نے ایک رات امام اعظم رحمۃ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک روشن اور شاندار قصیدے پڑھ رہے تھے اور اس قصیدے سے یہ مضمون مستفاد ہوتا تھا کہ بے شمار اولیاء اللہ میرے مذہب میں ہو چکے ہیں۔ اسی وقت سے میں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ (ص:۱۶۷)

رفعِ سبابہ

مجددی حضرات میں مسئلہ رفع سبابہ میں علمی اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر عہد حاضر تک اس موضوع پر مختلف علماء نے لکھا۔ سب سے پہلے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیٹے محمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رفع سبابہ کی نفی میں ایک رسالہ لکھا۔ بعد ازاں شاہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نے اس کے جواب میں اثباتِ رفع سبابہ لکھا۔ اس کے بعد شاہ محمد فرخ نے نفی رفع سبابہ پر رسالہ لکھا اسی طرح شاہ گل خواجہ حسن جان، علی نواز شکار پوری اور قاضی حمید فضلی، نے اس مسئلے کے جواز وعدم جواز پر بحث کی۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دلائل اور ان کا جائزہ درج ذیل ہے۔

> احادیث نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام، جواز اشارہ سبابہ کے باب میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اور اس باب میں فقہ حنفی کی بھی بعض روایات آئی ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے رسالے میں ان کا ذکر کیا ہے اور جب فقہ حنفی کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جواز اشارہ کی روایات اصول کے غیر اور ظاہر مذہب کے بھی غیر ہیں۔

اور وہ جو امام محمد شیبانی نے کہا ہے:

> رسول اللہ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں جس طرح حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے۔

پھر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

> یہی میرا قول اور ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے

روایات نوادر میں سے ہے نہ روایات اصول میں سے۔

فتاوٰی غرائب میں ہے کہ محیط میں لکھا ہے۔ کیا نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے؟ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلے کا ذکر نہیں کیا۔ اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں اشارہ نہ کریں اور بعض کہتے ہیں کہ کریں۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غیر روایت اصول میں ایک حدیث ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ اشارہ کرتے تھے پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں فرمایا۔ یہی میرا اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ اشارہ سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔ پھر فتاوٰی غرائب والے نے فرمایا۔ یہ وہ ہے جو علماء نے ذکر کیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اور فتاوٰی سراجیہ میں ہے اور مکروہ ہے، کہ نماز میں "اشھد ان لا الہ الا اللہ" پر انگشتِ سبابہ سے اشارہ کریں۔ یہی مختار مذہب ہے۔

اور کبریٰ میں ہے۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے اور فتاوٰی غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کریں۔ یہی مختار ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور جامع الرموز میں ہے۔ نہ اشارہ کرے اور نہ گرہ لگائے۔ جیسا کہ زاہدی میں ہے۔ اور اس پر فتوٰی ہے۔ جیسا کہ مضمرات اور ولوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ وہ سنت ہے۔ خزانۃ الروایات میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی آیا ہے۔ پھر جب تشہد شروع کرے اور کلمہ لا الٰـــہ الا اللہ پر پہنچے تو آیا دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں یہ اشارہ نہ کرے اور کبریٰ میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں، کہ اشارہ کرے۔ اور غیاثیہ میں ہے، اور نہ اشارہ کرے انگشت سبابہ کے ساتھ تشہد کے وقت یہی مختار ہے۔

جب کہ معتبر روایات میں اشارے کی حرمت واضح ہو چکی ہے اور اشارے کے مکروہ ہونے پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اشارہ اور گرہ لگانے سے علماء روکتے ہیں اور اسے اپنے اصحاب کا ظاہر مذہب بتاتے ہیں تو ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضا کے مطابق عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں اور اس قدر علماء اور مجتہدین کے فتوؤں کے باوجود ایک حرام اور مکروہ اور ممنوع کام کا ارتکاب کریں۔ حنفیہ میں سے اشارۂ سبابہ کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان علمائے مجتہدین کے لیے جواز اشارہ میں معروف احادیث کا علم تسلیم نہیں کرتا یا ان کو احادیث کا عالم جانتا ہے۔ لیکن ان بزرگوں کے لیے ان احادیث کے مطابق عمل جائز تسلیم نہیں کرتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے خیالات کے مطابق احادیث کے خلاف حرمت اور کراہت کا حکم صادر فرمایا ہے یہ دونوں شقیں فاسد ہیں۔ انہیں وہی فاسد قرار دے گا جو بے وقوف ہو یا ضدی اور ترغیب الصلوٰۃ میں جو لکھا ہے کہ تشہد میں انگلی شہادت اٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے لیکن متاخرین علما نے اس سے روکا ہے اس وجہ سے کہ جب رافضیوں نے اس میں غلو کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا۔ سنت پر رافضی ہونے کی تہمت کو دور کرنے کے لیے اسے ترک کرنا معتبر کتابوں کی روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول تو عدم اشارہ اور عدم عقد ہے تو عدم متقدمین کی سنت ہوئی اور وجہ ترک نفی تہمت نہ قرار پائی۔ ان اکابر کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ اس باب میں جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی۔ حرمت یا کراہت کا انہوں نے حکم نہیں لگایا جب کہ اشارے کی سنیت اور مستحب ہونے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

هذا ماذكر واو الصحيح ان الاشارة حرام

یعنی یہ وہ جو علما نے بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارے کی سنیت اور استحباب کے دلائل ان بزرگوں کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ غایت مافی الباب ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی ادا میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ حلت و حرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے بلکہ اس باب میں مجتہد کے ظن کا اعتبار ہے۔ مجتہدین کے دلائل کو خانۂ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور کہنا بہت جرأت ہے اور اپنے علم کو ان اکابر کے علم پر ترجیح دینا اور اصحابِ حنفیہ کے ظاہر اصول کو باطل قرار دینا اور روایات معتبرہ مفتی بہا کو درہم برہم کرنے اور شاذ کہنے کے مترادف ہے یہ اکابر احادیث کو قرب زمانۂ نبوی زیادتی علم اور ورع و تقوٰی سے آراستہ ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادوں سے بہتر جانتے تھے اور احادیث کی صحت و سقم اور ان کے نسخ و عدم نسخ کو ہم سے زیادہ پہچانتے تھے۔ انہیں ضرور کوئی معتبر دلیل ملی ہوگی تب ہی انہوں نے ان احادیث علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مقتضٰی کے موافق عمل نہیں کیا۔ ہم کم فہم اس قدر سمجھتے ہیں کہ کیفیتِ اشارہ و عقد کی احادیث کے راوی آپس میں بہت مختلف ہیں اور ان کے کثرت اختلاف نے نفس اشارہ میں ہی اضطراب پیدا کر دیا ہے چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ نے بغیر گرہ کے فرمایا ہے اور جو عقد کے متعلق کہتے ہیں تو ان میں سے بھی بعض روایت کرتے ہیں کہ ترپن کا عقد تھا اور بعض دوسرے روایت کرتے ہیں کہ تیئس کا عقد تھا اور بعض نے خنصر (چھنگلیا) اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بند کرنے اور انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنا کر اشارہ سبابہ کی روایت کی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ کرتے تھے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ انگشتِ سبابہ کو حرکت دینے کے بغیر ہوتا تھا اور بعض روایات حرکت کے ساتھ اشارے کا اثبات کرتی ہیں نیز بعض روایات میں واقع ہوا ہے کہ تشہد پڑھنے کے وقت فرماتے تھے لیکن کس لفظ پر اشارہ فرماتے اس کا کوئی تعین نہیں اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اشارہ کلمہ شہادت پڑھنے کے وقت ہوتا تھا اور بعض دوسری روایات میں وقت دعا سے مقید کیا گیا ہے۔ جب کہ آپ ﷺ فرماتے تھے۔

اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

اور جب علمائے حنفیہ نے اشارہ کے بجالانے میں راویوں کے اضطراب واختلاف کو دیکھا تو نماز میں ایک زائد فعل خلاف قیاس کو ثابت نہیں کیا۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے نیز حتی الامکان انگلیوں کو جانبِ قبلہ کی طرف رکھنا سنت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

نمازی کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے اعضاء کو قبلے کی طرف پھیر لے۔

اگر یہ کہیں کہ اختلاف اس وقت اضطراب پیدا کرتا ہے جب کہ موافقت ممکن نہ ہو اور اس مسئلہ میں موافقت ممکن ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تمام روایات اوقاتِ مختلفہ میں کیا ہو تو ہم جواب میں کہیں گے کہ بہت سی روایات میں لفظ کان واقع ہوا ہے جو غیر مناطقہ کے نزدیک حروف کلیہ میں سے ہے لہٰذا موافقت ممکن نہیں اور وہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ''اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو'' تو اس حدیث سے مراد، وہ حدیث ہے جو حضرت امام کو نہ پہنچی ہو اور اس حدیث کو نہ جاننے کی بناء پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہو اور اشارے کی احادیث اس قبیلہ سے نہیں وہ مشہور احادیث ہیں اور نہ انہیں جاننے کا احتمال نہیں۔

سوال: اگر کہیں کہ علمائے حنفیہ نے، جواز اشارہ کا فتویٰ دیا ہے لہذا متعارض فتاویٰ کے مطابق جس بات پر بھی عمل کرلیا جائے جائز ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز اور حلت وحرمت میں تعارض واقع ہو تو اس صورت میں ترجیح عدمِ جواز اور جانبِ حرمت کو ہوتی ہے۔ نیز شیخ ابن ہمام نے رفع یدین کی بحث میں فرمایا ہے کہ رفع اور عدمِ رفع کی احادیث متعارض ہیں۔ ہم قیاس کے ساتھ عدمِ رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ نماز کی بناء سکون اور خشوع پر ہے جو بالاجماع مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

شیخ ابن ہمام پر تعجب ہے کہ اس نے کہا کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ منقول ہے لیکن وہ روایت اور درایت کے خلاف ہے کہ ابن ہمام نے علمائے مجتہدین کی طرف جاہل ہونے کی کس طرح نسبت کردی حالانکہ وہ قیاس سے دلیل لا رہے ہیں۔ جو شرع کا چوتھا اصل ہے اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے۔ حالانکہ اسی شیخ نے قلتین کی حدیث کو راویوں کے کثرت اختلاف سے حاصل ہونے والے اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے[۱۱۶]۔

درج بالا مکتوب حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہی بصیرت کا بیّن ثبوت ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ

اصول حدیث اور اصولِ فقہ پر آپ کی کتنی گہری نظر تھی۔ رفعِ سبابہ کے انکار میں جس قدر دلائل ممکن تھے انہیں یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن فقہائے احناف نے اس مسئلے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف کیا ہے اور تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ احناف کا موقف رفعِ سبابہ کی سنیت ہے۔

اگر فتاوٰی سراجیہ، غرائب اور کبریٰ، جامع الرموز، زاہدی، مضمرات والولوالجی اور خلاصہ میں رفع سبابہ کے عدم جواز کو نقل کیا گیا ہے تو دوسری طرف فقہ حنفی کی معتبر ترین کتب میں رفعِ سبابہ کو مستحب اور سنت کہا گیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ کتب درج ذیل ہیں:

بدائع الصنائع، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، کنز الدقائق، نہایہ، معراج الدرایہ، شرح النقایہ، ظہیریہ، ردالمحتار، البحر الرائق، علاوہ ازیں، موطا امام مالک، مسند امام احمد، صحیح مسلم، مجمع الزوائد، کنز العمال، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی، میں رفع سبابہ کی احادیث متعدد طرق سے موجود ہیں[۱۱۷]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان احادیث کو اضطراب کی وجہ سے قبول نہیں کیا حالانکہ وہ مضطرب نہیں۔ کسی بھی روایت کو مضطرب نہیں کہہ سکتے جب تک اس میں دو شرطیں متحقق نہ ہو جائیں:

۱...... جن روایات میں اختلاف ہو ان میں تطبیق و توفیق ناممکن ہو۔

۲...... روایات قوت و درجہ میں مساوی ہوں اور ایک کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ ہو۔

اگر ایک روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل ہو یا احسن طریقے سے توفیق، تطبیق ممکن ہو تو اس وقت روایات مضطرب نہیں کہلائیں گی بلکہ ترجیح کی صورت میں راجح روایت پر عمل ہوگا اور توفیق تطبیق کی صورت میں تمام روایات پر عمل کیا جائے گا[۱۱۸]۔

امام ابوحنیفہ نے ان روایات کی روشنی میں سبابہ کے سوا تمام انگلیوں کو بند کر کے سبابہ سے اشارہ کرنے کو ترجیح دی۔ اس کو ترپن کا عدد کہتے ہیں۔

اس اصول کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن کان کے بارے میں لکھا کہ وہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے رفع سبابہ کی احادیث میں ترجیح و توفیق ممکن نہیں گویا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کان دوام و استمرار پر دلالت نہیں کرتا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی رفع سبابہ بھی جائز ہوگا۔

بخاری کے شارح ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

کان لا تقتضی التکرار[۱۱۹]۔

یعنی کان تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تصریح کی ہے۔ کہ کان استمرار پر دلالت نہیں کرتا[۱۲۰]۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہی دوسرے نامور ہم عصر ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ولفظ کان للرابطة لا للمواظبة[۱۲۱]۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وکان لا تفید الدوام علی التحقیق[۱۲۲]۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ کان دوام پر دلالت نہیں کرتا تو نتیجہ یہ نکلا کہ روایات میں اضطراب نہیں بلکہ انہیں توسع پر محمول کیا جائے گا اسی لیے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ولا خیر هو المختار عندنا قال الرافعی فی الاخبار وردت بها جمیعا وکانه علیه السلام کان یصنع مرة هکذا اومرة هکذا[۱۲۳]۔

یعنی کبھی نبی کریم ﷺ نے ایک طرح سے کیا کبھی دوسرے طریقے سے۔

علاوہ ازیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں سے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روح نبوی ﷺ کی طرف توجہ فرمائی تو آپ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی:

سنة مطلوبة تجلب الحضور الی القب[۱۲۴]

یعنی پسندیدہ سنت ہے اس سے حضورِ قلب پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح سلسلہ مجددیہ کے نامور بزرگ حضرت مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رفعِ سبابہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے درج ذیل تفصیلی جواب لکھا:

> آپ نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں رفعِ سبابہ سے منع فرمایا ہے۔

آپ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اتنی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور رفعِ سبابہ کو جائز رکھتے ہیں، حالانکہ محبت کرنے والے پر محبوب کی اتباع لازم ہے۔

مخدوما! اللہ نے کتاب وسنت کی پیروی اپنی بندوں پر فرض کی ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم

(اور کسی مسلمان مرد اور عورت کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ عز وجل اور رسول حکم فرمائیں تو وہ اپنے معاملہ میں اپنا اختیار استعمال کریں)

اور حضرت رسول ﷺ فرماتے ہیں:

لایومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به

(تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائے)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو آنحضرت ﷺ کے نائبِ کامل ہیں، اپنے طریقے کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی ہے اور علماء نے رفعِ سبابہ کے حق میں صحیح احادیث وفقہ حنفیہ کی روایت پر مشتمل رسائل تصنیف کیے ہیں یہاں تک کہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور انہیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے رفعِ سبابہ کی نفی ہوتی ہو۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رفعِ سبابہ ترک کرنا اجتہاد کی بناء پر ہے اور وہ سنت جو منسوخ نہ ہوئی ہو مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے۔ سنت سے انگلی اٹھائے جانے کا ثبوت مل جانے کے بعد بھی اس وجہ سے ترک کرنا کہ حضرت مجدد نے ترک کیا تھا، معقول بات نہیں۔ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترکِ سنت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا:

اذا ثبت الحدیث فهو مذهبی واتر کو اقولی بقول رسول الله ﷺ

(جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قول کی موجودگی میں میرا قول چھوڑ دو)

اس لیے امید ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح احادیث کے اخذ کرنے پر ناراض نہیں ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے وسیع علم کے باوجود یہ معلوم نہیں کہ رفعِ سبابہ کا ثبوت ملتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے زمانے تک ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل مشہور نہیں ہوے تھے۔ اس لیے آپ کی نظر مبارک سے نہیں گزرے، آپ نے ترک کر دیا، ورنہ آپ رفعِ سبابہ ہرگز ترک نہ فرماتے کیوں کہ آپ اس امت کے اکابر میں سب سے زیادہ متبع سنت تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ کشف کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی رضامندی نہ پا کر آپ نے اسے ترک کر دیا تو ہم کہتے ہیں کہ کشف طریقت کے معاملات میں تو معتبر ہو سکتا ہے لیکن شریعت کے احکام کے لیے حجت نہیں۔ نیز اس خط میں آپ نے کشف کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ یہ جزوی مخالفت حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قاعدۂ کلی یعنی اتباعِ سنت کی ترغیب میں ہے اور عمدہ نتائج کی حامل ہوگی۔ والسلام[۱۲۵]۔

علاوہ ازیں نوافل میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رفع سبابہ منقول ہے[۱۲۶]۔

واضح رہے کہ یہ اختلاف خالص علمی نوعیت کا ہے۔

تشہد میں سورۂ فاتحہ پڑھنا

امام کے پیچھے تشہد میں سورۃ فاتحہ پڑھنا غلط ہے۔ اگرچہ وہ ام الکتاب ہے[۱۲۷]۔

نمازِ وتر کی ادائیگی کا وقت

یہ فقیر کبھی تو نماز وتر شروع رات میں ادا کر لیتا تھا اور کبھی آخر رات میں ادا کرتا تھا۔ (کارکنانِ قضاء وقدر) نے ایک رات مجھے دکھایا کہ نمازِ وتر کو دیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سو جاتا ہے

اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخر رات میں وتر کی نماز ادا کریگا تو اس کے نیک اعمال کو لکھنے والے فرشتے وتر کی نماز ادا کرنے کے وقت تک تمام رات اس کی نیکیاں لکھتے رہتے ہیں۔ پس جس قدر بھی وتر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرے گا، بہتر ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس فقیر کو تو وتر کی تعجیل اور تاخیر میں بجز سید البشر ﷺ کی پیروی کے اور کوئی چیز منظور نہیں۔

(مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مبداء و معاد، ص: ۱۷۹)

سجدۂ تعظیمی کی حرمت

سجدہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک اور سجدۂ تحیت کو بعض فقہاء نے کفر کہا لیکن اسے کفر صوری پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے۔

الشیخ احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر صحاح ستہ، مسند احمد، مسند بزار، مستدرک، حاکم، دلائل النبوۃ، وغیرہ کتب احادیث سے چالیس احادیث اکٹھی کی ہیں۔ جبکہ اس کی حرمت پر کتب فقہ سے ایک صد پچاسی نصوص جمع کی ہیں[۱۲۸]۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی سجدہ تعظیمی کی سخت مذمت کی ہے۔ بعض فقہاء نے سلاطین کے لیے اگر جوازِ نقل کیا تھا تو آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ سجدۂ تعظیمی کے متعلق آپکے افکار درج ذیل ہیں:

شیخ نظام تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

> بعض معتمد لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید خلفاء کو سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی اظہر من الشمس ہے۔ انہیں اس سے سختی سے منع کیجیے۔ اس قسم کے افعال سے سب کو پرہیز کرنا چاہیے۔ اور ان لوگوں کو خاص کر جو مخلوق کی پیشوائی کے لیے نمایاں ہو چکے ہیں[۱۲۹]۔

میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

> اے بھائی! سجدہ جو کہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے نہایت درجہ کی ذلت اور انکساری کو متضمن ہے اور کمال درجہ کی عاجزی اور تواضع پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تواضع کو اللہ کی عبادت سے مخصوص کر رکھا ہے اور اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کے لیے جائز نہیں رکھا۔ منقول ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ ایک دن راستہ میں جا رہے تھے۔ ایک بدوی نے آ کر معجزہ طلب کیا تا کہ ایمان لائے، آں سرور ﷺ نے فرمایا، ''اس درخت سے جا کر کہیو کہ تجھے رسولِ خدا بلاتے ہیں۔'' وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس بدوی نے جب یہ حال دیکھا تو مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد کہنے لگا اے اللہ کے رسول! اگر آپ حکم دیں تو میں سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا ''خداوند کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا لائق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے''۔ بعض فقہاء نے اگرچہ بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیا ہے لیکن سلاطینِ عظام کے حال کے لائق یہ ہے کہ اس امر میں اللہ کے سامنے تواضع اختیار کریں اور اس درجہ کی ذلت و انکساری اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہ رکھیں۔ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو ان کے تابعِ فرمان بنایا ہے اور ان کا محتاج کیا ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجا لائیں اور اس طرح کے ادب میں جو کمالِ انکساری کا مظہر ہے خداوند تعالیٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے لیکن ان کی حسنِ تواضع یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنے لیے اس کو جائز نہ سمجھیں[۱۳۰]۔''

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکرِ پاک اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہلِ سنت کے شعائر میں سے ضرور ہے۔ ان کے ذکر مبارک کو قصداً اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا

جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا تاہم مَنْ تَشَبَّہ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ کی وعید کا جواب کیا ہوگا اور تہمت کی جگہ سے کیسے خلاصی ملے گی۔ حالانکہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

اِتَّقُوْ امَوَاضعَ التُّھَمْ

تہمت کی جگہ سے بچو[۱۳۱]۔

تراویح میں ختمِ قرآن

آپ کے نزدیک رمضان المبارک میں تراویح اور ختمِ قرآن سنت مؤکدہ ہے[۱۳۲]۔

واضح رہے کہ تراویح یا قیام رمضان سب کے نزدیک مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنت موکدہ ہے اور جمہور کے نزدیک رمضان میں ایک بار ختم قرآن کرنا مسنون ہے۔ الا یہ کی مقتدی اس کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس کا لحاظ ضروری ہے[۱۳۳]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف بھی جمہور کے مطابق ہے[۱۳۴]۔

اعتکاف

ہم ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لیے بیٹھے۔ دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ کریں کیوں کہ ہمارا تبتل اور انقطاع (دنیا سے الگ تھلگ ہونا) کیا ہوسکتا ہے۔ ہمیں حضورانور ﷺ کی ایک پیروی حاصل ہوجائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن حضورانور ﷺ کی پیروی کے وسیلے کے بغیر ہمیں ہزار تبتل اور انقطاع قبول نہیں۔‘‘

(مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مبداء و معاد، مترجم: سید زوار حسین شاہ، ادارۂ مجددیہ کراچی ۱۳۸۸، ص: ۱۶۷)

رکعاتِ تہجد

نماز تہجد کی رکعات کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی تعداد معین نہیں۔ بعض ائمہ کے نزدیک ایک رکعت سے بھی تہجد کی نماز ادا ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے وتر سمیت سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات تک منقول ہیں۔ حضرت مجدد کے زمانے میں لوگ ان طاق رکعات کے متعلق یہ گمان کرنے لگے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اس لیے آخری دوگانہ بیٹھ کر ادا کیا جائے۔ تہجد کی رکعات کے بارے میں بعض

لوگوں کی غلط فہمی کے ازالے کے لیے حضرت مجدد لکھتے ہیں:

> بعض مبتدعین نماز تہجد ادا کرنے میں تیرہ رکعت اس طرح تصور کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور بعد میں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ ان دو رکعت کو ایک رکعت شمار کرتے ہیں۔ اور اس طرح تیرہ رکعت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یوں نہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے جو بعض دفعہ تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں اور بعض اوقات گیارہ رکعت، بعض دفعہ نو رکعات تو وہ وتروں کے ساتھ ملا کر جفت کے بجائے طاق رکعت قرار دی ہیں یوں نہیں کہ دو رکعات نفل جو بیٹھ کر ادا کی ہوں ایک تصور کیا ہے۔ یہ بات انہوں نے اس سے نکالی ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے[۱۳۵]۔

آپ نے مکتوبات میں دفتر سوم کے مکتوب ۷۱ میں تہجد کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات لکھیں، یہ بغیر وتروں کے ہیں۔ اگر وتر اول شب ادا کر لیے جائیں تو آخر شب ادا نہیں کیے جائیں گے۔

ذکر بالجہر

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے۔ علامہ حلبی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> **ولا بی حنیفه ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامر فی قوله تعالیٰ ادعو اربکم......[۱۳۶] الخ“**
>
> امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ عز وجل کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> **وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام[۱۳۷].**

ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو حرام ہے۔

ہاں اگر تعلیم کے لیے ذکر بلند آواز میں کریں تو اس کی گنجائش ہے[۱۳۸]۔

لیکن واضح رہے کہ جہاں شریعت نے ذکر بالجہر کا حکم دیا، وہاں ذکر بالجہر ہی کیا جائے۔ حضرت مجدد بھی جمہور علماء کے مسلک کے مطابق ذکر بالجہر کو بدعت سمجھتے ہیں۔ آپ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> میں نے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تا کہ ان کو ذکرِ جہر سے منع کریں، علماء نے حضرت امیر کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے نہ کیا کریں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا، نہ کریں[۱۳۹]۔

کافروں کی رسوم بجالانے والے کا حکم

> پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کافروں کی رسمیں بجالاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں، ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیے اور کفار کے ساتھ نہ ملانا چاہیے جیسے کہ آج اسی پر عمل ہو رہا ہے اور امیدوار رہنا چاہیے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات پائیں گے[۱۴۰]۔

کفن

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان مرجائے تو اسے کفن پہنانا فرض کفایہ ہے سنت یہ ہے کہ مرد کے کفن میں تین اور عورت کے کفن میں پانچ کپڑے ہوں۔ اگر کوئی مسلمان میدانِ جنگ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو اس کو ان ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے جو اس وقت اس کے بدن پر ہوں۔ اس کے ہتھیار الگ کر لیے جائیں گے۔ کفن کے متعلقہ امور پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> مردوں کے لیے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ دستار قدر مسنون سے زائد ہے ہم قدر مسنون پر کفایت کرتے ہیں اور ہم عہد نامہ نہیں

لکھتے۔ کیونکہ پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں۔ علماء ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں مشائخ سے تبرک کے طور پر حاصل شدہ پیراہن کو اگر کفن میں قمیص کی جگہ استعمال میں لائیں تو اس کی گنجائش ہے۔ شہدائے کرام کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے انہی کپڑوں مین دفنا دینا[۱۴۱]۔

قبور کو بوسہ دینا

قبور اولیاء کو بوسہ دینا جائز نہیں۔ امام غزالی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق، شاہ عبدالعزیز، علامہ عینی اور علامہ ابراہیم حلبی نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ شرح منیہ میں بوسۂ قبر کے بارے میں ہے:

> **لاشک انه بدعة لا سنة فیه ولا اثر عن صحابی ولا عن امام یعتمد علیه فیه**
>
> یعنی اس میں شک نہیں کہ (قبر پر ہاتھ رکھنا اور بوسۂ قبر) بدعت ہے سنت نہیں۔ اس بارے میں کسی صحابی کا کوئی اثر مروی نہیں اور نہ ہی کسی ایسے امام سے کچھ منقول ہے جس پر اعتماد کیا جائے[۱۴۲]۔

مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

> قبر کو بوسہ دینا بہ نیتِ عبادت و تعظیم کفر ہے اور بلا نیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے[۱۴۳]۔

الشیخ احمد رضا قادری نے بھی بوسۂ قبر کو جائز قرار نہیں دیا[۱۴۴]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی جمہور فقہاء کے مسلک پر عامل تھے اس مسئلہ میں آپ کے نقطۂ نظر کو صالح کولابی کی اس عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے۔

> ابتداء میں جب آپ اپنے والدین کی زیارت کے لیے جاتے تو آپ قبر پر ہاتھ پھیر کر چہرے پر ملتے لیکن آخر میں اس کو بھی آپ نے ترک فرما دیا۔ کیونکہ فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ قبروں کو بوسہ دینا یا ان کا طواف کرنا اچھا خیال نہیں کرتے[۱۴۵]۔

ایصالِ ثواب

عبادت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عبادتِ بدنی (کلمہ طیبہ، دعاء، درود، روزہ)

۲۔ عبادتِ مالی (صدقہ، خیرات)

شیخ شبیر احمد عثمانی نے متعدد کتبِ حدیث کے حوالے سے ایصالِ ثواب کے ثبوت میں احادیث بیان کی ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ان احادیث اور آثار کے علاوہ بکثرت احادیث اور آثار ہیں جو حدِ تواتر کو پہنچتے ہیں اور ان سے ایصالِ ثواب ثابت ہے[۱۴۶]۔

اہلِ سنت ایصالِ ثواب کے قائل ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عباداتِ مالیہ اور عباداتِ بدنیہ کا ثواب پہنچانا جائز ہے اور امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عباداتِ مالیہ کا ثواب پہنچانا جائز ہے۔ جبکہ معتزلہ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں۔

> شیخ ابن تیمیہ نے اپنے بعض رسائل میں ایصالِ ثواب کے ثبوت پر تیس دلائل قائم کیے ہیں[۱۴۷]۔

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

> تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز اور مستحب ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کو نفع دیتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی اس سے نفع ہوتا ہے[۱۴۸]۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی ایصالِ ثواب ثابت ہے۔ مولانا حسن برکی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> اور آپ نے بھی پوچھا تھا کہ کلام اللہ کا ختم کرنا، نفل نماز پڑھنا اور تسبیح وتہلیل کرنا اس کا ثواب والدین، استاد یا بھائیوں کو بخش دینا بہتر ہے یا نہ بخشنا بہتر ہے۔ جان لینا چاہیے کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے کہ اس

> میں دوسروں کا بھی نفع ہے اور یہ بھی ہے کہ شاید دوسروں کے طفیل یہ عمل بھی قبول ہو جائے[۱۴۹]۔

ملا عبدالکریم سنامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایصالِ ثواب کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> واضح ہو کہ شیخ حبیب اللہ کا مکتوب مرغوب پہنچا اس نے اپنے والدِ مرحوم کے فوت ہو جانے کی نسبت لکھا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن. فقیر کی طرف سے دعا پہنچا کر ماتم پُرسی بجالائیں اور کہیں کہ دعا و فاتحہ و استغفار سے اپنے والد کی امداد و اعانت فرمائیں۔
>
> **فَاِنَّ الْـمَیِّت کَالغَرِیْق یَنْتَظِر دَعْوة تَلْحَقه مِن وَلَدٍ اَوْ ابٍ اَوْ اُمٍ اَوْ اَخٍ اَوْ صدِیْقٍ**
>
> ترجمہ: مردہ ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے جو دعا کا منتظر ہوتا ہے جو اس کو بیٹے یا باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے[۱۵۰]۔

میت کے لیے یہ دعا بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> **فَاِذَا الحقته کَانَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنیَا وَمَا فیها وَاَنَّ اللّٰهِ لیدخل عَلٰی اَهْل الْقُبُور من دعَاء اَهْل الارْض امْثَال الجبَال مِنَ الرَّحْمَة وَان هدية الاحياء اِلَی الاموَات الاستغفَار لَهُم**[۱۵۱]۔
>
> ترجمہ: ”جب ان کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ عزوجل اہلِ زمین کی دعا سے اہلِ قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت داخل کرتا ہے، زندوں کا مردوں کو یہ ہدیہ ہے کہ وہ ان کے لیے استغفار اور بخشش طلب کریں۔“

مُردوں کو جو ثواب بخشا جاتا ہے نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے بخشنا چاہیے، اس میں قبولیت کی زیادہ امید ہے، ملا صالح ترک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

> یہ فقیر مُردوں کے بعض صدقات میں جب اپنے آپ کو نیت کے درست کرنے میں عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج نہیں پاتا کہ صدقہ کو

> رسول اللہ ﷺ کی نیت سے معین کرے اور اس میت کو آپ کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ آپ کے واسطے کی برکت سے قبول ہو جائے گا[152]۔

علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ثواب تقسیم نہیں ہوتا بلکہ تمام اموات کو پورا پورا ملتا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص قبر والوں کے لیے فاتحہ پڑھے تو کیا ثواب تقسیم ہو کر پہنچے گا یا ہر کسی کو پورا پورا ملے گا تو جواب میں فرمایا کہ ایک جماعت نے قولِ ثانی کا فتویٰ دیا ہے اور یہ اللہ عزوجل کے فضلِ عمیم اور وسیع رحمت کے لائق ہے[153]۔

علامہ شامی اس سلسلے میں مزید رقم طراز ہیں:

> نفلی صدقہ کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی نیت کرے کیونکہ ان سب کو ثواب پہنچے گا اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا[154]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس نقطۂ نظر کے قائل ہیں کہ ثواب پورا پورا ملتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> اگر کسی آدمی کی روح کو صدقہ کر کے تمام مؤمنوں کو اس میں شریک کر دیں تو تمام کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کا جس کی نیت سے دیا گیا تھا اس سے کچھ اجر کم نہیں ہوتا۔
>
> اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ المَغْفِرَۃ[155]
>
> ترجمہ: تیرا رب وسیع بخشش والا ہے۔

اس سلسلے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت تھی کہ اگر (ایصالِ ثواب کے لیے) کھانا پکاتا تو آلِ عبا کی روحانیتِ مطہرہ کے لیے مخصوص کرتا تھا اور حضور ﷺ کے ساتھ (ایصالِ ثواب میں) حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور حضرات امامینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملاتا تھا۔ ایک رات یہ فقیر خواب میں دیکھتا ہے کہ آں سرور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور چہرہ مبارک فقیر کی

جانب کے بجائے دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اس دوران میں فقیر سے فرمایا کہ میں کھانا عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کھاتا ہوں جو شخص مجھے کھانا بھیجے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلکہ آپ کی باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے توسل کرتا[۱۵۶]۔

شاید ایسے ہی مشاہدات کی بناء پر آپ ایصالِ ثواب میں تمام مؤمنین، مؤمنات اور ملائکہ کو شامل فرماتے[۱۵۷]۔

ربوٰ[۱۵۸]

لغت میں ربوٰ کا معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں ربوٰ کی دو قسمیں ہیں۔

۱...... ادھار کی میعاد معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

۲...... ایک جنس کی چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع

اسلام نے ربوٰ کو حرام قرار دیا ہے[۱۵۹]۔ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ نظام سے اسی ربوٰ کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ ارتکازِ دولت کی موثر روک تھام کے لیے حرمتِ سود سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ پاکستان میں بھی سودی نظام کو ختم کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۸۰ء میں ایک رپورٹ شائع کی جس میں مروجہ نظام کے مسائل، مشکلات اور ان کے حل کی تدابیر پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے[۱۶۰]۔

سود کے جواز کے لیے لوگوں نے جو حیلے ایجاد کیے ہیں، حضرت مجدد نے کتب فقہ کی روشنی ان پر کاری ضرب لگائی اور فقہائے لاہور نے احتیاج وضرورت کی بناء پر جو حلت کا فتوی دیا تھا اس کا بلیغ رد کیا۔ سود کے متعلق ایک فقہی مسئلہ کہ اصل زر سود میں شامل نہیں، کے جواب میں حضرت شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

> شریعت میں ایسا عقد جس میں زیادتی کی شرط ہو، ربوٰ اور سود ہے۔

لہٰذا اسطرح کا سودی قرضہ بھی حرام قرار پائے گا اور جو چیز بذریعہ حرام حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہوتی ہے پس وہ دس ٹکے بھی ربوٰ اور حرام ہوں گے۔

جامع الرموز اور ابراہیم شاہی کی روایات ارسال کرنے سے مقصود تمہیں یہ مسئلہ سمجھانا تھا۔ باقی رہی محتاجی کی صورت، تو میرے مخدوم! سود کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے جو محتاج اور غیر محتاج سب کو شامل ہے۔ محتاج کو اس حکم قطعی سے خارج اور مستثنیٰ قرار دینا حکم قطعی کو منسوخ کرنا ہے۔ قنیہ[۱۶۱] کی روایت یہ درجہ نہیں رکھتی کہ حکمِ قطعی کو منسوخ کر سکے۔ حالانکہ مولانا جمال لاہوری جو اعلم علماء لاہور ہیں، فرماتے ہیں کہ قنیہ کی بہت سی روایات لائقِ اعتماد نہیں اور کتبِ معتبرہ کی روایات کے خلاف ہیں اور اگر قنیہ کی اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے اضطرار اور مخمصے کی حالت پر محمول کرنا چاہیے تاکہ اس حکمِ قطعی کا مخصص آیۂ کریمہ فَمَنِ اضطرَّ فی مَخمَصَةٍ[۱۶۲] کو قرار دیا جائے کیونکہ قوت میں اس طرح ہے کہ

رستم را کشد هم رخشِ رستم

رستم پہلوان کو رستم کا گھوڑا ہی قتل کر سکتا ہے۔

نیز اگر محتاج سے عام محتاج مراد لے لیا جائے تو بھر ربوٰ کی حرمت کے لیے کوئی موقع اور محل باقی نہیں رہیگا۔ کیونکہ جو شخص بھی سود کی زیادتی دینا قبول کرے گا، آخر کسی نہ کسی ضرورت اور محتاجی کے تحت قبول کرے گا۔ کوئی بھی بلا احتیاج و ضرورت اپنے نقصان کا اقدام نہیں کرتا تو اس طرح کے توہم کے باعث حکیم و حمید ذات کی طرف سے اس کی کتابِ عزیز میں نازل شدہ اس حکم کا کوئی کوئی فائدہ باقی نہیں رہے گا اور اگر بفرضِ محال عام محتاجی ہی تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے محتاجی ضرورت میں سے ہے اور ضروری شئے کو باندازۂ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے۔ پس سودی روپے سے کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا ضرورت میں داخل نہیں اور اس کے ساتھ کوئی ضرورت متعلق نہیں۔ اسی لیے ترکۂ میت میں سے میت کی ضرورت کی چیزیں مستثنیٰ ہیں اور اس ضرورت کو اس کے کفن دفن میں منحصر کیا ہے اس کے ایصالِ ثواب کے لیے کھانا پکانا شرعاً احتیاج و ضرورت میں داخل نہیں حالانکہ میت صدقہ و خیرات کا بہت محتاج ہوتا ہے۔

پس متنازعہ فیہ صورت میں اچھی طرح غور کریں کہ قرض لینے والے محتاج ہیں یا نہیں اور احتیاج و ضرورت کی صورت میں سودی روپے سے جو کھانا تیار ہوگا وہ کھانے والوں کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج وضرورت کو سبب قرار دے کر حلال ہونے کا حکم دیا۔ احتیاج وضرورت کا دامن بڑا فراخ ہے۔ اگر فراخ کریں گے تو کوئی چیز بھی سود نہیں رہے گی اور سود کے حرام ہونے کے بارے میں نصِ قطعی کا حکم بے فائدہ اور عبث ہو جائے گا۔ قنیہ کی روایت بہرحال زیادہ سے زیادہ ضرورت مند کے لیے سودی قرض لینے کو جائز قرار دیتی ہے۔ دوسروں کے لیے اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ شاید اس طرح کے کھانا پکانے والے کو کفارۂ قسم یا کفارۂ ظہار یا روزے کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہو اور اس میں شک نہیں کہ وہ کفارہ ادا کرنے میں محتاج اور ضرورت مند ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کفارے والا اگر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا تو کفارے کے طور پر روزے رکھے۔ نہ یہ کہ سود پر قرض لے اور اگر اس طرح کی اور ضرورت اور احتیاج پیش آئے تو تھوڑی سی توجہ سے تقویٰ کی برکت سے دور ہو سکتی ہے۔

مَن یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَل لَّہٗ، مَخْرَجاً وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِب[۱۶۳]۔

یعنی جو شخص اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ عزوجل اس کے لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اسے اس مقام سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اسے گمان نہیں ہوتا[۱۶۴]۔

نذر

نذر کے اصل معنی کسی شے کو دور کرنے اور اس سے بچنے کے ہیں۔ اگر کسی شے کو تم اپنے سے ہٹا کر خدا کے لیے خاص کر دو تو یہ نذر ہے۔ یہیں سے اس میں کسی شے کو حرام کر دینے کا مفہوم ہو گیا۔ عبرانی میں اس کا یہی مفہوم ہے۔ پھر یہ لفظ اپنے اوپر کسی لذت کو حرام کر دینے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اپنے اوپر کسی شے کو بطور قسم لازم کرنے کے مفہوم کے لیے اس میں وسعت پیدا ہو گئی۔

(فراہی، حمید الدین، الامعان فی اقسام القرآن، مترجم، امین احسن اصلاحی، انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۷۵ء، ص: ۲۰)

نذر ''منت'' ہے انسان جس کام کی منت مان کر اس کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ اس کو نذر کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں نذر ایک عبادتِ مقصودہ ہے اور عبادتِ واجبہ کی جنس سے ہے۔ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولیو فوا نذورهم[۱۶۴]۔

یعنی وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

نذر کا پورا کرنا کتاب سنت اور اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے[۱۶۵]۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں۔ نذر کی چار قسمیں ہیں:

۱...... عبادات جیسے نماز کی نذر

۲...... معصیت جیسے زنا کی نذر

۳...... مکروہ جیسے نوافل ترک کرنے کی نذر

۴...... مباح جیسے کھانے پینے یا مباح لباس پہننے کی نذر

عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور باقی اقسام کو پورا کرنا لازم نہیں[۱۶۶]۔

آج کل جس طرح ان پڑھ عوام اپنی حاجات میں مخصوص بالذات سمجھ کر اولیاء اللہ کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور حاجات پوری ہونے کے بعد مزارات پر نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور بعض لوگ اس کو لغوی نذر کہہ کر سندِ جواز پیش کرتے ہیں اس کا قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثارِ صحابہ میں کوئی ثبوت نہیں۔ کتب فتاوٰی میں اس نذر کو حرام کہا گیا ہے[۱۶۷]۔ اس ضمن میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں، فقہی روایت میں اس امر کو شرک میں داخل کیا ہے اور اس معاملے میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جنوں کے ذبیحوں کی جنس سے قرار دیا ہے۔ جو کہ شریعت میں ممنوع اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔ نذر کی بہت سی قسمیں ہیں کیا ضروری ہے کہ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانیں اور اس کے ذبح کا ارتکاب کریں اور جنوں کے ذبیحوں سے ملحق کریں اور شیطانوں کے پجاریوں سے تشبیہ پیدا کریں[۱۶۸]۔

ممنوعاتِ شرعیہ پر مشتمل دعوت میں شرکت کا حکم

ایسی دعوتیں جن میں شریعتِ اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، ان میں شرکت کے حکم کے بارے میں کتبِ فقہ کے حوالے سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصوریں ہوں یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو یا کسی قسم کی لہو ولعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر ومباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے اور شرعۃ الاسلام[۱۶۹] میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریاء وشہرت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

محیط[۱۷۰] میں ہے کہ جس بساط پر لہو ولعب یا سرود کا سامان ہو یا لوگ غیبت کرتے اور شراب پیتے ہوں تو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیے۔

اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن اس زمانے میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے[۱۷۱]۔

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال

پس سونا چاندی اور ریشمی لباس وغیرہ جنہیں شریعتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے حرام قرار دیا ہے، ان کے استعمال سے پرہیز لازمی ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کو زینت وآرائش کے طور پر اگر رکھیں تو قدرے گنجائش ہے لیکن ان کا استعمال قطعاً حرام ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، خوشبو ڈالنا، سرمہ دان بنانا وغیرہ سب منع ہے[۱۷۲]۔

سماع[۱۷۳]

غنا کے متعلق مفصل بحث کے بعد آپ لکھتے ہیں:

> مختصر یہ کہ سماع متوسطین کے لیے نافع ہے اور فقہی حضرات میں سے بھی ایک خاص قسم کے حضرات کے لیے

اس قسم کے لوگوں کے اوصاف کی تشریح اور تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:

> جن لوگوں کے لیے سماع نافع ہے اس کے لیے بھی چند شرطیں ہیں مثلاً ایک شرط یہ ہے اپنے کامل نہ ہونے کا اعتقاد رکھے ورنہ ترقی نہیں کرسکتا بلکہ اپنی جگہ پر رکا ہوا ہے اور اگر ترقی ہو بھی تو محض عارضی۔ باقی سماع کے نافع ہونے کی شرطیں عوارف المعارف یا دیگر اکابر مستقیم الاحوال کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن یہ دورِ حاضر کے لوگوں میں مفقود ہیں بلکہ اس قسم کا سماع اور رقص جو آج کل رائج ہے بلاشک و شبہہ مضر ہے اور عروجِ ترقی کے منافی [۱۷۴]۔

دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں سورۃ لقمان کی آیت **من یشتری لھو الحدیث** ......الخ کی روشنی میں مفسرین وفقہا کے اقوال کے حوالے سے سماع کی حرمت پر بحث کی ہے [۱۷۵]۔ میر نعمان کو لکھتے ہیں:

> بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین، سماع و نغمہ اور وجد و تواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردے میں مطالعہ کیا۔ اسی واسطے رقص و رقاص کو دیکھنا عادت بنالی۔ حالانکہ انہوں نے بہت کچھ سنا ہوگا۔

ماجعل الله فی الحرام شفاء

یعنی اللہ عزوجل نے حرام میں شفاء نہیں رکھی

ہاں! **الغریق یتعلق بالحشیش وحب الشئ یعمی ویصم**

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اور کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ مارتے [۱۷۶]۔

☆......☆......☆

حواشی

۱......اصولِ فقہ کی مشہور کتاب جس کے مصنف علامہ تفتازانی ہیں۔

۲......فقہ کی مشہور کتاب

۳.....مکتوبات دفتر اول، مکتوب:۸

۴.....مکتوبات دفتر اول، مکتوب:۲۹

۵.....مکتوبات دفتر اول، مکتوب:۲۷۸

۶.....امام اعظم، نعمان بن ثابت (۸۰ھ-۱۵۰ھ) کے حالات پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں:

۱.....مناقب الامام ابی حنیفه‘محمد بن ابن نیشاپوری(م:۳۵۷ھ)
۲.....مناقب الامام ابی حنیفه‘حافظ الدین الخوارزمی(م:۸۲۷ھ)
۳.....مناقب الامام الاعظم ابی حنیفه‘ ابن الضیاء المکی(م:۸۵۴ھ)
۴.....شرح قصیده العمری فی مدح الامام ابی حنیفه ‘محمد امین الطبقجلی(م:۱۲۷۲ھ)
۵.....مناقب الامام ابی حنیفه‘محمد بن ابراهیم اکلشنی(م:۱۱۳۶ھ)
۶.....شقائق النعمان فی مناقب النعمان‘ محمد عمر زمخشری(م:۵۳۸ھ)
۷.....المطالب المنیفه فی الذب عن الامام ابی حنیفه ‘الواعظ البغدادی (م:۱۳۳۱ھ)
۸.....مناقب الامام ابو حنیفه‘خطیب خوارزم الموفق بن احمد (م:۵۶۸ھ)
۹.....مواهب الرحمان فی مناقب الامام ابی حنیفة النعمان‘اسماعیل حقی المناستری(م:۱۳۳۰ھ)
۱۰.....مناقب الامام ابی حنیفه‘مستقیم زاده(م:۱۲۰۲ھ)
۱۱..... کشف الآثار الشریفة فی مناقب الامام ابی حنیفه ‘عبداللّٰه بن محمد السبذمونی(م:۳۴۰ھ)
۱۲..... فضائل ابی حنیفه ‘ابن ابی العوام
۱۳..... البستان فی مناقب ابی حنیفة النعمان‘ابن ابی الوفاء(م:۷۷۵ھ)
۱۴.....الدرر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبة عن الامام ابی حنیفه‘ ابن ابی الوفاء(م:۷۷۵ھ)
۱۵..... مناقب الامام اعظم‘ علی بن عبدالعزیز المرغینانی(م:۵۰۶ھ)
۱۶..... المواهب لاشریفة فی مناقب الامام ابی حنیفه ‘علی بن ابو القاسم زید البیهقی(م:۵۶۵ھ)
۱۷..... الاجوبة المنفیة عن اعتراضات ابن ابی شیبة علی ابی حنیفه‘ قاسم بن قطلوبغا(م:۸۷۹ھ)
۱۸..... النکت الطریفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبة علی ابی حنیفه زاهد الکوثری‘(م:۱۳۷۲ھ)
۱۹..... الخیرات الحسان‘احمد بن حجر مکی
۲۰..... ابو حنیفه ، آراوۂ فقه ‘محمد ابو زهره مصری
۲۱.....امام ابو حنیفه کی تدوین قانون اسلامی‘ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۲۲..... امام اعظم ابوحنیفہ‘مفتی عزیز الرحمٰن

۲۳......امام اعظم اور علم حدیث، محمد علی صدیقی

۲۴...... اخبار ابی حنیفه و اصحابه 'قاضی حسین ابن علی (م:۴۳۶ھ)

۲۵...... تبییض الصحیفة فی مناقب ابی حنیفه 'امام سیوطی

۲۶...... مناقب الامام الاعظم 'ملا علی قاری

۲۷...... المناقب 'محمد معروف به ابن البزاز الکردی (م:۸۲۷)

۲۸...... مناقب الامام ابی حنیفه و صاحبیه 'احمد ذهبی

۲۹......سیرۃ النعمان، علامہ شبلی نعمانی

۳۰......سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ 'ابوالحسن زید فاروقی

۳۱......مقام ابی حنیفہ 'محمد سرفراز خان صفدر

شیر نوروز خان نے امام ابوحنیفہ پر لکھی گئی اہم کتب اور مقالات کی فہرست مرتب کی ہے۔ جن کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ (فکر و نظر، ج:۳۶، شمارہ:۲، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۱ تا ۱۱۷)

۷......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب:۵۵

۸......ڈاکٹر مسعود احمد احناف کی دنیا میں تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> چند سال قبل ایک عرب محقق نے ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کے اعداد و شمار جمع کیے تھے۔ اس کے مطابق حنفیوں کی تعداد ساڑھے چھیاسی کروڑ، شوافع کی ساڑھے چار کروڑ اور امام مالک کے پیروکاروں کی تعداد چار کروڑ جبکہ حنبلی چالیس لاکھ ہیں۔ (صراط مستقیم، ص:۵۹) اس طرح احناف مسلمانوں کی کل آبادی کا دو تہائی ہیں۔ آج کل حنفی مذہب کے پیروکار افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، عراق، ترکی، شام، ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان، بوسنیا، البانیہ، بلقان، میں بکثرت ہیں۔ جبکہ ایران، انڈونیشیا، برازیل، برما، سری لنکا، ملائشیا، تھائی لینڈ، سعودی عرب، فلسطین، یمن وغیرہ میں احناف قلیل تعداد میں آباد ہیں۔

۹......دفتر دوم، مکتوب:۵۵

۱۰......ایضاً

۱۱......مبداء و معاد، ص۱۶۷

۱۲......علمائے احناف کو اصحاب الرائے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الرائے کہلاتے ہیں کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں۔ جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

۱۳......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

۱۴......ایضاً

۱۵......عثمانی، محمد تقی، تقلید کی شرعی حیثیت، مکتبۂ دارالعلوم، کراچی ۱۴۱۳ھ، ص ۱۴۔۱۵

۱۶......ندوی، ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ج ۲، ص: ۳۳۵

۱۷......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۱

۱۸......مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۲

۱۹......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۶

۲۰......معارف لدنیہ، ص: ۱۵۶

۲۱......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۲۲......مبداء ومعاد، ص: ۱۶۴

۲۳...... ہر دور میں محقق علماء نے اپنے پیش روائمہ سے اختلاف کیا۔ ماضی قریب میں نامور فقیہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی، ابن ہمام اور دیگر فقہاء سے اختلاف کیا۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسائل میں حنفی ائمہ سے اختلاف کیا۔

اس سلسلے میں مولانا ارشادالحق اثری تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

۲۴......روضۃ الطالبین عمدۃ المفتین، امام یحیٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۷ھ) کی فقہ شافعی پر مشہور کتاب ہے۔

۲۵......امام ناصرالدین محمد بن یوسف (م ۵۵۶ھ) کی کتاب

۲۶......ایسی مثالوں کے لیے امام مناوی کی فیض القدیر جلد اول، ص ۲۱۱۔۲۱۲ ملاحظہ کریں۔

۲۷......غلام علی، شاہ، مقاماتِ مظہری، ترجمہ وتحقیق: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۵۰۴۔۵۰۶

۲۸......مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۲

۲۹......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۳۰......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفترِ سوم مکتوب: ۲۴

۳۱......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۳۲......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۲۴

۳۳......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم: مکتوب ۳۶

۳۴......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶، ۲۶۰

۳۵......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۳۶......البنانی، حاشیۃ البنانی علیٰ جمع الجوامع، مطبع اصح المطابع ممبئی، ج ۲، ص:۳۸۶

۳۷......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۴۱

۳۸......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۲۱۸

۳۹......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب:۵۴

۴۰......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۳۱۲

۴۱......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۲۳۱

۴۲......سورہ النساء آیت:۲۸

۴۳......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۲۸۹/ دفتر دوم کے مکتوب ۶۷ میں بھی اس سلسلہ کے بعض امور پر آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

۴۴......مجدالف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ص ۶۷

۴۵......روزمرہ زندگی میں کسی مسئلے سے سابقہ پڑنا اور اس میں احتیاط کا دشوار ہونا

۴۶......سورۃ البقرۃ، آیت:۱۸۵

۴۷......سورۃ النساء آیت:۲۸

۴۸......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب:۲۲

۴۹......مجدالف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب:۵۵

۵۰......عبارۃ النص: عبارۃ النص سے ثابت وہ حکم ہے جو ظاہری کلام سے سمجھ میں آئے اور اصلاً یا ضمناً کلام اسی کے لیے لایا گیا ہو یعنی کلام سے وہی مقصود ہو۔

۵۱......اشارۃ النص: اشارۃ النص سے ثابت وہ حکم ہے جو ظاہری کلام سے سمجھ میں نہ آئے اور کلام اس کے لیے لایا بھی نہ گیا ہو لیکن کلام میں اس کی طرف اشارہ موجود ہو جو توجہ کرنے سے سمجھ میں آ جائے۔

۵۲......دلالۃ النص: دلالۃ النص وہ حکم ہے جو معنیٰ نص سے لغۃً ثابت ہو نہ کہ رائے سے اجتہاد ہو۔

۵۳......اقتضاء النص: اقتضاء النص سے ثابت وہ حکم ہے جو موجودہ کلام سے نہیں بلکہ اس میں کوئی مناسب و ناگزیر محذوف تسلیم کیا جائے اور وہ حکم سمجھ میں آئے۔ ان تعریفات کے لیے ملاحظہ فرمایئے، زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، فاران اکیڈمی لاہور، ص:۳۵۴ تا ۳۶۵/ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، اصول السرخسی، دارالمعرفۃ بیروت، ج ا، ص:۲۳۶ تا ۲۵۴/ عبداللہ بن احمد، کشف الاسرار، دارالباز للنشر والتوزیع، مکۃ المکرمہ ۱۹۸۶ء، ج ا، ص:۳۷۳ تا ۴۰۵/ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، داراحسان ایران، ۱۹۹۷ء، ج ا، ص:۳۴۸ تا ۳۵۶

۵۴......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۵۵......السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد، اصول السرخسی، تحقیق ابو الوفا الافغانی، دار المعرفتہ بیروت، ج۱، ص: ۱۱۴۔۱۱۵/ ملاجیون، احمد، نور الانوار، نور محمد کتب خانہ، کراچی، ص: ۱۶۷/ ابوزہرہ، محمد، اصول الفقہ، دار الفکر العربی، بیروت، ص: ۱۱۴۔۱۱۵

۵۶......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۳۱

۵۷......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۸۲

۵۸......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰

۵۹......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۸۱

۶۰......ردالمحتار علیٰ الدر المختار، ج۱، ص: ۴۷۵

۶۱......قادری، احمد رضا، ملفوظات، فرید بک اسٹال، لاہور، حصہ سوم، ص: ۲۶۵

۶۲......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۳

۶۳......زبدۃ المقامات، ص: ۱۹۷

۶۴......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۲

۶۵......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۹۲

۶۶......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اوّل، مکتوب: ۲۸۸

۶۷......فتح الباری ج۱۲، ص: ۵۱۴

۶۸......شعرانی، عبد الوہاب بن احمد، الیواقیت والجواہر، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۷ء، ج۲، ص: ۵۳۰

۶۹......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۶۷

۷۰......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۳۹

۷۱......ردالمحتار، ج۱، ص: ۴۶۶/ ابن حجر الہیتمی، احمد شہاب الدین، الفتادی الحدیثیہ، نور محمد کتب خانہ، کراچی، ص: ۱۹۸۔۱۹۹

۷۲......فتاوٰی عالم گیری، ج۱، ص: ۳۶۴

اس نقطۂ نظر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو صرف شیخین ہی نہیں، جن صحابہ کی صحابیت تواتر سے ثابت ہے ان کے بارے میں بھی یہی حکم ہوگا۔

۷۳......ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص: ۷۱

۷۴......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۷

۷۵......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۵۴

۷۶......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۵۲

۷۷......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۱۲۱

۷۸......بدعت کے متعلقہ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

۱...... ابن اسماعیل، ابو محمد عبدالرحمٰن، کتاب الباعث علیٰ انکار، البدع الحوادث، تحقیق مشہور حسن سلیمان، دار السرایہ، الریاض، ۱۹۹۰ء

۲...... ابن وضاح القرطبی، محمد، البدع والنہی عنہا، تحقیق محمد احمد، دار الصفا، القاہرہ ۱۹۹۰ء

۳...... محمد بشیر الدین، صواعق الٰہیہ، مطبع احمدی

۴...... محمد حیات سندھی، رسالہ رد بدعات

۵...... ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم (قلمی)

۶...... شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۶ء

۷...... صفدر، سرفراز خاں راہِ سنت، مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء

۸...... انبھٹوی، خلیل احمد، البراہین القاطعہ، کتب خانہ رحیمیہ سہارن پور

۷۹......مستدرک علی الصحیحین، ج ۱، ص: ۱۰۳

۸۰......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶

۸۱......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۰۰

۸۲......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۲۰۳

۸۳......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۱۸۶

۸۴......مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۱۸۶

۸۵......مسعود احمد ڈاکٹر، صراطِ مستقیم ادارہ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۶ء، ص ۳۷

۸۶......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۵۵

۸۷......صراطِ مستقیم، ص: ۴۱

۸۸......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۹

۸۹......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

۹۰......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۶

۹۱......مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اوّل، مکتوب: ۹۲

۹۲......مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اوّل، مکتوب ص ۱۷

۹۳......مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اوّل، مکتوب: ۳۷

۹۴......رفیع الدین، شاہ، رسالۂ اذان، دار العلوم حقانیہ، ص: ۶

۹۵......ابن کثیر، حافظ عماد الدین، البدایہ والنہایہ، دار الفکر بیروت، ج ۳، ص: ۳۳۱

۹۶......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۰۳

۹۷......نووی، یحییٰ بن شرف، روضۃ الطالبین، المکتبۃ التجارہ مکۃ المکرمہ، ج ۱، ص: ۲۴۳

۹۸......فتح الباری، ج ۱، ص: ۱۳

۹۹......ابن قیم، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد، تحقیق شعیب الارنؤوط، موسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۶ء ج ۱، ص: ۱۹

۱۰۰......ابن نجیم، زین الدین، البحر الرائق، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۲، ص: ۳۷۵

۱۰۱......فتاوٰی ابن تیمیہ، ج ۲۲، ص: ۲۱۷ تا ۲۵۵/ ج ۲، ص: ۳۷۵

۱۰۲......روضۃ الطالبین، ج ۱، ص: ۲۴۵

۱۰۳......فتح القدیر، ج ۱، ص: ۲۳۲

۱۰۴......محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوۃ، مترجم غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ج ۱، ص: ۶۱۲

۱۰۵......مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱، ص: ۴۰۔۴۱

۱۰۶......لکھنوی، عبدالحی، السعایہ شرح وقایہ، سہیل اکیڈمی، لاہور، ج ۲، ص: ۱۰۰

۱۰۷......فیض الباری، ج ۱، ص: ۸

۱۰۸......البانی، محمد ناصر الدین، صفۃ صلاۃ النبی، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۹۹۱ء، ص: ۸۵

۱۰۹......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶

۱۱۰......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب، ۸۷

۱۱۱......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب: ۶۹، مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب: ۴۱

۱۱۲......دہلوی، شاہ غلام علی، در المعارف، مترجم: عبدالحکیم خان اختر، نوری بک ڈپو، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۱۳۹

۱۱۳......ان تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

اثری، ارشاد الحق، توضیح الکلام، ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد ۱۹۸۷ء، ج ۱، ص: ۵۰ تا ۶۹/ صفدر، محمد سرفراز، احسن الکلام، مکتبۂ صفدریہ ۱۹۹۵ء، ص: ۶۷ تا ۱۰۹

۱۱۴......زبدۃ المقامات، ص: ۱۹۷

۱۱۵......زبدۃ المقامات، ص: ۲۰۹

۱۱۶......مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۲

۱۱۷......بنوری، محمد یوسف، معارف السنن، سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۳۹۸ھ، ج ۳، ص: ۱۰۴
غلام رسول، شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص: ۱۷۱

۱۱۸......عبدالجلیل اثری، ابومعاذ، تحفہ اہل النظر فی مصطلح اہل الخبر، ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ ۱۹۹۷ء، ص: ۱۰۱

۱۱۹......فتح الباری، ج ۳، ص: ۳۹۸

۱۲۰......محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، اشعۃ اللمعات، مطبع تیج کمار لکھنو، ج ۱، ص: ۱۵۶

۱۲۱......مرقاۃ، ج ۲، ص: ۳۰۹

۱۲۲......مرقاۃ، ج ۲، ص: ۲۹۲

۱۲۳......مرقاۃ، ج ۲، ص: ۳۳۸

۱۲۴......معارف السنن، ج ۳، ص ۱۰۲-۱۰۳

۱۲۵......مقامات مظہری، ص: ۵۰۱-۵۰۲

۱۲۶......حضرات القدس، ج ۱، ص: ۹۴-۹۵

۱۲۷......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب: ۲۶

۱۲۸......قادری، الشیخ احمد رضا، فتاوی رضویہ، دار العلوم امجدیہ، کراچی، ج ۱۰، ص: ۲۱۶ تا ۲۳۰

۱۲۹......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۹

۱۳۰......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۹۲

۱۳۱......مکتوبات مجدالف ثانی، دفتر دوم، مکتوب: ۱۵

۱۳۲......دفتر اول مکتوب: ۴۱

۱۳۳......الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص: ۳۴۰

۱۳۴......الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص: ۳۴۳

۱۳۵......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۳۱، ۱۶۸

۱۳۶......کبیری، ص: ۵۶۶

۱۳۷......مرقاۃ، ج ۲، ص: ۴۷۰

۱۳۸......فتح الباری، ج ۲، ص: ۲۵۶

۱۳۹......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶، ۲۲۱، ۲۳۱

۱۴۰......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

۱۴۱......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب: ۱۶

۱۴۲......عزیز الرحمٰن، مفتی، فتاوٰی دارالعلوم، مکتبہ دارالاشاعت کراچی، ج۱، ص: ۱۱

۱۴۳......رشید مفتی، احسان الفتاوٰی، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج۱، ص ۳۶

۱۴۴......فتاوٰی رضویہ، ج۴، ص: ۱۶۳

۱۴۵......

۱۴۶......عثمانی، شیخ شبیر احمد، فتح الملہم، مکتبۃ الحجاز، کراچی، ج۳، ص: ۲۵

۱۴۷......ایضاً، ص: ۳۹

۱۴۸......بھوپالی، نواب صدیق حسن، فتح البیان، مطبع بولاق مصر ۱۳۰۱ھ، ج۹، ص: ۱۴۳۔۱۴۴
یحیٰی بن شرف، شرح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ، ج۲، ص: ۴۱

۱۴۹......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۷۷

۱۵۰......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۷

۱۵۱......دہلوی، شیخ احمد حسن، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث مشکوٰۃ، المجلس العلمی السلفی، لاہور، ج۲، ص: ۸۴
روایت منکر ہے۔

۱۵۲......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۰۴

۱۵۳......مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۸

۱۵۴......ردالمحتار، ج۲: ۲۴۴

۱۵۵......سورۃ النجم آیت ۳۲

۱۵۶......(الف) مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۸
(ب) مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

۱۵۷......حضرات القدس، ص: ۱۱۹

۱۵۸......ربٰو اور ربا دونوں طرح لکھنا درست ہے۔ اردو اور فارسی میں اس کا ترجمہ سود کیا جاتا ہے۔ ربا ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے جبکہ سود اس کی ایک شاخ ہے۔

۱۵۹......سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹ / سورۃ آل عمران، آیت: ۱۳۰ / سورۃ النساء، آیت: ۱۶۰، ۱۶۱/
سورۃ الروم، آیت: ۳۹

۱۶۰......سود پر لکھی گئی چند کتب درج ذیل ہیں:

اسلام اور سود	ڈاکٹر انور اقبال قریشی
اسلام کا نظریۂ سود اور بینکاری	شیخ محمود احمد

اسلام میں ربا کی حرمت بلاسود سرمایہ کاری	ڈاکٹر محمود احمد غازی
انٹرسٹ کی فنی حیثیت	جعفر شاہ پھلواری
بلاسود بینکاری	ڈی۔ ایم قریشی
بلاسود بینکاری	شیخ احمد ارشاد
بلاسود بینکاری	مظفر حسین ملاٹھوی
بلاسود بینکاری	محمد اکرم خان
بلاسود بینکاری	ڈاکٹر طاہر القادری
بلاسود معیشت اور اسلامی بینکاری	ڈاکٹر طاہر القادری
بینک کا سود۔۔۔ اقتصادی اور شرعی نقطہ نظر سے	ڈاکٹر محمد علی القری
پاکستانی معیشت میں بلاسود اسکیم کے نفاذ کا جائزہ	محمد اقبال
تجارتی سود	محمد فضل الرحمٰن
جوازِ سود	سید طفیل احمد
حرمت سود	ابوالقاسم محمد عتیق
حرمت سود۔۔۔ اشکالات کا علمی جائزہ	مولانا گوہر رحمٰن
رباء انٹرلسٹ، سود	عبدالودود خان
ربا اور بینک کا سود	الدکتور یوسف القرضاوی
ربا اور مضاربت	محمد میاں صدیقی
الربا	مولانا محمد عبید اللہ اسعدی
سود	سید ابوالاعلیٰ مودودی
سود	سید قطب شہید
سود کی متبادل اساس	شیخ محمود احمد
غیر سودی بینکاری	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
غیر سودی بینکاری	ایس۔ اے ارشاد
مسئلہ سود	کریم بخش
مسئلہ سود	مفتی محمد شفیع
مسئلہ سود	مشتاق احمد

۱۶۱......قنیۃ المنیہ علیٰ مذہب ابی حنیفہ، امام ابوالرجاء نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی (م ۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔

۱۶۲......سورۃ المائدہ آیت ۳

۱۶۳......(۱) سورۃ الطلاق آیت: ۲_۳

(۲) مکتوبات دفتر اول مکتوب: ۱۰۲

۱۶۴......سورۃ الحج آیت: ۲۹

۱۶۵......ردالمحتار، ج ۳، ص: ۹۱

۱۶۶......عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص: ۲۰۸

۱۶۷......سعیدی، غلام رسول، شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۹۵ء، ج ۴، ص: ۵۴۳

۱۶۸......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب: ۴۱

۱۶۹......امام محمد بن ابوبکر معروف بہ امام زادہ (م: ۵۷۳) کی تصنیف ہے۔

۱۷۰......امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے۔

۱۷۱......مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

۱۷۲......مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۶۳

۱۷۳......مسئلہ سماع میں فقہا و صوفیہ میں اختلاف پہلے پایا جاتا ہے حضرات چشتیہ کی طرف سماع مزامیر کی نسبت تہمت عظیم ہے وہ اس سے بری ہیں۔ تصوف کی ہر معتبر کتاب میں سماع کے حوالے سے تفصیلات موجود ہیں۔ عصر حاضر میں سماع کی جو صورت رائج ہے علما و صوفیہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ سماع کے بارے میں شرائط اور مختلف نظریات کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

احمد رضا قادری، الشیخ، رسائل رضویہ، مکتبہ حامدیہ لاہور، ۱۹۸۸، ص: ۴۶۹_۴۹۴

ہجویری، ابوالحسن علی بن علی عثمان، کشف المحجوب، مترجم سید محمد فاروق القادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۷۵_۴۰۴

قشیری، عبدالکریم بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، مترجم، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۸، ص: ۷۰۳_۷۰۵

۱۷۴......مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۵

۱۷۵......اسی آیت کے تحت باب ۳ میں ملاحظہ فرمائیں

۱۷۶......مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۱

☆......☆......☆

بسم الله الرحمٰن الرحيم
نحمده‘ ونصلى علىٰ رسوله الكريم

حضرت شیخ احمد سرہندی کی عربی زبان وادب میں خدمات

ڈاکٹر محمد آصف ہزاروی

(ایم۔ اے (عربی) پی۔ ایچ۔ ڈی)

☆☆

حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا تھا۔ وَاَسْبَغَ علیکم نعمه ظاهرة و باطنة۔ اور آپ بذاتِ خود ایک جہان تھے۔

لیس علی الله بمستنکرٍ
ان یجمع العالم فی واحد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ سارے عالم کی خوبیاں ایک ذات میں جمع کر دے۔

قربِ الٰہی وولایت۔ علم وعرفان۔ زہد وتقویٰ، جہاد ومجاہدات، تبلیغ دین واصلاح مسلمین ان سارے فضائل وکمالات میں اگر اولیاء اللہ ومقربین کو بنظرِ تحقیق دیکھیں گے تو حضرت شیخ احمد سرہندی ہر طریقے میں افضل واعلیٰ وارفع نظر آئیں گے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر صنفِ کمال میں اکمل ہونے کے ساتھ آپ بیک وقت ساری خوبیوں کے جامع بھی ہیں۔ آپ کی انہی خوبیوں اور اوصاف میں سے ایک خوبی اور وصف یہ ہے کہ آپ نے اس تاریک دور میں جب کہ حکومت کی طرف سے عربی زبان کی مخالفت کی جا رہی تھی اور اس کے الفاظ میں تغیر وتبدل کر کے اس کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، اس وقت لوگوں کے سامنے عربی زبان وادب کی اہمیت کو واضح کیا اور اس زبان کی فصاحت وبلاغت سے لوگوں کو آشنا کیا۔ اس کے لیے آپ نے متعدد کارنامے سرانجام دیے۔ آپ کی عربی زبان وادب کی خدمات کا جائزہ لینے سے قبل ان حالات پر نظر ڈال لی جائے کہ اس وقت کیا حالات تھے، کس طرح کا دور تھا اور کس طرح کے حربے استعمال

کر کے عربی زبان کی اہمیت کو کم کیا جا رہا تھا۔

شیخ احمد سرہندی کی نظر میں عہد اکبری اور عربی زبان کی حالت:

حضرت مجدد الف ثانی نے عہد اکبری میں آنکھ کھولی اور جب اکبر کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر تقریباً ۴۳ سال تھی۔ اس طرح آپ نے عہدِ اکبری کے نشیب و فراز بچشمِ خود ملاحظہ فرمائے چنانچہ مکتوبات شریف اور دیگر تصانیف میں کنایۃً اور صراحۃً اس عہد پر روشنی ڈالی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں شاہ و گدا' علماء و صوفیہ اور عوام کی اکثریت بگڑی ہوئی تھی اور زمانہ رہبرِ کامل کا متلاشی تھا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ دربارِ اکبری کے اہم رکن خانِ اعظم کے نام ایک مکتوب میں عہدِ اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کا اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں:

> مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ **الاسلام بدء غریبا وسیعود کما بدء فطوبیٰ للغرباء**۔ اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر لعن طعن کرتے اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں کافرانہ احکام بے تحاشا جاری کیے جا رہے ہیں اور ان احکام ماننے والوں کی کوچہ و بازار میں خوب خوب تعریف کی جا رہی ہے مسلمانوں کو احکامِ اسلامیہ کے اجراء سے منع کر دیا گیا۔ اور شریعت اسلام کی اشاعت کرنے والا مذموم و مطعون ہے۔
>
> پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
> بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است
>
> (ترجمہ) پری نے تو اپنا چہرہ چھپا لیا ہے اور دیو ناز و نخرے پر تلا ہوا ہے۔ یہ کیا تماشا ہے؟ عقل حیرت سے جلی جا رہی ہے)
>
> سبحان اللہ و بحمدہٖ کہا گیا ہے کہ شریعت زیرِ شمشیر ہے اور شریعت کی رونق و صفا بادشاہوں کے دم سے ہے (یہاں تو) معاملہ برعکس ہو گیا ہے حیف صد حیف افسوس صد افسوس۔ آج تمہارے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے

ہیں۔ اور کمزور شکست خوردہ مقابلے میں تمہارے سوا کسی کو مدِ مقابل اور حریف نہیں جانتے حق تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہوگا[1]۔

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

اسلام کمزور ہو گیا ہے اور کفارِ ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کر رہے ہیں اور ان کی جگہ منادر بنا رہے ہیں[2]۔

یہ حالات پیدا ہو چکے تھے کہ اکبر نے عربی زبان کی درس و تدریس پر پابندی لگادی عربی کتب کی تدریس کو بند کر دیا گیا۔ عربی پڑھانے والے علماء کے ساتھ زیادتیاں کی جانے لگیں چنانچہ محمد میاں رقم طراز ہیں کہ:

> ”علم جس زبان میں بھی ہو اس کی قدر افزائی ناقابلِ اعتراض نہیں۔ اعتراض اس بے اعتدالی اور کج روی پر ہے کہ عربی پڑھنا، عربی جاننا عیب قرار دیا گیا اور فقہ و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔ اور ان علوم کی جگہ علمِ نجوم، حکمت، طب، حساب اور فلسفہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھیں۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا ملا صاحب بیچارے اسلامی علوم کے اس مقتل کو دیکھتے ہیں اور روتے ہیں۔ مدرسے اور مسجدیں سب ویران ہوئے اکثر اہلِ علم جلا وطن ہو گئے۔ ان کی اولاد نا قابل جو اس ملک میں رہ گئی ہے ”پاجی گیری“ میں نام پیدا کر رہی ہے۔
>
> آخر میں ان دو شعروں میں ان کا نوحہ ختم ہوتا ہے:۔
>
> مدارس از علما آن چنان بود خالی
> کہ ماہ روزہ زمے خوار خانہ خمار
> برند تختۂ لوح ادیب از پۓ مزد
> کنند مصحفِ قاری گرو بوجہِ قمار
>
> (ترجمہ) مدرسے علماء سے اس طرح خالی ہو گئے جیسے ماہ رمضان میں

شراب خانے شرابی سے خالی ہو جائیں۔ جو تختی معلم کے پاس ادب کی تعلیم کے لیے مستعمل تھی اب وہ چوسر کا تختہ بن گئی اور قاری کا مصحف یعنی قرآن جوئے کے سلسلہ میں گروی ہے[3]۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً ث۔ خ۔ ع۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ کو بول چال سے بادشاہ نے خارج کر دیا تھا۔ اور اس پر عمل کرنے کی یہ صورت نکالی گئی تھی کہ عبداللہ کو ابداللہ احدی کو اھدی اور ازیں قبیل الفاظ کو بگاڑ کر بولتے تھے اور اچھا سمجھتے تھے۔ اسلامی علوم کی بربادی کا ایک سامان تو یہ تھا اس کے ساتھ آہستہ آہستہ اس دور میں مشائخ۔ ائمہ وخطبا کے نام کی جو جاگیریں صدیوں سے چلی آ رہی تھیں ان پر دست اندازی کی گئی اور جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ”ہدایہ جیسی انتہائی کتابوں کے پڑھانے والوں کے لیے کم وبیش سو بیگھ کی جاگیر آخری حد تھی[4]۔

کلمہ کی توہین کے علاوہ نماز پر بھی دربار اور حرم میں پابندی تھی۔ دیوان خانہ کی مسجد میں اذان کی آواز نہ سنائی دیتی تھی حالانکہ ایک وقت تھا کہ اکبر خود اس مسجد میں اذان دیتا تھا۔ مساجد اور خانقاہیں ہندوؤں کے فراش خانے اور چوکری خانے بن گئے۔ نماز جمعہ اور حی علی الصلوٰۃ کے بجائے یلسلا تلسلا کی آوازیں سنائی دینے لگی[5]۔

اوباش کا ترجمہ عربی میں عصاۃ سے لیا گیا تھا ہندو مسلمانوں کی صورت کو واحد نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش میں ایک مولوی صاحب نے عین کو قاف بنا دیا اور شاہی دربار میں انہوں نے عبارت اس شکل میں پیش کی کَمَا یَفْعَلُہٗ قُضَاۃُ الْعِرَاقِ (جس طرح عراق کے قاضی داڑھی منڈاتے ہیں)۔ ایک حدیث بھی بارگاہ شاہی میں گزرانی کی گئی تھی جس کا ترجمہ ملا

صاحب نے یہ درج کیا۔ ''ایک صحابی کے صاحبزادے داڑھی منڈاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت والوں کی بھی یہی صورت ہوگی[۶]۔

تدریس عربی اور تدریسِ علوم اسلامیہ پر پابندی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے اکبر کا مسلمانوں سے بُغض اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ تھے وہ حالات جب مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان وادب کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کراوئی کہ عہدِ اکبری میں کس طرح اسلام کے احکامات کو مسخ کیا جارہا تھا۔ عربی زبان کی کس طرح تحقیر کی جارہی تھی اور اس کے الفاظ میں تغیر وتبدل کیا جارہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ غلط روایات کو احادیث بنا کر پیش کیا جارہا تھا۔ ایسے موقع پر مجدد الف ثانی نے عربی میں کتب لکھ کر‘ عربی میں مکتوبات لکھ کر اور عربی میں درس وتدریس کے سلسلہ کو جاری رکھ کر برصغیر کے اندر عربی زبان وادب کی اہمیت کو اور افادیت کو چار چاند لگادیے۔

حضرت مجدد اور عربی زبان پر عبور:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو عربی زبان پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ عربی زبان کے ماہر علماء بھی جب کسی مشکل میں پھنس جاتے تو آپ ان کی راہنمائی کردیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک ہی واقعہ تصدیق کے لیے کافی معلوم ہوتا ہے۔

شیخ احمد سرہندی کے ابوالفضل اور فیضی سے بہت زیادہ مراسم ہوگئے تھے۔ ایک دوسرے کے پاس آنا جانا بھی تھا جب فیضی تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھنے میں مصروف تھا (یہ تفسیر فیضی نے صنعتِ غیر منقوطہ یعنی بے نقط الفاظ میں تحریر کی) ''ایک مرتبہ آپ فیضی کے ہاں تشریف لے گئے وہ دوران تفسیر لکھتے ہوئے کچھ اٹک گیا بہت سے علما سے رابطہ کیا مگر بے سود جب اس کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو فرطِ مسرت سے اس نے کہا ''اچھے موقع پر تشریف لائے ایک جگہ اٹک گیا ہوں تاویل تفسیر کے لیے حروف غیر منقوط نہیں ملتے بہت دماغ سوزی کی مگر دل پسند عبارت ہاتھ نہ لگی ذرا آپ کوشش فرمائیں۔ حضرت مجدد نے اسی وقت کاغذ لیا اور قلم برداشتہ کمال بلاغت کے ساتھ صنعت غیر منقوطہ میں ایک صفحہ تحریر فرمایا۔

زبان عربی پر حضرت مجدد کی یہ قدرت و مہارت دیکھ کر فیضی حیران رہ گیا[۷]۔

اسلوبِ تحریر:

آپ کا اسلوبِ تحریر نہایت پختہ اور علمائے متقدمین جیسا ہے۔ اگرچہ آپ نے اپنے بارے میں مکتوبات میں لکھا ہے کہ یہ بندہ عجمی ہونے کی وجہ سے اچھی عربی نہیں بول سکتا۔ یہ آپ کا اظہار عاجزی وانکساری ہے۔ لیکن جب آپ کے اسلوبِ تحریر پر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ آپ کی تحریر میں ادیبانہ انداز کے بجائے ناصحانہ اور مصلحانہ انداز غالب ہے کیونکہ آپ کے پیشِ نظر یہی کام تھا۔ البتہ اس نصیحت آمیزی میں بھی۔ اکتاہٹ کا پہلو نہیں پایا جاتا بلکہ تحریر نہایت دلچسپ ہے عبارات اور الفاظ ان کے مقاصد اور مفاہیم کے پورے ترجمان ہیں اور اس فضا کے نقیب ہیں جس فضاء کی یہ تحریرات پیداوار ہیں یہ ہر قسم کے تصنُّع اور ملمع سے پاک ہیں۔ اسی لیے قاری کے دل پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔

عربی تصانیف:

حضرت مجدد الف ثانی کی عربی تصانیف سے اقتباس دیے جاتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ کو عربی زبان وادب پر کس قدر عبور حاصل تھا اور آپ کا طرز تحریر کیسا ہے۔

(۱)......رسالہ اثبات النبوۃ: البحث الاول فی التحقیق فی معنی النبوۃ۔

> "اعلم ان النبی عند المتکلمین من قال له الله ارسلتک الی قوم کذا او الٰی کافة الناس او بلغهم عنی او نحوه من الالفاظ المفیدة لهذا المعنی کبعثتک الیهم ونبئهم ولا یشترطِ فی الارسال شرط ولا استعداد ذاتی کمازعمه الحکماء بل الله یختص بر حمته من یشآء وهو اعلم حیث یجعل رسالته لما هو سبحانه قادر مختار یفعل ما یشاء ویختار ما یرید اقول لا یتوهم ان المتکلمین شرطوا المعجزة للنبی ایضا و جعلوها من خواصُ یمتاز هوبها غیره لان المعجزة عندهم شرط للعلم بکونه نبیا لا لکونه نبیا

والمراد من الامتياز الامتياز العلمى لا الذاتى فافهم۔ واما الفلاسفة فقالوا النبى من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز بها عن غيره احدها ان يكون له اطلاع على المغيبات الكائنة والماضية والآتية قلنا ان الاطلاع على جميع المغيبات لا يجب على النبى اتفاقاً منا ومنكم والاطلاع على البعض لا يختص بالنبى كما جوزتموه للمرتاضين والمرضى والنائمين فلاتميز اقول. لعلهم ارادوا الاطلاع على اكثر المغيبات الخارج عن المعتاد الخارق للعادة وهو ليس مجهولا بل هو معلوم عادة وعرفا واما الاطلاع على الغيب والاخبار به مرّه او مرتين بدون التكرار البالغ حد الاعجاز فليس بخارق للعادة فحينئذٍ يتميز النبى عن غيره فافهم۔ اعلم ان المتكلمين ايضا معترفون بان الانبياء يعلمون الغيب باعلام الله سبحانه الا ان الا شتراط به باطل وكذا السبب الذى اوردته الفلاسفة للاطلاع مردود ايضا لا يناسب اصول اهل الاسلام بقى شئى وهو ان الاطلاع على المغيبات على هذا التقدير يكون داخلا فى الخاصة الثانية لما انه من الامور العجيبة الخارقة للعادة فلا يظهر لايراده على حدة وجه حسن فتامل ۔ وثانيها ان يظهر منه الافعال الخارقة للعادة ككون هيولى العناصر مطيعة له منقادة لتصرفته انقياد بدنه لنفسه فلا بعد ان يقوى نفس النبى فيوثر فى الهيولى العنصرية بحسب ارادته وتصرفاته حتى يحدث بارادته فى الارض رياح وزلازل وحرق وغرق وهلاك اشخاص ظالمة وخراب ابدان فاسدة فتنا هد

بناء علی تاثیر النفوس فی الاجسام وقد بین فی موضعه ان لا موثر فی الوجود الا اللہ سبحانه علی ان ظهور الامور العجیبة الخارق للعادة لا یختص بالنبی کما اعترفتم به فکیف یمیزه عن غیره۔ اقول ان الفلاسفة وان جوز واظهور الا مور العجیبة من غیر الانبیاء ایضا لکنهم لم یجوز واتکرارها وبلوغها الی حد الاعجاز الخارق للعاده کما یفهم عن عباراتهم فحینئذ یتمینر النبی عن غیره لظهور الامور العجیبة الخارقة للعادة من النبی وعدم ظهور تلک الامور من غیره فافهم واللہ سبحانه اعلم بالصواب[٨]۔

(ترجمہ) پہلی بحث نبوت کے معنی کی تحقیق کے بیان میں واضح ہو کہ متکلمین کے نزدیک نبی وہ ہے جسے اللہ نے کہا ہو کہ میں نے تمہیں فلاں قوم کی طرف یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ یا میری طرف سے ان کو تبلیغ کرو یا اس جیسے اور الفاظ فرمائے ہوں جو اس مقصد کو ادا کرنے میں مفید ہوں۔ مثلاً میں نے تمہیں ان کی طرف مبعوث کیا ہے تا کہ تم انہیں بتاؤ اور رسالت کے لیے کوئی مخصوص شرط نہیں نہ ہی کوئی ذاتی استعداد ضروری ہے جیسا کہ حکماء نے خیال کیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور وہی جانتا ہے۔ کہ رسالت کے منصب کو کہاں رکھنا ہے کیونکہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ قادر اور مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور پسند کرتا ہے جس چیز کا ارادہ کرتا ہے میں کہتا ہوں یہ وہم نہ کیا جائے کہ متکلمین نے نبی کے لیے معجزہ کی کوئی شرط بھی لگائی ہے اور اسے ایسی خصوصیات بتلایا ہے جسکی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتا ہے کیونکہ معجزہ ان کے نزدیک اس کے نبی ہونے کو جاننے کے لیے شرط

ہے۔ اور نہ اس کے نبی ہونے کے لیے اور امتیاز سے مراد امتیاز علمی ہے۔ نہ کہ ذاتی لہٰذا اسے خوب سمجھ لیں اور فلاسفہ کی رائے میں نبی وہ ہے جس میں تین خاصیتیں جمع ہوں اور ان خواص کے ذریعہ وہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہو اولاً اسے تمام غیب کی باتوں پر اطلاع ہونی چاہیے۔ ان غیب کی باتوں کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے یا مستقبل سے ہمارا خیال یہ ہے کہ مغیبات پر اطلاع رکھنا نبی کے لیے ضروری نہیں ہے اور بعض پر مطلع ہونا نبی کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ جس طرح کہ تم نے مریضوں یا سونے والوں کے لیے جواز کی صورت پیدا کی ہے اور اس میں کوئی امتیاز نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اکثر مغیبات پر مطلع ہونے سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ چیزیں ہیں جو خرق عادات سے ہیں اور وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ عادتاً اور عرفاً معلوم ہیں جہاں تک غیب پر مطلع ہونے اور ان کے متعلق ایک یا دو مرتبہ بغیر تکرار کے خبر دینے کا تعلق ہے تو یہ خرق عادات نہیں ہے تو اس وقت نبی دیگر لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

اسے سمجھ لو جاننے کی بات یہ ہے کہ متکلمین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے مطابق غیب کا علم رکھتے ہیں مگر اس میں شرط رکھنا باطل ہے اسی طرح فلاسفہ نے جو اطلاع علی الغیب کے لیے وجہ بیان کی ہے وہ بھی مردود ہے اور اہل اسلام کے اصولوں کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی ایک چیز باقی رہ گئی ہے کہ اطلاع علی الغیب خاصہ ثانیہ میں داخل ہے یا نہیں کیونکہ یہ خرقِ عادت اور امور عجیبہ میں سے ہے چنانچہ اس کے وارد کرنے کے لیے کوئی علیحدہ سے اچھا سبب ظاہر نہیں ہوتا۔ ثانیاً یہ کہ اس سے خرقِ عادات افعال ظاہر ہوں مثلاً عناصر ہیولیٰ اسکے مطیع ہوں اور اس کے تصرفات کے مطابق چلیں تو پھر بعید نہیں کہ نبی اپنے ارادے اور تصرّفات کے مطابق عناصر ہیولیٰ میں اثر

کرے یہاں تک کہ اس کے ارادے کے مطابق زمین پر ہوائیں چلیں زلزلے آئیں یا جلنے اور غرق ہونے کے امور ظاہر ہوں ظلم کرنے والے لوگ ہلاک ہو جائیں یا فاسق و فاجر بدن خراب ہو جائیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق اجسام میں نفوس کی تاثیر کی وجہ سے ہے اور یہ بات اپنی جگہ بیان ہو چکی ہے کہ وجود میں موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں اور وہ اس طرح کہ امور عجیبہ اور خرقِ عادت افعال کا ظہور اگر نبی کے ساتھ خاص نہیں ہے جس طرح کہ تم نے اعتراف کیا ہے تو پھر دیگر لوگوں سے یہ امور اسے کس طرح ممتاز کریں گے (اقول) بے شک فلاسفہ نے غیر انبیاء سے بھی امور عجیبہ کے ظہور کو جائز قرار دیا ہے لیکن انہوں نے اس کے تکرار اور اعجاز کی حد تک پہنچنے کو جائز قرار نہیں دیا جس طرح کہ ان کی عبارات سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تو اس طرح نبی دیگر لوگوں سے امورِ عجیبہ اور خارق عادات اور افعال کے ظہور کی بنا پر ممتاز ہو جاتا ہے کیونکہ یہ امور اسکے غیر سے اس طرح ظہور پذیر نہیں ہوتے واللہ اعلم بالصواب۔

(۲)......رسالہ تہلیلیہ:

یہ رسالہ عربی زبان میں کلمہ طیبہ سے متعلق تحقیقات پر مشتمل ہے جس میں لفظ اللہ کی عجیب و غریب خصوصیات اس کے مشتق یا علَم ہونے کی بحث کلمہ طیبہ کے فضائل، توحید کے مراتب، اور اسلامی اور فلسفیانہ دلائل، وجود واجب تعالیٰ، اور وجود ممکنات کی بحث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے دلائل اور آپ کے اوصاف شرف و کمال ہیں۔

اکبر کے دور میں کلمہ طیبہ (جو کہ عربی زبان میں ہے) سے جزو رسالت حذف کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ (نعوذ باللہ) اکبر خلیفۃ اللہ شامل کر لیا گیا اور یوں کلمہ پڑھا جانے لگا۔ لا الہٰ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔ تو اس کے ردّ میں اور کلمہ طیبہ کے فضائل میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان میں ”رسالہ تہلیلیہ“ لکھا اس رسالہ کے مطالعہ سے ایک طرف کلمہ طیبہ کی فضیلت و عظمت ظاہر ہوتی ہے تو دوسری

طرف حضرت مجدد الف ثانی کی عربی زبان پر مہارت ظاہر ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس رسالہ میں لکھتے ہیں۔:

بحث تقدیر خبر لا

سوال...... **فان قلت لابد من تقدیر خبر لا فان کان تقدیرہ' لا الٰہ موجود الا اللہ لا یفید عدم امکان الٰہ آخر وانکان تقدیرہ لا الٰہ ممکن الا اللہ لا یدل علی وجود المستثنٰی وکلا ھما باطلان۔**

جواب...... **قلت نختار الاول کما ھو المشھود فی تقدیر خبر لا ونمنع بطلان تالیہ فان عدم امکان الٰہ آخر وان کان مما یجب ان نعتقدہ ولکن لایجب ان تدل کلمۃ التوحید علٰی ما ھو کذلک فمن الجائز ان اکتفی فیھا علی الدلالۃ بان لیس فی الوجود الٰہ الا اللہ سبحانہ لما ھو المقصد والعمدۃ فی ھذا المطلب[9]۔**

ترجمہ۔ خبر **لا** کے مقدر ہونے کی بحث

سوال...... اگر آپ کہیں کہ **لا** کی خبر کا مقدر ہونا لابدی ہے تو یہ تقدیر اگر اس طرح ہوگی لا الٰہ موجود الا اللہ (کوئی معبود اللہ کے سوا موجود نہیں) تو اس سے کسی دوسرے الٰہ کا عدم امکان نہیں نکلتا اور اگر تقدیر یوں ہو لا الٰہ ممکن الا اللہ (اللہ کے سوا کسی الٰہ کا امکان نہیں) تو اس سے مستثنٰی کے وجود پر دلالت نہیں ہوتی لہٰذا دونوں تقدیریں غلط ہیں۔

جواب...... میں کہتا ہوں کہ ہم پہلی تقدیر کو مانتے ہیں جیسا کہ خبر **لا** کی تقدیر کے بارے میں مشہور ہے اور دوسری تقدیر کے بطلان کا ردّ کرتے ہیں کیونکہ کسی دوسرے الٰہ کا عدم امکان اگرچہ ان چیزوں میں سے ہے جن پر ہمیں اعتقاد رکھنا ضروری ہے لیکن یہ واجب نہیں کہ کلمۂ توحید اس بات پر دلالت کرے (خدا ایک ہی ہے) لہٰذا اسی پر اس بارے میں اکتفا صحیح

ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور الہٰ کا وجود نہیں کیونکہ یہی مقصود ہے اور اس بارے میں یہی کہنا صحیح ہے۔

الجزء الثانی من الکلمۃ الطیبۃ:

محمد رسول الله سيد ولد آدم واكثر الانبياء تبعاً يوم القيامة واكرم الاولين والاخرين على الله واوّل من ينشق عنه القبر واوّل شافع واوّل مشفع و اول من يقرع باب الجنة فيفتح الله له وحامل لواء الحمد يوم القيٰمة تحته آدم فمن دونه من الانبياء وغيرهم الذى قال نحن الاخرون ونحن السابقون يوم القيٰمة وانى قائل قولا غير فخروانا قائد المرسلين ولا فخر وانا خاتم النبيين ولا فخر وانا اول الناس خروجاء اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدواء وانا خطيبهم اذاانصتووانا مستشفعُهم اذا حبسوا وانا مبشرهم اذا يئسواء الكرامة والمفاتيح يومئذٍ بيدى ولواء الحمد يومئذٍ بيدى، وانا اكرم ولد آدم علىٰ ربى، يطوف على الف خادم كانهم بيض مكنون او لؤ لؤ منثور، واذا كان يوم القيمة كنت امام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر لولا ہ لما خلق الله الخلق ولما اظهر الربوبية، وكان نبيا وآدم بين الماء والطين[1]۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے سردار ہیں قیامت کے روز تمام انبیاء آپ کی اتباع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولین وآخرین سے آپ زیادہ معزز ہیں سب سے پہلے آپ سے ہی قبر کا پردہ اٹھایا جائے گا آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ ہی کی شفاعت سب

سے پہلے مقبول ہونے والی ہے۔ سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لیے سب سے پہلے دروازہ کھولے گا۔ اور قیامت کے روز لواء الحمد آپ کے ہاتھ میں ہی ہوگا۔ حضرت آدم اور دیگر انبیاء اس کے پیچھے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہم ہی آخرین اور ہم ہی سابقون ہیں۔ میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا اور میں تمام مرسلین کا قائد ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں اور قیامت کے روز تمام لوگوں سے پہلے میں ہی نکلوں گا اور وہ لوگ جب آئیں گے میں ان کا قائد ہوں گا اور جب وہ سنیں گے کہ میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ تنگی میں ہوں گے میں ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور جب وہ ناامید ہوں گے تو میں ان کو بشارت دینے والا ہوں گا۔ عزت وکرامت اور تمام خزانوں کی چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں تمام اولاد آدم سے سب سے زیادہ معزز ہوں میرے اردگرد ہزار خادم ہوں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے سفید موتی اور بکھرے ہوئے جواہرات ہوں گے اور جب قیامت کا دِن ہوگا میں تمام نبیوں کا امام ہوں گا انہیں خطاب کرنے والا اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے کوئی فخر نہ ہوگا اگر نبی کریم کی ذات گرامی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کائنات کو پیدا نہ فرماتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

(٣)......رسالہ مبداء ومعاد :

یہ رسالہ اگرچہ فارسی زبان میں ہے مگر اس میں بھی مجدد الف ثانی نے عربی زبان کی اہمیت کے پیش نظر چند ایک فصلیں عربی زبان میں لکھی ہیں چنانچہ ان میں سے ایک عبارت بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہے۔ جس میں آپ نے آیت قرآنی کی لطیف تعبیر کی ہے لکھتے ہیں کہ :

قال اللہ تعالیٰ ۔یٰا یھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنا کم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون[1]۔

یحتمل ان یکون الشرطیة قیداً للامر بالاکل ای کلوا من مستلذات مارزقنا کم ان صح منکم ان تخصوہ بالعبادة ولو لم یصح منکم ذلک بل کنتم عابدی مُلھیات انفسکم فلا تاکلوا من مستلذاتہٖ لکونکم مرضی بالمرض الباطنی والمستلذات من المرزوقات سمّ قاتل لکم واذا زال المرض الباطنی منکم صح لکم تناول المستلذات فسر صاحب الکشاف الطیبات ھھنا بالمستلذات . نظراً الی طلب الشکر[2]۔

(ترجمہ) اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو۔ان عمدہ چیزوں کو کھاؤ جو میں نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکرادا کرو اگر تم اسکی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں احتمال ہے کہ شرط ان کنتم کھانے کے حکم کے لیے قید ہو یعنی تم ان لذیذ چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تمہیں روزی میں عطا کی ہیں۔ بشرطیکہ تمہاری طرف سے یہ بات درست ہو کہ تم صرف خداواحد ہی کی عبادت کرتے ہو۔ اگر تمہاری طرف یہ بات درست نہیں ہے بلکہ تم خواہشاتِ نفس کی پرستش کرتے ہو بس رزق خداوندی سے تم نہ کھاؤ کیونکہ تم باطنی مرض میں مبتلا ہو اور یہ روزی تمہارے لیے زہر قاتل ہے جب بھی تمہارے باطن کا مرض دور ہو جائے تو ان لذیذ چیزوں کا کھانا تمہارے لیے درست ہو جائے گا صاحب کشاف نے طیبات کا معنی مستلذات کیا ہے۔

اس رسالے میں درج ذیل عربی فصول ہیں۔ منہا نمبر۳، منہا نمبر۵ (اکثر عربی میں ہیں) بیان مراتب خمسہ قلب وقلب بسیط محض۔ مدار حصول ھذہ الدولة کلام بر قول صاحب عوارف۔ اعتراض وجواب تعبیر لطیف آیت قرآنی۔ بیان مواد بعض مشائخ من عرف اللہ لا یضرہ ذنب منہا نمبر۷ا رجوع علم اشیاء موجبِ نقص نیست۔

(۴)......رسالہ معارف لدنیہ:

اس رسالہ کا موضوع۔ لفظ اللہ میں حروف تعریف کے اجتماع کی حکمت۔ حقیقتِ محمدی سے مراد واجب تعالیٰ کے وجود کی حقیقت۔ صورت ایمان اور حقیقتِ ایمان اور قضاء وقدر وغیرہ خاص موضوع ہیں۔

اس رسالہ کے مندرجہ ذیل عنوانات عربی میں ہیں۔

معرفت نمبر۲ (اکثر عربی میں) معرفت نمبر۲۲ معرفت ۲۳ معرفت نمبر۳۱ (اکثر عربی میں) معرفت نمبر۳۴ معرفت ۳۹ معرفت نمبر۴۱ کل =۷۔ اس کے علاوہ باقی معرفتوں میں بھی کہیں کہیں عربی عبارات ہیں معرفت نمبر۲۳ کا کچھ حصہ بطور اسلوب تحریر پیش کیا جاتا ہے۔

السالک المجذوب له زيادة في المعرفة علي المجذوب السالک والمحبة علي عکس ذالک لان المجذوب السالک رباه الله تعالیٰ سبحانه من اول الامر الی آخره بمحبة الخاصة وجذبه الی جناب قدسه بعنايته الکاملة [13]

ترجمہ: سالک مجذوب کو معرفت میں مجذوب سالک پر برتری ہے اور محبت کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ مجذوب سالک کو اللہ تعالیٰ اول سے آخر تک اپنی خاص محبت سے نوازتا ہے۔ اور اپنی بارگاہ قدس کی جانب کامل عنایت سے کشش کرتا ہے۔

اربعین مجدد الف ثانی:

یہ چالیس احادیث حدیث معروف **من حفظ اربعین حديثا في امر دينه کنت له شفيعا يوم القيٰمة** ۔ ''اکابر علماء کے طریق کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی نے انتخاب فرمائیں۔ یہ احادیث ''رسالہ مکاشفات عینیہ'' کے آخر میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے تحریر کی ہیں یہ رسالہ ادارہ مجددیہ کراچی کی طرف سے ۱۹۶۵ء میں پہلی بار طبع ہوا علاوہ ازیں ''رسالہ چہل حدیث'' کے نام سے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اردو ترجمہ اور حاشیہ کے ساتھ عمدۃ المطابع لکھنو سے طبع کرا کر شائع کیں اس پر سنہ طباعت درج نہیں[14] اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے۔

رسالہ کا آغاز:

حدیث نمبر۱...... **عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات و انما لامرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (متفق علیہ)** [۱۵]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جسکی وہ نیت کرے جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہے کہ اسے پالے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض ہے تو اسکی ہجرت اس چیز کی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔

انجام رسالہ:

حدیث نمبر۴۰...... **عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما ھذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا ھذا الیوم عظیم انجی اللہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکرًا فنحن نصومہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنحن احق واولیٰ بموسیٰ منکم فصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بصیامہ (متفق علیہ)** [۱۶]

حضرت عباس کے بیٹے (اللہ ان دونوں سے راضی ہو) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کیا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک بڑا دن ہے جس میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی۔ فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا۔ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا لہٰذا ہم بھی رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم تمہاری نسبت حضرت موسیٰ کے زیادہ قریبی اور حقدار ہیں پس اللہ کے رسول نے خود بھی روزہ رکھا اور اس دن کو روزہ رکھنے کا حکم دیا (بخاری و مسلم کا اس حدیث پر اتفاق ہے)۔

اس کے بعد فضائل شیخین پر پندرہ احادیث درج ہیں صرف حضرت عمر بن خطاب کے فضائل پر سات احادیث درج ہیں اور آخر میں حدیث مسلسل **بالاولية يرحمهم الرحمن تبارك تعالى ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء** درج کی ہے اور اسی پر رسالہ کا اختتام ہے۔

مکتوب شریف:

اب مکتوبات امام ربانی پر نظر ڈالتے ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں لوگوں کو لکھے۔ ان مکتوبات کے ذریعے بھی آپ نے عربی زبان و ادب کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ چنانچہ آپ کے چند ایک مکتوب عربی میں ہیں ان کے علاوہ آپ نے اپنے مکتوبات میں قرآنی آیات اور احادیث کا برجستہ استعمال کیا۔ عربی محاورات اور اشعار وغیرہ سے اپنے مکتوبات کو مزین کیا جس کا ایک مختصر سا جائزہ درج ذیل ہے۔

عبارت میں آیات کا برجستہ استعمال:[1]

حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اپنی تحریر کو قرآنی آیات سے بڑے ہی عمدہ طریقے سے مزین کرتے تھے۔ ان کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) [illegible] پس شیخ کامل۔ مکمل کرنے والا۔ جب اس طالب کی تربیت کا ارادہ کرے گا اور اسے راہ طریقت پر چلانا چاہے گا تو وہ اسے پہلے [illegible] کی یہ [illegible] [illegible] [illegible] نفس کے سبب یہ شجرہ دل کی صحت کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد اس کی زمین استعداد کے مطابق صالح اور مناسب بیج ڈالے گا تب جا کر اچھے پودے اگیں گے۔

مثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض

ما لها من قرار[18]۔

(خبیث اور ردی کلمہ کا حال خبیث اور ردی درخت کی طرح ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ لیا گیا ہو اس کے لیے کوئی قرار و استحکام نہ ہو)۔

ومثل کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السمآء[19]۔

(اور اچھے کلمہ کا حال اچھے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط اور ثابت ہو۔ اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوں)[20]۔

(۲)...... ''حضرت خواجہ بزرگ خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا۔

''اہل اللہ فنا اور بقا کے بعد جو دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں ان کی حیرت اپنے وجود میں بھی ہوتی ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون[21]۔

(یعنی تمہاری اپنی ذات میں بھی نشانات موجود ہیں کیا تم دیکھتے نہیں)[22]

(۳)...... ''آپ جانتے ہوں گے کہ گزشتہ زمانے میں اہل اسلام کے سروں پر کیا کچھ گزر چکا ہے ابتدائے اسلام کے وقت جبکہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس وقت بھی اہل اسلام کی کسمپرسی اس حد کو نہ پہنچی تھی کیونکہ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنے طریقہ پر فرمایا۔

لکم دینکم ولی دین[23]

(تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین)[24]۔

(۴)...... ''معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں جو آزمائش و ابتلا کا مقام ہے دوست و دشمن کو رلا ملا دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے فرمایا **ورحمتی وسعت کل شیٔ**[25]۔

(میری رحمت ہر شے کو وسیع ہے)۔

اس مضمون کو ظاہر کرتی ہے اور قیامت کے دن دشمن کو دوست سے جدا کر دیں گے۔ فرمایا۔

وامتازوا اليوم ايها المجرمون [۲۶]۔

(اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ)۔

اسی بات کی خبر دیتی ہے اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا اور دشمنوں کو محروم مطلق اور واضح طور پر ملعون قرار دیں گے فرمایا۔ **فساکتبها للذين يتقون ويؤتون الزكوٰة والذين هم بآيتنا يؤمنون** [۲۷]۔

(میں اپنی رحمت عنقریب ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں [۲۸]۔

(۵)...... طاہر بدخشی لکھتے ہیں کہ:

اپنے خلفاء کو اچھی طرح تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور اس سے دنیوی منافع کی امید پیدا نہ ہو کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت میں رکاوٹ ہے اور پیسہ کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سب دین خالص کا مطالبہ ہے **الاللہ الدين الخالص** [۲۹]۔

(سن لو! خالص دین اللہ ہی کے لیے ہے) [۳۰]

مکتوبات میں احادیث نبوی کا استعمال: [۳۱]

حضرت شیخ احمد سرہندی نے جس طرح اپنے خطوط میں آیات کا برجستہ استعمال کیا ہے اس طرح موقع محل کے مطابق آپ دوران تحریر احادیث بھی استعمال کرتے تھے چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:۔

ا...... ”شرف الدین حسین کی طرف ماتم پرسی میں خط لکھا کہ آپ کے والد مرحوم کی رحلت کی خبر جو نیک نامی میں شہرت رکھتے تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خوب رعایت کرتے تھے مسلمانوں کے لیے موجب غم اور باعث رنج بنی ہے۔ انا للہ وانا اليه راجعون (ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) وہ فرزند صبر کے شیوے کو اختیار کرتے ہوئے فوت شدگان کا صدقہ اور دعا اور استغفار کے ذریعہ

مدد ومعاون بنا رہے کیونکہ مُردوں کو زندوں کی مدد کی شدید محتاجی ہے۔

حدیث نبوی علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے ''**ما المیت الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذ الحقہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال من الرحمۃ وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم**[۳۲]۔''

میت کی مثال ڈوبنے والے اور مدد کے لیے پکارنے والے کی طرح ہے میت ہر وقت دعا کی منتظر رہتی ہے جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا ومافیھا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت داخل کرتا ہے اور بے شک زندوں کی طرف سے اموات کے لیے تحفہ اور ہدیہ ان کے لیے استغفار ہے) [۳۳]

۲...... شیخ فرید کی طرف ایک مکتوب میں لکھا:

اللہ تمہیں اجر عظیم عطا کرے تمہاری قدر اور منزلت بلند کرے اور تمہارے کام آسان کرے۔ بحرمت سید بشر جو نظر کی کجی سے پاک اور منزہ تھے۔

من لا یشکر الناس لم یشکر اللہ [۳۴]

(جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا خدا تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرتا)

تو ہم فقیروں پر آپ کے احسانات کا شکر لازم ہے اول اول ہمارے خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی ظاہر دل جمعی کا سبب آپ ہی بنے تھے۔ آپ کے طفیل اس جمعیت میں ہم لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طلب میں مصروف رہے اور اس کا وافر حصہ ہم لوگوں نے حاصل کرلیا ہے [۳۵]۔

۳...... مجدد الف ثانی اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ:

اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے دوسری قسم کی رعایت زیادہ اہم ہے کیونکہ حق تعالیٰ غنی مطلق ذات ہے اور ارحم الراحمین ہے اور بندے فقیر محتاج اور فطرتاً بخیل اور کنجوس ہیں لہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

من كانت له مظلمة لا خيه من عرضه او شئ فليتحلله فيه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم ان كان له عمل صالح اخذ بقدر مظلمته وان لم تكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه[۳۶]۔

جس شخص کے ذمے اس کے بھائی کا کوئی حق از قسم بے آبروئی وغیرہ ہو تو چاہیے کہ آج ہی اس کو معاف کروا لے اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ کوئی دینار رہے نہ درہم کیونکہ قیامت کے روز اس حق کے بدلے اس کی نیکیاں لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حق والے کی بدیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی[۳۷]۔

۴...... خان خاناں کی طرف مکتوب لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ:

یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے فقرا کی خدمت بہت کی لیکن ساتھ ہی فقرا کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے تا کہ اس پر ثمرہ اور نتیجہ برآمد ہو اور اس کے بغیر تو خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے بعد میں کچھ فائدہ نہیں ہاں حضور کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں لیکن متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا بھی ایک قسم کا صدقہ اور نیکی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کو ایک شخص نے متکبر کہا آپ نے فرمایا میرا تکبر خدا کے لیے ہے اس گروہ فقراء کو ذلیل خوار خیال نہ کریں کیونکہ حدیث نبوی

علیہ الصلوۃ والسلام ہے کہ۔

رب اشعت مدفوع بالا بواب لو اقسم علی اللہ لا برّہ[۳۸]

(بہت سے پراگندہ بال گردآلود دروازوں سے دھکیلے جانے والے (باطن میں ایسا بلند مقام رکھتے ہیں) اگر خدا پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم ضرور پوری کرتا ہے[۳۹]۔

مکتوبات میں عربی محاورات اور معقولات کا استعمال:

حضرت مجدد الف ثانی عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے پیشِ نظر اپنی تحریر میں عربی محاورات اور معقولات کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان عربی محاورات اور معقولات سے آشنا ہوں بطور نمونہ چند ایک محاورات و معقولات درج کیے جاتے ہیں:

۱...... چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

> یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ فعل سے قبل انسان قدرت نہیں رکھتا قدرت فعل کے ساتھ بخشتے ہیں اور احکام شریعت کی تکلیف و اسباب اور اعضاء کی سلامتی پر دیتے ہیں جیسا کہ علماء اہل السنہ نے اس کی تحقیق کی ہے فقیر اس مقام میں اپنے آپ کو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ' کے قدم مبارک پر پاتا ہے...... ان سب مقامات اور علوم و معارف کا خلاصہ و حاصل بعد امر بیگانگی ہے علاج معالجہ سے کام گزر چکا ہے جب تک پردے لٹکے ہوئے تھے انہیں اٹھانے کے لیے سعی اور اہتمام کی گنجائش تھی اس وقت تو اس کی بزرگی اس کا حجاب ہے۔
>
> **فلا طبیب لها ولا راقي** (اب نہ تو اسکا کوئی معالج اور نہ جھاڑ پھونک کرنے والا)[۴۰]۔

۲......''محبّ لوگ تو محبت کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں محبوبوں کے لیے اس کا بوجھ اٹھانا دشوار ہے یہ قصہ بڑا دراز ہے۔

”**قصة العشق لا انفصام لها** (قصہ عشق ختم نہیں ہوسکتا) [۴۱]۔

۳......سبحان اللہ وبحمدہ مقولہ ہے کہ **الشرع تحت السیف** (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور شرع شریف کی رونق بادشاہانِ اسلام سے وابستہ ہے یہ جملہ الٹ ہو چکا ہے۔ اور معاملہ میں انقلاب آچکا ہے واحسرتا۔ واندامتا۔ واویلا (ہائے حسرت ہائے ندامت ہائے افسوس) [۴۲]۔

۴...... چنانچہ ایک جگہ پر لکھتے ہیں ”اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت خوار اور اگر دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز ہے ان دونوں کا جمع ہونا اضداد کے جمع ہونے کے قبیلہ میں سے ہے۔

مااحسن الدین والدنیا لو اجتمعا

(کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین و دنیا دونوں جمع ہو جاتے) [۴۳]

۵......علامہ بدخشی کی طرف ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ”فرائض میں سے کسی بھی فرض سے اعراض کر کے نوافل میں سے کسی نفلی عبادت میں مشغول ہونا لا یعنی اور بے فائدہ ہے لہٰذا اپنے احوال وافعال کی تفتیش کرتے رہنا ضروری ہے تا کہ اس بات کا پتا رہے کہ میں کن کاموں میں مشغول ہیں نوافل میں یا فرائض میں۔ ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں اچھی طرح ملاحظہ کر لیں۔
والعاقل تکفیه الاشارة (عقلمند کو اشارہ کافی ہے) [۴۴]

۶......ایک مکتوب میں لکھا:

الاعیان ما شمت رائحة الوجود (اشیاء نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی) [۴۵]

لکھا کہ **جنونی من حبیب ذی فنون** (میرا جنون نازوادا والے محبوب کی وجہ سے ہے) [۴۶]۔

مکتوبات میں عربی اشعار کا استعمال: حضرت شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں مختلف اوقات میں

عربی اشعار بھی لکھا کرتے تھے چنانچہ آپ کے مکتوبات میں جو اشعار ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱............ الیک یا متیتی حجی ومعتمری
ان حج قوم الی ترب واحجار

(اے میری آرزو میرا حج اور عمرہ تیری ہی طرف ہے اگرچہ دوسرے لوگ خاک اور پتھروں کی عمارت کی طرف حج کو جاتے ہیں)[۴۷]۔

۲............ لکھتے ہیں کہ ’’باسعادت وباصداقت برادر نے تمہارا خط پہنچایا اور زبان ترجمان سے تمہاری جناب کا حال نقل کیا تو میں نے یہ شعر پڑھا۔

اهلا لسعدی والرسول وحبذا
وجه الرسول لحب وجه المرسِل

(اے سعدی اور اس کے قاصد تم اپنے اہل میں تشریف لائے ہو اور تمہاری طرف سے آنے والے قاصد کا چہرہ کس قدر حسین ہے کیونکہ روانہ کرنے والے کا چہرہ بڑا محبوب ہے)[۴۸]۔

۳............ هنیئا لارباب النعیم نعیمها
وللعاشق المسکین ما یتجرع

(یعنی ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہیں عاشق مسکین کے لیے وہی ہے جو گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے)[۴۹]۔

۴............ ومن بعد هذا ما یدق صفاته
وما کتمه احظی لدیه واجمل

(اس کے بعد وہ چیز ہے جس کا بیان نہایت دقیق اور لطیف ہے اور وہ چیز جس کا چھپانا نہایت ہی لذیذ ہے اور اس کا پوشیدہ رکھنا بہت ہی بہتر ہے)[۵۰]۔

۵............ ما ان مدحت محمدًا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

(میں نے اپنے کلام سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مدح وثنا نہیں کی بلکہ

اپنے کلام کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذکر سے آراستہ کرلیا ہے) ۵۱

٦........ كيف الوصول الٰى سعاد ودونها
قلل الجبال ودونهن خيوف

سُعاد تک پہنچنا آسان نہیں کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور خوفناک نشیب و فراز حائل ہیں۵۲۔

۷........ وقد كان ما خفت ان يكونا
انا الى الله راجعونا

بے شک وہ بات ہوکر رہی جس کو مجھے ڈر تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۵۳

۸........ عش ما شئت فانك ميت
والزم ما شئت فالك مفارقه

(جتنا بھی عرصہ زندہ رہو آخر تم نے مرنا ہے اور جس شے سے بھی چمٹو آخر اس کو چھوڑنا ہے)۵۴۔

۹........ اولئك آبائى فجئنى بمثلهم
اذا جمعتنا يا جرير المجامع

(میرے آباؤ اجداد تو یہ ہیں تو بھی ان کی مثل لے آ جبکہ مجالس منعقد ہوں)۔ ۵۵

۱۰........ يراه المومنون بغير كيف
وادراك وضرب من مثال

(مومن اسے بے کیف اور بلا ادراک اور بغیر کسی مثال کے دیکھیں گے)۵۶۔

۱۱........ لانى فى الوصال عبيد نفسى
وفى الهجران مولى للموالى
وشغلى بالحبيب بكل حال

احب اِلی من شغلی بحالی

وہ ہجر جسے محبوب چاہے۔ وصل سے ہزار بار بہتر ہے۔
میں حالتِ وصال میں اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں اور ہجر میں اپنے مولیٰ کا
اور ہر حال میں میرا اپنے حبیب کے ساتھ مشغول رہنا اپنے حال میں
مشغول رہنے سے مجھے زیادہ پسند ہے) ۵۷

۱۲............ **یحرق بالنار من یمس بہا**
ومن ہو النار کیف یحرّق

آگ اسے جلا دیتی ہے جو اسے چھوئے لیکن جو خود آگ ہو وہ کیسے
جلے۔؟ ۵۸،۵۹

امام ربانی اور عربی مکتوبات۶۰:

حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات فارسی زبان میں ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو مکمل عربی میں ہیں بعض ایسے ہیں جن میں اکثر عربی عبارت استعمال کی ہے اس کے علاوہ دیگر فارسی مکتوبات میں بھی جگہ جگہ عربی مقولات محاورات اور عبارات موجود ہیں۔ آپ کے درجہ ذیل مکتوبات عربی میں ہیں۔

دفتر اوّل: مکتوب نمبر۲۱۔۲۲۔۲۳۔۲۴۔۲۵۔۲۶۔۴۴۔۵۹۔۲۹۷۔۳۰۸۔۳۱۲۔ کل مکتوبات=۱۱
دفتر دوم: مکتوب نمبر۱۹۔۵۱۔۶۶ کل مکتوبات=۳
دفتر سوم: مکتوب نمبر۹۔۴۵۔۴۶۔۵۳۔۷۲۔۱۱۷۔۱۱۸۔۱۱۹ کل مکتوبات=۸

کل مکتوبات تین دفتروں میں۔

اول دفتر۔	۱۱
دوم دفتر۔	۳
سوم دفتر۔	۸
	۲۲

مکتوبات کی روشنی میں مجدد الف ثانی کا اسلوبِ تحریر:

مکتوب نگاری کی تاریخ میں آپ کل منفرد مقام اور مخصوص اسلوب ہے جو ناصحانہ اور مصلحانہ ہے لیکن

اس کے باوجود دلچسپی کی چاشنی سے خالی نہیں۔ آپ کے مکتوبات میں سے دو مکتوبات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جس سے ایک طرف تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کو عربی زبان وادب پر کس قدر مہارت حاصل تھی اور دوسری طرف یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ آپ نے عربی زبان کی اشاعت کی خاطر احباب کو مختلف اوقات میں عربی زبان میں خطوط لکھے تاکہ عربی زبان علماء اور لوگوں میں رواج پذیر ہو۔

دفتر اول:

١.....مکتوب نمبر ٢۵:

فعليكم بمتابعة خلفائه الراشدين الهادين المهديين من بعده. فانهم نجوم الهداية وشموس الولاية فمن شرف بمتابعتهم فقد فاز فوزًا عظيما. ومن جبل على مخالفتهم فقد ضل ضلالا بعيداً البقية من المقصود اظهار الاضطرار وضيق المعيشة لابنى المرحوم الشيخ السلطان فالملتمس من جنابكم مددهم واعانتهم فانكم حريون بذلك بل موفقون بقضاء حوائج الناس طرأزاد الله تعالىٰ توفيقكم وجعل الخير رفيقكم والسلام عليكم وعلى سائر من اتبع الهدىٰ[61]۔

پس تم پر نبی اکرم (ﷺ) اور آپ کے خلفاء راشدین (جو ہدایت دینے والے اور خود ہدایت یافتہ ہیں) کی اتباع اور پیروی لازمی ہے بے شک صحابہ کرام ہدایت کے ستارے اور ولایت کے سورج ہیں تو جس کو ان کی پیروی کا شرف نصیب ہوگیا تو وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوگیا اور جس کی سرشت میں ان کی مخالفت ڈال دی وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

المختصر مقصود یہ ہے کہ مرحوم الشیخ سلطان کے دونوں بیٹے پریشانی اور تنگی معاش میں مبتلا ہیں آپ سے التماس ہے کہ ان کی مدد واعانت فرمائیں ان کی امداد آپ کے شایانِ شان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

تمام لوگوں کی حاجت بر آری بخشی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی توفیق میں مزید اضافہ کردے اور خیر و بھلائی کو آپ کا رفیق و ساتھی بنائے آپ کو اور ہر متبع ہدایت کو سلام[۶۲]۔

۱...... بسیادت پناہ میر محمد نعمان ورود یافتہ فی الصبر والرّضاء بقضائه تعالى. الحمد لله رب العالمين فى السّرّاء والضرّاء وفى العافية والبلاء فعل الحكيم جل سلطانه لا يخلو عن حكمة ومصلحة لعل الله سبحانه يريد به الصّلاح عسىٰ ان تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسىٰ ان تحبوا شيئا وهو شرلكم والله يعلم وانتم لا تعلمون. فاصبروا على .بلائه وارضوا بقضائه سبحانه وتعالىٰ واثبتوا علىٰ طاعاته تعالىٰ واجتنبوا عن معاصيه سبحانه انا لله وانا اليه راجعون. قال الله تبارك وتعالى. ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم واسئلوا العفو والعافية من الله سبحانه فانه تعالى عفو يحب العفو واجتنبوا عن البلاء ما استطعتم فان الفرار مما لا يطاق من سنن المرسلين عليهم الصلوات والتسليمات ونحن فى عين البلاء مع العافية فلله سبحانه الحمد والمنة والسلام عليكم وعلىٰ سائر من اتبع الهدىٰ والتزم متابعة المصطفى عليه وعلى آله الصلوات والتسليمات العلىٰ [۶۳]۔

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا۔ رنج اور راحت اور عافیت اور بلاغرض ہر حال میں اللہ رب العالمین کی تعریفیں ہیں۔ حکیم جل سلطانہ کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہے شاید اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے درستی کا ارادہ رکھتا ہو۔ قریب ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری

ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر کرو اور اس کی قضا پر راضی رہو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو اور اس کی نافرمانی سے بچو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے۔

سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے اعمال سے اپنے رب کے حضور بخشش مانگو اور اللہ سے معافی اور عافیت کا سوال کرو یقیناً اللہ معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے سو جتنا ہو سکے بلا سے بچو کہ طاقت سے زیادہ بوجھ سے فرار انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت ہے اور ہم عین بلا میں عافیت سے ہیں سو اللہ سبحانہ کے لیے حمد وثنا ہے **والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ آله الصلوٰة والتسلیمات العلیٰ**[٦٤]۔

حضرت مجدد الف ثانی اور تدریسی خدمات:

اکبری دور میں جب کہ مذہبِ اسلام اور اس کے دینی علوم کو زبردست خطرہ لاحق ہوا تھا اور دینی علوم کو چاہنے والوں اور ان کی اشاعت کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کیا جا رہا تھا ان حالات میں عربی زبان وادب اور علومِ اسلامیہ مثلاً تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اصولِ فقہ اور میراث وغیرہ کو زوال آ چکا تھا ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء بھی ان حالات سے مایوس ہو چکے تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے فاضل شخص بھی جب حج کرنے کی خاطر ہندوستان سے تشریف لے گئے تو حجاز میں پہنچ کر ارادہ کر لیا کہ واپس نہیں جاؤں گا اور بقیہ زندگی یہیں گزاروں گا لیکن آپ کے شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کو مجبور کر کے ہندوستان واپس بھیجا تا کہ اس ظلمت میں علم کی شمع روشن کریں[٦٥]۔

ان حالات میں علم دین کو پھیلانے اور عربی زبان وادب کی افادیت واہمیت کو پھیلانے میں جہاں پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دن رات کام کیا وہاں پر حضرت مجدد الف ثانی کے تدریسی مرکز نے

بھی اَن مٹ خدمات سرانجام دیں۔ اوران کے مرکز کا اثر برصغیر کی حدود کو پار کر گیا۔

مدرسہ سرہند نے عربی علوم اور زبان وادب کی تدریس میں گزشتہ تین سو سال کے عرصہ میں جو کام کیا نہایت وقیع ہے اس عرصہ میں اس مکتب نے جو نامور علماء ورجال پیدا کیے اور علمی اقدار کو فروغ دینے کی جو مساعی انجام دیں اس کا احاطہ کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ جو فضلاء وعلماء ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علومِ دینیہ سے فارغ ہو کر سرہند مسندِ درس وتدریس پر رونق افروز ہوے۔ یہ مسند ان کے آباؤ اجداد کی تھی یہاں پر ان کے والد ماجد شیخ عبدالاحد نے ایک عمر تک قرآن وحدیث کا درس دیا۔ اور سیکڑوں طالبانِ علم نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

''حضرت مجدد الف ثانی تقریباً ٩٩٨ھ میں تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد آگرہ تشریف لے گئے اور وہاں پر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ کے حلقۂ درس میں فضلائے عصر شریک ہوتے تھے۔[٦٦]

تحصیلِ علم کے بعد اگر ہم حضرت مجدد الف ثانی کے قیامِ لاہور اور قید وبند کے زمانہ کو خارج بھی کردیں تو پھر بھی کم از کم ٣٥/ برس سال تک قرآن وحدیث اور عربی زبان وادب کی نشر واشاعت اور سربلندی کے لیے درس وتدریس کی مسند کو رونق بخشی۔ اس دور میں ١٠٠٧ھ تک آپ نے تدریس کے فرائض اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد کی زیرِ نگرانی انجام دیے جب حضرت شیخ عبدالاحد کا وصال ہو گیا تو حضرت مجدد الف ثانی اس مدرسہ کے سربراہ بن گئے۔

مدرسہ سرہند کے اس دور میں مجدد الف ثانی نے جن بے شمار لوگوں کو دولتِ علم وادب سے سیراب کیا اور سرشار کیا۔ ان کا کامل تذکرہ نہیں ملتا اتنا پتا چلتا ہے کہ آپ کے صاحبزادہ نے اور دوسرے علماء نے آپ سے خوشہ چینی کر کے اس مدرسہ میں آپ سے بھرپور تعاون کیا آپ کے صاحبزادگان میں خواجہ محمد صادق، خواجہ سعید، خواجہ محمد معصوم تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے تلامذہ کے بارے میں صوفیائے کرام کے تذکروں میں کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ اور نہ ہی آپ کے مشہور تلامذہ کی فہرست دی گئی ہے۔ تاہم چند ایک ناموں کا پتا چلتا ہے جن میں آپ کے صاحبزادگان سرِ فہرست ہیں۔ اور ان کے علاوہ مولانا بدرالدین سرہندی بدیع الدین' مولانا محمد طاہر لاہوری وغیرہم[٦٧]۔

آپ کے وصال کے بعد مدرسہ کے منتظم اعلیٰ خواجہ محمد معصوم بنے اور آپ کے دیگر صاحبزادگان میں سے خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد یحییٰ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے ۱۷۶۳ء میں جب سکھوں نے سرھند پر حملہ کر دیا [۶۸]۔ تو بزرگانِ سرھند نے سرھند کو چھوڑ دیا اور مختلف مقامات کی طرف ہجرت کر گئے۔ بہت سے لوگ دہلی اور شاہ جہان آباد میں سکونت اختیار کر گئے اور کچھ احباب سندھ اور ریاست رامپور کی طرف چلے گئے اس پریشانی کے باوجود بزرگانِ سرہند کی جمعیتِ خاطر کا اندازہ اِن کے تدریسی کارناموں سے ہوتا ہے جوانہوں نے جہاں جہاں پہنچے وہاں پر سرانجام دیے چنانچہ خواجہ محمد سعید کے صاحبزادے شیخ عبدالاحد وحدت نے اس سلسلہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں [۶۹]۔

شیخ عبدالاحد وحدت کے ایک نامور شاگرد حضرت ملا محمد افضل سیالکوٹی تھے۔ سیالکوٹ میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خالی مسند کو زینت بخشی۔ اور سلسلۂ درس وتدریس شروع کیا وہاں پر آپ کے سامنے تین تاریخی شخصیتوں نے زانوئے تلمذ تہ کیے۔

۱۔ حضرت مرزا مظہر جانجانان ۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۳۔ شیخ علی گدا۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات شریف دفتر اوّل حصہ دوم مکتوب نمبر ۶۵

۲ ......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات شریف دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۸۱

۳......محمد میاں سیّد۔ علماء ہند کا شاندار ماضی مطبوعہ دہلی جلد اول، ص۔ ۳۸، ۳۹

۴......محمد میاں سید۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، ص۔ ۴۰

۵......صفدر حیات صفدر۔ عہد مغلیہ مع دستاویزات مطبوعہ نیو بک پیلس لاہور ۳۵۲

۶......محمد میاں سید۔ علماء ہند کا شاندار ماضی جلد نمبر ۱، ص۔ ۳۰

۷......محمد ہاشم کشمی خواجہ۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۲

۸......مجدد الف ثانی۔ اثبات النبوۃ از رسائل مجددیہ ادارہ سعدیہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص۔ ۲۵، ۲۶

۹......مجدد الف ثانی۔ رسائل مجددیہ، ص۔ ۳

۱۰......مجدد الف ثانی۔ رسائل مجددیہ مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص۔ ۱۳

۱۱......القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ۔ ۱۸۲

۱۲......مجدد الف ثانی۔ رسائل مجددیہ، ص۔ ۹۴، ۹۵

۱۳......مجدد الف ثانی۔ معارف لدنیہ از رسائل مجددیہ ص۔ ۱۷۷، ۱۷۸

۱۴......سید زوار حسین شاہ۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ ص۔ ۶۶۷

۱۵......محمد بن عبداللہ۔ مشکوۃ شریف مترجم مکتبہ نعمانیہ لاہور، جلد نمبر ۱، ص۔ ۱۴

۱۶......محمد بن عبداللہ۔ مشکوۃ شریف مترجم مکتبہ نعمانیہ لاہور جلد نمبر ۱ ، ص۔ ۴۴۶

۱۷...... پروفیسر ڈاکٹر آرثور بیولر نے کتاب ''فہارس تحلیلی ھشتگانہ مکتوبات شیخ احمد سرہندی'' (مطبوعہ لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۔ ۱، ۲۴) میں چار سو سے زیادہ آیات قرآنیہ کی تفصیلی فہرست پیش کی ہے، وہ بھی صرف مکتوبات شریفہ کی۔

۱۸......القرآن الحکیم، سورۃ ابراہیم، ۲۶

۱۹......القرآن الحکیم، سورہ ابراہیم، ۲۴

۲۰......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد دفتر اول ص۔ ۹۲، ۹۳

۲۱......القرآن الحکیم

۲۲......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد نمبر دفتر اول، ص۔ ۱۰۶

۲۳......القرآن الحکیم۔ سورۃ الکٰفرون، ۶

۲۴......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد اول، ص۔ ۱۷۹

۲۵......القرآن الحکیم، سورۃ الاعراف، ۱۵۶

۲۶......القرآن الحکیم، سورۃ یٰسین، ۵۹

۲۷......القرآن الحکیم۔ سورۃ الاعراف، ۱۵۶

۲۸......مجدد الف ثانی مکتوبات امام ربانی جلد نمبر ۳ ص۔ ۲۷۰، ۲۷۱

۲۹......القرآن الحکیم۔ سورۃ الزمر، ۳

۳۰......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد ۳ ص۔ ۳۰۲

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے اپنے ضخیم مقالۂ ڈاکٹریٹ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تفسیری اور فقہی خدمات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

۳۱...... پروفیسر ڈاکٹر آرثور بیولر نے اپنی کتاب ''فہارس تحلیلی ھشتگانہ مکتوبات شیخ احمد سرہندی'' (مطبوعہ لاہور ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۔ ۴۰) میں تین سو سے زیادہ احادیث شریفہ کی فہرست پیش کی ہے، وہ بھی صرف مکتوبات

شریفہ کی۔

۳۲......امام ولی الدین محمد بن عبداللہ۔ مشکوۃ شریف جلد نمبر ا،ص۔ ۵۱۵

۳۳......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی (مترجم مولانا سعید احمد) جلد ا،ص۔ ۳۷۹

۳۴......ابوعیسیٰ محمد۔ ترمذی، باب البروالصلہ

۳۵......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد ا ص۔ ۱۹۰

۳۶......ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری۔ جامع بخاری۔ لاہور ۱۹۷۶ء، جلد ا،ص۔ ۸۵۱

۳۷......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد ا،ص۔ ۲۳۷

۳۸......ولی الدین محمد بن عبداللہ۔ مشکوۃ شریف جلد ۲،ص۔ ۴۹۹

۳۹......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد ا،ص۔ ۲۱۶، ۲۱۷

نوٹ:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی نے اپنے ضخیم مقالۂ ڈاکٹریٹ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

۴۰......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد اول،ص۔ ۵۵

۴۱......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد اول،ص۔ ۶۱

۴۲......ایضاً،ص۔ ۲۱۱

۴۳......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات جلد اول ،ص۔ ۱۲۱

۴۴......ایضاً ،ص۔ ۳۳۹

۴۵......ایضاً،ص۔ ۳۸۱

۴۶......ایضاً ،ص۔ ۴۰۷

۴۷......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد اول،ص۔ ۸۹

۴۸......ایضاً،ص۔ ۹۱

۴۹......ایضاً،ص۔ ۱۰۱

۵۰......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد ا،ص۔ ۱۱۶

۵۱......ایضاً،ص۔ ۱۷۱

۵۲......ایضاً،ص۔ ۳۱۵

۵۳......ایضاً،ص۔ ۳۵۱

۵۴ ......ایضاً، ص۔ ۳۵۵

۵۵ ......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد۲، ص۔ ۵۲۲

۵۶ ......ایضاً، ص۔ ۶۵۰

۵۷ ......ایضاً، ص۔ ۷۱۱

۵۸ ......ایضاً، ۷۹۰

۵۹ ......ایضاً

۶۰ ......حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے عربی مکتوبات شریفہ دار العلوم سلطانیہ، جہلم کے صاحب زادہ مولانا محمد بدر الاسلام مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔

۶۱ ......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ روز بازار پریس ہال بازار امرتسر دفتر اول، ص۔ ۶۶

۶۲ ......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی (مترجم مولانا سعید احمد) جلد اول، ص۔ ۹۷

۶۳ ......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ امرتسر دفتر سوم حصہ ہشتم، ص۔ ۴۵، مکتوب نمبر۔ ۱۹

۶۴ ......مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی جلد۳، ص۔ ۱۳۱۲، ۱۳۱۳

۶۵ ......خلیق احمد نظامی۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ۵۳م

۶۶ ......محمد مسعود احمد ڈاکٹر۔ سیرت مجدد الف ثانی، ص۔ ۵۲

۶۷ ......محمد ہاشم خواجہ۔ زبدۃ المقامات ص۔ ۱۳۶

۶۸ ......پیارے لال۔ تاریخ سکھ، دہلی 1905ء

۶۹ ......تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عبد اللہ جان مطبوعہ کراچی 1966ء، مقدمہ گلشنِ وحدت خلاصہ مقامات مظہری، ترجمہ شاہ عبد اللہ کی سیاسی زندگی لاہور، ص۔ ۱

نوٹ: اصل میں یہ مقالہ ایم۔ اے (عربی) پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے مونوگراف کا ایک باب ہے بالعموم ایسے مقالات میں اتنی محنت نہیں کی جاتی جتنی محنت ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات میں کی جاتی ہے۔ اس لیے اس مقالے میں مجوزہ موضوع کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ (مرتبین)

☆......☆......☆

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلامِ شیخ سعدی
کتبہٗ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ دوم

کیا الحاد و بدعت اور ضلالت کو جدا دیں سے
معاون شرعِ نبوی کا طریقت اور حقیقت کا

(احمد حسین مجددی)

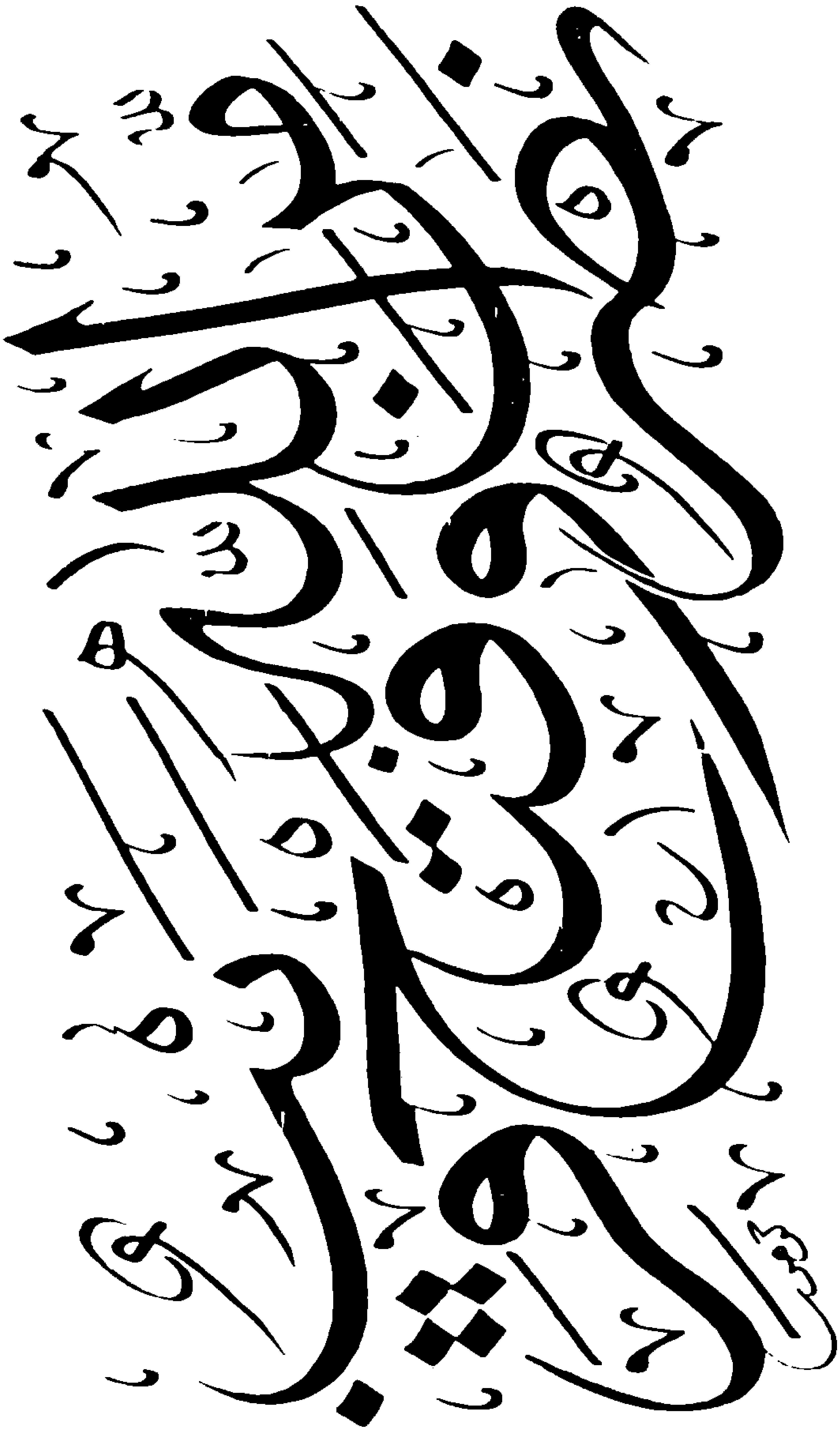

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دعوتِ الی اللہ میں مجدد الف ثانی کا کارنامہ

ڈاکٹر خالد علوی

☆☆

حضرت مجدد کا پورا نام شیخ احمد سرہندی الفاروقی تھا۔ لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ وہ ۹۷۱ھ (۶۳-۱۵۶۲ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ عبدالاحد ایک مشہور عالم اور فاضل تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے کمال کشمیری سے سیالکوٹ میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور بعض کتب حدیث کی سند شیخ یعقوب کشمیری سے لی۔ سترہ سال کی عمر میں اپنی تعلیم مکمل کر لی اور تصوف کے مراحل تیزی سے طے کرنے لگے۔ اپنے والد سے ہی چشتیہ اور قادریہ، دونوں نسبتیں حاصل کیں۔ اور پھر خواجہ باقی باللہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا۔ فخریہ فرماتے ہیں:

> فقیر کا اعتقاد لڑکپن سے اہل توحید کا مشرب تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ العزیز اسی مشرب پر ہوئے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت وصحبت نصیب ہوئی اور انہوں نے فقیر کو طریقہ علیا نقشبندیہ میں داخل کیا اور یوں اس مسکین کے حال زار پر بڑی توجہ فرمائی۔[۲] حضرت خواجہ باقی باللہ سے تکمیل کر کے آپ نے اسلام کی نشاۃ جدیدہ کے لیے اپنا کام شروع کیا۔ جہانگیر نے آپ کو ۱۶۱۸ء میں قید کیا اور اگلے سال رہا کیا۔ لیکن حضرت نے ہر حال میں اپنا کام جاری رکھا۔ شیخ اکرام اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی رائے ہے کہ جہانگیر نے ان کے متعلق اپنی رائے بدل لی تھی[۳]۔ جبکہ پروفیسر فرمان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ جہانگیر کی ڈپلومیسی تھی اس کے خیالات

وغیرہ نہیں بدلے تھے۔ وہ اکبر کے دین الٰہی کا مخالف تھا لیکن اکبری عہد کی بدعات اور الحاد کے خلاف اس نے کچھ نہیں کیا[4]۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ علوم ظاہریہ وباطنیہ سے پوری طرح آگاہ تھے اور تصوف کے مروجہ طریقوں سے کما حقہ مستفید تھے۔ آپ نے اپنے دور کا شاندار کارنامہ سرانجام دیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ جس طریق پر آپ کا ذکر کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصی عظمت کے معترف آپ کے ہمعصر بھی تھے[5]۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا کارنامہ

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جن حالات میں کام شروع کیا اس کے پس منظر میں اکبر کا دین الٰہی تھا۔ انحرافی عقائد کا زور، بدعات والحاد کا نفوذ، امراء کی عیش پسندی، علماء کی ظاہرداری اور مداہنت اور صوفیہ کی بدعت نوازی و گمراہی نے ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ جہانگیر کا نقطہ نظر اگرچہ خلاف اسلام نہ تھا کیونکہ وہ ہمیں مذہب پر غور وخوض کرتا نظر آتا ہے[6]۔ اور اسلام سے وابستگی رکھتا ہے۔ اس کا ثبوت ایک واقعہ ہے کہ اس نے ہندومت کے علماء سے مباحثہ کیا اور ان کی باطل پرستیوں کو ان پر واضح کرنے کی کوشش کی[7]۔ لیکن وہ عالمگیر کی طرح دینی آدمی بھی نہیں تھا۔ بات صرف بادشاہ کے رویہ کی نہیں رہی تھی، اصل مسئلہ بداعتقادی کے ان خیالات وآراء سے تھا جو مسلم آبادی کے بعض طبقوں میں پھیل گئے تھے۔ مجدد علیہ الرحمۃ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کو نشاۃ جدیدہ کی روح عطا کی۔ ان کے پیش نظر نہ صرف بدعات کا خاتمہ تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا نفاذ، دین الٰہی کا خاتمہ کر کے اسلام کو اس کی اصل روح اور حقیقی بنیادوں پر جاری وساری کرنا، بادشاہ اور رعایا کے تعلقات کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا اور درباری امراء ومصاحبین کی اصلاح کرنا تھا۔

مجدد علیہ الرحمۃ کا طریق دعوت

حضور اکرم ﷺ کے منہاج دعوت میں کئی عناصر کام کر رہے تھے۔ ایک آپ کی پیغمبرانہ شخصیت کی تاثیر تھی جو افراد کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ نبی کا روحانی تجربہ جسے اقبال شعورِ نبوت کہتے ہیں ایک مقناطیسی قوت رکھتا ہے۔ اس شخصی تاثیر سے آپ نے دو طرح سے کام لیا ایک برہ راست گفتگو، خطاب اور مدلل بیان اور دوسرے خطوط کے ذریعہ سے اپنی شخصیت اور پیغام کی طرف دعوت دی۔ آپ کے اس

طریق دعوت کو علماء و صوفیہ نے اختیار کیا۔ بالخصوص صوفیہ نے اپنے روحانی تجربے سے شخصیت کی جو تعمیر کی اس میں ایک طرح کی مقناطیسیت پائی جاتی ہے۔ اقبال اسے شعورِ ولایت کہتے ہیں۔ یہ شعور اگرچہ نبوت کے درجہ کا نہیں ہوتا لیکن نبوت کے روحانی فیض سے مستفیض ضرور ہوتا ہے۔ ذکر و فکر اور عبادات وہ مراقبات کے ذریعے سے شخصیت میں ایسا نور پیدا ہوتا ہے جو ماحول کو منور کرتا ہے۔ ایسی روحانی شخصیات جہاں بیٹھتی ہیں وہاں اپنی تاثیر سے ماحول میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔ صوفیہ نے اپنے طریقِ دعوت میں ذاتی توجہ اور روحانی فیضان کے ساتھ فکری تبدیلی کا عنصر شامل رکھا اور اس کے لیے پیغمبرانہ منہاج میں سے خطوط کے ذریعہ کو استعمال کیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ، جو روحانی تجربے کے لحاظ سے ایک خاص شعور اور ادراک کے حامل تھے، نے برصغیر پاک و ہند کے دینی و معاشرتی حالات کا جائزہ لیا اور اصلاح و تغیر کے لیے مکتوبات کا سہارا لیا۔ آپ نے بااثر امراء اور اعیانِ سلطنت کو حالات کے تجزیہ اور ان کی اصلاح کے طریقہ سے آگاہ کیا، فکری انحراف اور دینی اضمحلال کی طرف توجہ دلائی، اور جہاں موقع میسر آیا وہاں براہِ راست گفتگو اور خطاب سے کام لیا۔ اس طریق کار کے دو فائدے تھے ایک تو ان خطوط کے ذریعے سے مؤثر افراد کی کثیر تعداد تک رسائی حاصل ہوئی، دوسرے یہ کہ اصحاب اقتدار سے براہ راست تصادم کی پالیسی سے گریز ہوا۔ اصحاب اقتدار کی خواہش موجود نہیں ہوتی اس لیے مخاطب کی ذاتی انا و مفادات کا تعصب آڑے نہیں آتا۔ اگر وہ اصلاح کی طرف مائل نہ ہو تو بھی ذاتی مخاصمت کا رویہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ اقتدار کے مصاحبین داعی کو اقتدار کے لیے خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ سازش داعی کی بے لوثی سے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ اگر صاحبِ اقتدار میں فہم اور حیا کی ذرا بھی رمق باقی ہو تو وہ اصلاح کنندہ سے دشمنی مول نہیں لے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج دعوت میں یہ نقطہ موجود ہے کہ آپ نے کسی حکمران یا رئیس قبیلہ کو ایمان یا اطاعت قبول کرنے کی صورت میں اس کے منصب پر بحال رکھا۔ ہر حال میں اختیار سے ہٹانا مقصودِ دعوت نہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا طریقہ منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے دوررس اثرات پر برصغیر پاک و ہند کے حالات شاہد ہیں۔ آپ نے اگرچہ بااثر طبقات کو مخاطب کیا لیکن آپ کی کوششیں صرف بااثر طبقہ کو اپنے فرائض یاد دلانے اور امراء کی اصلاح تک محدود نہ تھیں۔ انہوں نے عامۃ المسلمین بلکہ جمہور علماء اور صوفیہ کے خیالات کی بھی اصلاح کی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد اکبر کی مذہبی بے

قاعدگیوں کے خلاف جو ردِ عمل شروع ہوا اور دین کو جو بتدریج فروغ حاصل ہوا اس کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ذات سے بڑی تقویت ملی۸۔

اکبری الحاد کا استیصال

اکبری دور کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> مسلمان اذیت میں مبتلا تھے۔ ہندو علی الاعلان مسلمانوں اور اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ ہر کوچہ و بازار میں ہندوؤں کی رسمیں منائی جاتیں۔ اگر کوئی مسلمان گائے ذبح کر دیتا تو اس کے بدلے میں اس کی جان لے لی جاتی۔ ان حالات میں جونپور کے ایک قاضی ملا محمد یزدانی نے فتویٰ دے دیا کہ بادشاہ مذہب سے پھر گیا ہے، اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ دربار میں کچھ لوگوں نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا اور بادشاہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن حکومت کے نشے نے اسے اتنا بدمست کیا ہوا تھا کہ وہ اور زیادہ بگڑ گیا اور بعض علماء کو شہید کروا دیا۹۔

اکبر نے سیاست کو مذہب پر ترجیح دی۔ اہل سنت کے علاوہ ہر مذہب اور ہر فرقے کی دلجوئی کی۔ اس کی خاص طور پر یہ پالیسی تھی کہ اپنے دربار میں ہر مذہب کے علماء کا اجتماع کرواتا۔ مباحثے سننا اس کی سیاست میں داخل تھا۔ جہانگیر اس پالیسی کے متعلق لکھتا ہے:

> پدرِ من در اکثر اوقات با دانایانِ دین و ہر مذہب صحبت می داشتند، خصوصاً با پنڈتاں و دانایان ہند و آنکہ امی بودند از کثرتِ مجالست با دانایان وارباب فضل در گفتگو ہا چناں ظاہر می شود کہ ہیچ کسے پے امی بودن ایشاں نمی برد و بدقائق نظم و نثر چناں می رسید کہ مافوق براں تصور نہ بود۱۰۔
>
> میرے والد اکثر ہر دین و مذہب کے دانشوروں سے ملاقات کرتے تھے، خصوصاً ہندو پنڈتوں اور دانشوروں سے اور امی ہونے کے باوجود کثرت مجالست کے سبب علماء و فضلاء کے ساتھ گفتگو میں کسی کو

ان کے امی و ناخواندہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ نظم و نثر کی باریکیوں کو اس طرح سمجھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر مذہب کی توقعات اس سے وابستہ ہو جائیں اور یہ قدم اس کا اصلاح کے بجائے فساد کی طرف تھا اور اسی سلسلے میں اس نے ایک نئے مذہب کی اشاعت شروع کی جس کا نام دین الٰہی رکھا[1]۔

مشہور مورخ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

> بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اسلام سے رخ پھیرنا شروع کیا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر گیا اور علی الاعلان اسلام کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ علماء اپنی تصنیفات اس کی تعریف کی نذر کر دیتے اور خطبے میں صرف توحید کے بیان پر اکتفا کرتے۔ کتابوں کے مقدموں میں بادشاہ کے القابات اور خطابات بار بار استعمال کیے جاتے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خطبے میں لیتا۔ بادشاہ قرآن کا منکر تھا، اس کے ساتھ حیات بعد الممات کا بھی منکر تھا اور عام حکم دے رکھا تھا کہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے بجائے **لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ** کہا جائے[2]۔

محمد منظور نعمانی کے بقول:

> مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گزرے اور اس نے الف ثانی (ہزار دوم) میں قدم رکھا اس وقت خاص کر ہندوستان میں عرب کے اس مسافر پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی۔ ایک طرف سلطنت کا الحاد اور اس کی ہندو نوازی بلکہ ہندویت پرستی اس کو پامال کر رہی تھی، دوسری طرف علماء سوء کی دسیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں۔ اور تیسری طرف ''متصوفہ باطنیہ'' کی ہویٰ پرستیاں اس کی روح کو مسخ کر رہی تھیں

اور لاوارث اسلام اس طرح اس ''تثلیث'' سے مغلوب کیا جا رہا تھا۔ اس کا ضعف و اضمحلال اس کی غربت و کسمپرسی انتہا کو پہنچ چکی تھی[۱۳]۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا سب سے بڑا کارنامہ اکبری الحاد کا استیصال تھا۔ انحراف کی جس روش نے اکبر کے دین الٰہی کی صورت اختیار کی تھی وہ اگرچہ اس کی وفات سے ختم ہو گئی تھی لیکن عوامی سطح پر اس کے دو مظاہر باقی رہ گئے تھے۔

۱۔ غیر مسلموں کی سیاسی بغاوت
۲۔ فکری و عملی انحراف

غیر مسلموں کی شوریدہ سری اور اسلام کی تحقیر

مجدد علیہ الرحمۃ نے ان دونوں امور کی طرف توجہ کی۔ آپ نے سب سے پہلے غیر مسلموں کی سیاسی شوریدہ سری کو پیش نظر رکھا۔ آپ کے مختلف مکتوبات میں اسلام کی زبوں حالی اور کافروں کی زیادتیوں کا ذکر ملتا ہے۔ آپ شیخ فرید بخاری کی طرف اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

(الف) آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا گزرا ہے لیکن اہل اسلام پر اس قسم کی خرابی نہیں گزری تھی۔ گزشتہ زمانے میں کافر غالب ہو کر دارالاسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز و مجبور تھے۔ اگر کرتے تو قتل کیے جاتے تھے۔ ہائے افسوس حق تعالیٰ کے محبوب نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنے والے ذلیل تھے اور ان کے منکر باعزت[۱۴]۔

(ب) شریعت کی ترقی شاہان بزرگ کے حسن انتظام پر موقوف ہے جس دن سے یہ امر کمزور ہوا ہے اس دن سے اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ کفارِ ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کر کے ان کی جگہ اپنے مندر تعمیر کر رہے ہیں چنانچہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے کنارے ایک مسجد تھی اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا گیا ہے[۱۵]۔

(ج) ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر مسلمانوں کے شہروں

> میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ یہ ان کی تمنا ہے کہ اسلامی احکام بالکل ختم ہو جائیں اور اسلام و اہل اسلام کا کچھ اثر نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے[۱۶]۔

ان مکتوبات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کفار کو کیسا سیاسی غلبہ حاصل تھا حالانکہ حکومت مسلمانوں کی تھی۔ اور یہ سب کچھ اکبر کی غلط نوازیوں اور قباحتوں کا ثمرہ تھا۔ اکبر نے مختلف راجپوتوں اور ہندو سرداروں کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر انہیں جاگیریں عطا کیں، بلند مناصب بخشے اور ان کی دلجوئی کے لیے بعض اسلامی رسوم پر پابندی لگائی۔ یہ اسی کی دی ہوئی جرأت کا نتیجہ تھا کہ غیر مسلم اس قدر دلیر ہو گئے تھے۔

مجدد علیہ الرحمۃ نے مسلمان امراء کو متنبہ کیا کہ وہ ہندوؤں کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت کا تدارک کریں۔ آپ کے طریقۂ کار کی خصوصیت تھی کہ انفرادی طور پر ہر اہل آدمی کو مخاطب کرتے۔ آپ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے سے بعض ذمہ دار مسلمان امراء کو اصلاحِ حال کی طرف متوجہ کیا۔ مثلاً آپ صدر جہاں کو لکھتے ہیں:

> سب سے پہلے اسلام کے زوال پذیر ارکان کو قائم کیجیے کیونکہ دیر میں خیریت نہیں ہے اور غرباء کے دل اس تاخیر سے بہت بے قرار ہیں۔ گزشتہ زمانے کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں موجود ہیں۔ کہیں ان کا تدارک نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اور نہ بڑھ جائے۔ جب بادشاہ سنتِ مصطفوی کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور امراء بھی متوجہ نہ ہوں تو اہل اسلام پر مصیبت آنی لازمی ہے[۱۷]۔

آپ نے تمام امراء کو مکتوبات لکھے اور ان میں سے بعض حضرت کے حلقہ ارادت میں بھی آئے جیسے خانِ خاناں، صدر جہاں، خان اعظم اور مہابت خان وغیرہ۔

عوامی بیداری

دوسرا کام آپ نے یہ کیا کہ عوامی سطح پر ایسی بیداری پیدا کی کہ ہر طرف غیر مسلموں کے سیاسی غلبے اور بادشاہ کی غفلت کا احساس ہونے لگا۔ بادشاہ کے دربار میں ہونے والی بدعات کو ناپسند کیا اور جب جہانگیر کے ہاں حاضر ہوئے تو خیر خواہوں کے مشورے کے باوجود سجدہ نہ کیا۔ آپ کا قید ہو جانا اور پھر رہا ہونا سیاسی

اعتبار سے عظمت اسلام کی بنیاد تھی اور اکبری الحاد کو جو سیاسی پشت پناہی حاصل تھی اس پر پہلی کاری ضرب تھی۔ عوامی بیداری کے سلسلے میں ایک اہم اقدام تبلیغی وفود کی روانگی ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اپنے مریدوں کی بڑی تعداد کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیجا۔ انہوں نے اسلام کی صحیح تعلیمات کو لوگوں تک پہنچایا اور اتباعِ سنت کی اہمیت سے لوگوں کو آگاہ کیا اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی[۱۸]۔

فکری و عملی انحراف

سیاسی طور پر تو اکبر نے غیر مسلموں کو تفوق دیا تھا مگر جس چیز نے ملت اسلامیہ کی کمر توڑ دی وہ عوامی سطح پر انحراف کی ترویج تھی۔ ہندوؤں کو سیاسی مراعات ملنے کا نتیجہ تھا کہ ہندوانہ رسوم کو تحفظ مل گیا اور وہ آہستہ آہستہ مسلم سوسائٹی میں سرایت کرنے لگیں۔ عوامی سطح پر اکبری الحاد نے متحدہ قومیت کی صورت اختیار کی تھی۔ متحدہ قومیت کے تصور نے ملتِ اسلامیہ کے انفرادی تشخص کو مجروح کیا۔ متحدہ قومیت دو طریقوں سے نشو و نما پا رہی تھی، ایک عام مذہبی دائرہ میں اور دوسرے تصوف کے راستے سے۔

مذہبی دائرہ

مذہبی اعتبار سے دینِ الٰہی نے اسلام اور کفر کے امتیاز کو مٹا دیا تھا اور ایسی رسوم و رواج راہ پا گئی تھیں جن سے اسلام کی انفرادیت مجروح ہوتی تھی۔ بادشاہ کو سجدہ، بادشاہ کے نام کا کلمہ، گاؤکشی کی ممانعت، جزیہ کی منسوخی اور دیگر ہندوانہ رسوم کی شاہی سرپرستی نے شعائرِ اسلام کی عزت و حرمت کو دلوں سے نکال دیا۔ علمائے سوء کا ایک گروہ میسر آ گیا تھا جو ان انحرافی روشوں کے لیے وجہِ جواز مہیا کرتا تھا۔ ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں

> بدبختی نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ جائز ہے۔ علماء نے کان کھڑے کیے، نقل پیدا، گفتگو کے سلسلے پیش کر بیٹھے، معترض ملاؤں کے جوش نہ تھمتے تھے نہ بیٹھ جاتے تھے۔ جواز کے طرف دار بڑی ملائمت سے انہیں روکتے تھے اور اپنی بنیاد جمائے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ عہدِ سلف پر نظر

> رکھو، امت ہائے قدیم کو دیکھو، وہ عموماً اپنے بزرگوں کے سامنے تحفہ عجز و نیاز سمجھ کر ادب سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے، مثلاً ملائک کا سجدہ حضرت آدم کو کیا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ تعظیمی۔ باپ اور بھائیوں نے سجدہ حضرت یوسف کو کیوں کیا تھا؟ جواب تحفۂ ادب پیش کیا تھا نہ کہ پرستش بندگی۔ بس وہی سجدہ ہے، پھر انکار کیوں اور تکرار کیسی ۱۹

شیخ اکرام لکھتے ہیں:

> ڈاڑھیاں منڈوانے کے متعلق شیخ امان پانی پتی کے ایک بھتیجے ملا ابوسعید نے فتویٰ دیا۔ وہ اپنے عم بزرگوار کے کتب خانے میں سے ایک کرم خوردہ کتاب لے کر تشریف لائے اور اس میں سے حدیث دکھائی کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی آئے، بیٹا ساتھ تھا، اس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی ۲۰۔ علماء سوء کی ہوس اور بدعملی نے مذہب کو خفیف کر دیا اور عظمتِ اسلام کے لیے کام کرنے والے لوگ مشکوک ہو گئے۔ بادشاہ کی طرف سے ان کی بے عملی کی ستائش سے اسلامی انفرادیت کی بے وقاری ہوئی۔

علمائے سوء نے جس طرح اسلامی انفرادیت کو نقصان پہنچایا اور اقتدار نے غیر مسلم قوت کے سہارے متحدہ قومیت کے لیے جس طرح راہ ہموار کی اس نے محتاط علماء کو گوشہ نشین کر دیا لیکن حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنا کام جاری رکھا۔ آپ نے ”اس زمانے میں جب کہ عام علماء و مشائخ نے ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا، جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے قید و بند کی سختیاں جھیلیں۔ انہوں نے اپنی جرأت سے اتباع شریعت کا راستہ اختیار کیا اور مغلوں کی ریاستی پالیسی کے برعکس شرعی احکام کا احیاء کیا۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی۔ جو دبے بیٹھے تھے وہ پھر دلیر ہو گئے اور شریعت کے احکام ایک دفعہ پھر ہندوستان میں عام ہونے لگے ۲۱۔ آپ نے سخت جانکاہی سے مسلسل جدوجہد کی تاکہ حالات کا رخ پھیر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے۔

اولاً یہ کہ اپنے مریدین کی ایک بہت بڑی تعداد کو اس کام کے لیے تیار کیا اور ہر طرف انہیں بھیجا کہ اسلام کی تبلیغ کریں، اتباع سنت پہ زور دیں اور لوگوں کو دائرہ شریعت میں واپس لائیں۔ یہ کام نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہند کے متصلہ ممالک میں بھی موثر طور پر کیا گیا۔ ڈاکٹر فاروقی کے بقول انہوں نے نہ صرف عوام کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے وفود روانہ کیے بلکہ سلطان کے لشکر کی اصلاح کے لیے اپنے احباب میں سے ایک ساتھی بدیع الدین کو بھیجا کیونکہ سلطان کے ساتھ ساتھ لشکر بھی اسلام سے منہ پھیر چکا تھا اور اس کی اصلاح بھی ''اصلاح عامہ'' کے نقطہ نظر سے ضروری تھی۔ مجدد علیہ الرحمۃ نے ۷۰ آدمی ترکستان کی طرف، ۴۰ یمن، عرب شام اور روم کی طرف بھیجے اور ۱۵ معتبر ساتھی مولانا سعادت کی سرکردگی میں کاشغر کی طرف روانہ کیے۔ جب یہ لوگ مذکورہ بالا مقامات پر پہنچے تو ان کا باعزت طریق پر استقبال کیا گیا بہت سے لوگ ان کے مرید ہو گئے۔ جب واپس آئے تو مختلف بادشاہوں کے تحفے ساتھ لائے۔ گویا مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ایسا نظام قائم کیا جس سے آپ کے مقاصد کی تکمیل ہوئی اور شریعت کے احیاء واشاعت کا کام بڑی خوبی سے انجام پانے لگا[۲۲]۔

ثانیاً یہ کہ مختلف ممالک کے نامور لوگوں سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور ان خطوط کی بڑی کثرت سے اشاعت کی گئی۔ ان خطوط میں حقائقِ مذہبی پر بحث ہوتی تھی اور اتباعِ سنت پر زور دیا جاتا تھا۔

ثالثاً یہ کہ دربارشاہی کے بڑے بڑے امراء کو حلقۂ ارادت میں داخل کرلیا تا کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں انقلاب پیدا کریں اور بادشاہ کے قلب کی کیفیت کو بدلنے کے لیے اپنے اثر کو استعمال کریں۔

رابعاً یہ کہ جب اکبر کا انتقال ہو گیا اور جہانگیر تخت نشین ہوا تو شیخ مجدد علیہ الرحمۃ نے جدوجہد کی کہ لوگوں سے یہ عہد لیا جائے کہ خلاف اسلام احکام شاہی کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس جدوجہد کو فوج شاہی تک وسعت دی گئی[۲۳]۔

مجدد علیہ الرحمۃ نے عوام میں پھیلی ہوئی بدعات ورسوم پر کڑی تنقید کی اور سنت کی اتباع پر زور دیا، اس طرح ایک ماحول تیار کیا جو اسلامی احکام کے لیے موزوں ہو اور ان کے خلاف ردعمل نہ پیدا ہو۔ آپ کی پوری جدوجہد مسلم معاشرے کو بدعات کے خلاف صف آراء کرنے کے لیے کی تھی۔ آپ کے مکتوبات میں اس کی وضاحتیں ملتی ہیں۔

(الف) جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک مال کی دولت کی بو جان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام

جہاں بدعت میں غرق ہے اور بدعت کی تاریکی مسلط ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کے دور کرنے کا حوصلہ ظاہر کرے اور سنت کا احیاء کرے[۲۴]۔

(ب) سنت عہد نبوت کی دوری کے باعث پوشیدہ ہوری ہے اور بدعت جھوٹ کے فروغ کی وجہ سے نمایاں ہورہی ہے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا باعث ہے۔ **کل بدعة ضلالہ**، بدعت دین کو کاٹنے والی کلہاڑی ہے اور سنت چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ بدعت کا دور کرنا اسلام کی تقویت کے لیے لازمی ہے۔ خدا تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ کہنے کی جرأت نہ کریں۔ گزشتہ زمانے میں اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کی تاریکی کو اٹھا سکتا تھا اور ہوسکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی نظر آتے ہوں اور حسن کا حکم پالیتے ہوں لیکن اب حالت دگرگوں ہے۔ صوفیہ وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں تو انہیں سوائے سنت کے کسی امر میں اپنے پیروں کی تقلید نہیں کرنی چاہیے اور اپنے شیخوں کا بہانہ کر کے بدعت پر عمل نہ کریں[۲۵]۔

(ج) سب سے اعلیٰ نصیحت سعادت مندوں کے لیے یہ ہے کہ سنت کی متابعت کریں اور بدعت سے بچیں، جو شخص کسی متروک سنت کو زندہ کرے اسے سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے، تو معلوم کرنا چاہیے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کرے تو اس کا کتنا اجر ہوگا[۲۶]۔

بدعت سے بچے اگرچہ بدعت صبح کے نور کی طرح روشن ہو۔ یہ حقیقت میں کوئی نور نہیں اور نہ اس میں بیماری کی دوا ہی ہے۔ بدعت وبال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ سنت کو دور کرنے والی ہوگی یا اس سے سکوت کرانے والی۔

علماء کی توجہ

آپ نے ہمعصر علماء سے بھی خط و کتابت کی اور انہیں شریعت کے احیاء کی طرف متوجہ کیا۔ ملا حاجی محمد لاہوری کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> علماء کے لیے دنیا کی محبت و رغبت ان کے جمیل چہرے کا بدنما داغ ہے۔ جو علماء دنیا (زن، زر، زمین) سے محبت کرتے ہیں ان کے علم

> سے ممکن ہے دوسروں کو فائدہ پہنچ جائے، مگر انہیں خود کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ان کی ذات سے دین یا ملت کو تقویت حاصل ہو جائے تو یہ کوئی قابل قدر بات نہیں، کیونکہ کبھی اللہ ایک فاسق و فاجر سے بھی اپنے دین کی تائید کرا لیتا ہے[۲۷]۔

اہل اقتدار کی اصلاح

اکبر کے عہد میں شاہی اقتدار نے اسلام دشمن پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ امرائے سلطنت اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کافرانہ روش میں حصہ لے رہے تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی ۱۶۰۵ء کے بعد حالات میں تبدیلی کے امکانات پیدا ہوئے تو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے قلب مبارک میں احیائے اسلام کا جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ شیخ فرید بخاری علیہ الرحمۃ کے نام مکتوب میں اقتدار کی اصلاح کی اہمیت اور اکبری عہد میں اسلام کی تحقیر کا دکھ واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> واضح ہو کہ بادشاہ کو عالم سے وہی نسبت ہے جو دل کو جسم سے ہے۔ اگر دل صالح ہو تو تمام جسم صالح ہوگا اور اگر دل فاسد ہو جائے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کی اصلاح گویا تمام عالم کی اصلاح ہے اور بادشاہ کا بگاڑ گویا سارے عالم کا بگاڑ ہے[۲۸]۔
>
> آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا گزرا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں باوجود کمال غریب ہونے کے اہل اسلام پر اس قسم کی خرابی اور تباہی نہ گزری تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہتے اور کفار اپنے طریق پر لکم دینکم ولی دین اسی مضمون کا بیان ہے اور گزشتہ زمانہ میں کافر غلبہ پا کر دارالاسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے[۲۹]۔

شیخ فرید بخاری ہی کے نام اپنے خط میں اسلام و کفر اور دنیا و آخرت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسلام و کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا اثبات دوسرے کے رفع کا موجب ہے۔ ان دونوں ضدوں کو جمع کرنا محال ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ: جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ بن جائے مسلمانی کو نہیں پہنچے گا۔ دیوانگی سے مراد یہ ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام کی خاطر اپنے نفع و ضرر کا خیال چھوڑ دے[۳۰]۔

اسی طرح کے بے شمار مکتوب ہیں جن میں بدعت کو مردود قرار دیا گیا ہے اور سنت کے احیاء کی دعوت دی گئی ہے۔ بدعت کی اصطلاح بڑی جامع ہے اس میں ہر قسم کا فکری و عملی انحراف آ جاتا ہے، وہ تمام باتیں جو ہندوانہ اثرات کے تحت مسلم معاشرے میں آئیں یا باطنی اثرات کے تحت آئیں، مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک ہی دینی اصطلاح کے ذریعے سے انہیں ختم کر دیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے عام مذہبی احساس کے دائرے میں ایک ایسی فضا تیار کر دی جو بعد میں اصلاح احوال کی خاطر کام کرنے والوں کے لیے ممد و معاون ثابت ہوئی۔

مسلم معاشرے میں جس راہ سے سب سے زیادہ انحراف آیا وہ تصوف ہے۔ تصوف احساس و وجدان کو ذریعہ عمل قرار دیتا ہے۔ روحانی غور و فکر اور مراقبہ وہ طریق کار ہے جسے صوفیہ نے اختیار کیا۔ وہ اگرچہ عقل کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے تاہم روحانی مراتب کے حصول کے لیے احساس وجدان کو عقل سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ مسلمان جس دور فتن سے گزرے تھے اور بنو امیہ کی جو سیاسی حکمت عملی تھی اس نے بعض افراد کو ذاتی روحانی تکمیل کی طرف مائل کیا۔ اس عہد میں خوارج بہادری کے ساتھ وقت کی حکومت کے خلاف لڑ رہے تھے اور شیعان علی بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے تاہم زہاد کہلانے والے ان انتہاؤں کے درمیان ایک ذاتی، روحانی اور اصلاحی پروگرام پر عمل پیرا تھے۔ یہ لوگ سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے دور رہتے تھے۔ اگرچہ وہ اموی حکومت کے خلاف تھے تاہم وہ ان کے خلاف معرکہ آرا ہونے کی ہمت نہیں پاتے تھے۔ ان میں عشق الٰہی اور دنیا کی بے ثباتی کا احساس اتنا شدید تھا کہ انہیں دیکھنے والا انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حسن بصری علیہ الرحمۃ جو اپنے وقت کے ایک حقیقی اور سچے زاہد تھے، اس احساس کی عمدہ مثال تھے۔ منقول ہے کہ حسن بصری علیہ الرحمۃ کے چہرے پر ہمیشہ افسردگی اور اداسی چھائی رہتی جیسے وہ ابھی ابھی کسی جنازے میں شریک ہو کر آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ دو راہب شام سے آئے اور جب وہ بصرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے حسن بصری علیہ الرحمۃ کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ ذرا اس آدمی کو دیکھیں جو مسیح سے گہری مماثلت رکھتا ہے۔ واپس آ کر انہوں نے حسن بصری علیہ الرحمۃ کو دیکھا کہ وہ اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر رکھے ہوئے کہہ رہے ہیں: ''میں ان لوگوں کو دیکھ

کر حیران ہوتا ہوں جنہیں سفر پر روانہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ وہ سفر کے لیے زادراہ تیار کر لیں۔ ان میں سے جو سب سے آگے ہے، اس انسان کو جو سب سے پیچھے ہے، کھڑا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔ کاش میں جانتا کہ یہ لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں[۳۱]۔

زہاد کا رویہ اگرچہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زہد سے مستفاد تھا تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنہ وفساد کا جو دروازہ کھلا تھا اور مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت کا جو بازار گرم تھا، اس کی نہایت ہی افسوسناک صورت واقعہ کربلا، مدینہ کی لوٹ مار[۳۲] اور کعبہ کی بے حرمتی[۳۳] جیسے واقعات ہوئے تو خشیت الٰہی رکھنے والے لوگ گوشہ نشین ہوئے تاکہ اپنے دین و ایمان کو سلامت رکھ سکیں۔ یہی لوگ صوفیہ کے پیش رو ہیں۔ تصوف ایک ایسا طریق ہے جس میں سالک عشق الٰہی کی منزل کا راہی ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ مذہب کی ظاہری صورت کے مقابلے میں اس کی روح پر زور دیتا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ بے جان مذہبی مراسم کوئی روحانی اہمیت یا جواز نہیں رکھتے۔ لیکن مسلمان صوفیا نے ہمیشہ اپنی روحانی زندگی اور عشق الٰہی کی ہیجانی کیفیتوں کو ضوابط اسلام کے تحت رکھا۔ ابتدا میں یہ محض روحانی زندگی کی تسکین کا انفرادی سامان تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ مرتب نظام کی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ اس کا ادب پیدا ہوا۔ شیخ ایک تجربہ کار معلم بنا اور مرید اس مشکل راستے پر چلنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ نظام اس لیے بھی ضروری ہو گیا کہ سالک کو ہیجانی کیفیات میں مناسب رہنمائی اور اس کا مشکل مقامات سے کامیاب گزر شیخ کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسلامی اصولوں اور سنتِ نبوی کے تحت تھا۔ صوفی سلسلوں میں اسلام سے محبت کی کمی نہیں تھی اور جہاں تک اسلام کے بنیادی اصولوں کا تعلق ہے وہ اپنے عقائد میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ تصوف کے ابتدائی سلسلوں میں انحراف کی گنجائش اس لیے نہ تھی کہ مشائخ نہ صرف مناسب تعلیم سے بہرہ ور تھے بلکہ ان میں سے بعض خود بھی تربیت یافتہ علماء تھے۔ بہت سے علماء بھی تصوف سے متاثر تھے اور انہوں نے اس کی تربیت حاصل کی تھی اور مسلم عوام جو صوفیہ اور علماء کے حقیقی حکم تھے، دونوں کا احترام کرتے تھے اور ان اختلافات کو اپنے طرزِ عمل سے کم کرتے تھے[۳۴]۔ اگرچہ علماء اور صوفیہ کے درمیان ایک اختلاف موجود تھا اور اس کا تعلق ظاہری اعمال و رسوم کی ادائیگی اور باطنی پاکیزگی اور روحانی منہاج سے متعلق تھا تاہم باہمی احترام قائم تھا۔

اشاعت اسلام کے ساتھ جب مسلمانوں کا سابقہ ایسے معاشروں سے پڑا جو پہلے ہی مذہبی و روحانی ورثہ رکھتے تھے اور تصوف کے مربوط نظام کے حامل تھے تو انحرافی راہیں کھلیں۔ بدقسمتی سے بعض ایسے صوفی

دبستان معرض وجود میں آئے جو شریعت حقہ کے ماتحت رہنے کے بجائے آزاد منشی کی راہ پر چلے اور راسخ العقیدہ اسلام کے منافی تصورات وعقائد کی پرورش کی گئی اور ان کی تبلیغ بھی کی گئی۔ ابتداء مذہب کی ظاہری حیثیت کو بے معنی قرار دیا اور بحث اس سے بھی آگے تک پہنچ گئی اور انتہا پسندوں نے اس بنیادی عقیدے کو بھی اہمیت نہیں دی جو ایک مذہب کے پیرو کو دوسرے مذہب کے پیرو سے ممتاز کرتا ہے[۳۵]۔

بد قسمتی سے بعض لوگ صوفیہ کا لباس اوڑھ کر صوفی حلقوں میں جا گھسے اور تصوف کے نام پر آزادروی اور اعمال شرعی سے غفلت کا اظہار کرنے لگے۔ ان کے نزدیک شریعت بے معنی نمائش تھی لہٰذا انہوں نے کھلے بندوں خلاف شرع حرکات کا اعلان شروع کر دیا۔ ان نقلی صوفیہ کی اس روش نے حقیقی صوفیہ کو بھی پریشان کیا۔ قشیری نے اپنے رسالہ میں اس صورتحال پر گہرے رنج کا اظہار کیا ہے[۳۶]۔ منصور حلاج کے قتل (۳۰۹ھ) نے صوفیہ کو خود اپنے نظام کے بارے میں مزید فکر مند کر دیا اور جعلی و نقلی شعبدہ بازوں کو بے نقاب کرنے کے لیے تصوف پر رسالے اور کتابیں لکھیں۔ ابو نصر سراج علیہ الرحمۃ نے کتاب اللمع، ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ نے قوت القلوب اور قشیری علیہ الرحمۃ نے الرسالہ جیسی تصنیفات مرتب کیں۔ ان تصانیف میں شریعت اور اس کے احکام کی پابندی کا خصوصی ذکر کیا گیا اور دینی احکام کی خلاف ورزی کی مذمت کی گئی تاہم منحرف افراد وگروہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ وہ ایسے اقوال واعمال کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے جو راسخ العقیدہ رائے کے مطابق غیر اسلامی تھے یہی وجہ ہے کہ انحرافی صوفیوں میں تناسخ، حلول اور خالص سریانیت کا عقیدہ رکھنے والے بھی ملتے ہیں۔ ان دبستانوں نے مختلف ماخذوں کے تصورات چن لیے، نسطوریوں، مہانویوں اور بدھوں، سب نے ان دبستانوں کی فکر کو اپنا اپنا حصہ دیا۔ ان افکار میں وحدت الوجود کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

مسلم ہندوستان میں بھی علماء کی سرگرمیوں کے ساتھ صوفیہ بھی سرگرم عمل تھے بلکہ ان کے عوامی اثرات زیادہ تھے لیکن ہندوستان میں ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ یہاں ویدانتی گروہ موجود تھے جو ایک طرح کے وجودی فلسفہ پر یقین رکھتے تھے۔ ہندوستانی معتقدین کے وحدت الوجود سے روابط نے ان تصورات کو اور زیادہ تقویت پہنچائی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو بھگت بھی وہی کہہ رہے ہیں جو انہوں نے اپنے صوفیوں اور مفکروں کی زبان سے سنا تھا تو وہ الجھ کر رہ گئے۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو یہ کہتے رہتے تھے کہ مذہبی اختلافات محض ظاہری ہیں اور یہ کہ ہر مذہبی جستجو کا مقصد ایک ہی ہے۔ ابوالفضل نے ایک مندر کے لیے کتبہ لکھا جس میں حسب ذیل شعر نقل کیا[۳۷]۔

کفر و اسلام در رہت پویاں
وحدہ لاشریک لہ گویاں

اس نظریے کی مقبولیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ داراشکوہ ''سراکبر'' میں یہ استدلال کرتا ہے کہ قرآن اپنشدوں میں چھپا ہوا ہے[۳۸]۔ وحدت الوجود کے نظریہ نے مذہبی امتیاز ختم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ داراشکوہ اپنی کتاب مجمع البحرین کے دیباچے میں صاف صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ صوفیوں اور ویدانیتوں کے وحدت الوجود کے درمیان اختلافات محض لفظی ہیں[۳۹]۔

صوفیوں کے انحرافی دبستانوں کی کوششوں نے متحدہ قومیت کے تصور کو پروان چڑھایا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ متحدہ قومیت کا نعرہ ہمیشہ ہندو کے حق میں گیا ہے۔ مسلمان حکمران ہونے کے باوجود ایک معاشرتی اقلیت تھے اور کوئی اقلیت علیحدہ قومیت کے بغیر اپنا مستقل وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ ہندو مفکرین نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں کا علیحدہ احساس قومیت ختم ہو جائے تو انہیں ہندو معاشرے میں ضم کیا جا سکے گا۔ اکبر نے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی بنیادوں پر متحدہ قومیت کے لیے بنیاد رکھی تھی۔ علماء سوء، منحرف صوفی، عیش پرست امراء اور ہوس پرست بادشاہوں اور سہولت پسند عوام نے اس تصور کو پروان چڑھایا۔ متحدہ قومیت کا یہ تصور برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے انفرادی تشخص کو ختم کر رہا تھا۔ مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنی بصیرت سے یہ دیکھ لیا تھا کہ اکبر کے دور میں پروان چڑھنے والا یہ فتنہ آگے چل کر کتنا مضبوط ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی مضبوط بنیادوں پر ضرب کاری لگائی جائے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا یہ خدشہ درست نکلا کیونکہ داراشکوہ نے زیادہ علمی و عوامی سطح پر اس فتنے کو ہوا دی۔ اگر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بروقت اقدام نہ کیا ہوتا تو عالمگیر کی صورت میں عظمت اسلام کا کام نہ ہوتا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ چونکہ صوفی تھے اور تصوف کے تمام مراحل سے گزرے تھے اس لیے انہوں نے اس راہ سے آنے والے الحاد اور آزاد روی کو بڑی قوت اور خوش اسلوبی سے روکا۔ ہم ان کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ وجد و حال کی پہلی کیفیت جوان پر طاری ہوئی تو ہجوم احساسات میں وہ اپنا توازن کچھ قائم نہ رکھ سکے اور انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار انتہائی ہیجانی طرز کے اشعار میں کیا جس سے کسی قدر انحرافی رجحان ظاہر ہوتا تھا[۴۰]۔ حضرت شیخ نے خواجہ باقی باللہ کی نسبت حسب ذیل اشعار لکھے تھے۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائے ہست
کفر و ایماں زلف و روئے آن پری زیبائے ہست
ملت ما کافری و ملت ترسائے است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائے است

خواجہ باقی باللہ نے مرید کو تادیبی حلقے کے اندر رکھ کر اس کے افراط کی تصحیح کر دی۔ یہ مرحلہ بہت جلد گزر گیا اور ان کے وجد و حال کی ہیجانی کیفیتوں میں زیادہ توازن پیدا ہو گیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد وہ اس سچائی کو محسوس کر کے ششدر و حیران رہ گئے کہ وحدت الوجود کا وجدان روحانی سکر کی کیفیت میں ہوتا ہے مگر حقیقت نہیں ہوتا[۴۱]۔ اس سے انہیں بڑی پریشانی ہوئی، کیونکہ انہوں نے حال و وجد میں وحدت الوجود کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ انہیں تصوف کا بالاترین درجہ حاصل ہو گیا۔ اب انہیں یہ خوف ہوا کہ اس جذبے کا اتلاف ترقی کی بلندیوں سے گر جانے کے مترادف ہے۔ مگر ان میں اپنے صوفیانہ مشاہدے کے ذریعے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ وحدت الوجود کا مشاہدہ بالاترین مرحلہ نہیں بلکہ ان کا یہ محسوس کر لینا کہ وحدت الوجود محض حال و وجد کی تخلیق تھا حقیقتاً صوفیانہ مراحل میں وحدت الوجود کے مشاہدے سے زیادہ بلند تھا[۴۲]۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس تیقن نے بعض صوفیہ کے ان طرز ہائے فکر و عمل سے مختلف راہ سجھائی جسے وہ وحدت الوجود کہتے تھے۔ بات اگر صرف اسی احساس پر ختم ہو جاتی تو شاید وہ حالات پر اثر انداز نہ ہوتے، مگر جس چیز نے انہیں اس طریق کار پر آمادہ کیا وہ ان کا یہ مشاہدہ تھا کہ انہیں مسلم اولیاء و اتقیاء کے سلسلے میں ایک بہت بلند مقام حاصل ہے اور یہ کہ وہ اسلام کی نشاۃ جدیدہ کو ظہور میں لانے والے ہیں[۴۳]۔ آپ نے جب اس کا اعلان کیا تو آپ کے معاصرین نے نکتہ چینی کی اور جہانگیر نے برافروختہ ہو کر آپ کو قید کیا کہ ان کے دعوے معقولیت کی حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور ان سے فتنے کا امکان ہے[۴۴]۔ لیکن ان کا یہ احساس صحیح ثابت ہوا اور برصغیر کے تمام راسخ العقیدہ مسلمانوں نے ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیا[۴۵]۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس احساس کے ساتھ کام کیا کہ وہ نشاۃ جدیدہ کے نقیب ہیں۔ تمام مراحل آپ کے تجربے اور مشاہدے میں تھے۔ اس لیے آپ نے الحاد اور انحراف کے تمام منابع پر زبردست وار کیا۔ اس وقت معاشرے میں وحدت الوجود کا بڑا اثر تھا۔ یہ عقیدہ عوام کے شعور میں ہندوؤں کی بھگتی تحریک کے ذریعے داخل ہو گیا تھا۔ اہل باطن اور فلسفی دونوں اسے تسلیم کرتے تھے۔

مسلمانوں کے بعض عظیم ترین صوفیوں نے یہ حکم لگا دیا تھا کہ وحدت الوجود کا تجربہ ان کے روحانی اکتساب کی خیر اعلیٰ ہے ٤٦۔ اس لیے وحدت الوجود تصوف اور فلسفہ کی بلند ترین حقیقت ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

> ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی ’’اتحاد وحلول‘‘ کا وہ عقیدہ تھا جس کی بنیاد وحدت الوجود کے نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابر طریق سے غلبہ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن میں ’’وحدت‘‘ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ پھر بعض حضرات (شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ وغیرہ) نے اس نظریہ (ہمہ اوست) کو علمی رنگ میں بھی لکھا، ان حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو حاضرین کیا سمجھتے، بس ہر مدعی نے حلول واتحاد کا دعویٰ شروع کر دیا اور پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں۔ بہت سے مدعیان بے خبر نے کہا، عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے، زمین بھی خدا ہے، آسمان بھی خدا ہے۔ شجر و حجر، نباتات و جمادات، عناصر بسیط اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہیں۔ (معاذ اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ) واحسرتا! کس قدر دردناک ہے یہ منظر کہ خدا کے سارے پیغمبر یہی بتلانے آئے کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ ان سب سے وراء الوراء ہے جو وحدہ لاشریک ہے، لیکن شیطان نے انہی کے امتیوں نہیں، بلکہ ارشاد وہدایت اور تکمیل نفوس میں ان کی نیابت وجانشینی کے مدعیوں سے کہلوایا کہ عالم میں جو کچھ ہے سب خدا ہی ہے ٤٧۔‘‘

مجدد علیہ الرحمۃ نے وحدت الوجود کے تصور کو گمراہی قرار دیا اور اس کی تردید کی بلکہ اسے الحاد و زندقہ قرار دیا۔ دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں جو شیخ ابن عربی کے تصور کی وضاحت وتردید پر مبنی ہے، شیخ عبدالعزیز جونپوری کو لکھتے ہیں:

> ممکن را عین واجب گفتن تعالیٰ شانہ وصفات وافعال او را عین صفات وافعال او تعالیٰ ساختن سوء ادب است والحاد است ہو اسماء وصفات او تعالیٰ ٤٨۔

> ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال و صفات کو بعین حق تعالیٰ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عز و جل کے اسماء و صفات میں الحاد ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو رد کیا اور اس کے لیے دو طریقے اختیار کیے۔ ایک تو یہ کہ ان کا اپنا صوفیانہ تجربہ و مشاہدہ تھا کہ وحدت الوجود ''سکر'' کا نتیجہ ہے جہاں انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کا وجود صرف خدا کی ذات میں ہے، اور اپنا الگ وجود نہیں ہے۔ پھر وہ آگے بڑھ کر ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کا وجود خدا کے وجود کا ظل (سایہ) ہے اور اسی طرح اس کے وجود سے جدا ہے جس طرح سایہ اصل سے جدا ہوتا ہے۔ یہ ان کی اصطلاح میں ظلیت ہے۔ انہوں نے باطنی شعور کے نشوونما میں مزید ترقی کی حتیٰ کہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کا اپنا وجود خدا سے مختلف ہے اور اس کی ہستی خدا کی مرضی پر منحصر ہے، وہ خدا کے تابع ہے تاہم اس سے جدا ہے۔ یہی حقیقی حالت تھی یعنی عبودیت کی حالت یا یوں کہیے کہ ایک جداگانہ وجود میں خدا کی تبعیت۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ صوفیوں کے باطنی مشاہدے قطعی حیثیت کا انکشاف نہیں کرتے، مختلف مراحل پر انہیں مختلف انکشافات ہوتے ہیں اور یہ انکشافات مسلمان صوفیوں کے لیے ہی مختص نہیں غیر مسلم صوفیہ کو بھی ہو سکتے ہیں[۴۹]۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ کوئی ایسا معیار ہو جو غلطی سے مبرا ہو۔ اور وہ صرف وحی ہو سکتی ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ وحی سے ہدایت یافتہ تھے، اور اللہ تعالیٰ باطل سے ان کی حفاظت کرتا تھا اس لیے جو حضور ﷺ کی ہدایت کے خلاف ہوگا اسے سکر کا نتیجہ قرار دے کر الگ کیا جا سکتا ہے[۵۰]۔ انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وحدت وجودی صوفی کی ہیجانی کیفیت کا حاصل ہے۔ یہ حقیقت نہیں بلکہ محض ایک احساس ہے، ایک کیفیت ہے اس لیے وحدت وجودی نہیں بلکہ شہودی ہے یعنی اس کی حقیقت محض کیفیت و وجدان ہے[۵۱]۔

مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک حالت سکر کی کیفیات اتنی قابل اعتماد نہیں ہیں جتنی ''ہوشیاری'' کی حالت، کیونکہ ہیجان اور شدت اور جذبے کی گہرائی باطنی شعور کو بھی فریب دے سکتی ہے جبکہ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں حقیقت کی صحیح نوعیت کو شعور پر ثبت کرنے کے لیے احساسات پر کافی قابو ہوتا ہے[۵۲]۔ یہ مقام صرف طویل تربیت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ گویا باطنی مشاہدے سے تو انکار نہیں مگر اس کی صحت اس شرط پر موقوف ہے کہ ہوشیاری کی حالت میں مشاہدہ کیا جائے نہ کہ حالت سکر میں۔ حقیقت کا سچا احساس پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے۔

مجدد علیہ الرحمۃ نے یہ انقلابی قدم اٹھایا تھا کہ اس سے صوفی فکر کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا۔ ان کا کہنا کہ یہ صوفی کی خواہش وصال ہوتی ہے جو اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اسے وحدت الوجود کا مشاہدہ ہوتا ہے[۵۳]۔ اسی طرح ان کا یہ استدلال کہ صوفی جو مشاہدہ کرتا ہے وہ حقیقت کا نہیں بلکہ خود اس کے جذبات کا انعکاس ہوتا ہے، ایک ایسی بات تھی جس نے صوفیہ کے مقام و مرتبہ کو محض باطنی غلط فہمی اور شدت جذبات قرار دیا۔ بعض صوفیہ نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی طرف سے جذبات کا صحیح بیان ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ حقیقت بھی وہی ہو۔ تجربہ ایک مقام کا پتا دیتا ہے مگر ان کے انحرافی اقوال کو مسترد کر دینا چاہیے کیونکہ وہ حالت سکر میں کہے گئے ہیں۔ اگر یہ بات صرف منطقی استدلال سے کہی جاتی تو شاید موثر نہ ہوتی مگر مجدد علیہ الرحمۃ نے اس کا دارومدار اپنے باطنی مشاہدے پر رکھا[۵۴]۔ اس لیے مخالفین کے لیے استرداد کی کوئی صورت نہیں بنتی تھی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسی انقلابی اقدام پر سلسلہ نقشبندیہ کی نئی شاخ کی بنیاد رکھی جو مجددیہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے بڑی شدت کے ساتھ وحدت الوجود کے بجائے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا جس سے انحرافی دبستانوں میں خاصی ہلچل مچی اور تصوف شریعت حقہ کا مظہر بن گیا۔ اصل مسئلہ کی وضاحت کرنے اور شیخ اکبر علیہ الرحمۃ وغیرہ کے نظریہ کے مقابلے میں اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پس با عالم اورا بہ ہیچ وجہ مناسبت نہ باشد ''ان الله لغنی عن العلمین''
> اورا سبحانہ، با عالم عین و متحد ساختن بلکہ نسبت دادن بریں فقیر بسیار گران
> است آں ایشانند و من چنینم یارب، **سبحان ربک رب العزة عما**
> **یصفون**[۵۵]۔
>
> پس حق تعالیٰ کو اس دنیا سے کوئی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد و عینیت)
> اللہ پاک تو تمام عالم سے بے نیاز اور وراء الوراء ہے۔ اس کو عالم کے
> عین اور متحد کہنا بلکہ کوئی نسبت اس سے دینا اس فقیر پر سخت گراں ہے مگر
> کیا کیا جائے خداوند! وہ اسی خیال کے ہیں اور میں اسی نقطہ پر ہوں۔
> بے شک اللہ رب العزت پاک ہے اس سے جو وہ لگاتے ہیں۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

> زنہار بترہات صوفیہ مفتون نگردی وغیرحق را جل سلطانہ حق ندانی ۵۶۔
>
> خبردار، صوفیوں کی ان بیہودہ باتوں پر ہرگز فریفتہ نہ ہونا اور غیر اللہ کو اللہ نہ سمجھنا۔

عقلی استدلال

آپ نے وحدت الوجود کو محض مشاہدے کی بناء پر ہی نہیں عقلی استدلال سے بھی رد کیا کیونکہ وحدت الوجود محض تصوف کا نہیں فلسفے کا بھی مسئلہ ہے۔ وجودی فلسفی یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ موجود ہے وہ حقیقت میں موجود نہیں ہے۔ وجود حقیقی صرف خدا کی ذات ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شے میں خدا ہے اور علیحدہ وجود محض وہم ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اسے غلط قرار دیتے ہیں۔ مختلف مکتوبات میں اس کی حیثیت پر بڑی عمیق فلسفیانہ بحثیں موجود ہیں۔ ان بحثوں میں وجود، واجب وممکن، صفات وذات کا تعلق، اور وحدت وجود کی توجیہ پر بہت عمدہ گفتگو ہے ۵۷۔ شیخ عبدالعزیز جونپوری نے چند شکوک ظاہر کیے تو مولانا محمد طاہر بدخشی کے لیے دفتر دوم کے مکتوب ۲۷ میں آپ نے اس مسئلے کو واضح کیا۔ سوالات کے جواب میں آپ نے بہت اچھی وضاحتیں فرمائیں۔ اس مکتوب کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

> فقیر دریں مدت سہ مکتوب بشما نوشتہ است ازاں جملہ یک مکتوب بشما رسیدہ است مسافت بعیدہ عذرے نہ اید ومکتوبے کہ مشیخت مآب شیخ عبدالعزیز نوشتہ بودند بہ مصحوب مکتوب شما نیز رسید
>
> فقیر نے اس دوران میں آپ کو تین خطوط لکھے ہیں ان میں ایک آپ کو پہنچا ہے۔ دور مسافت کی وجہ سے شاید نہ پہنچے ہوں۔ آپ کے خط کے ساتھ مشیخت مآب عبدالعزیز کا خط بھی پہنچا ہے۔

س ۱ : ممکنات کے حقائق عدمات ہوں تو اس طرح ذات میں عدمات کا حاصل ہونا لازمی آتا ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے؟

ج : اللہ تعالیٰ تمام شریف وکثیف اشیاء کو جانتا ہے اور ان میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں تو اس صورت میں حصول کیسے لازم آتا ہے۔

س ۲ : ممکنات کے حقائق وجودی ہونے چاہئیں نہ کہ عدمی، کیونکہ حقائق سے مراد ممکنات کے ارواح ونفوس ہیں؟

ج : اس کا وجود وثبوت علمی ہے۔ جو حقائق کے لیے درکار ہے۔ یہ اعتراض پہلے شیخ ابن عربی پر ہونا چاہیے تھا جن کے نزدیک اعیان نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی (الاعیان ماشمت رائحة الوجود) عجب معاملہ ہے کہ حقائق سے ارواح ونفوس مراد لیے ہیں اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے؟

س٣ : اگر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کے حقائق عدمات ہیں تو اس گروہ بلند کی شرافت وکرامت مسلوب ومعدوم ہو جاتی ہے۔

ج : کیسے مسلوب ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ان عدمات کو اپنے حسن تربیت سے اسماء وصفات کا آئینہ بنا کر نبوت وولایت کے شرف سے سربلند کیا ہے اور اپنے کمالات کے ظلال سے آراستہ کر کے معزز کیا ہے چنانچہ انسان کو ''ماء مهين'' سے پیدا کیا اور بلند مراتب سے نوازا۔ عجب بات ہے کہ آپ آدمی کی شرافت وکرامت کو تو نظر میں لے آئے ہیں اور حق تعالیٰ کی تیزیہ کو ترک کر کے ہمہ اوست کہتے ہیں اور اشیاء رذیلہ وخسیسہ تک کو حق تعالیٰ کا عین کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور انسان کے لیے حقائقِ عدمیہ تجویز کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اللہ آپ کو انصاف دے۔

س٤ : اجماعی سخن ہمہ اوست کو نئی بات ہمہ از وست سے رفع نہیں کیا جا سکتا۔

ج : نئی بات ہمہ اوست ہے، ہمہ از وست پر تمام علماء کا اتفاق واجماع ہے۔ اب تک جو ملامت شیخ پر ہوئی ہے صرف اسی ایک مقولہ ہمہ اوست کے باعث ہے۔ فقیر کے معارف کا حاصل ہمہ از وست ہے جو شرع وعقل کے نزدیک ہے، بھلا کیسے مقبول نہ ہو جب کہ کشف والہام سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ حقائق ممکنات کو کسی نے انسانی ارواح نہیں کہا افسوس صد افسوس، شیخ مشارٌ الیہ نے کیا خیال کیا ہے کہ ہر ایک شخص قیاس وظن سے بات کہتا ہے اور جو کچھ اس کے فکر وتخیل میں آئے اظہار کر دیتا ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ جو معارف کشف والہام کے بغیر کہے اور لکھے جائیں یا شہود ومشاہدہ کے بغیر تحریر وتقریر میں آئیں سراسر بہتان ہیں، افترا ہیں خاص کر جب کہ قوم کے مخالف ہوں۔ آخر میں فرماتے ہیں:

شیخ مشارٌ الیہ تا چہ اعتقاد داشتہ باشد و ایں معارف را از کدام قبیل فھمیدہ بود۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۵۸۔

میر سید محبّ اللہ مانکپوری کو ایمان بالغیب اور ایمان کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے مکتوب میں نفیس نکات بیان فرماتے ہیں۔ اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

> انبیاء کی دعوت محض تنزیہ کی طرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی پر ناطق ہیں۔ انبیاء نے آفاقی وانفسی معبودانِ باطل کی نفی کی ہے اور اس کے ابطال کی دعوت دی ہے۔ وہ واجب الوجود کی طرف، جو بے چون و بے چگون ہے، رہنمائی کرتے ہیں۔ کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمان تشبیہی کی طرف دعوت دی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کیا ہو۔ تمام پیغمبرانِ کرام توحید واجب الوجود پر متفق ہیں۔ اور ارباب **من دون اللہ** کی نفی کی ہے۔
>
> انبیاء کرام نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں دی ہے اور نہ ایک سے زائد وجود کہنے والوں کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت وحدت معبود کی طرف ہے اور انہوں نے ماسوا کی عبادت کو شرک کہا ہے۵۹۔

مختلف مقامات پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے وجود وعدم کی بحثیں کی ہیں جو بے حد دلچسپ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجود کی کئی قسمیں ہیں۔ خدا کا وجود سب سے انوکھا ہے۔ وہ قائم بالذات، لامحدود اور لازمان ہے۔ اس کی مکمل ضد عدم وجود ہے۔ خدا کی صفات اس میں موجود ہیں مگر اس کے وجود کا ایک جزو نہیں کیونکہ وہ خدا کی مرضی سے اس کی کوئی صفت نہ کہ اس کا وجود، عدم وجود کی کسی مطابق صورت پر اپنا پرتو ڈالتی ہے۔ وجود وعدم وجود کی یہ آمیزش ایک ضمنی یا تابع وجود کو پیدا کرتی ہے جو اس وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ پرتو واپس نہیں لے لیا جاتا۔ جس مدت میں کہ وہ قائم رہتا ہے اس کی اپنی ایک جداگانہ انفرادیت ہوتی ہے اور وہ خدا کے وجود کا جزو نہیں ہوتا۶۰۔

مجدد علیہ الرحمۃ نے صوفیانہ تجربے اور علمی استدلال سے وحدت الوجود کے نظریہ کو باطل قرار دیا لیکن تردید دو ابطال کے اس سارے عمل میں احترام اور شائستگی کو کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان کے استدلال میں ایک بنیادی نقطہ یہ ہے کہ وہ وحدت وجود کو عالم سکر کی کیفیت یا شعور کہتے ہیں جو حقیقی منزل نہیں ہے۔ وجودی صوفیہ کے ارشادات کی توجیہ کرتے ہیں اور اسے غلط فہمی قرار دیتے ہیں۔ محمد صادق ولد حاجی محمد مومن کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:

> از صوفیہ علیہ ہر کہ بوحدت وجود قائل است و اشیاء را عین حق می بنیند تعالیٰ و حکم ہمہ اوست میکند مرادش این نیست کہ اشیاء حق جل و علا متحدہ اند و تنزیہ تنزل نمودہ تشبیہ گشتہ است و واجب ممکن شدہ بیچون بچون آمدہ کہ ایں کفر و الحاد است و ضلالت و زندقہ۔ آنجانہ اتحاد است و نہ عینیت نہ تنزل است نہ تشبیہ۔ بلکہ معنی ہمہ اوست آنست کہ ایشاں نیستند و موجود اوست تعالیٰ و تقدس[۶۱]۔
>
> محترم صوفیہ کرام میں جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہنے والے ہیں اس سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ جل و علا کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور معاذ اللہ ودہ مرتبہ تنزیہ سے اتر کر دائرہ تشبیہ میں آ گیا ہے اور جو واجب تھا وہ ممکن بن گیا ہے کہ یہ سب کچھ کفر و الحاد ہے اور گمراہی و زندقہ ہے۔ اس مقام پر نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل ہے نہ تشبیہ۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہے کہ اور سب نیست ہیں اور صرف وہی (تعالیٰ و تقدس) وجود ہے۔

قاضی اسماعیل فرید آبادی کو توحید وجودی کے سلسلے میں شیخ روز بہان بقلی کے بعض بیانات کی تشریح کرتے ہیں۔ اس مکتوب کے آخر میں لکھتے ہیں:

> واضح گشت کہ صوفیہ کہ قائل اند بکلام ہمہ اوست عالم را بحق جل و علا متحدہ نمیدانند و حلول و سریان اثبات نمی کنند و حملے کہ می نمایند باعتبار ظہور ظلیت است نہ باعتبار وجود و تحقیق۔ و ہر چند از ظاہر عبارات شاں اتحاد

وجودی متوہم شود اما حاشا کہ مراد شاں آں بود کہ کفر و الحاد است و چوں حمل یکے بر دیگرے باعتبار ظہور گشت نہ باعتبار وجود، معنی ہمہ اوست ہمہ از واست و ہر چند در غلبہ حال ہمہ اوست گویند اما فی الحقیقت مراد شاں ازاں عبارت ہمہ گوئی از وست باشد ۶۲۔

جو صوفیہ کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریاں ثابت نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلیت کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ وجود و تحقیق کے لحاظ سے۔ اگرچہ ان کے عبارات ظاہر سے اتحاد وجودی کا شبہہ ہوتا ہے مگر حاشا کہ ان کی وہ مراد ہو کہ وہ تو کفر و الحاد ہے اور چونکہ ان کا یہ کہنا ظہور کے لحاظ سے تھا نہ کہ نفس وجود کے لحاظ سے، اس لیے ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہی کے ہیں۔ اگرچہ غلبہ حال میں وہ ہمہ اوست کہہ جاتے ہیں لیکن ان کلمات سے ان کی مراد ہمہ از واست ہی ہوتی ہے۔

مکتوب ۳۱ میں جہاں مجدد علیہ الرحمۃ اپنے وجودی تجربے کا ذکر کرتے ہیں، اور اپنے مرشد باقی باللہ کو وجودیت پر مبنی اشعار لکھ بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے وہ اس مقام سے گزر جاتے ہیں۔ اسی خط میں لکھتے ہیں:

بعضے دیگرے را منشائے ایں احکام غلبہ محبت ست کہ بواسطۂ استیلائے حب محبوب غیر محبوب از نظر محبّ می خیز و جز محبوب ہیچ نمی بینند نہ آن کہ در نفس الامر غیر محبوب ہیچ نیست کہ آں مخالف حس و عقل و شرع است ۶۳۔

بعض دوسروں سے یہ باتیں غلبہ محبت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں۔ کیونکہ محبت کا استیلاء محب کی نظر سے ماسوائے محبوب کو غائب کر دیتا ہے اور اسے محبوب کے سوا کچھ نہیں آتا نہ یہ کہ فی الواقع سوائے محبوب کے اور کچھ ہوتا ہی نہیں کیونکہ یہ تو حس، عقل اور شرع کے خلاف ہے۔

اسی طرح اور تعبیرات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال کی توجیہ کرتے ہیں۔

مجدد علیہ الرحمۃ کے نظریے نے فلسفیانہ دلائل کے متعلق خواہ کچھ بھی کہا جائے مگر ایک بات مسلم ہے کہ ان کی کوششوں سے ایک مرتبہ وحدت الوجود کی فکری بنیادیں ہل گئی تھیں۔ اگر صوفیت سے وحدت الوجود کو نکال دیا جائے تو ویدانیت سے مماثلت ختم ہو جاتی ہے[۶۴]۔ وحدت الوجود کا رد اس عہد کی سب سے بڑی ضرورت تھی اور اسلام اس وقت جس مرض میں مبتلا تھا اس کی تشخیص اسی پر مبنی تھی۔ صوفی خواہ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ واقعہ ہے کہ شیخ احمد سرہندی کا یہ دعویٰ کہ وہ مجدد عہد تھے، اگر تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو وحدت الوجود کے رد پر ہی مبنی ہے۔ فوری طور پر جن اصولوں کا اثر صوفیوں پر زیادہ ہوا وہ یہ تھے کہ حقیقی مشاہدے کا معیار تعلیمات اسلامی کے ساتھ مشاہدے کی مطابقت ہے اور یہ کہ تمام مشاہدے جو ''سکر'' کی کیفیت میں ہوں قابل اعتماد نہیں ہوتے کیونکہ تربیت یافتہ صوفی اس بات کو پہلے بھی مانتے تھے[۶۵]۔ وحدت الوجود کے رد سے دیگر اثرات یہ سامنے آئے کہ ایک تو اس کے ذریعے پروان چڑھنے والی متحدہ قومیت کا بت ٹوٹ گیا اور دوسرا تصوف اور شریعت کی دوئی ختم ہوگئی۔ وہ فرماتے ہیں:

> آج کل بعض لوگوں نے تقلید سے اور بعض نے مجرد علم سے اور بعض نے اجمالی طور پر اور ذوق کی دستیابی سے اور بعض نے الحاد و زندقہ سے اس توحید وجودی کا دامن ہاتھ میں لے رکھا ہے اور شرعی تکلیفات سے یوں کنارہ کیے ہوئے ہیں کہ سب کچھ اللہ سے ہی ہے۔ اگر شرعی تکلیفات بجالانے کا اقرار بھی کریں تو اس سے اصلی مقصود شریعت کو کچھ اور خیال کر کے اپنے آپ کو طفیلی جانتے ہیں۔ حاشا وکلا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ طریقت وشریعت ایک دوسرے کی عین ہیں اور بال بھر ان کے درمیان فرق نہیں ہے۔ ایک اجمال ہے اور دوسری تفصیل، ایک استدلال ہے اور دوسری کشف، اور جو کچھ شرع کے مخالف ہے وہ مردود ہے۔ شریعت کو اپنی جگہ قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے۔

مجدد علیہ الرحمۃ کی انقلابی فکر نے ملت اسلامیہ کو سنبھالا اور فکر وعمل کے زوال نے جس طرح مسلمانوں کو آلیا تھا اس میں مجدد علیہ الرحمۃ نجات دہندہ کی صورت میں ابھرے۔ اغیار کی سازشیں مسلمانوں کی فرقہ بندی اور دین بیزاری، علماء کی ظاہرداری ودنیا طلبی اور امراء کی بدعملی اور عیش پرستی سب کچھ ملت اسلامیہ

کی تباہی کے لیے تھا اور ایک فقیر کے عزم صادق نے ملتِ اسلامیہ کو احیاء اسلام کو نیا ولولہ دیا اور کفر و الحاد کے سب بت توڑ دیے۔ دعوت الی اللہ کے لیے انہوں نے عملی اصلاح اور فکری تطہیر کا جو پروگرام مرتب کیا تھا اس کے مطابق عمل پیرا رہے۔ ان کی دعوت میں کتاب و سنت کی طرف رجوع، بدعات سے اجتناب، شریعت کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے جلی عنوانات ہیں۔ مکتوبات کے مطالعہ سے یہ تمام پہلو واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ ان میں ہر عنوان مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔ مجدد علیہ الرحمۃ کی دعوت خالصتاً دعوت الی اللہ کی دعوت ہے۔ اللہ کی محبت کا غلبہ ان کے ہر ارشاد اور ہر اقدام سے ظاہر ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

حواشی

۱......مکتوبات ج ۱ /مکتوب ۱۹۳

۱......دفتر اول مکتوبات/۳۱

۲......برعظیم کی ملت اسلامیہ/۱۹۲ رود کوثر

۳......حیاتِ مجدد ص ۶۰

۴......نظامی حیات شیخ عبدالحق/۳۱۲، ۲۲۴

۵......مکتوبات ۳/مکتوب بنام معتمد خان۔ تزک جہانگیری ۱۳۱/۲۳۲

۶......ایضاً ص ۱۴ یہ مباحثے ناروا پابندی پر منتج نہیں

۷......مکتوبات/ ا مکتوب ۴۷

۸......رود کوثر / ۲۸۵

۹......Mujaddid's Concept of Tawhid

۱۰......تزک جہانگیری /۱۵۱

۱۱......علماء ہند کا شاندار ماضی

۱۲......منتخب التواریخ/۳/۲۷

۱۳......تذکرۂ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ/ ۱۳۸

۱۴...... ایضاً

۱۵...... مکتوبات/ ۲ مکتوب/ ۲۹

۱۶...... ایضاً، /۲ مکتوب ۸۱

۱۷...... ایضاً مکتوب/ ۱۹۵ بنام صدر جہاں

۱۸...... Mujaddid's Concept of Tawhid

۱۹...... رود کوثر/ ۶۴

۲۰...... ایضاً/ ۶۵

۲۱...... ایضاً/ ۱۸

۲۲...... Mujaddid's Concept of Tawhid

۲۳...... نظریہ توحید/ ۳۵، ۳۶

۲۴...... مکتوبات ۲/ مکتوب بنام سید شاہ محمد

۲۵...... ایضاً مکتوب/ ۲۳ بنام برخوردار خواجہ محمد عیسیٰ

۲۶...... ایضاً مکتوب ۸۷ بنام شیخ فتح خان افغان

۲۷...... مکتوبات/ مکتوب ۳۳

۲۸...... ایضاً، مکتوب ۴۷

۲۹...... ایضاً

۳۰...... ایضاً، مکتوب ۱۶۳

۳۱...... Literary histrory of the Arabs/266

۳۲...... یزید کی فوج نے مدینہ پر ۶۳ھ میں حملہ کیا اور تین دن تک مدینہ کو لوٹا۔ الکامل، ۴/ ۹۹۔۱۰۰، طبری، ۴/ ۳۸۳

۳۳...... یزید ہی کی فوج نے ۶۴ھ میں مکہ پر حملہ کیا۔ طبری، ۴/ ۳۸۳

۳۴...... پاک و ہند کی ملت اسلامیہ/ ۱۶۴

۳۵...... ابن عربی کہتے ہیں ہر شخص جو کچھ یقین کرتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے اس کا خدا اس کی اپنی تخلیق ہے۔ اس لیے وہ دوسروں کے عقائد کی مذمت کرتا ہے۔ آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حق پر قائم ہے تو ہر مشکل اور ہر عقیدے میں خدا کو دیکھے گا۔ (نکلسن) مشارق الانوار/ ۶

۳۶......الرسالہ/۳

۳۷......بلاخ مین (Blachman) /۵۴ بحوالہ پاک و ہند کی ملت اسلامیہ/ ۱۹۸

۳۸......Dara Shakuh: Life and Works/263

۳۹......مجمع البحرین/ ۱۱۶

۴۰......مکتوبات، ا/مکتوب ۳۱

۴۱......ایضاً / امکتوب ۳۱/ ۴۱ وبعدہ، مکتوب ۲۹۱/ ۴۴۱

۴۲......ایضاً

۴۳......ایضاً /۱۴ وبعدہ، ان کے احساس مقصدیت کا پرزور اظہار خواجہ محمد صادق کے نام ایک مکتوب میں ہوا ہے۔

۴۴......شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے آپ پر تنقید کی (نظامی، تاریخ مشائخ چشت/ ۲۷۳) جہانگیر نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے دعوے کا ذکر بڑی مذمت کے ساتھ کیا ہے۔/ ۲۷۳

۴۵......شاہ ولی اللہ جیسے عظیم مفکر انہیں مجدد الف ثانی کہتے ہیں اگرچہ وحدت الوجود کے سے مسئلہ پر انہیں اختلاف ہے۔ جن لوگوں نے انہیں مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ لکھا ہے ان میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی ہیں۔ فاروقی/ ۳۸

۴۶......مشہور مثال حلاج کی ہے جس نے انا الحق کا اعلان کیا۔ اسی طرح داراشکوہ کے متعدد اشعار بھی منقول ہیں مثلاً

قادری نیست جز قادر،
وحدہ لاشریک الاھو

۴۷......تذکرہ امام ربانی/ ۱۶۶

۴۸......مکتوبات، ۲/مکتوب ۱

۴۹......مکتوبات ا/ ۳۳۴ مکتوب ۲۶۶

۵۰......ایضاً ا/ ۳۷۵ مکتوب ۲۸۶

۵۱......مجدد علیہ الرحمۃ نے اسے ''وحدت الشہود'' کہا ہے جیسا کہ مکتوبات ا/ ۵۷ مکتوب ۴۳ میں کہا گیا، نیز ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے نظریہ توحید میں اسے اس طرح بیان کیا ہے۔

۵۲......ایضاً ۱/ ۱۰۸ مکتوب ۸۴

۵۳......ایضاً ۱/ ۴۲ مکتوب ۳۱

۵۴......مکتوبات، ۲/ ۱۰-۱۱، مکتوب ۱

۵۵......ایضاً ۱/ ۳۴۷، مکتوب ۲۷۲

۵۶......ایضاً ۱/ ۴۱۱، مکتوب ۱۹۲

۵۷......ایضاً ۲ مکتوب ۲، مکتوب ۵، مکتوب ۱، مکتوب ۴۲

۵۸......ایضاً ۲، مکتوب ۲۷

۵۹......ایضاً، ۱/ مکتوب ۲۷۲

۶۰......مکتوبات ۲۷/ ۱۱۶، مکتوب ۴۴

۶۱......ایضاً، ۳/ ۳۹، مکتوب ۸۹

۶۲......ایضاً، ۱/ مکتوب ۳۱، ۸۵

۶۳......ایضاً ۲، مکتوب ۱/ ۲

۶۴......برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ/ ۲۰۲

۶۵......مجدد علیہ الرحمۃ نقشبندی سلسلے میں اپنے پیشرووں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اپنے تمام باطنی مشاہدوں کے لیے شرع کو معیار قرار دیتے تھے۔ (۱/ مکتوب ۱۳۱)

(ماخوذ: دعوۃ، اسلام آباد، فروری ۲۰۰۳ء، اپریل ۲۰۰۳ء)

☆......☆......☆

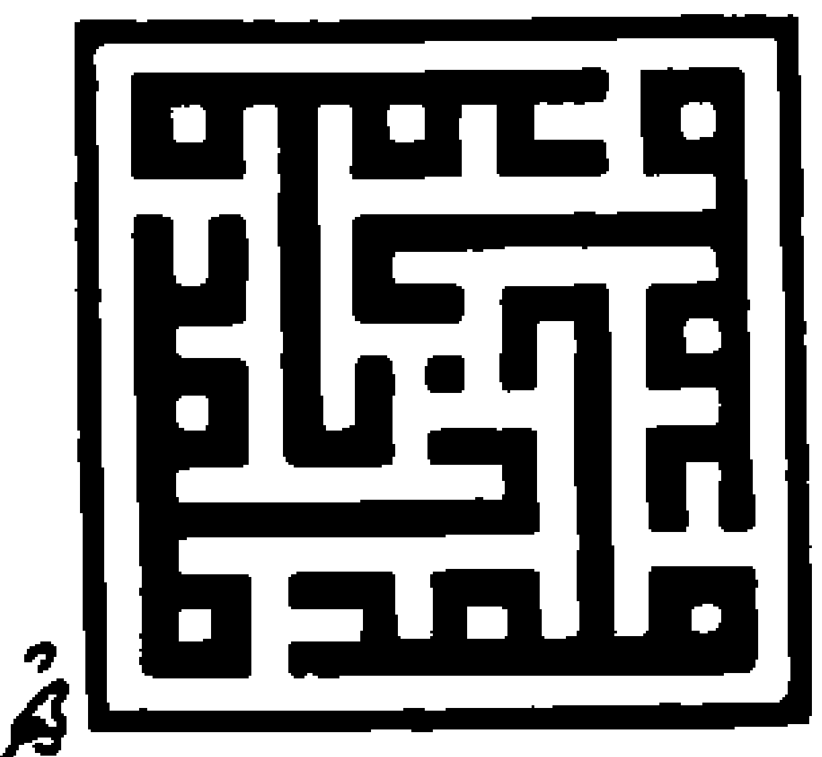

محمد، چار دفعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سنّت حضرت مجدد کی نظر میں

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس میں اتباع سنت کا حد درجہ لزوم اور احترام کیا جاتا ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے مکتوبات شریف میں سنت رسول ﷺ کی عظمت، افادیت اور اہمیت پر جو عبارات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے کچھ عبارات قارئین کرام کی نظر کی جا رہی ہیں۔

''نجات کا راستہ اہل سنت و جماعت کی اطاعت میں ہے''۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۶۹، دفتر اول حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ نجات کا راستہ اہلسنت و جماعت کی متابعت میں ہے۔ اقوال میں، افعال میں اور احوال و فروع میں بھی۔ تمام فرقے زوال و ہلاکت کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ آج کسی کے علم میں یہ بات آئے یا نہ آئے لیکن کل قیامت کو ہر ایک جان لے گا، مگر اس وقت جاننا بے سود ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ایک اور جگہ (مکتوب نمبر ۸۰، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی پہچان کے لیے فرمایا ہے:

''اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' (ترمذی و مشکوٰۃ شریف)

یعنی تمام فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جو نجات پائے گا وہ ہے جو
اس طریقے پر قائم ہے، جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔

اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اتباع کا پابند صرف اہل سنت و جماعت ''شکر اللہ تعالیٰ سعیهم '' کا گروہ ہے۔ لہٰذا نجات پانے والا فرقہ بھی یہی ہے۔ پھر ایک جگہ (مکتوب ٦٦، ص ۲۱۳) میں فرماتے ہیں '' حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ سرہم کا طریقہ نیابت کو ابتداء میں اندراج کرنے پر مبنی ہے اور یہ طریقہ بعینہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر آ گیا کہ اولیاء امت کو بڑھاپے میں جا کر اس کمال کا تھوڑا سا حصہ ہاتھ آتا ہے۔

آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ لذیذ کھانوں اور نفیس ملبوسات میں حظ نفس ملحوظ خاطر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ کھانے پینے کی اشیاء میں ادائے طاعات کی نیت کے سوا کچھ نیت نہیں ہونی چاہیے۔ اور نفیس لباس بمطابق حکم ربی ہونا چاہیے۔

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اَیْ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ) (اعراف:۳۱)

اختیار کرو اپنی زینت ہر مسجد میں یعنی ہر نماز کے وقت۔

حکمِ ربی کے تحت زینت اختیار کرنے کے لیے زینت والا لباس پہننا روا ہے اور کوئی دوسری نیت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر حقیقت میسر نہ آئے تو تکلف سے مسجد کی نماز کے لیے یہ نیت دل میں لانی چاہیے اور اللہ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کرتے رہنا چاہیے تاکہ حقیقتِ نیت نصیب ہو۔

(مکتوب نمبر ۱٦۳، دفتر اول، حصہ سوم) میں فرماتے ہیں کہ '' دنیا و آخرت کی سعادت صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت احکام اسلامیہ کی بجا آواری اور رسوم کفر کے دور کرنے میں ہے کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ثابت کرنا دوسرے کے اٹھانے کا موجب ہے اور ان دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے، ایک کو عزت دینا دوسرے کو ذلیل و خوار کرنے کا باعث ہے۔ حدیث میں ہے اَلدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیْتُ اِحْدَاھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی. یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک کو راضی کرو گے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔ (طبرانی۔ حاکم)

می تواند کہ اشکِ مرا حسنِ قبول
آنکہ دُرّ ساختہ است قطرۂ بارانی را

(مکتوبات ٧٠، حصہ دوم، دفتر اول)

ممکن ہے وہ ذات میرے آنسوؤں کو حسن قبول سے نواز دے، جس
نے بارش کے قطرے کو موتی کی صورت عطا کر دی

دین و دنیا دونوں کو جمع کرنا دو ضدوں کا جمع کرنا ہے۔

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنُ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا (احمد، حاکم، طبرانی اور ابن ماجہ)

کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین و دنیا اکٹھی ہو سکتیں۔

طالبِ آخرت کے لیے دنیا چھوڑنا ضروری ہے۔ اگر حقیقتاً ترکِ دنیا میسر نہ ہو تو کم از کم ترک حکمی و صوری تو ضرور ہونا چاہیے، ورنہ ایسا شخص منافق کے حکم میں ہے جو صرف صورت ایمان رکھتا ہے اور منافق کا ایمان آخرت میں کچھ نفع نہ دے گا۔ ایسے آدمی کے ایمان کا ثمرہ صرف اس قدر ہے کہ دنیا میں اس کے مال اور جان کا تحفظ ہو جاتا ہے۔ (ترکِ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی امور میں بندہ شرع کے تقاضوں اور احکام کی پابندی کرے)۔ (مکتوب نمبر ۷۲، دفتر اول، حصہ دوم)

حضور ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور اس کی مخالفت کے تمام راستے بند ہونا ضروری ہیں

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب تک ایک بال برابر بھی شریعت سے مخالفت کی راہ کھلی ہے بدستور خطرے کا محل موجود ہے۔ مخالفت کے تمام راستے بند ہونے ضروری ہیں اور وہ درویش جن کا قدم شریعت میں پختہ ہو اور جو عالم حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں ان کی دعا و ہمت اور توجہ کا طالب رہے اور ان کی مدد طلب کرنی چاہیے تا کہ اللہ ان کی مدد سے اپنی طرف کھینچ لے۔ (مکتوب ۷۸، دفتر اول، حصہ دوم)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کتاب تمام کتابوں کی جامع یعنی خلاصہ ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی شریعت بھی تمام شریعتوں کی جامع ہے۔ عباداتِ شرعیہ کا مقصود دولت یقین حاصل کرنا ہے جو حقیقتِ ایمان ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہ یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ غالباً قرآن کا اشارہ اسی طرف ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر:۹۹)

رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ یقین کے مقام تک پہنچ جاؤ۔

اور وہ جو فرمایا:

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا (النساء:۳۱)

یعنی اے صورت ایمان والو! حقیقت ایمان لاؤ (عبادات ماموره ادا کرنے کے بعد)۔

ولایتِ کُبریٰ کا درجہ سنت کی کامل پیروی میں ملتا ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ولایت کے کئی درجے ہیں اور ہر نبی کے قدم پر ایک مخصوص ولایت ہے۔ (جیسا کہ ولایتِ موسوی، عیسوی، محمدی وغیرہ) لیکن اعلیٰ ترین ولایت وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے قدم پر ہے اور یہ نادر الوجود مقام حضور اکرم ﷺ کی اتباع سے یا کامل پیروی سے ملتا ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف قریب کرنے والے اعمال یا تو فرائض ہیں یا نوافل ہیں۔ نوافل کی فرائض کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ کسی وقت میں فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرنا ہزار سال نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے۔ سنت اور مستحب کے متعلق بھی یہی حکم ہے، مثلاً ایک دو پیسے (فرض) زکوٰۃ ادا کرنا بطور نفل پہاڑوں جتنا سونا صدقہ کرنے سے کئی گنا بہتر ہے۔ چنانچہ تہجد کی نیت سے عشاء کی نماز رات کے نصف اخیر میں پڑھنا بہت برا ہے اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک مکروہ ہے اور اس کی عادت بنانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کبھی کبھی ہو تو مباح ہے۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے وضو کے مستحبات میں سے ایک مستحب چھوٹ جانے سے ۴۰ سال کی نمازیں قضا کیں۔ (مکتوب ۲۳، حصہ دوم، دفتر اول، ص ۳۳۹) میں حدیث لکھی ہے کہ:

عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالِهٖ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ (ترمذی، ابن ماجہ)

یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے سے اعراض کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول و مصروف ہو جائے۔

عبادت جو متابعت کے نور سے روشن نہیں وہ جو کے برابر بھی نہیں

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ادائے نفل خواہ حج بیت اللہ بطور نفل ہی کیوں نہ ہو اگر فرائض میں سے کسی فرض کے فوت ہونے کا باعث ہو تو وہ نفلی حج لایعنی عمل میں داخل ہے۔ نفلی حج کے لیے ممنوعات کا مرتکب ہونا درست نہیں۔ خانِ خاناں کے نام ایک خط میں (مکتوب نمبر ۱۹۱، حصہ سوم، دفتر اول)

آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر ہزار سال عبادت کی جائے اور ریاضت شاقہ اور مجاہدات شدیدہ کو بروئے کار لایا جائے اور اگر یہ عبادت متابعت نبی ﷺ کے نور سے روشن نہیں تو بارگاہ ایزدی میں ان کی ایک جو برابر بھی قیمت نہیں۔ سنت کے مطابق سونا ایسے تمام مجاہدات سے بہتر ہے جو شریعت کی متابعت میں نہ ادا کیے گئے ہوں۔

یہ اللہ کا کرم ہے کہ شرعی امور میں آسانیاں رکھی گئی ہیں

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کا کرم ہے کہ دینی امور اور شرعی تکالیف میں آسانی رکھی گئی ہے۔ مثلاً دن رات میں صرف ۱۷ رکعت نماز ادا کرنے کی تکلیف دی گئی ہے اور باقی ۲۳ گھنٹے میں ایسی تکلیف نہیں۔

نماز میں مختصر قرأت کی اجازت دی۔ اگر نماز میں قیام مشکل ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے، ورنہ لیٹ کر پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔ رکوع سجود اشارے سے کر لے، وضو کا بدل تیمم کو کر دیا، زکوٰۃ میں صرف ۴۰ واں حصہ رکھا، عمر میں حج صرف ایک بار فرض کیا وہ بھی مشروط۔ دائرہ مباح بہت کشادہ کیا۔ طلاق کو نکاح کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا۔ شراب کو حرام کیا مگر بہت سے مشروبات مباح کیے۔ سونا اور ریشمی لباس مردوں پر حرام کیا۔ ۴ عورتیں نکاح میں لانا اور لونڈیاں جس قدر ہوں ان کی اجازت دی۔ کھانے پینے کی چیزوں میں زیادہ تر مباح رکھیں، ریشم حرام کیا مگر دیدہ زیب قیمتی چیزیں حلال کیں، مگر یہ دونوں چیزیں عورتوں پر حلال کیں جس کا نفع مرد کے لیے ہے۔ اگر کوئی ان آسانیوں کے باوجود اسلام پر چلنا مشکل جانے تو وہ مرض قلبی میں مبتلا ہے۔ اس مکتوب شریف کی مزید تفصیل آگے دی جا رہی ہے۔

مکتوباتِ ربانی کی عبارات کے چند اقتباسات

۱...... مردہ سنت کو زندہ کرنا:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۷۷، دفتر دوم، حصہ ہفتم) میں فرماتے ہیں کہ جو آدمی بھی سنتوں میں سے کسی مردہ سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہے زندہ کرتا ہے اس کو سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

۲...... محفوظ راستہ اہلسنت و جماعت کا ہے

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۵۹، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس سے عمل مقصود ہے۔ اس علم کے بیان کی تفصیل فقہ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے

جس سے مقصود صرف اعتقاد اور یقین قلبی ہے۔ اس علم کی تفصیل بمطابق آرائے صائبہ اہل سنت و جماعت علم کلام ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اسی ضمن میں مزید فرماتے ہیں اہل سنت ہی ناجی فرقہ ہے، ان بزرگوں کی اتباع کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر بال برابر بھی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور پھر فرمایا کہ مضبوط اور محفوظ تر راستہ وہی ہے جس کو اہل سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے۔

۳......رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۵۲، حصہ سوم، دفتر اول میں) لکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء : ۸۰)

جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت قرار دیا، تو اللہ عزوجل کی وہ اطاعت جو اطاعت رسول ﷺ کی شکل میں نہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں۔ اس مضمون کی تاکید و تحقیق کے لیے فَقَدْ تاکیداً لایا گیا تاکہ کوئی نادان و احمق ان دو اطاعتوں کے درمیان فرق نہ کرے اور ایک کو دوسری جگہ اختیار نہ کرے۔ پھر ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ اس جماعت کی شکایت کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں فرق کرتی ہے۔ لہٰذا فرمایا:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ
وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (النساء:۱۵۰)

یعنی کفار چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض سے کفر کریں گے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راستہ اختیار کریں یہی لوگ پکے کافر ہیں۔

ہاں البتہ بعض مشائخ کبار نے بوقت سکر اور غلبہ حال کے باعث ایسی باتیں کہیں ہیں جس سے ان دو اطاعتوں میں فرق کا اظہار ہوتا ہے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے کی محبت کی پسندیدگی مترشح ہوتی ہے۔

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے ایام میں ''خرقان'' کے قریب فروکش تھا، اس نے وہاں سے اپنے وکلا کو شیخ ''ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ'' کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ حضرت شیخ بادشاہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائیں اور ساتھ ہی اپنے وکلاء سے کہہ دیا کہ اگر شیخ کی طرف سے آنے میں توقف محسوس کریں تو درج ذیل آیہ کریمہ پڑھیں:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء:۵۹)

اللہ کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے رسول ﷺ کی اور اپنے حکمرانوں کی بھی۔

لہٰذا جب وکلاء نے شیخ کی طرف سے جانے میں توقف محسوس کیا تو مذکورہ آیت کریمہ کی تلاوت کی، اس پر شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اَطِیْعُوا اللّٰہَ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﷺ کی اطاعت سے بھی شرمندہ ہوں۔ پھر اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اسی طرح سنت کی اہمیت کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک اور واقعہ مذکورہ مکتوب میں بیان فرماتے ہین کہ ''شیخ ہند ابوسعید'' ابوالخیر ایک مجلس میں تشریف فرماتھے اور سادات خراسان میں سے ایک بہت بڑے سید بزرگ بھی آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اتفاقاً اسی دوران ایک مغلوب الحال مجذوب نمودار ہوا۔ شیخ صاحب نے اس مجذوب کو سید بزرگ پر ترجیح دی۔ اس پر سید صاحب نے برامنایا۔ شیخ نے سید صاحب سے فرمایا آپ کی تعظیم تو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی تعظیم رب تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تفرقہ آمیز جملے سکر وقت اور غلبہ حال کی بناء پر ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۴.....تمام کمالات کا حصول اطاعت نبی ﷺ میں ہے

(مکتوب نمبر ۲۵، دفتر اول، حصہ اول میں ہے کہ) ولایت کی ہر چیز بلکہ روح، سر، خفی، اخفی کے تمام کمالات کا حصول حضور سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت اور پیروی کے ساتھ وابستہ ہے، لہٰذا مسلمانوں پر حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی اور اتباع لازم ہے۔ بالکل اسی طرح (مکتوب نمبر ۲۱، دفتر اول، حصہ اول) میں مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اتباع کرنے والوں

میں سے کاملین کو نصیب کامل اور حصہ وافر عطا ہوتا ہے، لہٰذا اگر مسلمان اس بلند درجہ دولت اور اس درجہ علیا کے حصول کی توجہ رکھتے ہوں تو پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع اور پیروی کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے۔''

۵......اتباعِ رسول ﷺ میں معارف اور احوال بارش کی طرح برستے ہیں

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۳۷، دفتر اول، حصہ اول) میں عظیم سلسلہ طریقت یعنی سلسلہ نقشبندیہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> سلسلۂ نقشبندیہ کا طریقہ کبریت احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع سنت کی بناء پر ہے۔

اس کے ساتھ ہی مجدد صاحب اپنی ذات کے حوالے سے بلکہ اپنی زندگی کی آخری خواہش کو بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہوتے ہیں کہ:

> مجھ کو اس وقت تک جو کچھ ہاتھ آیا ہے اس کے متعلق یہ ہے کہ اس ناچیز پر علوم و معارف اور احوال و مقامات موسلا دھار بارش کی طرح برستے رہے اور جو کام کرنا تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کر لیا گیا۔ اب کوئی آرزو باقی نہیں ہے سوائے ایک آرزو کے کہ مصطفیٰ ﷺ کی سنتوں میں سے کسی ایک سنت کا احیاء کر دوں۔ کیونکہ

کار ایں است ، غیر ایں ہمہ ہیچ
(اصل کام یہی ہے اس کے علاوہ سب ہیچ ہیں)

۶......حضور ﷺ کی اتباع تمام نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات میں قرآن مجید سے ارشادات ربانی کے ذریعے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتریں اسوہ اور سنت قرار دے کر امت مسلمہ کو اتباعِ سنت کی اہمیت سے آشنا کرتے ہیں۔ انہوں نے (مکتوب نمبر ۴۱، دفتر اول، حصہ دوم) میں لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جو چیز پسندیدہ اور مرغوب ہے وہ مطلوب اور محبوب کی نسبت سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:۴)

اے محمد ﷺ آپ خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔

اس کے علاوہ فرمایا:

اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (یٰس :۱تا۳)

اے نبی ﷺ آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر قائم ہیں۔

اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ:

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ وَ لَاتَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام:۱۵۴)

بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو آپ اسی کی پیروی کریں۔ اس کے علاوہ دوسرے راستے کو اختیار نہ کریں۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو خلق عظیم قرار دیا اور ان کے راستے کو ہی سیدھا راستہ قرار دیا اور پھر اس راستے کو اپنا راستہ کہہ کر اس کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا اور اس کے علاوہ دیگر تمام راستوں کو سُبل کہا اور ان کی اتباع اور پیروی سے منع فرمایا۔ خود حضور ﷺ نے بھی اظہار تشکر اور امت کو بتانے کے لیے فرمایا:

خَیۡرُ الۡھَدۡیِ ھَدۡیُ مُحَمَّدٍ (مسلم ومشکوٰۃ)

بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے۔

۷......کسی شیخ کی فضیلت متابعتِ شریعت سے وابستہ ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۱۱۴، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دینی لذتوں اور اخروی نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے۔ کسی شخص کی فضیلت روشن سنت کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے اور بزرگی آپ ﷺ کی شریعت کی بجا آوری کے ساتھ مربوط ہے۔ مثال کے طور پر دوپہر کا قیلولہ جو متابعتِ سنت کی نیت سے ہو کروڑہا نوافل سے اولیٰ اور افضل ہے جو بے نیت متابعت ہوں۔ اسی طرح عید الفطر کے روز روزہ نہ رکھنا جس کا شریعت مصطفوی ﷺ نے رکھنے کا حکم نہیں دیا ہے، رکھے جانے والے روزوں سے جو شرع سے ماخوذ نہیں ہیں، حد درجہ بہتر ہے اور شارع علیہ السلام کے حکم سے ایک پیسہ خرچ کرنا اپنی طرف سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ افضل

ہے۔ پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی متابعت ہے اور تمام فسادات کا مادہ شریعت کی مخالفت ہے، لہٰذا اتباع و اطاعت سنت، کامیابی و فلاح کے لیے ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۸......سنت تو کجا ایک مستحب بجالانا بہت بڑی بات ہے

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے (مکتوب نمبر ۲۹، دفتر اول، حصہ اول) میں لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے مستحبات میں سے ایک مستحب چھوٹ جانے سے چالیس سال کی نمازیں قضا کیں۔

۹......جواہر خمسہ کا ادراک سنت پر ہے۔ طریقت اور حقیقت سب شریعت کے خادم ہیں

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ’’عالم امر کی ابتداء مرتبہ قلب سے ہے۔ قلب سے اوپر روح ہے، روح سے اوپر سر اور سر سے اوپر خفی ہے اور خفی سے اوپر اخفی۔ عالم امر کے ان پانچ امور کو اگر جواہر خمسہ کہیں تو اس کی گنجائش ہے۔ آگے فرماتے ہیں ’’عالم امر کے ان جواہر خمسہ کا ادراک اور ان کے حقائق پر اطلاع حضور نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ (مکتوب نمبر ۳۴، دفتر اول، حصہ اول)

شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تین اجزاء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی رضا جو تمام دنیوی و اخروی سعادتوں سے فائق و اعلیٰ ہے، بھی متحقق ہوگئی۔ پھر آگے لکھتے ہیں ’’اس لیے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے اور کوئی ایسا مطلب و مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی محتاجی ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیہ کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کے خادم ہیں۔‘‘ پھر اسی خط میں لکھتے ہیں ’’کہ طریقت و حقیقت کے منازل طے کرنے سے اخلاص کا حاصل کرنا مقصود ہے جو رضا کو مستلزم ہے۔‘‘
(مکتوب نمبر ۳۶، دفتر اول، حصہ اول)

۱۰......محبوب کی اتباع سے محبوبیت کا درجہ ملتا ہے

حضرت فرماتے ہیں، چونکہ سرور دو عالم ﷺ محبوب رب العالمین ہیں تو آپ ﷺ کی متابعت کرنے والے بھی آپ ﷺ کی متابعت کے واسطہ سے مرتبہ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ محب جس میں بھی اپنے محبوب کے شمائل اور عادات و اخلاق پاتا ہے انہیں بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اس سے مخالفین

کی برائی یعنی بدقسمتی کا قیاس بھی کر لینا چاہیے۔

> محمد عربی کابروئے ہر دوسرا ست
> کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سر او
>
> (محمد عربی ﷺ دونوں جہانوں کی آبرو ہیں، جو شخص آپ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے۔)

(مکتوب نمبر ۴۴، دفتر اول، حصہ دوم)

۱۱......ایک شرعی حکم پر عمل کرنا اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنے سے بہتر ہے

حضرت مجدد الف ثانی (مکتوب نمبر ۴۸، دفتر اول، حصہ دوم میں) فرماتے ہیں:

> کل قیامت کو شریعت کے بارے میں سوال کریں گے، تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے ہوگا۔ انبیاء کرام صلواۃ اللہ تعالیٰ وتسلیمات علیہم جو افضل ترین اور بہترین کائنات ہیں، انہوں نے شریعت کی ہی لوگوں کو دعوت دی ہے اور نجات بھی اس شریعت پر ہی موقوف ہے اور ان اکابر انبیاء کرام علیہم الصلواۃ والتسلیمات کی بعثت اور تشریف آوری سے مقصود بھی تبلیغ شرائع ہے، لہٰذا اعلیٰ ترین نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سعی اور کوشش کی جائے اور احکام شرع میں ایک حکم کو جاری اور زندہ کرنا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جار رہے ہوں خدائے تعالیٰ عزوجل کی راہ میں کرورہا روپیہ خیرات کر دینا بھی اس کے برابر نہیں۔ اسی طرح مسائل شرعیہ میں سے ایک مسئلے کو رواج دینا بہت افضل ہے کیونکہ اس فعل میں انبیاء کرام علیہم الصلواۃ والتسلیمات کی اقتداء ہے، جو تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نیکیاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والتسلیمات کو نصیب ہوتی ہیں اور کروڑوں روپے خرچ کرنا تو غیر انبیاء کو بھی میسر آ جاتا ہے۔

۱۲......ایک حکم شرعی پر عمل کرنا ہزاروں چلوں سے بہتر ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۵۲، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں:

> جس قدر شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل ہوگا، اسی قدر نفسانی خواہشات زوال پذیر ہوں گی۔ لہٰذا احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کو بجالانا خواہش نفسانی کو زائل کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنے طور پر کیے جائیں۔

اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:

> فجر کی دو رکعت فرض نماز باجماعت ادا کرنا جو سنت ہے اس سے کئی مراتب بہتر ہے کہ انسان ساری رات نفل پڑھنے میں گزارے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا نہ کرے۔ (مکتوب نمبر ۵۶، دفتر اول، حصہ دوم)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ شریعت وطریقت کو ایک چیز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ (جو حقیقت کے ساتھ عبارت ہے) آراستہ اور مزین رکھیں، کیونکہ حقیقت وطریقت، حقیقت شریعت اور اس حقیقت کے راستے سے عبارت ہیں۔ یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت وحقیقت امر دیگر ہے، کیونکہ یہ تو الحاد وزندقہ ہے۔ (مکتوب نمبر ۵۷، دفتر اول، حصہ دوم)

۱۳......غیر شرعی ریاضتیں سب مردود ہیں

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۷۱، دفتر اول، حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ:

> شریعت مطہرہ کی پیروی لازم وضروری ہے۔ ہندو و برہمنوں اور فلسفہ یونان نے کیا کم ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں؟ لیکن چونکہ ان کی

ریاضتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں کے مطابق واقع نہیں ہوئی، اس لیے سب مردود ہیں اور یہ لوگ نجات اخروی سے محروم ہیں۔ تو تم پر ہمارے سردار و مولیٰ اور ہمارے گناہ بخشوانے والے اور ہمارے دلوں کے طبیب حضرت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی متابعت اور پیروی لازم وضروری ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ہر کام میں سنت کا اہتمام

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ہر دینی و دنیوی امور میں شریعت حقہ کی رعایت کرنے کا سختی سے اہتمام فرماتے۔ اس سلسلے میں آپ کی چند تحریرات کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ تحریرات مکتوباتِ ربانی سے ماخوذ ہیں۔

مریض کی عیادت

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مریض کی عیادت سنت ہے اور اگر اس مریض کا کوئی خبر گیر یا بیمار پرسی کرنے والا کوئی نہیں تو یہ واجب ہے۔

نماز جنازہ

نماز جنازہ میں حاضر ہونے کے بعد چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا بھی چاہیے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔

نماز جمعہ و جماعت و نماز پنجگانہ اور نماز عیدین

میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے اور ان کے بغیر چارہ نہیں۔ نوافل جماعت سے ادا کرنا اور فرض نماز کی جماعت ترک کرنا ابلیس لعین کے پھیلائے ہوئے کاموں کی طرح ہے اور اگر بغیر تداعی (بغیر بلانے کے) ایک دو آدمی مسجد کے کونے میں باجماعت نفل ادا کرلیں تو بغیر کراہت جائز ہیں۔ چار یا زائد افراد کے ساتھ مکروہ ہے۔ سوائے سورج گرہن کی نماز کے۔

مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک عبادت کے طور پر اور ایک عرف اور عادت (رسمی یا نفلی) کے طور پر ہے۔ اول الذکر کا خلاف کرنا بدعت سمجھتا ہوں اور یہی دین میں نئی بات ہے اور مردود ہے اور موخر الذکر کو بدعت نہیں سمجھتا۔

مجدد علیہ الرحمۃ ہی فرماتے ہیں کہ:

انسان کے لیے جس طرح درستی عقائد ضروری ہے، اسی طرح اعمال صالح کا بجالانا بھی ضروری ہے اور عبادات میں جامع تر اور قیامت کے دن سب سے زیادہ خدا کے قریب کرنے والی نماز ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اور بے حد ثمرات کا ضامن ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عِبَادَةٌ فِي الْهَرَجِ كَهِجْرَةٍ اِلَيَّ

فتنے کے وقت عبادت میں مصروف رہنا میری طرف ہجرت کرنے کا ثواب رکھتی ہے۔

(مکتوب نمبر ۱۹۳، دفتر اول، حصہ سوم) خواجہ حضرت احرار علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید کو ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے اور اگر تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں لیکن ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے نواز دیں تو پھر کچھ خوف نہیں۔ (ص ۴۳۴)

☆……☆……☆

السَّلامُ قَبلَ الکَلامِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بدعت کیا ہے؟

(بحوالہ خصوصی حضرت مجدد الف ثانی)

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

☆☆

مسلمانانِ عالم اور بالخصوص ہندوستان اور پاکستان میں بدعت کے متعلق بہت متضاد بیانات جاری کیے جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو اس معاملے میں اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ ایک دوسرے پر کفر اور شرک کے فتوے ثبت کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس کا فیصلہ کرنے میں کوئی دقت پیش آنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس بحث کا بہت خوبصورت فیصلہ صادر کیا ہے جو اس مضمون میں شامل کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے اور شریعت نے بدعت کن باتوں کو قرار دیا ہے۔

بدعت (عرف عام میں) دین میں نئی بات یا نئی رسم نکالنے کو کہتے ہیں اس سے نئے دستور ہائے رسم و رواج کو دین کا حصہ بنا لینا مراد ہے۔

لغت: بدعت کا لفظ ''بدع'' سے بنا ہے جس کے معنی کوئی چیز ایجاد کرنا کے ہیں یا کوئی چیز بغیر نمونہ کے بنانا یا ابتداء کرنا ہے۔

درج ذیل عبارت میں چند محدثین اور علماء کے اقوال درج کیے جا رہے ہیں۔

۱......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

ایسا کام جس کی مثال زمانہ سابق مین نہ ہو (لغت میں) اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرع میں بدعت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی۔ اور حضور ﷺ کا قول

کل بدعة ضلالة (مسلم وترمذی وابوداؤد، ابن ماجہ) عام مخصوص ہے (یعنی بدعت سے مراد بدعت سئیہ ہے) حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا کہ بدعت یا تو واجب ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم نحو سیکھنا اور جیسے اصول فقہ اور اسماء الرجال کے فن کو مرتب کرنا اور بدعت یا تو حرام ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجۂ اور مجسمہ کا مذہب اور ان مذہبوں کا رد کرنا بدعت واجبہ سے ہے، اس لیے کہ ان کے عقائد باطلہ سے شریعت کی حفاظت فرضِ کفایہ ہے۔ بدعت یا تو مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جس کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا اور جماعت کے ساتھ تراویح اور صوفیائے کرام کے دقیق اور باریک مسائل میں گفتگو اور بدعت یا تو مکروہ ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی تزئین اور مساجد کا نقش ونگار اور یہ حنفیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

بدعت یا تو مباح ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ورنہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (تحقیق یہ ہے کہ بلا کراہت جائز ہے۔ اسی کتاب میں مصافحہ کا بیان دیکھیے) اور لذیذ کھانے پینے اور رہنے کی جگہوں میں کشادگی اختیار کرنا اور کرتے کی آستینوں کو لمبی رکھنا، اس میں سے بعض کی کراہت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی چیز ایجاد کرنا جو قرآن مجید، حدیث شریف، آثار صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے اور ایسی اچھی بات ایجاد کرنا جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو، تو وہ بری نہیں ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد اول، ص۱۷۹)

۲......حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ محدث دہلوی بخاری اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

> بدانکہ ہر چہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر ﷺ بدعت است از انچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ برآں آں را بدعت حسنہ گویند۔ وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند وکلیہ **کل بدعة ضلالة** محمول براین است وبعض بدعتہا است کہ واجب است چنانچہ تعلیم وتعلم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل کردد وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر چیز ہائیکہ حفظ دین وملت برآن موقوف

بود و بعض مستحسن و مستحب مثل بنائے رباطہا و مدرسہا و بعض مکروہ مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض و بعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ و لباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نہ شوند و مباحات دیگر کہ در زمان آنحضرت ﷺ نبودند چنانکہ بیری و غربال و مانند آن و بعض حرام چنانچہ مذہب اہل بدع و ہوا بر خلاف سنت و جماعت و آنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگرچہ بآں معنی کہ در زمان آنحضرت ﷺ نبودہ بدعت است و لیکن قسم بدعت حسنہ خواہد بود بلکہ در حقیقت سنت است۔

یعنی جاننا چاہیے کہ وہ چیز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کے بعد ہوئی بدعت ہے، لیکن ان میں سے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اصول و قواعد کے مطابق ہے اور اسی پر قیاس کیا گیا ہے اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور ان میں جو چیز سنت کے مخالف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں اور کل بدعۃ ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) کی کلیت بدعت کی اسی قسم پر محمول ہے یعنی ہر بدعت سے مراد صرف وہی بدعت ہے جو سنت نبوی کی مخالف ہو اور بعض بدعتیں واجب ہیں جیسے کہ علم صرف و نحو کا سیکھنا سکھانا کہ اس سے آیات و احادیث کریمہ کے مفاہیم و مطالب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قرآن و حدیث کے غرائب کا محفوظ کرنا اور دوسری چیزیں کہ دین و ملت کی حفاظت ان پر موقوف ہے اور بعض بدعتیں مستحسن و مستحب ہیں، جیسے سرائے اور مدرسوں کی تعمیر اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے کہ بعض کے قول پر قرآن مجید اور مسجدوں میں نقش و نگار کرنا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے کہ عمدہ کپڑوں اور اچھے کھانوں کی زیادتی بشرطیکہ حلال ہوں اور غرور و نخوت کا باعث نہ ہوں اور دوسری مباح چیزیں جو حضور ﷺ

کے ظاہری زمانہ میں نہ تھیں جیسے بیری اور چھلنی وغیرہ اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف نئے عقیدوں اور نفسانی خواہشات والوں کے مذاہب اور جو بات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کی ہے اگرچہ اس معنی میں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی، بدعت ہے، لیکن بدعت حسنہ کے اقسام میں سے ہے، بلکہ حقیقت میں سنت ہے۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص ۱۲۸)

۳...... شامی جلد اول، ص ۳۹۳ میں ہے

بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقہ والوں پر رد کے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو قرآن و حدیث سمجھنے میں معاون ہوتا ہے اور بدعت کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور مسافر خانوں کو تعمیر کرنا اور ہر وہ نیک کام کرنا جو ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا اور بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو آراستہ و مزین کرنا اور بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے اور کپڑے میں کشادگی اختیار کرنا، جیسا کہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں تہذیب النووی سے منقول ہے اور اسی کے مثل برکلی کی کتاب طریقہ محمدیہ میں ہے۔

۴...... دیگر مشائخ کی آراء

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی آراء بھی اس باب میں دے دی گئی ہے، آپ کی آراء کے بعد کچھ مزید لکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔

امام ربانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک بدعت کیا ہے؟

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات کے مترجم مولانا محمد سعید نقشبندی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ امام صاحب علیہ الرحمۃ نے بدعت سے بچنے پر بہت زور دیا ہے۔

(حاشیہ مکتوب ۱۸۶، حصہ سوم، دفتر اول)

۱...... حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوبات میں ''بدعت'' سے بچنے اور اس سے دور رہنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور بدعت اور بدعتی لوگوں کی مذمت کی ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے جو لکھا ہے بالکل حق اور صحیح لکھا ہے لیکن مخالفین اہل سنت اپنے مخصوص نظریات کے تحت حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے

موقف ومسلک کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بدعت سے متعلق اپنے مسلک کی تائید وحمایت میں حضرت شیخ قدس سرہ کی عبارات کو پیش کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔ لہٰذا آپ علیہ الرحمۃ کے مسلک وموقف کی وضاحت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے، مختصراً یہاں درج کیا جاتا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دیانت وانصاف کی نگاہ سے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ محمد مراد مکی محشی علیہ الرحمۃ مکتوبات شریف کے اس مقام پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> (ترجمہ) اور اس بارے میں آپ کا قول علمائے اسلاف رحمہم اللہ کے اس قول کے مخالف نہیں ہے کہ بدعت کی دو قسمیں کی ہیں یعنی حسنہ اور سیئہ۔ وہ بدعت حسنہ سے ایسی شے مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں اصل موجود ہو، اگرچہ اشارتاً ہی ہو، جیسے مسجدوں کے مناروں، مدارس اور مسافر خانوں کی تعمیر اور کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح کی اور چیزیں اور بدعت سیئہ سے ایسی چیز مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں بالکل اصل موجود نہ ہو تو امام ربانی قدس سرہ قسم اول پر بدعت کے نام کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ چیز بدعت اور محدث نہیں ہے بلکہ آپ بدعت صرف قسم ثانی کو قرار دیتے ہیں کیونکہ وہی درحقیقت بدعت اور محدث ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' تو علمائے اسلاف اور حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کے درمیان نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔

۲...... حضرت شیخ مظہر دہلوی قدس سرہ، مقامات سعیدیہ میں فرماتے ہیں:

> **البدعة الحسنة عند الامام الربانی قدس سره داخلة فی السنة ولا یطلق علیها اسم البدعة بموجب کل بدعة ضلالة و النزاع لفظی بینه و بین العلمآء القائلین بوجود الحسن فی البدعة**

بدعت حسنہ امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک سنت میں داخل ہے اور آپ بموجب حدیث کل بدعة ضلالة اس پر بدعت کا اطلاق نہیں فرماتے تو اس بارے میں آپ اور دوسرے علمائے کرام کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں نزاع لفظی ہے۔

۳......**فکل بدعة لم تخالف السنة وهی البدعة الحسنة عند العلمآء داخلة عند الامام الربانی قدس سره فی السنة**

تو ہر بدعت جو مخالف سنت نہ ہو اور علماء کے نزدیک وہی بدعت حسنہ ہے اور امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

۴......شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمۃ انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ میں (حدیث) من احدث فی امرنا هذا مالیس منه الخ کے تحت فرماتے ہیں:

ای مالیس من وسائله فان الوسیلة داخلة فیه ولهٰذا قال الشیخ المجدد علیه الرحمة ان العلوم التی وسائل لا مر الدین کالصرف والنحو داخلة فی السنة ولا یطلق علیها اسم البذعة عنده لیس منها حسن البسنة

یعنی وہ چیز جو دین کے وسائل میں سے نہ ہو، کیونکہ شے کا وسیلہ اور ذریعہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ اسی لیے شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک وہ علوم جو دین کے وسائل ہیں جیسے صرف ونحو سنت میں داخل ہیں اور آپ اس پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے، کیونکہ امام ربانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک بدعت میں کوئی حسن اور خوبی نہیں۔

۵......نیز معمولات اہلسنت کے مطابق حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ اپنے پیرومرشد کی مجلس عرس شریف میں شریک ہوتے تھے۔ حضرات القدس جلد دوم، ص ۲۹ پر ہے کہ آپ بتقریب عرس حضرت خواجہ قدس سرہ دہلی تشریف لائے۔ آپ نے خود اپنے مکتوبات شریف کے دفتر اول، جلد دوم، ص ۲۳۳ میں فرمایا ہے:

> درایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہ، بحضرت دہلی رسیدہ بخاطر داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسد دریں اثنا خبر کوچ منتشر گشت بضرورت توقف نمودہ

> حضرت خواجہ جیو قدس سرہ، کے عرس مبارک کے ایام میں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت (شیخ فرید) کی خدمت عالی میں بھی حاضر ہو۔ آنے کی تیاری میں تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کی خبر مشہور ہوگئی تو ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

۶...... آپ علیہ الرحمۃ فوت شدگان کی فاتحہ دلاتے تھے اور ایصال ثواب کرتے تھے۔ مکتوبات شریف میں آپ علیہ الرحمۃ کے اس عمل کی تصریح موجود ہے۔

۷...... آپ علیہ الرحمۃ مزارات بزرگان پر تشریف لے جاتے تھے اور قبر پر پڑے ہوئے اچھاڑ کو تبرک جانتے تھے اور عقیدت کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ (حضرات القدس، جلد دوم، ص ۷۹)

۸...... حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ تصور شیخ، استمداد اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے قائل ہیں جیسا کہ مکتوبات شریف میں آپ نے جابجا ان مسائل کو وضاحت سے لکھا ہے۔ ان مختلف فیہ مسائل میں حضرت مجدد قدس سرہ، کے مسلک و موقف کے متعلق پورے طور پر واقف ہونے کے لیے بندہ کی تالیف ''مسلک امام ربانی'' کا مطالعہ فرمائیں۔

علماء کرام کی مذکورہ تحقیقات اور حوالہ جات سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کا مسلک اہل سنت کے عین مطابق ہے اور مخالفین آپ کا مسلک غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

امام ربانی علیہ الرحمۃ کے بدعت سے متعلق ایک مکتوب کا اقتباس

مکتوبات ربانی میں خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی کے نام حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۱۸۶، دفتر اول، حصہ سوم میں) لکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> کہنے والوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم ہے۔ حسنہ اور سیئہ، حسنہ اس نیک عمل کا نام رکھتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلفائے راشدین رضوان اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئی ہے اور کسی سنت کو اٹھانے اور دور کرنے والی نہ ہو اور سیئہ اس کو کہتے ہیں جو سنت کو مٹانے اور دور کرنے والی ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اندر حسن و نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کسی شئے کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر فرضاً آج مبتدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب کہ نظر تیز کر دینگے تو پتا چل جائے گا کہ خسارے اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں تھا۔

بیت

بروقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

صبح کے وقت روزِ روشن کی طرح تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو نے شب تاریک میں کس کے ساتھ رشتہ عشق جوڑ رکھا تھا

حضور سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات فرماتے ہیں:

من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ فھورد (بخاری و مسلم)

جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے۔

جو چیز مردود ہو اس میں حسن کہاں سے آ سکتا ہے۔ یہ قول حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ آپ (حضرت مجدد علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہے۔ مثلاً میت کے کفن میں عمامے کو انہوں نے بدعت حسنہ کہا ہے حالانکہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے، کیونکہ اس سے کفن کے تین کپڑوں میں تین کے عدد کا نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔ یونہی مشائخ نے دستار کے شملے کو

دائیں جانب چھوڑنے کو مستحسن کہا ہے حالانکہ اس بارے میں سنت یہ ہے کہ پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے۔ نیز علماء نے جو نیت نماز میں کہا ہے کہ دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے، حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ وہ زبان سے بھی نیت کرتے تھے بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے، تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے۔ کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر ہی کفایت کر بیٹھیں گے اور دل کی غفلت کی کچھ پروا نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی بھی چھوٹ جاتی ہے اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ یہی حال باقی بدعات اور محدثات کا ہے۔ کہ یہ سب کسی نہ کسی طرح سنت پر زیادتی ہے اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی متابعت کے ہی پابند رہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی اقتدا پر ہی کفایت کرو۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہدایت کے ستارے ہیں۔ تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (مشکوٰۃ) باقی رہا قیاس اور اجتہاد فقہی تو وہ بالکل بدعت نہیں، بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر و واضح کرتا ہے۔ کسی نئی چیز یا زائد چیز کو ثابت نہیں کرتا تو اے اصحاب بصیرت عبرت پکڑو اور ہر متبع ہدایت اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

اتباع شریعت کا ہونا اور بدعت سے اجتناب

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے (مکتوب نمبر ۲۳، حصہ اول، دفتر دوم) میں خواجہ محمد عبداللہ کے نام لکھا ہے کہ عمدہ کام روشن سنت کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب کرنا ہے اور نقشبندیہ طریقہ کی فضیلت شریعت کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنا ہے۔ فرماتے ہیں:

> نصیحت فرزند عزیز اللہ سبحانہ اسے نامناسب کاموں سے محفوظ رکھے اور دوسرے تمام دوستوں کو، کی جاتی ہے کہ وہ روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب

> ہے۔ اسلام اس زمانہ میں غریب ہو چکا ہے اور مسلمان غریب ہو چکے ہیں۔ اور روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آجائے گا کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا نہ رہے اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔

سعادت مند وہ ہے جو اس غریب اسلام کے زمانہ میں چھوڑی ہوئی سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ بدعات میں سے کسی بدعت کو مارے اور ختم کرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کو ایک ہزار برس گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی ہیں اور زمانہ نبوت کے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو چکی ہے اور کذب اور جھوٹ کے عام ہونے کے باعث بدعت جلوہ گر ہو چکی ہے۔ کسی شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا مروج ہونا دین کی ویرانی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کو مٹانے کا باعث ہے۔ حدیث:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام (بیہقی، مشکوٰۃ)

جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

پوری ہمت اور پورے ارادے کے ساتھ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دینے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ہر وقت، خصوصاً آج کل کہ ضعفِ اسلام کا زمانہ ہے، نشانات اسلام کا قائم کرنا، سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب سے وابستہ ہے۔ گزشتہ لوگوں نے بدعت میں حسن دیکھا ہوگا تب ہی تو انہوں نے بدعت کے بعض افراد کو مستحسن کہا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا، اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں کہتا اور اس میں ظلمت و کدورت کے سوا کچھ احساس نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

کل بدعة ضلالة (مسلم شریف) ''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور یہ فقیر یہ پاتا ہے کہ اسلام کی سلامتی سنت کے بجالانے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی خرابی اور ویرانی بدعت کے ارتکاب میں ہے، چاہے جو بدعت بھی ہو، یہ فقیر بدعت کو اس کہی کی طرح جانتا ہے جو اسلام کی بنیاد کو گراتی ہے اور سنت کو روشن تارے کی طرح پاتا ہوں جو تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے

ارتکاب کا فتویٰ نہ دیں اگر چہ وہ بدعت ان کی نظر میں سپیدہ صبح کی طرح دکھائی دے کیونکہ شیطانی آرائشوں کو غیر سنت میں غلبہ عظیم حاصل ہے۔ گزشتہ زمانوں میں جبکہ اسلام قوی تھا، بدعت کی تاریکیوں کو برداشت کرسکتا تھا اور شاید کہ نور اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو بعض تاریکیاں نورانی محسوس ہوں۔

قرآن میں احکام شریعت، امام ابوحنیفہ کا اجتہاد اور تصوف کا شریعت پر مدار ہونے پر حضرت مجدد کا اظہار خیال

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ مکتوب نمبر ۵۵ (حصہ ہفتم، دفتر دوم) میں خواجہ محمد سعید کی طرف لکھتے ہیں کہ قرآن مجید شریعت کے تمام احکام کا جامع ہے اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے بہت بلند مناقب ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تصوف کا دارومدار شریعت پر ہے۔

خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمۃ نے ”فصول ستہ“ میں جو لکھا ہے اسی لیے لکھا ہو کہ ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب پر عمل کریں گے۔“ یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اجتہاد کے مطابق ہوگا، نہ یہ کہ وہ اس مذہب کی تقلید کریں گے کہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت کی تقلید کریں۔

بلا تعصب و تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی دوسرے تمام مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کی پیرو ہے اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصل اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سنت کی پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور اسی طرح صحابہ کے قول کو بھی خیر البشر ﷺ کی صحبت کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور دوسروں کا یہ مسلک نہیں ہے۔ اس کے باوجود مخالف ان کو ”اصحاب الرائے“ کہتے ہیں اور ان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرتے ہیں جن سے سوء ادبی ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سب ان کے کمال علم اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی کثرت کے بھی معترف ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس

کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یہ لوگ خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اکابرین کو ''اصحاب الرائے'' کہتے ہیں اگر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی متابعت نہیں کرتے تھے اور اس صورت میں وہ اپنے گمان فاسد کی بناء پر اہل اسلام کے سوادِ اعظم کو گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں بلکہ اپنے خیال میں ان کو اہل اسلام کی جماعت سے خارج قرار دیتے ہیں تو یہ عقیدہ یا تو وہ جاہل رکھتا ہوگا جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ بے دین جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے۔

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں اور احکام دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں اور اپنی معلومات کے ماسوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے، اس کا انکار کرتے ہیں۔

چوں آن کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است

ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور ان کی نظر فاسد پر کہ فقہ کے بانی ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ہیں اور لوگوں نے فقہ کا تین چوتھائی حصہ ان کے لیے مسلم رکھا ہے اور صرف باقی چوتھائی حصہ میں دوسرے فقہاء ان کے شریک ہیں اور فقہ میں صاحب خانہ وہ ہیں اور دوسرے سب اس کے عیال ہیں۔ باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی علیہ الرحمۃ سے گویا ذاتی محبت ہے۔ ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہ وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے فقہاء کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمال تقویٰ کے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں اور حقیقت معاملہ خداتعالیٰ کے سپرد ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اجتہادی احکام میں اختلاف کرنا اگرچہ وہ اختلاف پیغمبری سے صادر کیوں نہ ہو، نسخ کو مستلزم نہیں ہے، برخلاف اس اختلاف کے جو کتاب وسنت کے احکام میں ہو کہ وہ موجب نسخ ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ احکام شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب وسنت ہے اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی

احکام کا مثبت ہے۔ ان چار شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔ الہام حلت وحرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہل باطن کا کشف فرض وسنت کا اثبات نہیں کر سکتا۔ ولایت خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں اور کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید کی زنجیر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ اور بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ اور جنید بغدادی علیہ الرحمۃ اور شبلی علیہ الرحمۃ احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمرو بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مومنین میں سے ہیں، برابر ہیں۔ (مذکورہ مکتوب ۵۵)

ہاں ان بزرگواروں کی فضیلت اور امور میں ہے۔ یہ لوگ اصحاب کشف ومشاہدہ ہیں اور یہی لوگ تجلیات وظہورات کے مالک ہیں جو کہ محبوب حقیقی جل سلطانہ کی محبت کے غلبہ میں اس کے ماسوا سے تعلق توڑے ہوئے ہیں اور غیر اور غیریت کو دیکھنے اور سمجھنے سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر یہ کچھ حاصل رکھتے ہیں تو وہی ان کا حاصل ہے اور اگر واصل ہیں تو اسی سے واصل ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہیں اور باخود ہوتے ہوئے بھی بے خود ہیں۔ اگر یہ زندہ ہیں تو اسی کے لیے زندہ ہیں اور اگر یہ مرتے ہیں تو اسی کے لیے مرتے ہیں۔ ان کے مبتدی غلبۂ محبت کے ذریعہ سے مطلوب کو دنیا کے ہر ایک ذرہ کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اللہ تعالیٰ کے اسمائی وصفاتی تمام کمالات کا جامع سمجھتے ہیں اور ان کے منتہیوں کا کیا نشان دیا جائے کہ وہ بے نشان ہین۔ ان کا پہلا قدم ماسوا کو فراموش کرنا ہے اور ان کے دوسرے قدم کو کیا بیان کیا جائے کیونکہ وہ آفاق وانفس سے باہر ہے۔ الہام ان کو ہوتے ہیں اور کلام ان سے ہوتا ہے۔ اکابر حقیقت میں یہی لوگ ہیں۔ یہ علوم اور اسرار بلاواسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں اور مجتہدین کی طرح کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معارف ومواجید میں اپنے الہام اور فراست کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ علوم لدنی کے فیض دینے میں حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت متوسط ہے علیٰ نبینا وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والسلام۔ ظاہراً یہ بات ابتداء اور توسط کی نسبت معلوم ہوتی ہے اور منتہی کا معاملہ ہی دوسرا ہے جیسا کہ صاحبِ کشف اس کی شہادت دیتا ہے اور اس کی تخصیص کا مؤید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا وہ قول ہے کہ ایک روز وہ منبر پر بیٹھ کر علوم اور معارف بیان کر رہے تھے کہ اس اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام کا گزر ہوا تو شیخ نے فرمایا ”اے

اسرائیلی! آ کلام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سن"، شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام محمدی نہیں ہیں بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں اور جب ایسا ہو تو محمدیوں کو ان سے کیا واسطہ؟

پس معلوم ہوا کہ علوم اور معارف احکام شرعیہ کے علاوہ اور چیز ہیں جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ معارف انہی احکام کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں اور درخت لگانے کا مقصد انہی ثمرات کا حصول ہے، لیکن جب تک درخت قائم ہے ثمرات کی توقع ہے اور جب اصل درخت میں خلل واقع ہوگا تو پھر ختم ہو جائیں گے۔ بیوقوف ہے وہ آدمی جو درخت کو تو کاٹے اور پھلوں کی توقع رکھے۔ جس قدر درخت کی اچھی طرح پرورش کریں کے اتنا ہی وہ پھل زیادہ دے گا اور پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن پھر بھی وہ درخت کی فرع ہے۔ شریعت کی پابندی کرنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کی یہی مثال سمجھ لیں۔ جو شریعت کی پابندی کرتا ہے، وہ صاحب معرفت ہے، جتنی پابندی زیادہ کرے گا، اتنی ہی معرفت زیادہ ہوگی اور جو سستی کرنے والا ہے، وہ معرفت سے بے نصیب ہے اور اگر بالفرض وہ اپنے فاسد گمان کی بنا پر کچھ رکھتا ہے تو وہ استدراج ہے کہ جوگی اور برہمن بھی اس میں شریک ہیں۔ ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کر دے، وہ بے دینی اور الحاد ہے۔

پس جائز ہے کہ خواص اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے افعال اور ذات وصفات کے معارف میں بعض اسرار ودقائق معلوم کریں کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو اور حرکات وسکنات میں خداوند تعالیٰ کا اذن یا عدم اذن معلوم کرلیں اور خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم کو جان لیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں بعض نفلی عبادتوں کا ادا کرنا وہ ناپسندیدہ جانتے ہیں اور ان کو ان کے چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے اور کبھی وہ سونے کو جاگنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ اوقات پر مقرر ہیں اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں اور چونکہ ان بزرگواروں کی حرکات وسکنات خدا تعالیٰ کے اذن سے وابستہ ہیں تو لازماً دوسروں کے نوافل ان کے فرائض ہیں۔ مثلاً ایک کام ایک آدمی کی نسبت شریعت کا نفلی حکم ہے اور وہی فعل کسی دوسرے کے لیے بطور الہام فرض ہے۔

پس دوسرے کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی امورِ مباحہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بزرگوار چونکہ کام کو خدا تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے کرتے ہیں تو وہ سب ان کے لیے فرض ہوتے ہیں۔ دوسروں کے مباح اور مستحب ان کے فرائض ہیں۔ اس لحاظ سے ان بزرگواروں کی بلندی مرتبہ معلوم کرنا چاہیے۔ علماء ظاہر

امور دین میں غیبی اخبار کو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور دوسروں کی ان اخبار میں شرکت جائز نہیں سمجھتے اور یہ بات وراثت کے منافی ہے اور بہت سے علوم اور معارف صحیحہ کی نفی ہے جو کہ دین متین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں شرعی احکام اَدِلّٰہ اربعہ سے وابستہ ہیں کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے،

لیکن امور دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب وسنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور وہ چھوڑ دینا پسندیدہ ہوتا ہے، تو حق جل وعلیٰ کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں۔ اس کو عابد سمجھتے ہیں اور اس (موخر الذکر) کو مکار اور فریبی۔

سوال: جب دین کتاب وسنت سے مکمل ہو چکا تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی اور کیا نقصان رہ گیا تھا جو کہ الہام سے پورا ہوا؟ (زبدۃ المقامات)

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے نہ کہ کمالات زائدہ کا مثبت، جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے، اسی طرح الہام دقائق واسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اسکا دارومدار رائے پر ہے اور اس (الہام) کا دارومدار خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کی مثال کی طرح ہے جو کہ سنت کا ماخذ ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور اعلام (نبی کا خبر دینا) قطعی ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر اور سلام اس پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔

فرقہ بندی پر حضرت مجدد کے کلام کا خلاصہ

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات سے ماخوذ مندرجہ بالا فرمودات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بدعت کا اطلاق صرف ان چیزوں پر ہے جو دین میں نئی بات یا نئی رسم نکالے اور اس رسم یا رواج کو دین کا حصہ قرار دے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے امت مسلمہ میں ۷۲ فرقے نمودار ہوئے۔ مکتوب نمبر ٦٧

(مکتوبات امام ربانی ، حصہ ہفتم دفتر دوم) میں اہل سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کے ارکان خمسہ کے متعلق ایک اچھی خاصی تفصیل موجود ہے۔ شائقین حضرات آپ کے مذکورہ مکتوب کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے پیغمبر اسلام ﷺ کا قول نقل فرمایا: ''بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے، ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے، باقی سب فرقے دوزخی ہیں اور قریب ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین نے پوچھا ''وہ نجات پانے والے فرقہ میں کون سے لوگ ہوں گے۔'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ وہی ہوگا جو میرا اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کا طریقہ ہے۔'' (ترمذی) حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ راہ نجات پانے والا فرقہ اہل سنت و جماعت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا ''اے اللہ ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھ اور انہیں کی جماعت میں ہماری موت ہو اور انہی کی جماعت میں ہم کو بروزِ حشر اٹھا۔ آمین۔''

اسی مکتوب میں آپ علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے

> حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اللہ اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں کہ بدعتی لوگوں کے گروہ کہ جن کے اصول نو جماعتیں ہیں، یہ لوگ ہیں: خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جہمیہ، ضراریہ، بخاریہ، کلابیہ۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اور نہ ہی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ یہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین تابعین، فقہائے سبعہ کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ:

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو آدمی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی

سنت کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑلو اور دین میں نئے پیدا ہونے والے
امور سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جو کچھ میرے
بعد دین میں نیا پیدا ہوگا، وہ مردود ہے۔'' (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک کوئی عمل یا تو سنت ہے یا بدعت۔ آپ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کے الفاظ استعمال نہیں فرماتے، چنانچہ بہت سے امور جن کو کچھ علماء نے بدعت قرار دیا ہے، وہ آپ کے نزدیک بدعت میں شامل نہیں۔ یعنی بدعت حسنہ امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک سنت میں داخل ہے اور آپ بدعتِ حسنہ پر بدعت کا اطلاق نہیں فرماتے۔ آپ کا دوسرے علماء کے درمیان جو بدعتِ حسنہ کے قائل ہیں نزاعِ لفظی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک نجات والا فرقہ اہل سنت و جماعت کے سوا اور کوئی نہیں اور اہل سنت و جماعت کا بدعت کے متعلق وہی اعتقاد ہے جس کو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ بدعت قرار دیتے ہیں اور یہی محفوظ راستہ ہے۔

راقم الحروف نے اس بات کا ملاحظہ کیا ہے کہ دین میں اختلاف کی وجہ صرف چند لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ذاتی توجیہات کی خود پرستی ہے۔ جو لوگ اس فساد سے بچنا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل نکات کو ذہن نشین کرنے کے بعد تمام مسائل کا خود فیصلہ کریں اور مُلّا کی بحث سے بچیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

ع اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ

وہ قابل غور نکات حسب ذیل ہیں:

۱...... کچھ لوگ صرف دین کے عالم ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو اولیاء اللہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس علم کو جاننے والے، ہندو، سکھ اور عیسائی بھی ہو سکتے ہیں۔ ہر عالم کو ولی اللہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور کچھ لوگ تمام علماء کو ہی اولیائے کرام کے زمرہ میں شامل کر لیتے ہیں جو ان کی غلطی ہے۔

۲...... ایک سرسری نظر میں اس حقیقت کو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون سا گروہ ایسا ہے کہ جس میں اولیاء اللہ کثرت سے ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں اور کونسا گروہ ایسا ہے جس میں عالم تو ہیں مگر ولی اللہ ایک بھی نہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام اولیاء اللہ صرف اہل سنت و جماعت سے

ہی تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ یہی وہ گروہ ہے جس کو نجات پانے والا گروہ کہا جاسکتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ اہل سنت و جماعت کے بہت سے دین ناآشنا لوگ مختلف فرقہ والوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور اپنی لاعلمی کے باعث غلط طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

٣...... حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت حضرت ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کی پیرو ہے جو اصل اور فروع میں تمام مذاہب سے متمیّز ہے اور استنباط میں ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ آپ نے یہ بات بھی بغیر کسی شک و شبہہ کے لکھ دی ہے کہ اہل سنت و جماعت ہی اسلام کا سوادِ اعظم ہے اور سوادِ اعظم کو گمراہ کہنے والے یا تو جاہل ہیں یا وہ بے دین ہیں جن کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے وہ لوگ جو علم سے دور رہنے کے عادی ہیں، مذکورہ باتوں کا خیال رکھیں۔

☆......☆......☆

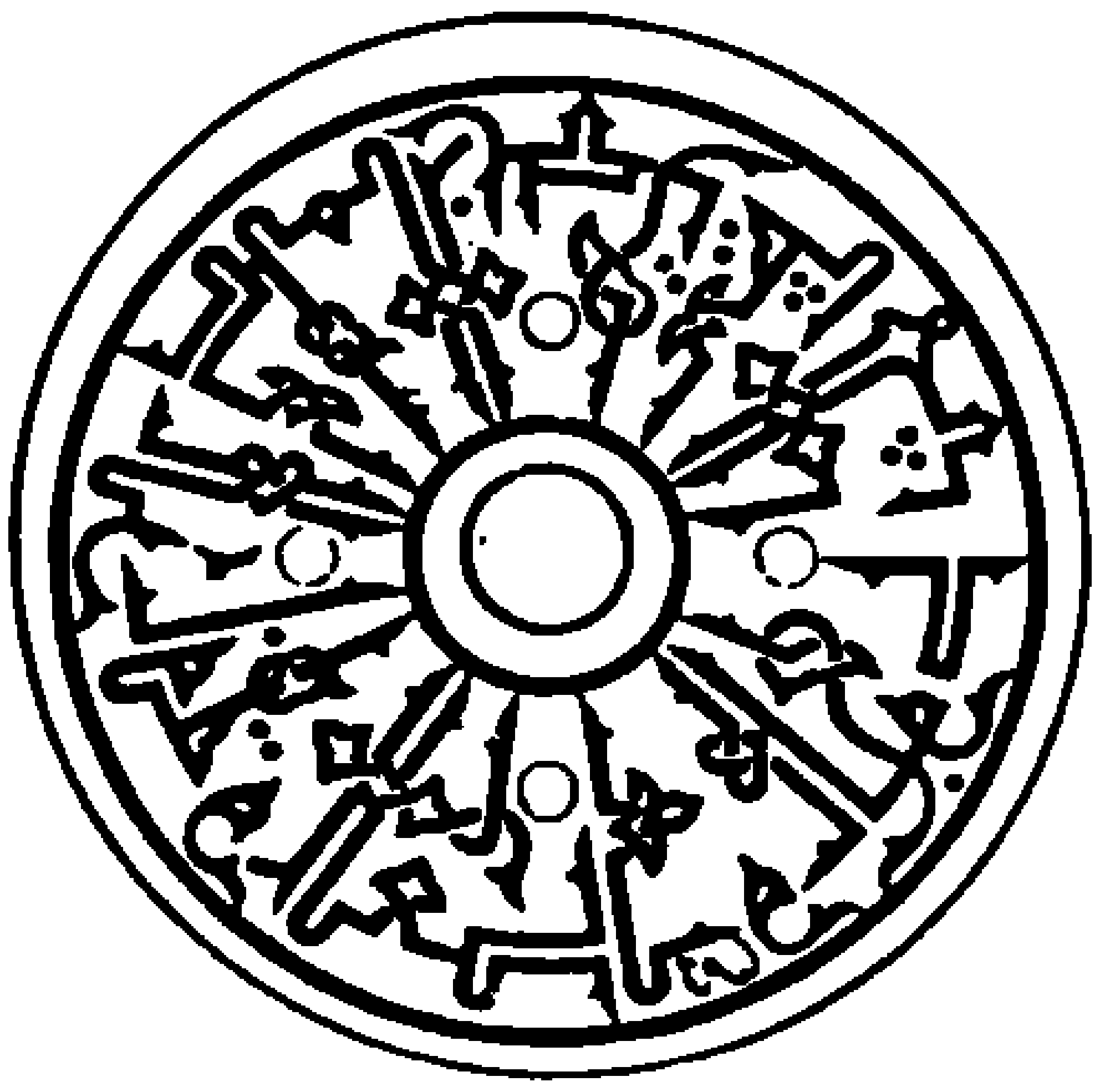

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کا تصوّرِ بدعت

پروفیسر حافظ سید مقصود علی
(سابق پرنسپل پاکستان کالج خیر پور میرس، سندھ)

☆☆

زندگی متحرک ہے اس کے مظاہر بدلتے رہتے ہیں اس میں ٹھہراؤ کسی بھی مقام پر نہیں۔ خود انسان بدلتا رہتا ہے اس کے وجود میں ٹوٹ پھوٹ اور تعمیر و ترقی کا عمل جاری رہتا ہے اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب یہ آثار اسکی شخصیت میں ظاہر ہوتے ہیں پھر اس کو پتا چلتا ہے۔ عملی زندگی میں ترقی کا عمل رکتا نہیں بلکہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے پھر ہر دور کے تقاضے مختلف اور نئے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی شخص ان طریقوں اور حالات سے اپنے آپ کو علیحدہ اور دور نہیں رکھ سکتا اور انسانی زندگی ان واقعات سے متاثر ضرور ہوتی ہے۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ ”چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی“ لیکن مومن کا اندازِ فکر اور طرزِ عمل قطعاً مختلف ہوتا ہے وہ نہ غرقِ دنیا ہوتا ہے اور نہ تارک الدنیا ہو کر زندگی بسر کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسلام میں اس دنیا کا کوئی تصور ہی نہیں جو دین سے الگ ہو۔ رحمت دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”دنیا آخرت کی کھیتی ہے“ یعنی آخرت سے دنیا کا تعلق ایسا ہے جیسے بیج سے درخت پھل اور فصل کا۔ یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ پھر جو بیج ہوگا فصل بھی اسی کی ملے گی گندم کے بیج سے جَو کی فصل نہیں بلکہ گندم کی فصل ہی ملے گی آخرت جب ہی اچھی ہوگی جب دنیا اچھی ہوگی دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لیے ہمارے رب نے ہم کو یہ دعا کی تلقین فرمائی ”اے اللہ ہماری دنیا بھی اچھی کر اور آخرت بھی اچھی بنا“۔ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مقصد زندگی اور تقاضائے بندگی یہی ہوتا ہے کہ زندگی جیسی عظیم نعمت کو خالق زندگی کی ہدایات اور اتباع خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارا جائے کہ یہی دنیوی فلاح کا ذریعہ اور اخروی نجات کا وسیلہ ہے۔

ترقی یافتہ زندگی کے بڑھتے اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت انسان کو ایسے معاملات و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے حل کے لیے اور جن کے بارے میں قرآن و حدیث خاموش ہیں۔ اس صورت حال میں انسان کو کوئی نہ کوئی طریقہ یا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے تاکہ زندگی کے معاملات و معمولات کی ادائیگی میں کوئی دقت یا رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اپنے ارادے اور مرضی سے وہ جو بھی عمل اختیار کرے اس کو آزادی ہے بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کی روح اور واضح تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔

ایک صحابی مسجد قباء میں نماز پڑھاتے تھے سورہ اخلاص وہ ہر نماز میں ضرور پڑھتے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کے ساتھ یہ سورہ مبارکہ پڑھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو صحابی نے جواب دیا ”مجھے یہ سورت بے حد محبوب ہے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ”اس کی محبت تم کو جنت میں لے جائے گی“[1]۔

دوران سفر کسی قبیلہ کا سردار بیمار پڑ گیا۔ ایک صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا۔ اس کو آرام ہو گیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس عمل کو بے حد سراہا[2]

۹ھ میں غزوۂ تبوک سے واپسی پر جہاں جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ زن ہوئے صحابہ کرام نے وہاں مسجدیں بنا دیں[3]۔

قرآن پاک کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بیشتر ایسی مثالیں ملیں گی جن سے پتا چلتا ہے کہ دل کی خوشی سے کوئی بھی نیکی اختیار کرنے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کی ترغیب دلائی اور اجر و بشارت کی خوشخبری دی ہے۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر نیک کاموں پر اجر عظیم کا تذکرہ ہے[4] جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود قرآن کریم ایسی نیکیوں کی ترغیب دے رہا ہے جو انسان اپنی خوشی سے سرانجام دے۔ مگر اجر و ثواب اس شخص کو ملے گا جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی و بدی کا دارومدار ظاہر سے زیادہ باطن پر ہے۔ نیکی تو حقیقت میں وہی ہے جس میں اپنے معبود کی رضاء اور خوشنودی شامل ہو۔ ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ”بے شک اعمال کا دور و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی“[5] اس حدیث پاک سے پتا چلا کہ اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کرتا ہے تو اس کے اجر و ثواب سے وہ محروم نہیں رہتا[6] ایسے شخص کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی سے بچنا چاہیئے جیسا کہ ہمارے رب کا حکم ہے[7] ”اے ایمان والو! بہت گمانوں

سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہوتا ہے''۔ تعلیماتِ خیر البشر سے یہ بات واضح طور پر عیاں ہے کہ صاحبِ ایمان کا شعور نیکی و بدی میں تمیز کر سکتا ہے اور وہ اپنی خوشی و مرضی سے کوئی بھی نیکی اختیار کر سکتا ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کی خوشی و مرضی کا اس حد تک خیال رکھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور نماز کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر جو تم اپنے دل کی خوشی سے پڑھ لو[8] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی خوشی سے عبادت اور نیک کام کرنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اس عمل پر اجر و ثواب اور بشارتوں کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔

سنت کے معنی

سنت کے معنی ''طریقے'' کے ہیں قرآن حکیم میں کئی مقامات پر انہیں معنوں میں لفظ ''سنت'' کا استعمال ہوا ہے[9] ہر وہ چیز سنت ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا' یا صحابہ کرام نے کیا' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہو' یا خاموشی اختیار فرمائی ہو۔ ایک اور مقام پر تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا تو اس کے لیے اس کا اجر و ثواب اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی' اور جس نے اسلام میں برا طریقہ نکالا تو اس پر اس کا گناہ ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ میں کمی نہیں کی جائے گی[10]۔

ہماری روزمرہ زندگی میں بعض معاملات ایسے پیش آتے ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح ہدایات تفصیلی احکامات بلکہ اشارات بھی نہیں ملتے۔ ان مسائل کے حل کے لیے سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ جو چیزیں قرآن و سنت کے احکام کے مطابق حلال ہیں ان کو اختیار کیا جائے' جو ممنوع یا حرام ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے وہ تمام چیزیں مباح ہیں 'بس شرط یہ ہے کہ وہ شارع علیہ السلام کی منشاء کے خلاف نہ ہوں' اور نہ ہی ان سے اسلامی تعلیمات کی روح مجروح ہوتی ہو۔ مناسب و معقول بات یہی ہے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کیا اسی کو حلال سمجھیں اور جس کو حرام کیا اس کو حرام سمجھیں' خواہ مخواہ فقیہانہ پیچیدگیوں میں پڑ کر امت کے اتحاد فکر و عمل کو پارہ پارہ نہ کریں' جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے۔ کسی چیز کا عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، خلافت راشدہ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں ہونا اس کی فضیلت کی دلیل ضرور ہے لیکن نہ ہونا اس کی حرمت کی دلیل بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ جائز اور مباح ہو۔ شریعت کے

دائرے میں رہ کر ان تبدیلیوں اور انقلابات کو قبول کیا جا سکتا ہے اور کرنا بھی چاہئے اس کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ ہر حال میں جائز ہوگی جب تک کہ اس کی کسی خاص شکل کو منع نہ کیا گیا ہو۔ اور جس کو منع کر دیا ہے وہ ہر حال اور ہر شکل میں ادا کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ جو شے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں اس کا اختیار کرنا اور اس کو رواج دینا بدعت ہے۔ اگر اس نظریے اور خیال کو صحیح مان لیا جائے تو بہت سی ایسی چیزیں جو آج نہ صرف جائز بلکہ مباح ہیں اور ان کو دین کا کام اور کار ثواب سمجھ کر کیا بھی جاتا ہے وہ تمام کی تمام بدعات میں شمار ہوں گی اور یہ نئی چیزیں جو ہماری تعلیم معاشرت، روایات اور تہذیب وتمدن کا جز بن چکی ہیں اور ان سب کو ہم نے بخوشی اپنایا ہوا ہے ان کو کوئی بدعت نہیں کہتا بلکہ سمجھتا بھی نہیں۔ مثلاً

(۱) قرآن پاک پر اعراب لگانا
(۲) اور اس کو سورتوں منزلوں اور سپاروں میں تقسیم کرنا
(۳) مساجد کی آرائش وزیبائش
(۴) لاؤڈ اسپیکر کا استعمال
(۵) جلسے جلوس کرنا

اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے کام ہیں جو زمانۂ رسالت، دورِ صحابہ کرام اور خیر القرون میں موجود نہ تھے' پھر بھی ہم نہایت کثرت اور شدت سے کرتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ المیہ یہ ہے کہ ایسے امور بھی ہیں جنکی ممانعت قرآن وحدیث اور اقوالِ صحابہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن پھر بھی ہم ان کو بلا روک ٹوک اور بغیر کسی جھجک کے کرتے ہیں۔ مثلاً

(۱) اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملکی قوانین کی پیروی کرنا۔

(۲) مسلمان سربراہانِ مملکت کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت موجود ہے۔''

(۳) ننگے سر رہنا

(۴) ڈاڑھی منڈانا

(۵) مونچھیں بڑھانا

یہ ہمارا معمول ہے جب کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوپی پہنی، عمامہ باندھا اور ڈاڑھی رکھی ہی نہیں بلکہ حکم دیا۔ خواتین کو گھروں میں رہنے کا قرآن کریم میں واضح حکم ہے اور ہدایت ہے کہ اگر باہر نکلیں تو بناؤ سنگھار کر کے نہ نکلیں[۱۲] مگر عملاً اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ اسلام نے جائز کاموں میں بھی فضول خرچی سے منع فرمایا ہے[۱۳] ہمارے ہاں تو سالگرہ، عقیقہ، شادی بیاہ و دیگر رسوم پر پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، ان تمام احکامات اور ہدایات کے ہوتے ہوئے ہمارا جو طرز عمل ہے وہ سب کے سامنے ہے، مگر ان امور میں کسی کو بھی شرک و بدعت کا ذرہ برابر بھی شائبہ نظر نہیں آتا اور یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کس قدر سنگین غلطیوں اور گناہوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اگر یہ کہا اور سمجھا جائے کہ یہ تو دنیوی معاملات ہیں جن کو اجر و ثواب کی نیت سے کوئی بھی نہیں کرتا۔ تو یہ بھی صرف خام خیالی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام دین اور دنیا کی تفریق کا قائل ہی نہیں۔ قرآنی تعلیمات اور ہدایات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دنیا کر ہر کام دین بن جاتا ہے، بشرطیکہ احکاماتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں انجام دیا جائے۔ اس کے برعکس دین کا عمل بھی دنیا بن جاتا اور اجر و ثواب سے خالی ہوتا ہے، اگر نمود و نمائش، مخلوق کی خوشنودی اور احکاماتِ الٰہیہ کے خلاف کیا جائے۔ پھر کام کوئی بھی اور کیسا ہی ہو اگر ہمارے رب کے ارشادات اور منشاء کے خلاف ہوگا تو وہ بہرحال ناپسندیدہ اور گناہوں میں ہی شمار ہوگا۔

بعض حضرات نے لفظ بدعت کو ناپسندیدگی کی علامت اور اظہار نفرت کا ایسا ذریعہ بنا دیا ہے کہ بعض دینی احکام کی وضاحت اور تاویلات جب وہ کرنے بیٹھتے ہیں تو تان لفظ ''بدعت'' پر ہی ٹوٹتی ہے اور اپنی گفتگو اور خیالات کی تائید میں فوراً اس حدیث مبارک کا حوالہ دے دیتے ہیں،

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔

یہ بھی تو ارشاد مصطفیٰ ﷺ ہے:

> ''جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان کو بھی جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے ثواب سے کچھ کمی ہو''[۱۴]

معلوم یہ ہوا کہ جو بدعت دین کے مخالف ہو اور اس میں ضعف پیدا کرنے والی ہو وہ بدعتِ سیئہ ہے اور جو دین کے مواقف اور کسی شے کو قوت دینے اور تائید کرنے والی ہو وہ بدعتِ حسنہ ہے۔ ایک موقع پر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> **'ما احدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة**[۱۵]
>
> ترجمہ: کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی لیکن اس کے مثل سنت اٹھ جاتی ہے

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مساجد کی تزئین کی ممانعت ہے لیکن پھر بھی فقہا نے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ لوگ اپنے مکانات کو بلند اور مزین کر رہے ہیں اگر اس وقت مساجد کی زینت نہ کی جائے تو اللہ کے گھر کی تحقیر لازم آئے گی ہمارے رب کا تو یہ فرمان ہے

> **ومن یعظم شعآئر اللہ نانھا من تقوی القلوب**[۱۶]
>
> ترجمہ: جو کوئی دین خداوندی کی ان یادگاروں کا ادب رکھے گا تو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ مساجد میں زیب و زینت کے اظہار یا منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' بلکہ شامی میں تو یہاں تک تحریر ہے کہ بعض کا قول ہے کہ مسجد کو زیب و زینت دینا مستحب ہے کہ اس میں مسجد کا احترام پیش نظر ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے کام ہیں جو ثواب کے زمرے میں آتے ہیں لیکن صحابہ کرام کے زمانے میں ان کا قطعاً رواج نہ تھا۔ مگر فقہائے کرام ان امور کو پھر بھی مستحب بلکہ بعض کو واجب اور ضروری قرار دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بدعت کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کی ہے اس سلسلے میں بدعت کے بارے میں ارشاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائیے۔ طوالت کے پیش نظر صرف تین احادیث مبارکہ بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

> (۱)...... **کل بدعة ضلالة و کل ضلالته فی النار**
>
> (دین میں ایجاد کی ہوئی ہر نئی چیز گمراہی ہے) اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے

(۲)......من احدث امرنا هذا مالیس منه فهورد

ترجمہ: جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی شے نکالے جو دین سے تعلق نہیں رکھتی وہ مردود ہے۔

(۳) ...... من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شی

ترجمہ: یعنی جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان کو بھی جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے ثواب سے کچھ کمی ہو[١٧]۔

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو بدعت دین کے مخالف اور اس میں کمزوری پیدا کرنے والی ہو وہ بدعت سیئہ ہے، اور جو دین کے موافق ہو اور کسی شے کو قوت دینے والی اور اس کی تائید کرنے والی ہو وہ بدعت حسنہ ہے۔ پھر ہر عمل کا مدار نیت پر ہے۔ اگر نیت کیسی بھی نہ ہو تو پھر نہ اس کا ثواب ہے نہ عذاب۔ اگر کام اچھی نیت سے کیا جائے تو باعث ثواب اور اگر بری نیت سے کیا جائے تو قابل گرفت، پھر اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ کہ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیائے کرام صحابہ کرام اور صلحاء کا ذکر صرف سنت ہی نہیں بلکہ منبعِ خیر اور وسیلہ خیر بھی ہے۔ اس کو جس طریقہ سے بھی کیا جائے جبکہ اس کا کوئی خاص اسلوب مقرر بھی نہیں ہے اور یہ سارا عمل نیک نیتی سے بھی کیا جائے تو ایسے مستحسن فعل کو بدعت کہنا یا سمجھنا کم فہمی اور تنگ نظری کی علامت ہے۔ جو لوگ ایسے مستحب فعل کو بدعت کہتے ہیں ایسے لوگوں کو اس برے اعتقاد سے توبہ کرنا چاہیے۔ ایسا خیال اور اعتقاد بے شمار مسلمانوں کی اذیت و تکلیف کا باعث تو ہے ہی لیکن اس میں بڑے بڑے محدثین اور جلیل القدر مشائخ عظام اور علماء کرام کی توہین و تنقیص کا پہلو بھی نکلتا ہے جو اس منتخب فعل پر خلوصِ دل، عزمِ صادق اور نیک نیتی کے ساتھ تسلسل کے ساتھ اور طویل عرصے سے عمل پیرا ہیں۔

بدعت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا اندازِ فکر

بدعت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ فکر نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ ہے اس کو سمجھنے کے لیے ان ناگفتہ بہ حالات واقعات کا ذہن میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔ جن میں اصلاح اور

بہتری کے لیے اس مردِ کامل نے کٹھن حالات کا صبر و ہمت اور عزم و استقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے احیاءِ دین کا فریضہ اور ترویجِ سنت کا بیڑہ اٹھایا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر دیں۔ حالات کو بد سے بدتر سطح تک پہنچانے میں جہاں بعض علماءِ دین کی باہمی چپقلش، دنیا سے محبت، اپنی ذمہ داریوں سے مجرمانہ غفلت شامل تھی۔ وہاں اکبر بادشاہ کے گمراہ کن نظریات، اس کی بے راہ روی، بے علمی اور جہالت کو بھی بڑا دخل تھا، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اس صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> عہدِ اکبری میں مسلمان غیر اسلامی رنگ میں اس قدر رنگ گئے تھے کہ کفر و اسلام میں امتیاز مشکل ہو گیا تھا۔ مسلمانوں میں سیکڑوں مشرکانہ رسمیں رائج ہو گئی تھیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بھرپور اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوششیں کیں۔ اسلامی حمیت و غیرت کے ساتھ بڑے جرأت مندانہ انداز میں اعلاءِ کلمۃ الحق کہا[۱۸] مفسدانہ خیالات اور گمراہ کن رسوم و رواج کا دائرہ اس حد تک وسیع ہو گیا تھا کہ کلمہ طیبہ میں اکبر خلیفۃ اللہ پڑھا جانے لگا۔ گائے کی قربانی پر پابندی تھی۔ شراب اور جوا عام تھا۔ پردہ پر پابندی تھی۔ عورتیں بے حجابی کے ساتھ آزادانہ طور پر باہر نکلتی تھیں۔ زمین بوس کے نام سے سجدہ کا آغاز ہو گیا تھا۔ عالم و عامی سب ہی بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے لگے۔ مدارس اور مساجد مسمار کر دی گئیں۔ شعائرِ اسلام کا برسرِ عام مذاق اڑایا جانے لگا[۱۹]۔ ہر دردمند اور دین دار مسلمان ان حالات کو آنکھیں بند کر کے خاموشی کے ساتھ کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنا اس کے لیے عظیم سعادت تھی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے یہی کچھ نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر بہت کچھ کیا۔ گناہ، برائیوں، بداعتقادیوں، شرپسندیوں اور گمراہیوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اپنا تن من دھن سب

کچھ ہی تو قربان کردیا۔ روح کی جلاء اور تزکیۂ قلب کی صفاتِ عالیہ پیدا کر کے امتِ مسلمہ کو نئی زندگی عطا کردی۔

حضرت شیخ مجدد نے حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب ارسال کیا جس میں تحریر فرمایا:

> ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی۔ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانوں کی خصوصیات تک پہنچنا مشکل ہے۔ دیوانگی یہ ہے کہ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع ونقصان کا بھی خیال نہ کرنا۔ مسلمان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں[۲۰]۔

سید صدر جہاں کے نام ایک مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

> اس وقت جبکہ حکومتوں میں انقلاب آ گیا ہے ائمہ وعلمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویج شریعت کی طرف مبذول کریں اور شریعت کے جو ستون منہدم ہو گئے ہیں ان کو پھر کھڑا کریں[۲۱]۔

جب اکبر بادشاہ نے اسلامی شعائر پر پابندی لگا دی تھی۔ کفار ومشرکین کا غلبہ بڑھتا جا رہا تھا ایسے ماحول میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء سنت کی تحریک چلائی اور مٹنے والی سنتوں کو زندہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

> پس سب سے بڑی نیکی شریعت کے رواج دینے اور اس کی حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش کرنا ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ اسلامی شعائر مٹتے جا رہے ہوں[۲۲]۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ انحطاط کے زمانے میں سنتوں کو چھوڑ کر بدعات میں منہمک رہنے کو ملت کے لیے مناسب خیال نہیں فرماتے' اور خود بھی بدعات سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> یہ فقیر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر دعا کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نئی نئی باتیں پیدا ہوگئی ہیں، اور لوگوں نے ایجاد کرلی ہیں، جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہ تھیں، مجھے اس نئے کام کے کرنے میں گرفتار نہ کیجیو اور اس نئی چیز کی خوبی کا دیوانہ نہ بنانا[۲۳]۔

سنت کی اتباع اور اسکی حفاظت کے اہتمام کے ساتھ حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ ان بدعات پر اعتراض نہیں فرماتے جو سنت میں کمی بیشی کر کے ایجاد نہ کی گئی ہوں۔ اپنے اس خیال کی تائید میں آپ اس حدیث مبارک کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے: جس نے کسی اچھی سنت کو جاری کیا تو اس کے لیے اس کے جاری کرنے کا اجر ہے، اور جس نے اس پر عمل کیا اس کا اجر بھی اس کے لیے ہے۔[۲۴] قرآن کریم میں ایسے نئے کام جو رضائے الٰہی کے لیے کئے جائیں ان کو ترک کرنے کے بجائے ان کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[۲۵] ارشاد ربانی ہے:

> اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا، پھر وہ اسے نہ نبھا سکے جیسا کہ نبھانے کا حق تھا۔ بس جو ان میں سے ایمان لے آئے ہم نے ان کو ان کے حسن عمل اور حسنِ نیت کا اجر عطا فرما دیا۔

اس حقیقت سے انکار کی قطعاً گنجایش نہیں کہ اسلام رہبانیت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، ترک دنیا کی بجائے غرقِ دنیا ہونے سے روکتا ہے۔ آیت مبارک میں رب کریم ارشاد فرماتا ہے کہ دنیا کو چھوڑنے کی ہم نے ان کو ہدایت نہیں کی تھی بلکہ یہ طریقہ ان کا اپنا ایجاد کیا ہوا تھا۔ اس کے تقاضوں کو وہ پورا نہ کر سکے، لیکن ان نئے طریقوں کو اپنانے میں ان کے پیش نظر اپنے معبود کی خوشنودی کا حصول تھا۔ اس لیے ہم نے ان کے اس عمل پر بھی ان کو اجر عطا فرما دیا''۔ آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کوئی ایسا طریقہ یا عمل اختیار کیا جائے جس میں نیت صرف یہ ہو کہ ہمارا رب اس عمل سے خوش

ہو جائے اور اسکی ممانعت کی بھی کوئی واضح ہدایت نہ ہو تو ایسے عمل کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے' اس کو اگر بدعت بھی کہیں تو ایسی بدعت قابلِ مواخذہ نہیں بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔

فاضل محقق مسعودِ ملت محترم جناب مسعود احمد صاحب ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

> انسان کی فطرت ہے کہ وہ نئی سے نئی اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ گویا طبعی طور پر وہ ''بدعتی'' ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذوق کی تربیت فرمائی اور دین میں نئی باتیں نکالنے کے چند اصول و قواعد ہمارے سامنے رکھ دیے تاکہ ذوق کی تسکین بھی ہو جائے اور دین بھی مسخ نہ ہو۔ ایک اصول یہ رکھا کہ جو نئی بات مخالف سنت ہو مردود ہے۔ دوسرا اصول یہ رکھا جو بات مخالف سنت نہ ہو اور اچھی ہو تو اس کا ثواب ضرور ملے گا اس کے ایجاد کرنے کی ممانعت نہیں[٢٦]۔

حضرت مجدد الف ثانی بدعاتِ حسنہ کے تو قائل ہیں مگر ایسی بدعات کو حسنہ قرار نہیں دیتے جو سنت میں کمی بیشی کر کے ایجاد کی گئی ہوں۔ اس سلسلے میں آپ کا موقف یہ ہے:

> جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء مشائخ نے اچھا سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ وہ سنت پر زیادتی ہیں اور زیادتی رفع سنت ہے[٢٧]۔
>
> غالباً ایسی بدعات کے لیے حدیث میں آیا ہے جب کوئی قوم بدعت جاری کرتی ہے تو اس سے اس جیسی ایک سنت اٹھالی جاتی ہے[٢٨]۔

یہ بات تو تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ اور سنتوں کے احیاء کا جو اہم اور کٹھن ترین مشن آپ نے جن دشوار اور ناساز گار حالات میں شروع کیا وہ ایسے تھے جب شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ سنتوں کی تو بات ہی کیا فرائض و واجبات کی ادائیگی سے مسلمانوں کو روکا جا رہا تھا۔ ہر ایسی کوشش کی حکومتی سرپرستی میں حوصلہ افزائی کی جا رہی تھی جس سے مسلمان اپنے دین سے دور تر ہوتے چلے جائیں۔ اس زوال و انحطاط کے دور میں احکاماتِ الٰہی کی فرماں برداری تعلیماتِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور مسلم امت کے استحکام کا یہ تقاضا تھا کہ اللہ کی رسی کو اس مضبوطی اور استقامت سے تھاما جائے کہ اس میں کہیں بھی کمزوری اور غفلت کی علامات ظاہر نہ ہوں۔ ہر مروجہ یا نئی باتوں کو نظر انداز کر کے صرف اور صرف ارشادات ربانی کی تابعداری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کیا جائے۔ امتِ مسلمہ کے افراد اگر بدعات میں منہمک ہو گئے تو پھر سنتوں پر عمل سے دور ہوتے چلے جائیں گے، کیونکہ ظلمتوں اور گمراہیوں کے اس پر آشوب دور میں سنتوں اور قرآنی تعلیمات کو زندہ کرنا روشنی کی وہ واحد کرن تھی، جس سے قلبِ مسلم کے بے چین دل کو تازگی و توانائی حاصل ہو سکتی تھی۔ معاشرہ کے افراد ایمان کی آزمائش اور عقائد و اعمال کی حفاظت کے سخت مرحلہ سے دوچار تھے۔ اس اخلاقی زوال کے مضر اثرات کو روکنے کا واحد اور موثر طریقہ یہی تھا کہ مسلمانوں کو سنت اور احادیث کی پیروی کے ساتھ بدعات پر عمل کرنے سے سختی سے روک دیا جائے۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس راستے کو کامیابی سے اپنایا۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب انسان بیمار پڑ جائے تو ڈاکٹر احتیاط کے طور پر ان غذاؤں کے استعمال سے بھی منع کر دیتا ہے جو جائز مباح اور بہ ظاہر صحت کے لیے نقصان دہ بھی نہیں ہیں، لیکن مریض کی صحت کی بحالی کے لیے وہ اس قدم کے اٹھانے میں حق بجانب ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ غذا عام حالات میں ممنوع نہیں ہوتی۔

بہر حال حضرت مجدد الف ثانی کے خیال میں زوال و انحطاط ملتِ اسلامیہ کے زمانے میں صرف سنت پر ہی عمل کیا جائے کیونکہ مرض دور کیے بغیر غذا کا استعمال نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> اول مرض دور کرنا چاہیے جو ذکر نفی و اثبات سے وابستہ ہے، پھر دوسری عبادات و حسنات جو بدن کے لیے غذائے صالح کا حکم رکھتی ہیں مشغول ہونا چاہیے۔ مرض دور ہونے سے پہلے جو غذا کھائیں گے وہ فاسد و مفسد ہوں گی[۲۹]۔

ڈاکٹر مریض کو اس کی صحت کی بقاء کے لیے بعض لذیذ و نفیس کھانے پینے کی چیزوں پر پابندی لگا دیتا ہے، کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اسی طرح روحانی مریضوں کا حال ہے، ان کی روحانی صحت کے لیے ایک وقت معیّن تک بعض جائز اعمال سے روکا جاتا ہے۔ روحانی صحت کے بعد اجازت دے دی جاتی ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ دینی احکامات پر عمل سنتوں کے احیاء اور ان کی حفاظت و بقاء کے لیے آپ نے تمام تر وسائل اور صلاحیتیں وقف کر دیں۔ بدعات کے خاتمے کے لیے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کیے جیسا کہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> یہ کس قدر بڑی بھاری نعمت ہے کہ محبّ و مخلص ہمہ تن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ سنت و بدعت ایک دوسرے کی پورے طور پر ضد ہیں۔ پس سنت کا زندہ کرنا بدعت کے ختم کرنے کا موجب ہے[۳۰]۔

لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر وہ نیا طریقہ یا نئی بات جس کی شریعتِ مطہرہ نے کوئی مخالفت نہیں کی ہے، اور اس سے دین کے کسی حکم کو ضعف نہیں پہنچ رہا ہے، ان اعمال کی ادائیگی کو حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔ بعض حضرات محفلِ میلاد شریف اور محافلِ عرس کے انعقاد اور ان میں شرکت کو بدعت اور اسی طرح کے دوسرے مسائل کو سنت کے تقاضوں کی تکمیل کے خلاف شمار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں رہبرِ اہلِ سنت مسعودِ ملت جناب ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں فخرِ اہلِ سنت تاجدارِ ملت حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و اعمال کو نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

محفل میلاد شریف

میلاد پاک کی محفل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوتا ہے۔ پورا قرآن کریم اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ خالقِ کائنات اپنے اس بے مثل محبوب کا ذکر مختلف انداز میں خود بھی فرماتا ہے، اور اپنے بندوں کو بھی اس مقدس فریضے کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے[۳۱] انبیائے کرام نے بھی یہ نیک عمل انجام دیا۔[۳۲] پس سنت الٰہی اور سنتِ انبیاء علیہم السلام پر عمل کرتے ہوئے صلحائے امت نے بھی یہ محفلیں منعقد کی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسی محافل کی اجازت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> مجلس میلاد شریف میں اگر بہترین آواز کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اور منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے[۳۳]۔

لیکن بعض حالات میں مولود خوانی کو منع بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں:

> ناجائز تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے حروف میں تغیر و تحریف کرتے ہوئے قصیدے پڑھنے میں موسیقی کے قواعد کی رعایت اور پابندی کی جائے، تالیاں بجائی جائیں، ان باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے غرض صحیح کے ساتھ پڑھے جائیں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں[۳۴]۔

محافلِ عرس

عالم اسلام میں ایک طویل عرصے سے یہ رواج ہوگیا ہے کہ بزرگانِ دین کے یومِ وصال کے موقع پر ان کی یاد میں محفل منعقد کی جاتی ہے جس میں تلاوت قرآن کریم ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارکہ کے ساتھ کلمہ طیبہ، درودِ پاک کا ورد ہوتا ہے، اور نعت شریف اور منقبت پڑھی جاتی ہیں۔ ایسی محفلوں کو "عرس" کہتے ہیں۔ جو کچھ عرس میں ہوتا ہے قرآن وحدیث میں اس کی تائید تو ملتی ہے، ممانعت نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ کا دہلی میں عرس ہوتا تھا اور آپ اس میں شریک ہوتے تھے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس کے زمانے میں دہلی پہنچ کر یہ خیال تھا کہ آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوں کہ اس اثناء میں روانگی کی خبر پھیل گئی۔ مجبوراً توقف کر کے چند نامربوط کلموں سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں[۳۵]۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے اورنگ زیب کے مرشد حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ بھی اپنے والدِ ماجد کا عرس کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

> چند روز سے اس مسکین کے درد میں آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر چند گھڑیوں کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد علیہ الرحمۃ) کی مجلسِ عرس میں حاضر ہوا[۳۶]۔

ان اقتباسات سے پتا یہ چلا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خود عرس میں شریک ہوتے، اور سرہند

میں آپ کے صاحبزادگان آپ کا عرس کرتے اور شرکت فرماتے' البتہ آپ ان امور کے خلاف تھے جو اس میں خلافِ شرع شامل کر لیے جاتے ہیں۔ اس میں عرس کے ساتھ ہی خصوصیت نہیں بلکہ ہر وہ محفل جس میں قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف عمل ہوتا ہو، اس کا انعقاد اور اس میں شرکت دونوں ناجائز ہیں۔

بدعت کے بارے میں جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پھیلائی جا رہی ہیں اور الزام تراشیاں اور بہتان طرازیاں کی جا رہی ہیں' اس غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل سے امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے' اور فکری ہم آہنگی اور عملی یکجہتی کے راستے بند ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ یہ تشویش ناک اور المناک صورتحال خصوصی توجہ اور فوری علاج کی متقاضی ہے۔ اِس نازک مگر اہم مسئلہ پر محترم المقام جناب ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہ العالی اپنے گراں قدر خیالات و دکھ بھرے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں؟

> غور فرمائیں جن نفوسِ قدسیہ نے مندرجہ بالا امور پر عمل فرمایا ان کی صداقت و شرافت اور پاکیزگی و پاکبازی پر زمانہ گواہ ہے۔ انہوں نے انسانوں کو بنایا۔ معاشرے کو سنوارا، یہ کیا قیامت ہے کہ ہر کافر و مشرک اور فاجر و فاسق کے طریقوں پر عمل ہو رہا ہے' ان کی ہر بدعت پسند ہے 'اور علماء امت کی ہر بدعت کفر و شرک' یہ کیا راز ہے یہ کیا بھید ہے۔ ہم قرآن کو دیکھتے ہیں حدیث کو دیکھتے ہیں۔ صحابہ کرام اور صلحائے امت کو دیکھتے ہیں اور پھر اپنے طرزِ عمل کو جانچتے ہیں تو حیرت انگیز تضاد نظر آتا ہے۔ ہم ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے بلکہ شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں' جن سے دین میں کوئی نقصان نہیں' اور ملت کو کوئی ضرر نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسری طرف ہم ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ جس آنکھ سے یہ نظر نہیں آتیں اس آنکھ سے رات کے اندھیرے میں وہ باتیں شرک و برعت نظر آتی ہیں قرآن و حدیث میں جن کی اجازت ہے۔
>
> ہمارا طرزِ عمل کچھ عجیب سا ہے ایک طرف حرام سے پرہیز نہیں کرتے'

دوسری طرف مباح اور مستحب کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔ ہم ذہنی خلجان میں مبتلا ہیں جس سے دشمنانِ اسلام کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ پریشان حال امت کو یہ باور کرانا کہ ان کے بزرگ آبا و اجداد اور علماء و مشائخ شرک و بدعتی تھے نہایت خطرناک ہے۔ گویا ہم جس کو مسلمانوں کا شاندار ماضی اور اسلام کی درخشاں تاریخ بھی کہتے ہیں، وہ اسلام کی تاریخ نہ تھی وہ شرک و بدعت کا دور تھا۔ یہ ایسی مہلک فکر ہے جس سے ملت اسلامیہ بڑی تیزی سے پستی کی طرف جا رہی ہے، اور رفتہ رفتہ بے جان و بے آسرا ہو رہی ہے۔ ہماری پریشانیوں اور مصیبتوں کا سبب یہی ہے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور قرآن کریم کے احکامات کو پسِ پشت ڈال کر اکابرینِ ملت کا دامن چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ ان کو بدنام کرنے کے درپے ہو گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام نے بدعت کو عالمی پیمانے پر سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ صرف ان ہی بدعتوں کو ہدف بناتے ہوئے ان کے خلاف کیوں جدوجہد کی جا رہی ہے، جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ رہتی ہے جن سے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور جن سے اسلامی غیرت بیدار ہوتی ہے۔ ہمارے تہذیبی، تمدنی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی، سیاسی سارے ڈھانچے یکسر بدل دیے گئے، ایک فکر و عقیدہ کا ڈھانچہ رہ گیا تھا اب اس کی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے، فکر و عقیدہ فرد و جماعت کے بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فکرِ صالح اور عقائدِ صحیحہ سے ایسا انقلاب عظیم برپا کیا کہ مغلوب قوم غالب ہو گئی، گمراہ ہادی بن گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور سب کو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے، ہم اس صراطِ مستقیم پر چلیں جس پر ہمارے اکابر و اجداد چلتے رہے جس کا ذکر سورہ فاتحہ میں ہے[۳۷، ۳۸]

آمین اللّٰھم آمین!

☆……☆……☆

حواشی

۱......(ا) ترمذی شریف، ج ۲، ص ۳۳۴ (ب) مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۵۹۵

۲......بخاری شریف، ج ۲، ص ۸۵۴، مطبوعہ دہلی

۳......مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۵۹۵

۴......سورہ مریم آیت ۹۶......طٰہٰ آیت ۷۵......انبیاء آیت ۹۴......سبا آیت ۱۱

۵......بخاری شریف، ج اول، ص ۱۰۱

۶......عینی، ج ۱، ص ۳۶۷

۷......سورۃ حجرات، آیت ۱۲

۸......بخاری شریف

۹......سورۃ انفال آیت ۳۸......اسراء ۱۷......آل عمران ۱۳۷......احزاب ۶۲

۱۰......مسلم شریف، ص ۲۲۷، مشکوٰۃ شریف، ص ۳۳

۱۱......سنن نسائی، ج ۲، ص ۴۲۷ (بحوالہ نئی نئی باتیں، ص ۲۰)

۱۲......سورہ الاحزاب، آیت ۳۳ (بحوالہ نئی نئی باتیں، ص ۲۰)

۱۳......سورۃ اسراء، آیت ۲۶-۲۷-اعراف ۳۱، انعام ۱۴۱

۱۴......تحدیثِ نعمت، مفتی مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۶

۱۵......تحدیث نعمت، مفتی مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۶

۱۶......سورۃ الحج، آیت ۳۲

۱۷......تحدیث نعمت، ص ۱۵-۱۶

۱۸......حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر محمد مسعود صاحب، ص ۱۰۹

۱۹...... تجلیات امام ربانی‘ ڈاکٹر محمد مسعود صاحب‘ ص ۱۵
۲۰...... شیخ احمد سرہندی‘ مکتوب ۱۶۳، حصہ سوم‘ مطبوعہ کراچی
۲۱...... شیخ احمد سرہندی‘ مکتوب ۱۹۵، حصہ سوم
۲۲...... شیخ احمد سرہندی‘ مکتوب ۴۸، جلد اول
۲۳...... شیخ احمد سرہندی‘ مکتوب شریف نمبر ۱۸۶‘ جلد اول
۲۴...... شیخ احمد سرہندی‘ مکتوب شریف ۱۹۲‘ ج اول بکتوب ۹۶‘ ج سوم
۲۵...... سورۃ الحدید‘ آیت ء۲۷
۲۶...... مجدد ہزارہ دوم محترم ڈاکٹر محمد مسعود صاحب‘ ص ۱۰۷‘ حاشیہ ص ۹۵
۲۷۔ مکتوبات، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ‘ مکتوب ۱۸۶، جلد اول
۲۸۔ رواہ احمد
۲۹۔ شیخ احمد سرہندی‘ مکتوب ۱۲‘ ج سوم۔ صراطِ مستقیم‘ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، ص ۴۱
۳۰۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوب شریف ۲۵۵، ج اول
۳۱۔ قرآنِ حکیم‘ سورۃ آل عمران، آیت ۸۱‘ سورۃ احزاب، آیت ۵۶
۳۲۔ قرآنِ حکیم‘ سورۃ الصّف آیت ۶
۳۳۔ احمد سرہندی، مکتوب شریف ۷۲، ج سوم
۳۴۔ احمد سرہندی، مکتوب شریف، ۷۲، ج سوم
۳۵۔ احمد سرہندی، مکتوب شریف ۲۳۳، ج اول
۳۶۔ مکتوبات معصومیہ، مکتوب شریف، ۶۸، ج سوم
۳۷۔ سورۃ فاتحہ‘ آیت ۵
۳۸۔ نئی نئی باتیں، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۲۳۔۲۷

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور مسلک اہلسنت

علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی

☆☆

غوث صمدانی، شہباز لامکانی، قندیل نورانی، رمزِ حقانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السبحانی کی ذاتِ مبارکہ یگانوں اور بیگانوں سبھی کے نزدیک قابل تعظیم اور لائق تسلیم ہے۔ ہر کوئی آپ کا مدح خواں اور خوشہ چین دکھائی دیتا ہے اور طرفہ یہ کہ دیوبندی اور غیر مقلدین حضرات عقائد و نظریات کے اختلاف کے باوجود آپ کی طرف مائل اور آپ کی دینی، اسلامی اور تجدیدی اصلاحات و خدمات کے معترف ہیں۔

حضرت امام ربانی اور مسلک اہلسنت

مسلک اہلسنت حق و صداقت کا معیار بھی ہے اور بخشش و نجات کا ضامن بھی۔ دورِ رسالت سے آج تک اسی مسلک کا غلبہ و چرچا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین اور مفسرین و مجددین نے اسی مسلک حق کی تبلیغ و تشہیر کا فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ بھی تاحیات مسلک حق اہلسنت و جماعت کے نقیب اور مبلغ رہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> بالجملة طریق النجات متابعة اهل السنة والجماعة کثرهم الله سبحانه فی الاقوال والافعال و فی الاصول والفروع فانهم الفرقة الناجیة، وما سواهم من الفرق فهم فی معرض الزوال و شرف الهلاک علمه الیوم احدا ولم یعلم اما فی الغد فیعلمه کل احد ولا ینفع اللهم نبهنا قبل ان ینبهنا الموت (دفتر اول، مکتوب نمبر ٦٩)

خلاصہ یہ کہ نجات کا طریقہ اقوال و افعال اور اصول و فروع میں اہلسنت و جماعت کی متابعت ہے، بیشک یہی ناجی گروہ ہے اور اس کے سوا تمام فرقے زوال کے کنارے اور ہلاکت کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ آج کوئی اس حقیقت کو جانے یا نہ جانے بہرحال کل (قیامت کو) ہر کوئی اس سے باخبر ہوگا، لیکن اس دن کا جاننا نفع نہ دے گا۔

مزید فرماتے ہیں:

نخستین ضروریات برارباب تکلیف تصحیحِ عقائد است بروفق آرائے عطا اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کہ نجات اخروی وابستہ باتباع آرائے صواب نمائے ایں بزرگواران است و فرقہ ناجیہ ہم ایشان و اتباعِ ایشان اند و ایشانند کہ برطریق آنسرور و اصحابِ آنسرور اند صلوات اللہ و تسلیماتہ علیہ و علیہم اجمعین، و از علومیکہ از کتاب و سنت مستفادند ہماں معتبر اند کہ ایں بزرگواران از کتاب و سنت اخذ کردہ اند و فہمیدہ زیرا کہ ہر مبتدع و ضال عقائد فاسدہ خود را بزعم فاسد خود از کتاب و سنت اخذ میکنند پس ہر معنی از معانی مفہومہ از ینہا معتبر نباشد
(دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۹۳)

یعنی مکلفین پر اولین ضروری ہے کہ اہلسنت و جماعت کے علماء کے آراء کے مطابق عقائد درست کریں، کیونکہ اخروی نجات ان بزرگوں کی صائب آراء کی پیروی سے وابستہ ہے اور یہی فرقہ ناجی ہے اور ان کی اتباع نجات کی ضامن ہے۔ کیونکہ یہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر گامزن ہیں۔ وہ علوم و معارف جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں صرف وہی معتبر ہیں جو ان بزرگوں نے کتاب و سنت سے اخذ کیے ہیں کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے فاسد عقائد کو اپنے باطل خیال کے مطابق قرآن و سنت سے ہی اخذ کرتا ہے۔ لیکن ان کے بیان کردہ معانی و مفاہیم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مزید ارشاد فرمایا کہ:

> بمقتضائے آرائے صائبہ اہل سنت و جماعت کہ فرقہ ناجیہ اند ونجات بے اتباع ایں بزرگواران متصور نیست واگر سر مو مخالفت است خطر در خطر است این سخن بکشف صحیح والہام صریح نیز بیقین پیوستہ است احتمالِ تخلف ندارد
>
> (دفتر اول، مکتوب نمبر ۵۹)

اہل سنت و جماعت کی درست آراء کے مطابق (عقائد درست کریں) کیونکہ یہ جماعت نجات پانے والی ہے اور ان بزرگواروں کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اگر بال برابر بھی مخالفت ہوئی تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح نیز یقین کا درجہ حاصل کر چکی ہے جس میں مخالفت کا احتمال نہیں۔

مشارکت اسمی ولفظی

خدا تعالیٰ اپنے ہر امر میں یگانہ اور منفرد ہے، مخلوق میں کوئی فرد بھی اس کا شریک نہیں۔ لیکن بعض الفاظ خالق اور مخلوق پر بولے جاتے ہیں جس سے بعض لوگوں کو شرک کا خدشہ ہوتا ہے جبکہ اس کا شرک سے کوئی واسطہ نہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> باید دانست کہ اللہ تعالیٰ بذات مقدس خود موجود است واشیاء بایجاد او تعالیٰ موجود اند و او تعالیٰ یگانہ است ہم در ذات وہم در صفات وہم در افعال وہیچ کس را در ہیچ امرے با و تعالیٰ فی الحقیقت شرکتے نیست چہ وجود وچہ غیران، مشارکت اسمی ومناسبت لفظی از مبحث خارج است
>
> (دفتر اول، مکتوب نمبر ۳۶۶)

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدس کے ساتھ از خود موجود ہے اور اشیاء اس کے ایجاد کرنے سے وجود پذیر ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے اور در حقیقت کسی کو بھی اس کے کسی امر میں کوئی شرکت حاصل نہیں ہے، کیا وجود اور کیا اس کے علاوہ۔ اس میں اسمی مشارکت اور لفظی مناسبت بحث سے خارج ہے۔

یعنی اگر ایک لفظ خالق اور مخلوق دونوں پر بولا جائے تو چونکہ معنی میں برابری نہیں ہوتی، لہٰذا اسے شرک نہیں کہنا چاہیے۔ قرآن وحدیث میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

”عدم ظل مصطفیٰ“

جمہور علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور پرنور، شافع یوم النشور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۱...... **ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر** (نوادر الاصول)

۲...... **وقال عثمان ان اللہ تعالی ما اوقع ظلک علی الارض لئلایقع انسان قدمه علی ذالک** (مدارک ۳/۳۵)

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر کا سایہ نہ ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

> یعنی چونکہ آنحضرت ﷺ اس عالم ممکنات میں سے نہیں، بلکہ اس سے بلند وارفع مکان سے پیدا ہوئے، اس بناء پر آپ کے جسم شریف کا سایہ نہیں تھا اور اس عالم شہادت میں شئے کا سایہ شئے سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب حضور علیہ السلام سے زیادہ لطیف چیز جہاں میں ہے ہی نہیں تو آپ کے جسم مبارک کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے؟
>
> (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۰۰)

مزید فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کا ظل کیوں ہو کہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا گمان گزرتا ہے اور اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شک پیدا ہوتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک کا کمال لطافت کے باعث سایہ نہیں تھا تو خدائے محمد کا سایہ کس طرح ہو سکتا ہے؟
>
> (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۲)

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

علم خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

تمام علوم خواہ غیب سے متعلق ہوں یا شہادت سے ان کا سرچشمہ کتاب خداوندی ہے۔ جس کو جو کچھ ملا وہاں سے ہی ملا۔ عام انسانوں کو علومِ شہادت دیے گئے۔ جبکہ خواہی مقربانِ بارگاہ الٰہ کو علوم غیبیہ سے مشرف فرمایا گیا۔ مخلوق میں سب سے زیادہ علوم ومشاہدات سے محبوبِ دوعالم، رسول مکرم ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ کوئی فرد بھی ان علومِ ومعارف کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ محبوبانِ خدا کے علوم کے متعلق حضرت مجدد کے نظریات ملاحظہ ہوں۔

۱......قرآنی متشابہات تاویل پر محمول ہیں ان کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما یعلم تاویلہ الا اللہ یعنی متشابہ کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی متشابہ تاویل پر محمول ہے اور اس کا ظاہری معنی مراد نہیں۔ اللہ تعالیٰ علماء راسخین کو بھی تاویل کے علم میں سے حصہ عطا فرماتا ہے جیسے کہ اپنی ذات کیساتھ مخصوص علم غیب کی اطلاع خاص رسولوں کو عطا فرماتا ہے۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۳۱۰)

۲......حروف مقطعات قرآنی سب کے سب حالات کی حقیقتوں اور اسرار کی باریکیوں کے متعلق رموز اور اشارے ہیں جو محبّ (اللہ تعالیٰ) اور محبوب (حضور اکرم ﷺ) کے درمیان وارد ہیں اور کون ہے جو ان کو پاسکے؟ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۰۰)

۳......نبوت سے مراد وہ مرتبہ ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اس کی روشنی میں غیب اور دیگر امور ظاہر ہوتے ہیں جن کو عقل حاصل نہیں کرسکتی۔ (اثبات النبوۃ ص ۷۲)

حضور ﷺ حاضر وناظر ہیں

خالق کائنات نے ساری زمین اپنے محبوب مکرم ﷺ کے لیے سمیٹ دی ہے۔ آپ زمین کے مشارق ومغارب کو ملاحظہ فرماتے ہیں، وصال کے بعد بھی آپ کی امت کے احوال آپ پر پیش کیے

جا رہے ہیں۔ آپ اپنی امت سے کسی وقت بھی بے خبر نہیں بلکہ ایک مقام پر جلوہ فرما کر سبھی کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ عرفِ عام میں اسی کو حاضر و ناظر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اسی موقف کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> حدیث شریف **تنام عینای ولاینام قلبی** جو تحریر ہوئی ہے اس کا اشارہ دوام آگاہی (حضور کا ہر وقت اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہونے) کی طرف نہیں ہے، بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اور اپنی امت کے احوال سے غافل نہیں ہوتے، اسی لیے سرورِ دو عالم ﷺ کے حق میں نیند ناقض وضو نہیں ہے۔ چونکہ اللہ کے نبی اپنی امت کی حفاظت کے سلسلے میں نگہبان کی طرح ہوتے ہیں، اس لیے غفلت آپ کے منصبِ نبوت کے لائق نہیں ہوگی۔ (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۵۵)

حضرت مجدد اپنے مرشد کریم کی خدمت میں عرض گزار ہیں:

> یہ رسالہ (کثیر البرکات) بعض یاروں کی التماس پر لکھا گیا ہے، واقعی رسالہ بے نظیر اور بڑی برکات کا حامل ہے۔ اس رسالہ کو لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ اپنی امت کے بہت سے مشائخ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اس رسالہ کو اپنے ہاتھ مبارک میں لیے ہوئے کمال کرم سے اسے چومتے ہیں اور مشائخ کو دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں اس قسم کے عقائد حاصل کرنا چاہیے اور اسی مجلس میں آپ نے خاکسار کو اس واقعہ کو شائع کرنے کا حکم فرمایا۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۶)

اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی امت کے احوال سے باخبر ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر ذی نفس پر موت کا قانون پورا ہوگا، انبیاء کرام، رسل عظام اور مقربان بارگاہ الٰہ بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن وصال کے بعد انبیاء کرام کو ایسی زندگی عطا فرما دی جاتی ہے کہ انہیں قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور وہ نمازیں بھی ادا فرماتے ہیں۔ اس موقف پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ حضرت مجدد

علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> آپ نے سنا ہوگا کہ **الانبیاء یصلون فی القبور** نبی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات جب حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو ان کو وہاں بھی پایا۔ اس مقام کے معاملات نہایت عجیب وغریب ہیں۔
>
> (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱۶)

محافلِ عرس کا انعقاد

بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کو ایصالِ ثواب اور اولیاء کرام کی تعلیمات و مقامات کو عام کرنے کے لیے ان کی قبور مقدسہ کے قرب و جوار میں یا دور دراز علاقہ جات میں محافل مبارکہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جسے ''عرس'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی نام سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے زمانہ مبارکہ میں بھی محافل کا انعقاد کیا جاتا تھا اور آپ اس میں پورے اہتمام سے شرکت فرمایا کرتے تھے۔ آپ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس کے زمانے میں دہلی پہنچ کر یہ خیال تھا کہ آپ کی عالی خدمت میں بھی حاضر ہوں۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۳۳)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ بھی اپنے والد بزرگوار کا عرس کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> چند روز سے اس مسکین کے درد میں آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر چند گھڑیوں کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ) کی مجلس عرس میں حاضر ہوا۔ (مکتوب معصومیہ، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶)

وسیلہ

بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کے لیے جہاں نیک اعمال اور ادعیہ ماثورہ وسیلہ ہیں وہاں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ذواتِ قدسیہ بھی وسیلہ ہیں۔ قرآن وحدیث کے بیشتر مقامات سے اس موقف کی تائید ہوتی

ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

۱...... آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کسی کو مطلوب تک وصول محال ہے۔ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۲)

۲...... جو روشن شریعت میں مضبوط قدم رکھتے ہیں اور عالم حقیقت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں ان سے دعا طلب کرنی چاہیے اور مدد لینی چاہیے تاکہ حق سبحانہ کی عنایت ان کے دریچے سے ظاہر ہو کر اپنی بارگاہ کی طرف پوری طرح جذب کر لے اور مخالفت کی اس میں کوئی گنجائش نہ رہے۔ (دفتر اول، مکتوب ۷۳، مکتوب ۷۸)

۳...... انبیاء کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں اس درجہ تک پہنچے مگر امت، نبی کے واسطے سے پہنچتی ہے تو وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہوتا ہے۔ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۸۸)

۴...... اہل اللہ پر خصوصاً جب کہ پیری و مریدی کا نام درمیان میں ہو (یعنی جبکہ وہ پیر و مرشد بھی ہو) اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہو تو اعتراض نہیں کرنا چاہیے اور اس کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۷۹)

یعنی صاحبِ اجازت پیرومرشد سے فائدہ ہوتا ہے، وہ حصول فیض کا وسیلہ ہے اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

تصرفات انبیاء و اولیاء

انبیاء کرام اور اولیاء عظام جس طرح درجات و مقامات میں عوام الناس سے ممتاز ہوتے ہیں یونہی انہیں خصوصی قوت، قدرت اور طاقت عطا فرما کر عام انسانوں سے بلند اور منفرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ حسب موقع خدائی تصرفات کو استعمال فرماتے ہیں اس لیے ان سے مدد مانگنا اور انہیں دور سے پکارنا بھی درست ہے۔ اسے شرک و بدعت سے تعبیر کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

۱......مدت ہوئی بعض احباب حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے چونکہ فقیر کو ان کے احوال پر پوری طرح اطلاع نہیں دی گئی تھی اس لیے جواب میں توقف کرتا رہا۔ اتفاقاً آج صبح حلقے میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام روحانیوں کی صورت میں تشریف فرما ہیں اور روحانی ملاقات میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں اور حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے کہ عالمِ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام انجام دیں جو عام اجسام سے وقوع میں آتے ہیں۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۸۷)

۲......اور اسی طرح مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان عزیزوں کی صورتیں حاضر ہو گئی ہیں اور ان کی مصیبت کو دور کر دیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس عزیز کو اس مصیبت کے دور کرنے کی اطلاع ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور وہ مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۵۸)

۳......اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے مجرد (بزرگوں کے) روحوں کو ایسی قدرت مرحمت فرمائے کہ ان سے اجسام جیسے افعال صادر ہوں۔ (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۲۸)

ایصالِ ثواب

صاحبِ قبر زندوں کی دعاؤں کا انتظار کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دعائیں اسے دنیا و مافیھا سے پیاری اور نفع بخش ہوتی ہیں۔ دعائے بخشش کے علاوہ ہر نیک عمل کا ثواب فوت شدگان کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ کھانا سامنے رکھ کر دعا و فاتحہ پڑھنا بھی درست ہے۔ اعمال صالحہ کا ثواب نیکوں کی بارگاہوں میں بھی پیش کیا جا سکتا

ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ۱......آپ کا معمول تھا کہ پابندی کے ساتھ اہل بیت اطہار کے لیے کھانا وغیرہ مخصوص فرما کر فاتحہ دیتے اور ثواب پیش کرتے۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آپ نے فرمایا: من طعام در خانہء عائشہ می خورم۔ (میں عائشہ کے گھر سے کھانا کھاتا ہوں) جس کسی کو میرے لیے کھانا بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر میں بھیج دے۔ آپ فرماتے ہیں۔ فقیر اس طعام میں حضرت عائشہ کو شریک نہ کرتا تھا بعد ازاں حضرت صدیقہ بلکہ تمام ازواج مطہرات کو جو اہل بیت میں شریک ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہل بیت کو وسیلہ بناتا تھا۔ (دفتر دوم، مکتوب ۳۶)
>
> ۲......آپ کھانا پکا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔ (دفتر دوم، مکتوب ۳۶)

آپ فاتحہ مروجہ بھی دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

> آپ نے جو نیاز درویشوں کے لیے روانہ کی تھی وہ مل گئی ہے اور اس پر سلامتی کے لیے فاتحہ بھی پڑھ دی گئی ہے۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۴۳)

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربان بارگاہ کو قسم قسم کی فضیلتوں، عظمتوں اور رفعتوں سے نوازا ہے۔ انبیاء و مرسلین میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے لیکن ہمارے آقا، رحمت کون و مکاں ﷺ کو ساری مخلوق میں سب سے سربلند اور سب کا سردار بنا دیا ہے۔ اہل اسلام کا نظریہ ہے کہ:

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کوئی عقل آپ کی جلالت شان کا ادراک نہیں کر سکتی۔

مقام رضا سے اوپر حضرت خاتم الرسل ﷺ کا مقام ہے، غالباً اسی مقام کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

> میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور نبی رسول کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

اور غالباً حدیث قدسی میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے:

> اے حبیب میں ہوں اور تم ہو اور تمہارے علاوہ جو کچھ ہے وہ میں نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عرض کیا: اے اللہ تو ہے اور میں ہوں۔ تیرے سوا جو کچھ ہے وہ میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا ہے۔

لہٰذا عقلِ نارسا لاکھ کوشش بھی کرے، مگر پھر بھی نبوت و رسالت کے تاجدار، محبوب خلاق، عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جلالت شان کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔

اسی بات کو امام ربانی، قندیل نورانی، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات قدسی آیات کے ضمن میں فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> ہم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو اس دنیا میں کیا پا سکتے ہیں اور آپ کی عظمت و بزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں کیونکہ اس امتحان گاہ میں سچ، جھوٹ کے ساتھ اور حق، باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن قیامت کے دن آپ کی عظمت و بزرگی معلوم ہو جائے گی۔ جبکہ آپ پیغمبروں کے امام اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء و مرسلین ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۷)

آپ مزید فرماتے ہیں:

> (حدیث پاک میں ہے) میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہتر مخلوق میں پیدا کیا، پھر ان کو دو گروہ بنایا تو مجھے ان کے اچھے گروہ میں رکھا، پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے بہتر قبیلے میں رکھا، پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے ان کے بہتر گھر والوں میں رکھا۔ پس میں نفس اور گھر کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوں اور میں سب سے پہلے ہوں گا جس کی قبر کو کھولا جائے گا، میں ان کا رہنما ہوں گا جب وہ مختلف قافلوں

> میں ہوں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش کرائے جائیں گے۔ اور میں ان کا شفیع ہوں گا۔ جب وہ روک دیے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہو جائیں گے اور کرامت و جنت کی کنجیاں اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے بزرگ ہوں، ہزار خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما، آبدار موتیوں کی طرح ہوں گے اور جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا اور ان کی شفاعت کروں گا۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۴۴)

اس ضمن میں آپ مزید فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ ظہور میں تمام مخلوقات میں افضل و اکمل اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ حسن و جمال و کمال کے جامع ہیں۔ ان کی قدر سب سے بلند اور ان کی شان و شرف سب سے عظیم، ان کا دین سب سے زیادہ محفوظ اور ان کی ملت سب سے زیادہ راست اور درست ہے۔ حَسَب میں سب سے زیادہ کریم اور نسب میں سب سے شریف اور خاندان میں سب سے زیادہ معزز اور بزرگ ہیں۔ (دفتر دوم، مکتوب ۴۰۳)

وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ جو چودہ طبق کی کائنات ہے یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں کی خیرات ہے۔ اگر حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ اسی بات کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ا......اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالم دنیا میں ظہور نہ فرمانا ہوتا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ کرتا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے

جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کی حالت میں تھے۔

(دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱)

۲...... حقیقتِ محمدی جو حقیقت الحقائق ہے مراتب ظلال طے کرنے کے بعد آخرکار اس فقیر پر ظاہر ہوئی وہ محبت کا تعین اور ظہور ہے جو تمام مظاہر کا مبدا اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے جیسے حدیث قدسی ہے۔ **کنت کنزًا مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف** اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے ظاہر ہوئی وہ محبت ہے کہ جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم، عدم میں راسخ اور مستمر رہتے۔ حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک جو حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آئی ہے کا بھید اسی میں ڈھونڈنا چاہیے۔ لولاک لما اظہرت الربوبیۃ کی حقیقت کو اسی مقام پر طلب کرنا چاہیے۔ (دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲)

۳...... واگر نبودے آں سرور بدرستی نیافریدے خدائے پاک خلق را و ہر آئینہ ظاہر نساختے ربوبیتِ خود را (دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۴)

اور اگر آپ ﷺ کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت کو بھی ظاہر نہ کرتا۔

۱...... حقیقتِ محمدی جو ظہورِ اول میں سب سے بڑی حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تمام حقائق، کیا انبیاء کرام اور کیا ملائکہ عظام کے حقائق کا اصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اول ماخلق اللہ نوری** نیز فرمایا: **خلقت من نورو المومنون من نوری**۔ بس یہی حقیقت تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے۔ آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے بھی نبی ہیں اور آپ کا

> تشریف لانا جہان کے لیے رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت کے آپ کی اتباع طلب کرتے رہے اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو کرتے رہے جیسا کہ حدیث میں درج ہے۔ (دفتر اول، مکتوب نمبر۴۴)

واقعہ حضرت آدم **لولاہ لماخلقتک** حضرت موسیٰ **لو لامحمد و امتہ لما خلقت الجنة والا**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کی طہارت

حضور اکرم ﷺ کے آباء واجداد پاک، طیب اور طاہر تھے۔ جن پشتوں اور رحموں سے آپ کا نور مبارک ہوتا ہوا آیا ہے وہ ساری پشتیں اور سب رحم پاک تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وتقلبک فی الساجدین اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ **خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح**

☆ **لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الٰی از حام الطاهرات**

☆ **انا ابن العواتک**

☆ جس گروہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں وہ مسلمان تھے۔ جیسا تعمیر بیت اللہ کے وقت حضرت ابراہیم نے اولاد کے متعلق عرض کیا تھا۔ **ومن ذريتنا امة مسلمة لک** (البقرہ)

☆ پھر عرض کیا **ربنا وابعث فيهم رسولا منهم**

☆ اور حضور ﷺ نے فرمایا: **انادعوة ابراهيم**

اس ضمن میں حضرت امام ربانی فرماتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ ایک نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر آخرکار مختلف رحموں سے منتقل ہوتے ہوئے اور مصلحتوں کے پیش نظر بصور انسان جو بہترین صورت ہے، دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔
>
> (دفتر سوم، مکتوب نمبر۱۰۰)

بے مثل بشر

اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب پاک، صاحب لولاک ﷺ کو نسل انسانی سے مبعوث فرمایا ہے۔ لیکن آپ کو محض بشر اور آپ کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کرنا نادانی اور جہالت ہے۔ کیونکہ آپ ہماری طرح کے بشر نہیں بلکہ بے مثل بشر ہیں۔

مثلاً

☆ آپ نے فرمایا: **انی اری مالا ترون واسمع مالا تسمعون** (ترمذی)

☆ **لو تعلمون مااعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیراً** (بخاری)

☆ ہم اپنے پاس کی آوازوں کو بھی صحیح طور پر نہیں سن پاتے۔ لیکن آپ کی قوت سماعت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے فرمایا: **انی اسمع اطیط السمآء**

☆ ہم سامنے والی اشیاء کو بھی صحیح طور پر نہیں دیکھ پاتے۔ لیکن آپ کی قوتِ بصارت کا یہ عالم ہے کہ خود فرماتے ہیں: **اقیموا الرکوع والسجود فواللہ انی لاراکم من بعدی** (بخاری ۱/۱۰۲)

☆ ہم اپنا ہاتھ بلند کریں تو وہاں تک پہنچے جہاں تک ہماری ہائٹ اور بلندی ہے۔ مگر آپ ﷺ اپنا دست مبارک بلند کریں تو جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: **انی رأیت الجنة فتناولت منها عنقوداً ولو اخذته لاکلتم منه مابقیت الدنیا** (بخاری ۱/۱۰۳)

☆ **قال النبی ﷺ سمعت دف نعلیک (یا بلال) بین یدی فی الجنة** (بخاری ۱/۵۳۰) حضور مجدد علیہ الرحمة فرماتے ہیں:

☆ او دریتیم است کہ مانند ندارد (شرح رباعیات باقی) یعنی آپ گوہر یکتا ہیں کوئی آپ کی مثل نہیں۔

☆ امت مین سے کوئی شخص کمالات میں کتنا ہی بلند درجہ حاصل کر لے اپنے پیغمبر کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا۔

میلادِ مصطفیٰ ﷺ پر خوشی کا جواز

ہر نعمت پر خوشی منانا لازم اور اس پر ناراضگی، ناشکری کفر ہے۔ چونکہ محبوب خدا ﷺ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور بہت عظیم نعمت ہیں اس لیے آپ کی آمد اور میلاد مبارک پر جس قدر بھی ہو سکے، خوشی اور جشن

کا اہتمام کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ بعض لوگ اس پر چین بجبیں ہوتے ہیں اس لیے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

> محفل میلاد شریف میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور حضور اکرم ﷺ کی نعت شریف اور منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۷۲)

مزید فرماتے ہیں:

> ناجائز تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کے حروف میں تغیر وتحریف کر دی جائے اور قصیدے پڑھنے میں راگ اور موسیقی کے قواعد کی رعایت اور پابندی کی جائے، تالیاں بجائی جائیں اور اگر اس طرح پڑھیں کہ کلمات قرآن میں تبدیلی واقع نہ ہو اور قصیدے پڑھنے میں شرائط موسیقی کا لحاظ نہ ہو اور غرض صحیح کے تحت پڑھے جائیں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔“ (ایضاً)

☆ ایک روز خواب میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جمال مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ کو سند اجازت اور مقام شفاعت سے بہرہ یاب کیا۔ اس خوشی میں آپ نے جہانگیر کے لشکر سے اہل خانہ کو تحریر فرمایا:

> اس نعمت کے شکریہ میں ہم نے حکم دیا کہ قسم قسم کے کھانے (پکا کر) آن سرور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کو ہدیہ کریں اور خوشی کی مجلس قائم کریں۔ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۰۷)

اندازہ فرمائیں! جس دن محبوب خدا ﷺ عالم خواب میں جلوہ فرما ہوں، اس دن اس قدر خوشی منانی چاہیے تو جس روز آپ عالم رنگ وبو میں قدم رنجہ فرمائیں اس روز خوشی اور جشن کا سماں کیا ہونا چاہیے؟

حضور ﷺ کی بے مثل ولادت

ابتدا سے لے کر آج تک اربوں کھربوں افراد دنیا میں آئے، آ رہے ہیں اور قیامت تک آتے رہیں گے۔ لیکن جس انفرادی شان کے ساتھ محبوب خدا ﷺ تشریف لائے ہیں وہ اعزاز کسی کو نصیب نہیں

ہوسکا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او ﷺ باوجود نشاء عنصری از نورِ حق جل وعلا مخلوق گشتہ است (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۰۰)

جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور تخلیق دیگر افراد کی طرح نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ (یہ سعادت کسی دوسرے فرد کو نصیب نہیں ہوسکی)

نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اصل اور خلقت کے اعتبار سے نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خاص نور سے آپ کو پیدا فرمایا ہے اور مخلوق کی رشد وہدایت کے لیے جامۂ بشریت پہنا کر مبعوث فرمایا۔ نورانیت اور بشریت دونوں آپ کی شانیں ہیں، دونوں میں سے ایک کا بھی انکار کرنا جہالت ہے۔ جس طرح آپ کی بشریت پر قرآن وحدیث میں دلائل موجود ہیں ایسے ہی آپ کی نورانیت پر دلائل موجود ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: خلقت من نور اللہ، میری تخلیق اللہ کے نور سے ہوئی ہے، کسی دوسرے شخص کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۰۰)

مزید فرماتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ ایک نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر آخر کار مختلف رحموں سے ہوتے ہوئے حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر بصورت انسان جو بہترین صورت ہے، دنیا میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور محمد واحمد کے مبارک نام سے موسوم ہوئے ہیں۔ (دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۰)

نیز آپ فرماتے ہیں!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اول ما خلق اللہ نوری ، سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا اور فرمایا: خلقت من نور اللہ والمومنون من نوری ، میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور مومن میرے نور سے مخلوق ہوے ۔ (دفتر سوم مکتوب نمبر ١٢٢)

☆......☆......☆

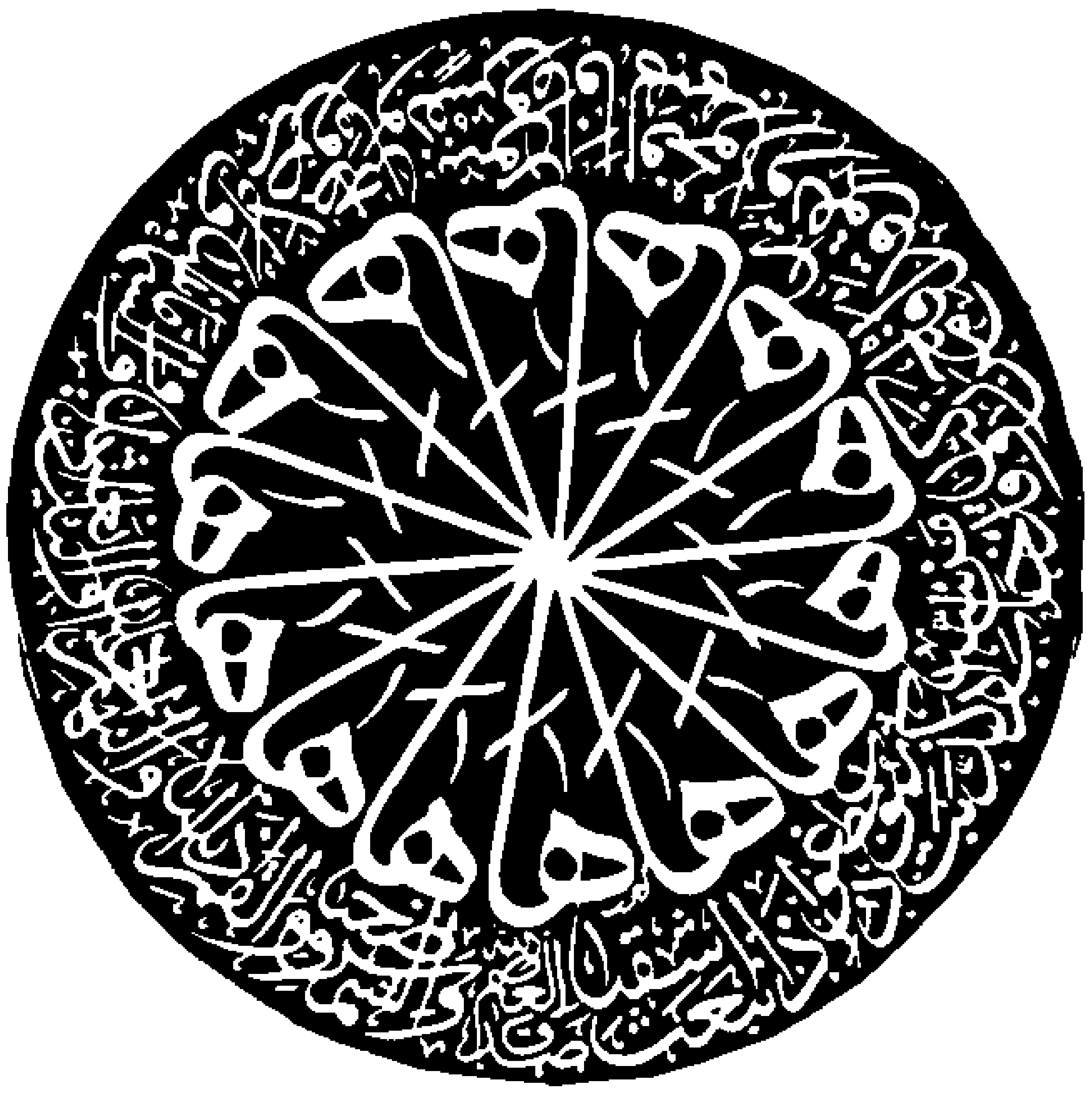

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ذکر الٰہی کی اہمیت

(حضرت مجدد کے مکتوبات کی روشنی میں)

مولانا نورالحسن تنویر چشتی

☆☆

(۱)

پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے اور مستحب اوقات میں سنن مؤکدہ ادا کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ، میں مصروف رکھنا چاہیے کھانے، سونے، آنے جانے غرض تمام اوقات میں ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہئے[۱]

(۲)

اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[۲]

سن لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے

اطمینان قلب کا راستہ اللہ سبحانہ کا ذکر ہے' نظر و استدلال اس کا راستہ نہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اپنے مسلک کی بنیاد صرف دلائل پر رکھنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں اور ظاہر ہے کہ لکڑی کے پاؤں بالکل کمزور ہوتے ہیں۔

کیونکہ ذکر کے ذریعے جناب قدس خداوندی کے ساتھ ایک گونہ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ کچھ بھی مناسب نہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

تاہم ذکر کے ذریعے ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا موجب بنتا ہے۔ اور جب محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دل سے اطمینان کے سوا سب کچھ نکل جاتا ہے۔ اور جب معاملہ اطمینانِ قلب کے حصول تک پہنچ گیا تو ایسے شخص کو دولتِ ابدی حاصل ہو گئی۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است
پاکی دل ز ذکرِ یزداں است

جب تک تم میں جان ہے اس کے ذکر میں مصروف رہو دل کی طہارت اللہ کے ذکر ہی سے نصیب ہوتی ہے[۳]۔

(۳)

اس تھوڑی فرصت میں ذکر کثیر کے ساتھ جو نہایت اہم اور ضروری ہے، مرضِ قلبی کے ازالہ کا فکر مند ہونا چاہیے اور باطنی مرض کا علاج رب جلیل کی یاد کے ساتھ اس تھوڑی سی مہلت میں اعظم مقاصد میں سے ہے۔ وہ دل جو غیر حق میں گرفتار ہے اس سے خیر کی توقع کیا ہو سکتی ہے[۴]۔

(۴)

تو اس بات کو جان اور آگاہ رہ کہ تیری سعادت بلکہ تمام انسانوں کی سعادت اور سب کی فلاح و نجات اپنے مولیٰ جل سلطانہ، کے ذکر میں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ، میں مستغرق اور مصروف رکھنا چاہیے۔ اور ایک لحظہ کے لیے بھی غفلت کو جائز نہیں سمجھنا چاہیے[۵]۔

(۵)

حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سوا خدا تعالیٰ کے چند ایسے فرشتے ہیں جو راستوں اور بازاروں میں اہلِ ذکر کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذاکروں کے گروہ کو کہیں ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں، ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہارا مطلب حاصل ہو گیا۔ پس جمع

ہو کر اپنے پروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ جب وہ ذکر سے فارغ ہوتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ حالانکہ اپنے بندوں کے حال کو بخوبی جانتا ہے‘ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیسے دیکھا‘ فرشتے عرض کرتے ہیں:

خدایا تیری حمد وثنا کرتے تھے اور تجھ کو بزرگی سے یاد کرتے تھے اور تجھ
کو تمام عیوب ونقائص سے پاک بیان کرتے تھے

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”انہوں نے مجھے دیکھا“؟ فرشتے بیان کرتے ہیں کہ ”نہیں دیکھا“۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہو“؟ ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ ”پھر اس سے زیادہ بزرگی اور پاکیزگی سے یاد کریں“ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وہ مجھ سے کیا چیز طلب کرتے تھے“؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ”بہشت مانگتے تھے“ حق تعالیٰ فرماتا ہے: کیا ”انہوں نے بہشت کو دیکھا“؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ”نہیں دیکھا“۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اگر وہ بہشت کو دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہو“؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ”پھر اس سے زیادہ اس کی طلب اور حرص کریں“۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے: ”وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں“؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ”دوزخ سے ڈرتے تھے اور تیری پناہ چاہتے تھے“۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ”انہوں نے دوزخ کو دیکھا“؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ”نہیں دیکھا“۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ”پھر اس سے زیادہ پناہ مانگیں اور زیادہ ڈریں اور بھاگیں“۔ پھر حق تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے ”تم گواہ رہو میں نے سب کو بخش دیا“۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ”یارب اس ذکر کی مجلس میں فلاں آدمی ذکر کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ کسی دنیاوی حاجت کے لیے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تھا“ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”یہ لوگ انا جلیس من ذکرنی۔ (میں اس کا ہم نشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا) بموجب میرے“ ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا“۔ (بخاری ومسلم بہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[۶]

(۶)

عاقبت کی بہتری ذکر پر وابستہ ہے

اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون[۷]

ترجمہ: اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ

گواہ ہے پس ذکر کثیر کو برقرار رکھنا چاہیے اور جو کچھ اس دولت کے نامناسب ہے' اس کو دشمن جاننا چاہیے' نجات کا علاج یہی ہے۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است
پاکئ دل ز ذکرِ رحمان است

جب تک تم میں جان باقی ہے ذکر اور یادِ الٰہی میں لگے رہو' کیونکہ دل کی پاکیزگی رحمان کے ذکر پر منحصر ہے[۸]۔

(۷)

نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں درخت نہیں ہیں اس میں درخت لگاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا: ''وہاں کس طرح درخت لگائیں'' آپ نے فرمایا: تسبیح، تحمید، تمجید اور تہلیل کے ساتھ یعنی کلمہ سبحان اللہ کہو تا کہ اس کے عوض تمہارے لیے جنت میں ایک پودا لگایا جائے تو بہشت کے درخت تسبیح کا نتیجہ ہیں۔ تنزیہ الٰہی کے کمالات اس کلمہ میں حروف واصوات کے لباس میں لپیٹ دیے گئے ہیں۔ بہشت میں ان کمالات کو بہشتی درخت کے لباس میں چھپایا گیا ہے جو کچھ بہشت میں ہے نیک عمل کا نتیجہ ہے[۹]۔

(۸)

اے فرزند! فرصت وفراغت غنیمت ہے ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ، میں مصروف رکھنا چاہیے جو بھی شریعت غرا کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید وفروخت ہو۔ پس تمام حرکات وسکنات میں احکامِ شریعت کی رعایت کرنی چاہیے تا کہ سب کام ذکر بن جائیں۔ کیونکہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ اور جب تمام افعال میں اوامر ونواہی کی رعایت ملحوظ رکھی جائے تو امر ونہی کرنے والے سے غافل ہونے سے نجات میسر آ جاتی ہے اور اس بلند ذات کا دوام ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔

(۹)

طالب کو چاہیے کہ باوضو اور بے وضو ذکر کرتا رہے' اور کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی اسی کام میں مشغول رہے۔ اور آمد ورفت اور خورونوش' سوتے جاگتے کسی وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است
پاکئ دل ز ذکرِ رحمان است

اس طرح ہمیشہ ذکر میں مشغول رہے کہ مذکور کے سوا ہر چیز اس کے سینہ کے میدان میں اپنا سامان باندھ کر کوچ کر جائے اور اس کے باطن میں ماسوا کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے[۱۰]

(۱۰)

اللہ

ذکرِ اسمِ ذات

آپ کو چاہیے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہوں کہ وہ گوشت کا ٹکڑا قلبِ حقیقی کے لیے ایک حجرے کی مانند ہے۔ اور اسم مبارک کو اس قلب پر گزاریں، اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں اور پوری طرح قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اور اپنی قوتِ خیالیہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور۔ اور لفظ مبارک ''اللہ'' کے معنی کو بے چونی و بے چگونی (بے مثل و بے کیف) کے ساتھ ملاحظہ کریں، اور کسی صفت (و کیفیت) کو اس کے ساتھ شامل نہ کریں[۱۱]۔

اسی طریقے پر جو حضرت قبلہ گاہی یعنی خواجہ عبدالباقی قدس سرہٗ سے اخذ کیا ہے یہ وہ طریقہ ہے کہ اسم مبارک ''اللہ'' کو بے چونی و چگونی (بے مثل و بے کیفی) کے معنی کے ساتھ دل کی پوری توجہ سے قلب میں گزاریں، اور حاضر و ناظر کے معنوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ کسی صفت کو بھی ملحوظ نہ رکھیں۔ اسی اسم کو مذکورہ توجہ کے بعد ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں[۱۲]۔

ذکر کے بغیر چارہ نہیں اور اس کے ساتھ جو کچھ بھلائیاں جمع ہو جائیں تو دولت و نعمت ہے۔ (مشائخ نے) وصول (الی اللہ) کا مدار ذکر پر رکھا ہے۔ دوسری چیز ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں[۱۳]۔

اس مختصر فرصت میں اپنے قلبی امراض کا ذکر کثیر کے ذریعے ازالہ کی فکر کرنا سب کاموں سے زیادہ اہم کام ہے اور اس قلیل مہلت میں رب جلیل کی یاد میں علت معنوی (باطنی امراض) کا علاج کرنا بڑے اعظم مقاصد میں سے ہے[۱۴]۔

(۱۱)

تصحیح اعتقاد اور احکام فقہیہ کی بجا آوری کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ، میں مشغول رکھنا چاہیے اور جس طرح ذکر کا طریقہ آپ نے سیکھا ہے اسی طرح عمل کرنا چاہیے اور جو کچھ اس (ذکر) کے منافی ہو اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے اجتناب کرنا لازم جانیں۔

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن ست

(ترجمہ) ذکر حق سے ہٹ کے جو کچھ ہو کہیں خواہ شیریں ہو، عذاب
جان ہے۔

آپ سے بالمشافہ بھی یہی کہا گیا ہے کہ جس قدر امور شرعیہ میں احتیاط کی جائے اسی قدر (ذکر کی) مشغولی میں اضافہ ہوگا' اور اگر احکام شرعیہ میں سستی واقع ہوگئی تو ذکر کی لذت اور شرینی برباد ہو جائے گی، زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔ واللہ سبحانہ اعلم [۱۵]

(۱۲)

دنیاوی فائدے اور فانی نعمتیں لاشئے ہیں۔ عقلمند کو چاہیے کہ ان پر فریفتہ نہ ہو اور نہ ان میں گرفتار ہو۔ ہر وقت آخرت کے احوال کو مد نظر رکھ کر دائمی ذکر میں مشغول رہنا چاہیے...... یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور کچھ چیزیں نظر آئیں۔ یہ تو سب کچھ لہو و لعب میں داخل ہیں۔ ذکر میں جس قدر مشقت ہو بہتر ہے۔ پنج وقتی نماز ادا کر کے باقی اوقاتِ کو ذکر الٰہی جل شانہ، کے ساتھ معمور رکھیں' اور ذکر سے لذت حاصل کرنے کے پیچھے نہ پڑیں۔

جاننا چاہیے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے۔ اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے' خواہ ابتدا میں ہو یا انتہا میں، لہٰذا ظاہر ہے کہ ہمہ وقت ذکر کا محتاج ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض اوقات اسم ذات عز و جل کا ذکر زیادہ نفع بخش ہے اور بعض دوسرے اوقات میں ذکر نفی و اثبات انسب ہے۔ باقی رہا باطن کا معاملہ تو وہاں بھی جب تک غفلت بالکل دور نہ ہو جائے ذکر کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ البتہ اس قدر ہے کہ ابتدا میں یہ دو ذکر متعین (ضروری) ہیں اور وسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر تلاوت قرآن

مجید اور نماز کی ادائیگی سے غفلت دور ہو جائے تو گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط حال والوں کے مناسب ہے اور نماز نوافل کی ادائیگی منتہی حال والوں کے مناسب ہے۔

ذکرِ الٰہی اور درود شریف

ایک عرصے تک میں حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام پر درود بھیجنے میں مشغول رہا، اور قسم قسم کے صلوٰۃ و درود پڑھتا رہا، اور اس پر دنیاوی نتائج و ثمرات بھی مرتب ہوتے رہے، اور ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے دقائق و اسرار کا فیضان بھی مجھ پر ہوتا رہا۔ کچھ مدت تک یہی عمل جاری رہا...... اتفاقاً اس التزام میں سستی پیدا ہوگئی اور اس شغل کی توفیق نہ رہی اور صرف صلوٰۃِ موقتہ (نماز والے درود) پر اکتفا ہوگیا اور مجھے اس وقت یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ و درود کی بجائے تسبیح و تقدیس اور تہلیل میں مشغول رہوں۔ چنانچہ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ اس کام میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی۔ دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔

درود پر ذکر کی فضیلت

آخر اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود بھیجنے سے زیادہ بہتر ہے، درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس پر درود بھیجا جاتا ہے (یعنی آنحضرت ﷺ) ان کیلئے بھی۔ اور اس کی دو وجہ ہیں:

۱...... ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے:

> من شغلهٗ ذکر ی عن مسئلتی اعطیتهٗ افضل ما اعطی السائلین[۱۶]
>
> جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوا کرنے سے روکے رکھا، میں اس کو
> سوال کرنے والوں سے بہتر اور زیادہ عطا کروں گا۔

۲...... دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ ذکر حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ السلام سے ماخوذ ہے۔

تو اس ذکر کا ثواب جس قدر ذاکر کو ملتا ہے اسی قدر آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچتا ہے جیسا کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا[۱۷] (رواہ مسلم) ''جس شخص نے کسی نیک کام کی بنیاد رکھی تو اس کو اس کا ثواب ملے گا'' اور اس شخص جتنا ثواب اس کو ملے گا جو اس پر عمل کرے'' اسی طرح ہر وہ نیک کام جو کسی اُمتی سے وجود میں آتا ہے

اس عمل کا جس قدر اجر عامل کو ملے گا اسی قدر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی جو اس عمل کے وضع کرنے والے ہیں'' ان کو ملتا ہے بغیر اس کے کہ عامل کے اجر میں کسی قسم کی کمی واقع ہو، اور اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل کرنے والا پیغمبر (کیلئے ثواب) کی نیت سے عمل کرے۔ کیونکہ (اجر کا دینا محض) عطائے حق جل سلطانہ، ہے، عامل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ ہاں اگر عامل پیغمبر (کے لیے ثواب) کی نیت کر لے تو اس کے اجر کی زیادتی کا باعث ہوگا اور یہ (اجر کی) زیادتی بھی پیغمبر کی طرف راجع ہوگی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.[۱۸] (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق سبحانہ، وتعالیٰ کی یاد ہے اور اجر کی طلب طفیلی اور تابع ہے، اور درود میں اصلی مقصود طلبِ حاجت ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس وہ فیوض جو ذکر کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا، اور جو ذکر قبولیت کے لائق ہے وہی اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو ذکر ایسا نہیں ہے اس پر درود شریف کو فضیلت ہے اور درود شریف ہی سے برکات حاصل ہونے کی زیادہ امید ہے۔ لیکن طالب جو ذکر کسی کامل شیخ سے اخذ کرے اور طریقے کے شرائط و آداب کو مدنظر رکھ کر اس پر مداومت کرے، وہ (ذکر) درود شریف پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے۔ جب تک یہ ذکر نہیں کریگا اس ذکر تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مبتدی کے لیے ذکر کرنے کے علاوہ اور کچھ تجویز نہیں کیا ہے، اور اس کے حق میں صرف فرائض وسنن کو کافی سمجھا ہے اور نفلی امور سے منع کیا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ امت کا کوئی بھی فرد کمالات میں خواہ کتنا ہی بلند درجے پر پہنچ جائے اپنے پیغمبر کی برابری پیدا نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ تمام کمالات جو اس کو حاصل ہوئے ہیں وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کے واسطے سے حاصل ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام کمالات (جو اس فرد کو حاصل ہوئے ہیں وہ) پیغمبر کے لیے خاص طور پر ثابت ہیں۔ نیز دیگر متبعین کے کمالات کے ساتھ اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے کمالات مخصوصہ کے ساتھ ثابت ہیں۔ اور اسی طرح وہ فرد کامل کسی ایسے پیغمبر کے مرتبہ تک بھی نہیں

پہنچ سکتا جس پیغمبر کی کسی ایک شخص نے بھی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو، کیونکہ ہر پیغمبر بالاصالت صاحب دعوت ہے اور تبلیغ شریعت کے لیے مامور ہے۔ امتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں کوئی قصور پیدا نہیں کرتا۔ اور نیز یہ بات بھی ظاہر و باہر ہے کہ کوئی کمال بھی دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا:

> فَاِنَّ اَحَبَّ عِبَادِ اللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ حَبَّبَ اللّٰهَ اِلٰی عِبَادِهٖ وَ حَبَّبَ عِبَادَاللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ الدَّاعِیْ وَالْمُبَلِّغُ۔ [۱۹]
>
> اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو بندوں کی دوستی اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ کی دوستی بندوں سے کرائے، اور ظاہر ہے کہ وہ شخص داعی اور مبلغ ہے۔

ذکر جہر

صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے، اگر ان کو پیروی کی دولت حاصل ہو جائے اور حال و احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود سنت کی پیروی میں سستی اور نقصان جانیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال (سماع کے دوران) ان پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابل اعتبار نہیں سمجھتے، بلکہ ذکرِ جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع فرماتے ہیں۔ اور وہ ثمرات جو (اس کیفیت پر) مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔

ایک دن ہم حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ) کی مجلس طعام میں حاضر تھے۔ شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے تھے، انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں اسم اللہ بلند آواز سے کہا۔ آپ کو ناگوار ہوا۔ حتیٰ کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ ان کو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کریں۔ اور میں نے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ) سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال علیہ الرحمۃ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ وہ ان کو ذکرِ جہر سے منع فرمائیں۔ چنانچہ علمائے کرام نے حضرت امیر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے آپ ایسا نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔

جب اس طریقے کے بزرگوار (صوفیائے ربانی) ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع ورقص اور وجد وتواجد کا کیا ذکر۔ وہ احوال ومواجید جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں۔ کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں۔ اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ ومعائنہ ان کو بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس امر میں حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی وبرہمن سب برابر ہیں، احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علوم شرعیہ کے مطابق ہونا اور محرمہ اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے[۲۰]۔

فضائل کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ

(۱) رب جل سلطانہ، کے غضب وغصہ کو ٹھنڈا کرنے میں کوئی چیز بھی اس کلمہ طیبہ **لا الٰہ الا اللہ** سے زیادہ نافع نہیں۔ جب یہ کلمہ طیبہ دوزخ کی آگ میں پڑنے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے تو دوسرے غصوں کو جو اس سے کم تر ہیں بطریق اولیٰ ٹھنڈا کرتا اور تسکین دیتا ہے۔ کیوں تسکین نہ دے جب بندہ اس کلمہ طیبہ کی تکرار کے ذریعے ماسواحق کی نفی کر کے سب سے منہ پھیر کر معبود برحق کو ہی قبلہ توجہ بناتا ہے۔ غضب کا سبب پراگندہ توجہات تھیں جن میں مبتلا تھا جب پراگندہ توجہات کی بندہ نے نفی کردی تو اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ بھی جاتا رہا۔ اس معنی کو تو عالمِ مجاز میں مشاہدہ کرسکتا ہے۔ جب مالک اپنے غلام سے ناراض ہوتا ہے اور اس پر غضب کا اظہار کرتا ہے تو حسن فطرت والا غلام اپنے مالک کے سوا سے توجہ ہٹا کر اپنے آپ کو مالک کی طرف متوجہ کرلیتا ہے۔ اس وقت مالک کو اپنے مملوک کے حق میں شفقت ورحمت پیدا ہوجاتی ہے اور غضب وغصہ رفع ہوجاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کو آخرت کے ننانوے ذخیرہ ہائے رحمت کی چابی قرار دیا گیا ہے یہ فقیر یوں محسوس کرتا اور جانتا ہے کہ ظلماتِ کفر اور کدورتِ شرک سے رفع کرنے میں اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر شفاعت کرنے والی کوئی چیز نہیں[۲۱]۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوا

کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے سے دخول جنت کیسے میسر آئے گا۔ یہ لوگ کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام عالم کو صرف اس کلمہ طیبہ کے طفیل بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو گنجائش رکھتا ہے اور مشاہدے میں اس طرح آتا ہے کہ اگر اس کلمہ مقدسہ کی برکات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمام عالم پر تقسیم کرتے رہیں سب کو کفایت کرتا اور سب کو سیراب کرتا ہے۔

اس کلمہ طیبہ کی برکات اس قدر بڑھ جاتی ہیں جب اس کے ساتھ کلمہ مقدسہ محمد رسول اللہ جمع ہو جائے[۲۲]۔

(۳) اس کلمہ کے سامنے ساری دنیا کی کچھ حیثیت و قدر و قیمت نہیں ہے۔ کاش کے ساری دنیا کے سامنے اتنی حیثیت ہی رکھتی جتنی ایک قطرے کی دریائے محیط کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کا ظہور پڑھنے والے کے درجات کے مطابق ہوتا ہے۔ جس قدر پڑھنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا اس کلمہ مقدسہ کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا[۲۳]۔

(۴) کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ جو اندرونی اور بیرونی خداؤں کی نفی اور انہیں مٹانے کے لیے وضع کیا گیا ہے نفس کے تزکیے اور اس کی تطہیر کے لیے بہت ہی نافع اور مناسب ہے[۲۴]

(۵) چوں کہ نفس سرکشی کے مقام میں رہتا ہے اور عہد توڑنے میں چست ہے، اس لیے اس کلمہ طیبہ کے بار بار تکرار سے ایمان کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ (احمد بروایت ابو ہریرہ)

کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے اپنے ایمان کی تجدید کرو۔

بلکہ ہر وقت اس کلمہ کا تکرار رہنا چاہیے کیونکہ نفس امارہ ہر وقت خباثت کرنے پر تلا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں اس کلمہ مبارکہ کے فضائل میں وارد ہوا ہے کہ

> اگر تمام آسماں اور تمام زمینوں کو ایک پلہ میں رکھیں، اور اس کلمہ کو دوسرے پلہ میں تو اس کا پلہ دوسرے پلہ پر غالب رہے گا[۲۵]۔

اے اللہ! ہمیں کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ کر، اور ہمیں اس پر ثابت رکھ، اور ہمیں اس کی تصدیق پر موت نصیب فرما اور اس کی تصدیق کرنے والے انبیاء علیہم الصلوت والتسلیمات والبرکات کی حرمت سے جنت میں جانا نصیب فرما[۲۶]۔

فضائل سُبحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمدِهٖ سُبحَانَ اللّٰهِ العَظِیمِ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا!

كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ
اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

دو کلمے جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں خدائے رحمان کو پیارے ہیں۔ وہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ہیں۔

ان کے زبان پر ہلکے ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ ان کے حروف تھوڑے ہیں' اور میزان میں بھاری ہونے اور خدائے رحمان کو پیارے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمے کا جز اول (سبحان اللہ) ان تمام چیزوں سے جو اس کی جنابِ قدس عزوجل کے لائق نہیں، سے اس کی بلند ذات کی تنزیہ اور تقدس کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کی جناب کبریاء کا نقص اور حدوث وزوال کے نشانات سے پاک ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کلمے کا دوسرا جز اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال اور شیوناتِ جمال کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ چاہے وہ صفات وشیونات فضائل میں سے ہوں یا فواضل میں سے اور دونوں جزؤں میں اضافت کو استغراق کے لیے بنانا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے تمام تنزیہات اور تقدیسات اور تمام صفاتِ کمال و جمال کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو پہلے کلمے کے دونوں جزوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ تمام تنزیہات وتقدیسات اسی ذات سبحانہ کی طرف لوٹتی ہیں اور تمام صفاتِ کمال و جمال بھی اسی ذات عزوجل کے لیے ثابت ہیں۔

اور دوسرے کلمے کا حاصل یہ ہے کہ تمام تنزیہات وتقدیسات اللہ ہی کے لیے ہیں' اور عظمت وکبریا کا ثبات بھی اسی ذات عزوجل کے لیے ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس بلند ذات سے نقائص کا مسلوب ہونا، صرف اس کی عظمت اور کبریائی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا دونوں کلمے میزان میں بھاری اور خدا کو پیارے ہیں۔ نیز تسبیح توبہ کی چابی بلکہ اس کا نچوڑ اور خلاصہ ہے' تو تسبیح گناہوں کو مٹانے اور خطاؤں کے معاف کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس بنا پر بھی یہ میزان میں بھاری ہیں اور حسنات کے پلے کو جھکانے والی ہے اور خدا کو پیاری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی اور درگزر کو پسند کرتا ہے۔

نیز جبکہ تسبیح اور حمد کرنے والے نے اس کی جنابِ قدس کو اس کی شان کے خلاف چیزوں سے منزہ ظاہر کیا اور اس کی بلند ذات کے لیے صفاتِ کمال و جمال کو ثابت کیا تو کریم اور بہت عطا کرنے والی ذات

جل شانہ، سے اُمید ہے کہ وہ بھی تسبیح کرنے والے کو غیر مناسب باتوں سے پاک اور منزہ کردے۔ اور حمد کرنے والے میں صفاتِ کمال پیدا کردے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هل جزآء الاحسان الا الاحسان[۲۷]

نہیں ہے احسان کا بدلہ مگر احسان

تو لازماً دونوں کلمے میزان میں بھاری ہیں کیونکہ ان کی تکرار کے سبب گناہ مٹتے ہیں اور خدائے رحمٰن کو پیارے ہیں' ان کے واسطے سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں[۲۸]۔

☆……☆……☆

حواشی

۱……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۹۳

۲……قرآن حکیم، سورۂ رعد، پارہ نمبر ۱۳

۳……مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۹۲

۴……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۶۶

۵……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۹۰

۶……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۰۳

۷……قرآن کریم، سورۂ جمعہ، آیت نمبر ۱۰

۸……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۰۶

۹……مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۲۵

۱۰……مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۴

۱۱……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۹۰

۱۲……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۰۴

۱۳……مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۲

۱۴……مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۶۶

۱۵……مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۳۴

۱۶……اس حدیث کو بخاری نے ''الادب المفرد'' میں، ابونعیم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ نیز بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا (تشید)

۱۷......رواہ ابوداؤد، احمد، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی اوردارمی

۱۸......قرآنِ حکیم، سورۂ جمعہ، آیت نمبر۴

۱۹......مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۵۷

۲۰......مکتوبات امام ربانی، جلداوّل، مکتوب نمبر ۲۶۶

۲۱......مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۳۷

۲۲......مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۳۷

۲۳......مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۳۷

۲۴......مکتوبات امام ربانی، جلداوّل، مکتوب نمبر ۵۲

۲۵......مکتوبات امام ربانی، جلداوّل، مکتوب نمبر ۵۲

۲۶......مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۳۷

۲۷......سورۃ رحمٰن آیت نمبر ۶۰

۲۸......مکتوبات امام ربانی، جلداوّل، مکتوب نمبر ۳۰۸

☆......☆......☆

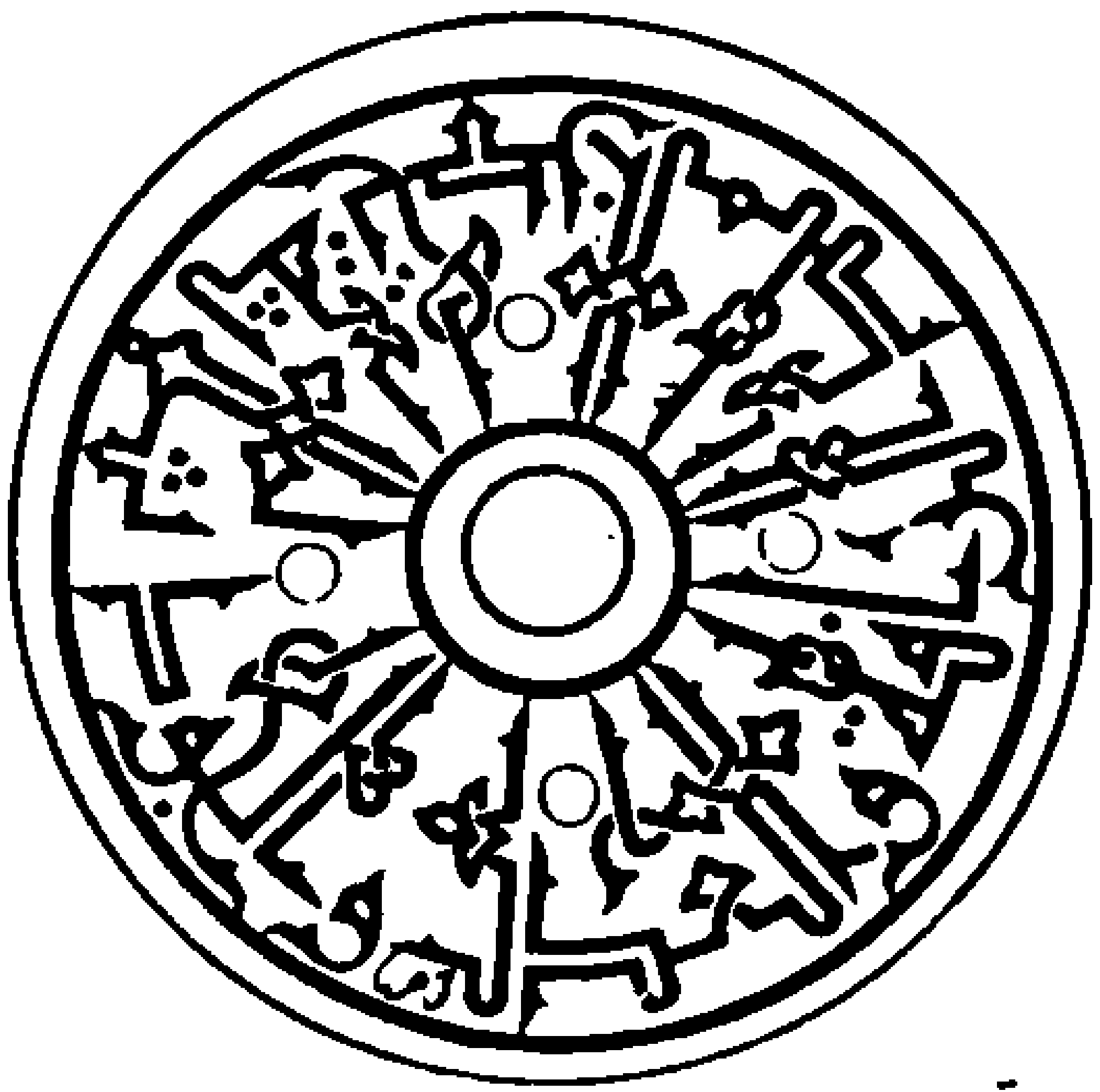

تحصن الملك الرافة والعدل والجود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کے معمولات

سید زوّار حسین شاہ

☆☆

> آپ کے شبانہ روز معمولات کی پوری تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملی۔ زبدۃ المقامات و حضرات القدس وجواہر مجددیہ میں جسقدر تفصیل مل سکی وہ یہاں درج کی جاتی ہے حالانکہ یہ آپ کے معمولات کا بہت ہی معمولی سا خاکہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اذکارِ مسنونہ وآداب وسننِ ماثورہ پر ہر وقت آپ کا عمل تھا اور احادیث وکتبِ تصوف مثلاً احیاء علوم الدین وعوارف المعارف وغیرہ میں جواذکار ودعائیں مذکور ہیں اکثر آپ کے معمولات میں شامل تھیں واللہ اعلم بالصواب زبدۃ المقامات صفحہ ۲۱۲ پر مذکور ہے کہ ''ایک عزیز نے آپ کے شبانہ روز کے وظائف کو جمع کیا اور ان میں سے اکثر کی تصریح کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (مؤلف)

آپ کے شبانہ روز اعمال:

آپ ہمیشہ سفر ہو یا حضر موسم گرما ہو یا سرما بعد نصف شب بیدار ہوتے اور یہ دعا پڑھتے تھے۔:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ ط اور یہ آیت بھی پڑھتے تھے: **اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہِمْ یَعْدِلُوْنَ o ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلاً ط وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ط یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَاتَکْسِبُوْنَ o**

آپ کے آدابِ بیت الخلا:

بعدازاں بیت الخلا تشریف لے جاتے تو پہلے بایاں پاؤں رکھتے اس کے بعد داہنا اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡخُبُثِ وَالۡخَبَائِثِ

جب بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر زور رکھتے، بعد فراغت بکلوخ طاق استنجا کرتے اس کے بعد پانی سے استنجا کرتے اور بیت الخلا سے باہر نکلتے وقت پہلا داہنا پاؤں نکالتے۔

آپ کے آدابِ وضو:

وضو کرنے کے لیے روبقبلہ بیٹھتے اور بلا کسی کی مدد کے وضو کرتے اور آفتابہ بدستِ چپ رکھتے اور ابتداء ہاتھ دھونے میں یہ دعا پڑھتے:

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط بِسۡمِ اللهِ الۡعَظِیۡمِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ
عَلٰی دِیۡنِ الۡاِسۡلَامِ اَلۡاِسۡلَامُ حَقٌّ وَالۡکُفۡرُ بَاطِلٌ .

پہلے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر بائیں پر، بعدازاں دونوں ہاتھ جمع کر کے دھوتے اور انگلیوں میں کفِ دست کی طرف سے خلال کرتے، بوقت مضمضہ مسواک استعمال فرماتے، پہلے داہنی طرف کے اوپر کے دانتوں پر پھر نیچے کے دانتوں پر، بعدازاں بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں پر پھر نیچے کے دانتوں پر پھیرتے، اس طرح تین دفعہ کرتے پھر زبان پر کرتے اگر تین دفعہ سے زیادہ کرتے تو عددِ وتر (طاق) کی رعایت کرتے اور ہر وضو میں مسواک کا التزام رکھتے تھے۔ مسواک استعمال فرمانے کے بعد اکثر خادم کے سپرد کرتے اور وہ اس کو اپنی پگڑی کے پیچ میں رکھ لیتے، آپ کلی کے پانی کو دُور ڈالتے تھے اور تین مرتبہ کرنے کی رعایت رکھتے تھے بوقتِ مضمضہ یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیۡ عَلٰی ذِکۡرِکَ وَعَلٰی تِلَاوَةِ الۡقُرۡاٰنِ وَعَلٰی صَلٰوةِ
حَبِیۡبِکَ عَلَیۡهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

اور تین دفعہ استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) بھی تازہ پانی سے جُدا جُدا کرتے اور بوقتِ استنشاق یہ دُعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَرِحۡنِیۡ رَائِحَةَ الۡجَنَّةِ وَاَنۡتَ عَنِّیۡ رَاضٍ

اور بعدہٗ منہ مبارک پر کمال آہستگی وسہولت سے بالائے پیشانی سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ داہنے

رخسار پر اور بایاں ہاتھ بائیں رخسار پر گذارتے اور داہنے کو بائیں پر مقدم کرتے تاکہ ابتدا داہنے سے ہو، اور منھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّض وَجْھِی بِنُوْرِکَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَاءِکَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِی یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اس کے بعد داہنے ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر ہاتھ پھیرتے تاکہ قطرے ٹپکنے بند ہوجائیں اور اسی طرح سے بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھوتے اور انگلیوں کی جانب سے پانی ڈالتے داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ دُعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْراً وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَـہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِیْ وَلَا تُحَاسِبْنِیْ حِسَابًا عَسِیْراً ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

بعد ازاں داہنے چلّو میں پانی لے کر بائیں کفِ دست اور انگلیوں پر ڈال کر اس طرح زمین پر ڈالتے کہ چھینٹیں نہ اڑیں اور تمام سر کا مسح کرتے اس طرح پر کہ وسطِ سر پر دونوں کے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی (انگشتِ شہادت) کے علاوہ باقی چھ انگلیاں وسطِ سر پر رکھ کر آگے سے پیچھے لے جاتے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اطرافِ سر پر پیچھے سے آگے تک پھیرتے ہوئے لاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِکَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِکَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ ۔

اس کے بعد اسی تری سے کانوں کے اندر کی طرف کا مسح انگشتِ سبابہ (شہادت کی انگلی) سے اور کانوں کی پشت (باہر کی طرف) کا مسح انگشتِ نر (انگوٹھا) سے کرتے اور گردن کا مسح انگلیوں کی پشت کی

تری سے کرتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَرِقَابَ اٰبَائِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اس کے بعد داہنا پاؤں تین مرتبہ ٹخنوں سے اوپر تک دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر اس طرح ہاتھ پھیرتے کہ خشک کے قریب ہو جاتا اور یہ دُعا پڑھتے۔:

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ مَعَ اَقْدَامِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ ط

اور اسی طرح سے بایاں پاؤں دھوتے اور یہ دُعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ وَقَدَمَ وَالِدَیَّ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ وَالْکَافِرِیْنَ فِی النَّارِ بِحُرْمَةِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

اور پاؤں دھوتے وقت قدرے جنوب یا شمال کی طرف مڑ جاتے۔ اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے خلال کرتے اور دائیں پاؤں کی چھنگلیوں سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیوں پر ختم کرتے۔ اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد گوشۂ چشم حق میں آسمان کی طرف متوجہ کر کے یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ وَاجْعَلْنِیْ عَبْدًا شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ اَنْ اَذْکُرَکَ کَثِیْرًا وَّاُسَبِّحَکَ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ تا آخر۔

پھر یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اشْفِنِیْ بِشِفَآئِکَ وَدَاوِنِیْ بِدَوَآئِکَ وَعَافِنِیْ مِنَ الْبَلَآءِ وَاعْصِمْنِیْ مِنَ الْاَھْوَالِ وَالْاَمْرَاضِ وَالْاَوْجَاعِ۔

اور آپ اعضائے وضو کپڑے سے نہ پونچھتے۔

آپ کی نماز تہجد وتر اور مراقبہ:

اس کے بعد لطیف ونفیس لباس زیب تن فرماتے اور پورے تحمل ووقار کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ ہوتے اور دو رکعت خفیف ادا فرماتے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھتے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ o اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ o

اور دوسری رکعت میں بعد فاتحہ یہ آیت پڑھتے:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآؤُکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّاباً رَّحِیْماً o وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْماً o......

باقی نمازِ تہجد کو بطولِ قرأت ادا فرماتے لیکن ہر بعد کے دوگانہ کی قرأت پہلے دوگانہ سے کم ادا کرتے۔ آپ اکثر اوقات نماز تہجد بارہ رکعت پڑھتے کبھی دس اور کبھی آٹھ پر اکتفا فرماتے، اکثر ان میں قرآن مجید کے دو تین سپارے پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی حالتِ محویت میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت میں گذار دیتے اور جب خادم عرض کرتا کہ صبح ہونے والی ہے تب دوسری رکعت تخفیفِ قرأت کے ساتھ ادا فرما کر سلام پھیر دیتے۔ اکثر نماز تہجد میں سورہ یٰسین پڑھتے اور فرماتے کہ اس کی قرأت میں بہت زیادہ نفع اور بے شمار نتائج پائے گئے ہیں۔ الم سجدہ، سورہ ملک، سورہ المزمل، سورۂ واقعہ اور چہار قل بھی پڑھتے تھے۔

نماز تہجد کے بعد سورۂ آل عمران کا آخری رکوع یعنی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ پڑھتے تھے...... بعد ازاں اگر اول شب میں وتر نہ پڑھے ہوتے تو تین رکعت وتر پڑھتے اور فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ سبح اسم اور دوسری میں قل یا اور تیسری میں قل ھو اللہ پڑھتے، تیسری رکعت میں قل ھو اللہ کے بعد قنوتِ حنفی کے ساتھ قنوتِ شافعی ضم کرتے جیسا کہ حنفیوں کی کتاب میں موجود ہے اور وہ قنوت یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا فِیْ مَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنَا فِیْ مَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنَا فِیْمَنْ
تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنَا شَرَّ مَاقَضَیْتَ ط اِنَّکَ
تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ
عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ
وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ ط......

اگر وتر اول شب میں پڑھ لیتے تو نماز تہجد کے بعد وتر نہ پڑھتے تھے کیونکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا مشروع نہیں ہے، بعد ازاں ستر مرتبہ استغفار پڑھتے اور کبھی کبھی آیتِ کریمہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَہٗ ستر مرتبہ پڑھتے بعدہٗ صبح تک مراقبہ کرتے یا کلمۂ طیبہ پڑھتے یا قبل از نماز فجر موافق سنت سنیہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والتحیہ سو جاتے تا کہ تہجد بین النومین واقع ہو۔

آپ کی نمازِ فجر:

پھر صبح سے قبل بیدار ہوتے اور تازہ وضو فرما کر سنتِ فجر گھر پر پڑھتے۔ سنت و فرض کے درمیانی وقت میں تسبیح و تہلیل کرتے تھے یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ط آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ بعد ازاں بجانب قبلہ داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے پھر اُٹھ کر مسجد تشریف لیجاتے، لیکن آخر میں یہ اضطجاع (کروٹ پر لیٹنا) ترک کر دیا تھا۔ بعد ازاں نماز فجر بہ جماعتِ کثیر اول وقت میں ادا کرتے، خود امامت فرماتے اور طوال مفصل پڑھتے۔

بعد ادائے فرض اسی جلسہ میں دس مرتبہ:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ
یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ط اس کے بعد یہ آیتِ کریمہ

تلاوت فرماتے: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ط
پھر حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ سے اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک اور آیت الکرسی اور
آیۂ کریمہ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ سے
يُخْرَجُوْنَ ط تک پڑھتے۔

پھر مقتدیوں کے دائیں یا بائیں جانب رجوع ہو کر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے بعد دعا دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیرتے۔

آپ کا حلقۂ ذکر و توجہ :

بعد ازاں آپ اپنے احباب کے ساتھ حلقۂ ذکر و مراقبہ فرماتے، شغلِ باطنی میں تا بلندیٔ آفتاب بقدر یک نیزہ مشغول رہتے، حلقہ میں کبھی کبھی حافظ صاحب سے قرآن شریف بھی سنتے۔

آپ کی نمازِ اشراق و استخارہ :

بعدہٗ دو یا چار رکعت نمازِ اشراق پڑھتے، اول رکعت میں بعد فاتحہ آیت الکرسی و سورۂ یٰسٓ تا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ اور دوسری رکعت میں بقیہ سورۂ یٰسٓ آخر تک اور سورۂ والشمس ...... پھر دو رکعت بہ نیتِ استخارہ پڑھتے، کبھی اول رکعت میں قُلْ یَا اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ، اور کبھی پہلی میں سبح اسم، الم نشرح اور قل یا، اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ تین مرتبہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھتے اور بعد تشہد درود شریف و استغفار اس طرح پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی
عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا
صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ
لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

اس کے بعد یہ دعاءِ استخارہ پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ
وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ
وَلَا اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ط اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ

مَـااُرِيْـدُ مِـنْ اَىِّ عَـمَـلٍ خَيْـرٌلِّـىْ فِـىْ دِيْنِىْ وَدُنْيَاىَ وَمَعَاشِىْ وَعَـاقِبَةِ اَمْـرِىْ اَلْيَوْمَ فَاقْدِرْهُ لِىْ وَيَسِّرْهُ لِىْ ثُمَّ بَارِكْ لِىْ فِيْهِ. اَلـلّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَااُرِيْدُ مِنْ اَىِّ عَمَلٍ شَرٌّ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَدُنْيَـاىَ وَمَعَاشِىْ وَعَاقِبَتِىْ اَمْرِىَ الْيَوْمَ فَاصْرِفْهُ عَنِّىْ وَاصْرِفْنِىْ عَـنْـهُ وَاقْـدِرلِـىَ الْـخَيْـرَ حَيْـثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِىْ بِهٖ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ......

بوقت شب بھی نوافل اوّابین ادا کرنے کے بعد یہی دعاءِ استخارہ پڑھتے اور اَلْيَوْمَ کی بجائے اَلـلَّيْل پڑھتے...... اور جب بعد نماز صبح سکوت فرماتے تو بعض دعواتِ یومیہ اشراق کے بعد پڑھتے، وہ دعائیں یہ ہیں:

اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَـهُ الْـمُلْكُ وَلَـهُ الْـحَـمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَـدِيْـرٌ. اَلـلّٰهُـمَّ اَسْـئَلُكَ خَيْرَ مَافِىْ هٰذَاالْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُـوْرَهٗ وَبَـرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِىْ هٰذَا الْيَوْمِ وَشَـرِّ مَـا بَـعْـدَهٗ. اَلـلّٰهُـمَّ مَـا اَصْبَحَ لِىْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْبِاَحَدٍ مِّنْ خَـلْـقِكَ فَـمِـنْكَ وَحْدَكَ لَا شَـرِيْكَ لَكَ فَـلَكَ الْحَمْدُوَلَكَ الشُّكْرُ......

شام کے وقت الیوم کے بجائے اللیل اور اصبح کے بجائے امسی پڑھتے اور تین مرتبہ:

اَعُوْذُبِكَلِمٰتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ اور تین مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَضُرُّمَعَ اسْمِهٖ شَىْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَهُوَ السَّـمِيْـعُ الْعَلِيْمُ۔ اور سات مرتبہ اَلـلّٰهُـمَّ نَبِّـئْـنِىْ قَبْلَ اَنْ يُنَبِّئَنِى الْمَوْتَ.

اور سات دفعہ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِىْ رُشْدِىْ وَاَعِذْنِىْ مِنْ شَرِّنَفْسِىْ۔ اور سات مرتبہ رَبَّـنَـا لَاتُـزِغْ قُلُـوْبَـنَـا بَـعْـدَاِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ

لَدُنْکَ رَحْمَةً ط اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ط اور سات مرتبہ یا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ قَلِّبْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور سات مرتبہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ۔ اور سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اور تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اور ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔

اور بعض ادعیہ کو نماز اوابین کے بعد بھی پڑھتے اور ان چار کلمات کو ہر فرض نماز کے بعد اعداد مذکورہ بالا کے موافق پڑھتے ۔

آپ کی خلوت اور صحبت:

بعد ازاں خلوت میں تشریف لے جاتے اور بمقتضائے حال کبھی قرآن شریف پڑھتے اور کبھی کبھی کلمۂ طیبہ کا تکرار کرتے اور گاہ گاہ طالبانِ خدا کو جدا جدا طلب کر کے احوال پُرسی فرماتے اور ہر ایک کے حال کے موافق ارشاد فرماتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے اگلے پچھلے احوال تفصیل و شرح کے ساتھ خود بیان فرماتے اور مقامات و کیفیات سے آگاہ فرماتے اور کبھی خاص خاص اصحاب کو طلب فرما کر اسرارِ خاصہ و معارفِ مکشوفہ بیان فرماتے اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے ۔ معارف بیان کرتے وقت محسوس ہوتا کہ گویا القاء و اعطاءِ حال کرتے ہیں ۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ جس وقت طالبانِ سلوک کوئی معرفت حضرت کی زبان سے سنتے بمجرد سننے کے اس معرفت سے حضرت کی توجہ کے ساتھ متحقق ہو جاتے ، ہر ایک کو اس کے حال اور استعداد کے موافق ذکر و فکر تعلیم فرماتے اور سب کو علوِ ہمت و اتباعِ سنت و دوام ذکر و حضور مراقبت اور اخفاءِ حال کی تاکید فرماتے اور تکرارِ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی نہایت ترغیب دلاتے اور فرماتے کہ اس کلمۂ معظم کے مقابلہ میں تمام عالم کی مثال ایسی ہے جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ ، اور فرماتے کہ یہ کلمۂ طیبہ جامع کمالاتِ ولایت و نبوت ہے ، اور فرماتے کہ فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ کہنے پر بخشدیں اور بہشت میں بھیجدیں تو بھی

گنجایش رکھتا ہے، اور فرماتے کہ اس سے زیادہ کوئی آرزو دل میں نہیں ہے کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمہ کے تکرار سے متلذذ و محظوظ ہوں مگر کیا کیا جائے کہ یہ آرزو میسر نہیں، اور مریدوں کو کتبِ فقہ کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تا کہ معلوم ہو کہ کونسا مسئلہ مفتیٰ بہ ہے اور کونسا مسنون و معمول بہا اور کونسا مسئلہ بدعت و مردود ہے۔ حضرت کی احباب سے خاموشی کی صحبت ہوتی اور اصحاب پر اسقدر ہیبت و جلال غالب تھا کہ مجالِ انبساط و دم زدن نہ تھی۔ اور حضرت کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ وارداتِ متنوعہ و متلونہ کے متواتر و بکثرت وارد ہونے کے باوجود ہرگز کبھی اثرِ تلوین ظاہر نہیں ہوا، البتہ چشم پُر آب ہو جاتی اور گاہ گاہ اثنائے بیانِ حقائق میں رخسارۂ دیدہ کا رنگ متلون ہو جاتا اور رُخسارے سرخ و عرق آلود ہو جاتے۔

آپ کی نمازِ چاشت:

بعدہٗ نمازِ ضحیٰ یعنی نمازِ چاشت کی آٹھ رکعت ادا کرتے، اگرچہ وہ چار رکعت جو اول پڑھتے تھے داخل ضحیٰ تھیں، پس حاصل یہ کہ نمازِ ضحیٰ بارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی بسببِ قلتِ وقت انہیں چار رکعتوں پر جو کہ اول بہ نیتِ اشراق پڑھتے تھے اکتفا فرماتے اور کبھی اول کی دو ہی رکعت پر۔ اور قراءتِ نماز چاشت میں بعد فاتحہ سبح اسم اور والشمس اور واللیل اور والضحیٰ اور چہار قل پڑھتے تھے، اوائلِ حال میں نمازِ تہجد و نمازِ ضحیٰ و فئ الزوال میں اکثر تکرارِ قراءتِ سورۂ یٰسٓ فرماتے حتیٰ کہ کبھی کبھی اس سورۂ مبارکہ کا دن رات میں اسّی اسّی مرتبہ پڑھنے کا اتفاق ہو جاتا۔ آپ نمازِ ضحیٰ خلوت میں ادا فرماتے تھے۔

آپ کا طعام و قیلولہ:

بعدہٗ محل سرا میں تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور کھاتے وقت فرزندان اور درویشیوں کو طعام تقسیم فرماتے اور اگر فرزندان و درویشوں اور خادموں میں سے کوئی شخص اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کے حصہ کا کھانا رکھ چھوڑنے کے واسطے ہدایت فرماتے حضرت کے گھر کا کھانا بہت لذیذ ہوتا تھا...... کھانا کھاتے وقت حضرت داہنا زانو کھڑا کر لیتے اور بایاں بچھا لیتے اور کبھی غیر مجالس میں دیکھا جاتا کہ دونوں زانو کو کھڑا کر لیتے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے اور بعض اوقات یہ دعا پڑھتے:

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ط

اور سورۂ لِاِیْلَاف پڑھتے...... اور کھانا تناول فرمانے کے بعد اگر طعام نمکین ہوتا تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ اللَّطِیْفَ الْمَلِیْحَ بِغَیْرِ حَوْلِ وَلَا قُوَّۃٍ۔ اگر طعام شریں ہوتا تو ھٰذَا الطَّعَامَ الْحُلْوَ فرماتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَاَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط

اور اگر کسی کی دعوت نوش فرماتے تو یہ بھی پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاٰکِلِہٖ وَلِبَاذِلِہٖ وَلِمَنْ کَانَ لَہٗ شَیْئًا فِیْہِ وَصَلَّے اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔

اگر صاحب طعام موجود ہوتا تو فرماتے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرًا ۔ اگر صاحبِ طعام موجود نہ ہوتا تو جَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا کہتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْھَا عَوْنًا عَلٰی مَاتُحِبُّ۔

مگر کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر فاتحہ نہ پڑھتے تھے جیسا کہ عام لوگوں میں رواج ہے کیونکہ یہ فعل احادیثِ صحیحہ میں وارد نہیں ہے۔ اور تین انگلیوں سے لقمہ لیتے اور محض اس نیت سے تناول فرماتے کہ کھانا سنت ہے۔ آپ کی غذا نہایت قلیل دو چپاتی گیہوں کی ہوتی تھی، اور بکری کا گوشت اور مغز (بھیجا) بہت مرغوب تھا، کباب بھی دستر خوان پر ہوتے تھے، روزانہ صرف ایک بار دوپہر سے کچھ پہلے کھانا تناول فرماتے اور وہ بھی بہت قلیل، اس کے باوجود فرمایا کرتے کیا کیا جائے کہ بحکم اقتضائے آخرِ زمانہ بھوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اتباع میسر نہیں ہوتا۔" اور کھانا نہایت خشوع وخضوع سے تناول فرماتے اور اس امر کی مریدوں کو بھی نہایت تاکید فرماتے۔ اور آپ کے ارشادات میں سے ہے کہ عارف کو کوئی چیز ملکیّت سے بشریّت کی طرف لانے والی کھانے سے زیادہ نہیں۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر بطریقِ سنت قیلولہ فرماتے تھے۔ اور آپ کا مؤذن ظہر کی اذان اول وقت میں کہا کرتا تھا جیسے ہی اذان ہوتی بمجرد استماعِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ آپ بے اختیار بعجلت اُٹھ بیٹھتے اور تخت سے زمین پر اُتر آتے۔

آپ کی نمازِ ظہر:

جس وقت آپ اذان سنتے اس کا جواب دیتے اور بوقت حَیَّعَلَتَیْن لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ فرماتے اور فی الفور وضو کر کے مسجد میں تشریف لے جاتے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت سنتِ زوال (سنتِ مؤکدہ) بطولِ قرأت ادا کرتے اور فرماتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانِ بعثت سے تا زمانِ رحلت سنتِ زوال (سنت مؤکدہ) ترک نہیں فرمائیں اور ان میں طوالِ مفصل (بڑی سورتیں) پڑھتے اور کبھی بمقتضائے عدمِ گنجائش قصار (چھوٹی سورتیں) پڑھتے۔ پھر تکبیرا قامت کے بعد خود امامت فرماتے اور ظہر کے فرض ادا کرتے اور قرأت میں طوالِ مفصل سورتیں پڑھتے، نمازِ فرض سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ پڑھ کر کھڑے ہو جاتے۔ بعد ازاں دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھتے اور پھر چار رکعت سنت زائد پڑھتے اس کے بعد ظہر کے بعد کی ماثورہ دعائیں پڑھتے۔

آپ کا حلقۂ ذکر و توجہ و تعلیم دین و نمازِ عصر و ختم خواجگان:

اس کے بعد لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے اور اصحاب کے ساتھ حلقہ کرتے، حافظ صاحب کچھ قرآن شریف پڑھتے اور حضرت مریدوں کو مراقبہ کراتے اور فارغ ہونے کے بعد دینی کتب کا درس فرماتے، اور اگر حافظ موجود نہ ہوتا تو خود خلوت میں جا کر تلاوتِ قرآن مجید کرتے، اور جب مثلین کے بعد وقتِ عصر ہو جاتا تو تجدید وضو کے واسطے اٹھتے اور وضو کے بعد چار رکعت سنتِ عصر ادا کرتے، اور یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے ان سنتوں کو ترک کیا ہو، بعد ازاں خود امامت فرماتے اور جماعت کثیرہ کے ساتھ فرض ادا کرتے۔ اس کے بعد ادعیۂ ماثورۂ وقت عصر پڑھ کر احباب کے ساتھ پھر بیٹھتے اور ختم خواجگان پڑھتے اور حلقہ کراتے اور حافظ صاحب قرآن کریم پڑھتے اور حضرت اور آپ کے احباب مراقب بیٹھتے اور کبھی احوال پُرسی فرماتے اور ان کی ترقی کے واسطے ہمت فرماتے اور کبھی کچھ اور عمل صالح کرتے۔

آپ کی نمازِ مغرب اور صلوٰۃ اوّابین:

بعد ازاں اگر ابر و غبار وغیرہ نہ ہوتا تو مغرب کی نماز غروبِ آفتاب کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے،

اور فرض نماز ادا کرنے کے بعد اسی جلسہ میں دس مرتبہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ
یُحْیِی وَیُمِیْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھتے۔

اور سات دفعہ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ پڑھتے۔ بعد ازاں دو رکعت سنت اور چھ یا چار رکعت نماز اوابین پڑھتے اور اکثر اوقات اس میں سورہ واقعہ وسورۂ اخلاص پڑھتے، اس کے بعد اس وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھتے۔

آپ کی نمازِ عشاء ووتر:

بیاضِ اُفق کے زوال کے بعد کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق اسی سے مراد ہے اور وہ عشا کا متفق علیہ وقت ہے مسجد میں تشریف لاتے اول دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت یا دو رکعت سنت پڑھتے اور پھر فرض ادا فرماتے اور بغیر اس کے کہ ادعیہ پڑھیں صرف اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ مذکورہ پڑھ کر اُٹھ جاتے، اور دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھتے' بعد ازاں اکثر چار رکعت اور مستحب پڑھتے اور ان چار رکعت مستحب میں **سورۂ الم سجدہ** اور **سورۂ تبارک وقل یا و قل ھو اللہ** پڑھتے اور کبھی ان چار رکعت میں چاروں قل والی سورتیں پڑھتے اور اگر ان چار رکعت میں **سورۂ الم سجدہ** اور **سورۂ الملک** نہ پڑھتے تو وتروں کے بعد ان دونوں سورتوں کو مع **سورۂ دخان** پڑھتے تھے، اور دوستوں کو بھی اس وقت میں ان سورتوں کے پڑھنے کی رہنمائی فرماتے بعد ازاں وتر پڑھتے اور وتروں کی پہلی رکعت میں اکثر **سبح اسم ربک** اور دوسری رکعت میں **قل یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْن** اور تیسری رکعت میں **سورۂ اخلاص** پڑھتے تھے اور قنوتِ حنفی کے ساتھ قنوتِ شافعی کو بھی ملاتے یعنی دونوں کو پڑھتے۔ اس کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، اول رکعت میں **اذا زلزلت الارض** اور دوسری رکعت میں **قل یا یھا الکافرون** پڑھتے، اور آخر میں ان دو رکعت کو ترک کر دیا تھا شاذ و نادر ہی پڑھتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے...... اور نمازِ وتر کے بعد جو دو سجدے کرنے کا رواج ہے آپ ادا نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علما نے اس کی کراہت پر فتوی دیا ہے، اور وتر کی تو کبھی اول شب میں ادا فرماتے اور کبھی نمازِ تہجد کے بعد، اور جب اول شب میں وتر ادا فرماتے تو نمازِ تہجد کے بعد اُن کا اعادہ نہ فرماتے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شب میں دو وتر نہیں

ہیں۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ وتر اخیر میں ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سونے لگے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وتر آخر شب میں ادا کرے گا تو اس کے وتر ادا کرنے تک کراماً کاتبین تمام شب اس کے اعمالنامہ میں حسنات لکھتے رہتے ہیں۔ پس جہانتک ممکن ہو تو وتر آخر شب میں ادا کرنا بہتر ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی فرماتے تھے اور تحریر بھی فرمایا ہے کہ وتر کی تعجیل وتاخیر میں آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا اور کچھ مدنظر نہیں ہے اور کوئی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے برابر نہیں ہوسکتی اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اول شب میں وتر پڑھتے تھے اور کبھی آخر شب میں اور یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں جانتا ہے کہ کسی امر میں آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ حاصل ہو جائے اگرچہ یہ تشبہ بحسبِ صورت ہی ہو۔

آپ نمازِ عشا و وتر کے بعد جلدی بسترِ استراحت پر تشریف لیجاتے اور سونے سے قبل سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی و امن الرسول تا آخر اور آیۂ کریمہ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تا مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ اور آیۂ قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ اور چہار قُل پڑھتے اور جس وقت لیٹتے پہلوئے راست پر تکیہ کرتے اور داہنے ہاتھ کو داہنے رخسارِ مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلَھَا وَاِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفِظُ بِہٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَالْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَرَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَاوَلَا مَنْجٰی مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِرَسُوْلِکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ بِکُلِّ لِسَانٍ وَاسْتَعِیْذُبِکَ مِنَ الْبَلَایَا وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ تین مرتبہ اس کلمہ کی تکرار فرماتے پھر تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہُ اور تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ایک مرتبہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَـهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَـدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط پڑھتے۔

آپ کی نماز جمعہ وعیدین اور تراویح وغیرہ:

آپ نمازِ جمعہ مسجد جامع میں جس طرح کہ علماءِ حنفیہ نے فرمایا ہے اسی طرح ادا کرتے اور بعد ادائے فرضِ جمعہ سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور سات مرتبہ معوذتین مع بسم اللہ پڑھتے اور بعد ادائے نماز جمعہ صلوۃ ظہر احتیاطاً ادا فرماتے کہ کل شرائطِ جمعہ بقول بعض فقہاء اس وقت پائی نہیں جاتیں اور اس طرح نیت کرتے:

نَـوَيْـتُ اَنْ اُصَـلِّـيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتِ اٰخِرَ فَرْضِ الظُّهْرِ اَدْرَكْتُ وَقْتَهٗ وَلَمْ اُدِّهٖ۔

(یعنی میں نے چار رکعت آخر فرض ظہر کی نیت کی جس کا وقت میں نے پایا اور اس وقت تک ادا نہ کیا تھا)

اگر کبھی کچھ بیماری وغیرہ ہوتی اور نمازِ ظہر کے لیے جاسکتے تو منفرد نمازِ ظہر ادا کرتے اور اس طرح سے سفر میں بھی طریقہ جاری رکھتے۔ آخر عشرۂ رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرتے۔

اور عشرۂ ذی الحجہ میں عُزلت اختیار کرتے اور ان عشرات میں طاعات واذکار وصیام کی طرف بہت راغب ہوتے اور درود شریف بکثرت پڑھتے، خصوصاً شبِ جمعہ، روزِ جمعہ، وشبِ دوشنبہ، وروزِ دوشنبہ میں بکثرت درود شریف پڑھتے اور آخر زمانہ میں شب جمعہ کو دوستوں کو جمع کر کے ہزار بار درود شریف پڑھتے اور اس کے بعد نہایت انکساری کے ساتھ کچھ دیر مراقبہ کرتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس پر مامور تھے اور آپ بلا ناغہ رسالۂ صلواتِ ماثورہ جو ایک جزو سے زیادہ ہے اور دلائلِ قادریہ جو حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کا ترتیب دیا ہوا رسالۂ درود ہے کبھی بعد ظہر اور کبھی بعد عشاء پڑھا کرتے تھے۔

عیدالاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے راستہ میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے اور کبھی کتاب مضمرات کے فتوٰی کی بنا پر پست آواز سے کہتے اور ذی الحجہ کے اول عشرہ میں حاجیوں کے ساتھ تشبہ کی غرض سے بال وناخن نہ کترواتے کیونکہ ایسا کرنا مستحب ہے لیکن دیگر افعال جن کو اہلِ عرفات کے تشبہ کی غرض سے لوگ

یہاں پر کرتے ہیں وہ افعال آپ نہیں کرتے تھے اور مکروہ جانتے تھے، البتہ بعض ادعیۂ ماثورہ پڑھا کرتے تھے اور اس عشرۂ ذی الحجہ میں ہر روز نمازِ عشا اور نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ والفجر پڑھتے بلکہ اس ماہ کے آخر تک اسی طرح اس پر عمل فرماتے۔

اور نمازِ تراویح کی بیس رکعت ادا کرتے اور سرو حضر میں بجمعیتِ تمام ادا کرتے اور تین قرآن شریف سے کم ماہِ صیام میں ختم نہ کرتے اور ہر چہار رکعت تراویح کے بعد تین دفعہ:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ ط سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ
وَالْعَظْمَةِ وَالْهَیْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ ط سُبْحَانَ
الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ ط سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا
وَرَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ ط اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ط پڑھتے،

اور ہر دو رکعت کے بعد یہ دعاء پڑھتے:

یَا کَرِیْمَ الْمَعْرُوْفِ یَاقَدِیْمَ الْاِحْسَانِ اَحْسِنْ عَلَیْنَآ بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ یَا اللّٰهُ۔ اور ختمِ کل تراویح پر یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الرِّضْوَانَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ۔
اَللّٰهُمَّ یَاخَالِقَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ بِرَحْمَتِکَ یَاعَزِیْزُ یَاغَفَّارُ یَا کَرِیْمُ
یَا سَتَّارُ یَارَحِیْمُ یَا بَارُّ اَجِرْنَا یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ یَامُجِیْرُ
بِعِزَّتِکَ وَفَضْلِکَ رَبِّیْ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ
فَاعْفُ عَنَّا یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَفْوَ
وَالْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

چونکہ خود حافظ قرآن تھے اس لیے دیگر ایام میں بعد ظہر ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور حلقات میں استماعِ قرآن شریف ہمیشہ جاری تھا اور نماز وغیرہ میں اس طرح قرأت پڑھتے تھے گویا الفاظ کے ضمن میں معنی ادا فرماتے جاتے ہیں اور سامعین کو بدیہی طور سے معلوم ہوتا تھا کہ اسرارِ قرآنی اس مقربِ سبحانی پر وارد ہورہے ہیں۔ بہت لوگ جو کہ مرید بھی نہ تھے۔ کہتے کہ حضرت قرآن کریم اس طرح پڑھتے ہیں گویا کہ الفاظ آپ کے دل سے نکل رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آواز بنابنا کر ہرگز نہ پڑھتے، اور

نمازِ تراویح میں اکثر سامعین کو غنودگی طاری ہو جاتی تھی لیکن حضرت کو کبھی کچھ بھی نہ ہوتی تھی اور اسی طرح کھڑے کھڑے قرآن کریم سنتے رہتے...... مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے حضرت سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کو کبھی غنودگی نہیں ہوتی، فرمایا شناوریٔ دریائے اسرارِ قرآنی فرصت نہیں دیتی کہ پلک بھی جھپکاؤں۔'' سفر میں منزل پر پہنچنے تک تلاوتِ قرآن فرماتے اور جس وقت آیت سجدہ آتی فی الفور سواری سے اتر کر زمین پر سجدہ کرتے۔

کیفیت نماز و دیگر مسائل:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ' بوقت تکبیرِ تحریمہ' نماز ہر دو انگوٹھے کان کی لَو تک لے جاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر اس کے کہ کھلی یا ملی ہوئی رکھیں متوجہ قبلہ رکھتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو نیچے لاتے اور زیرِ ناف داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھتے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر (چھنگلیا) اور ابہام (انگوٹھا) سے حلقہ ہو جاتا اور تین انگلیاں کلائی پر لمبی لمبی رکھی جاتیں اور دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہوتا اور دونوں پاؤں پر برابر زور رکھتے ایک پاؤں پر زور دیکر دوسرے کو آرام نہ دیتے، اور قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھتے اور نہایت تجوید و تعمق معانی و اسرارِ قرآنی سے قرأت پڑھتے بعد ازاں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدموں پر نظر رکھتے، اور سر پُشت کے ساتھ برابر کرتے اور گھٹنوں کو انگلیاں کھول کر بقوت پکڑتے اور زانو ٹیڑھا نہ ہونے دیتے پھر قومہ بمقدارِ تسبیح کرتے اور بحالتِ انفراد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بقدرِ تسبیح جلسہ کرتے اور سجدہ میں ناک کی نرمہ پر نگاہ رکھتے، اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جُدا رکھتے، اور بوقتِ سجدہ تمام اعضا پر برابر زور دیتے، اور تشہد میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھتے اور کنار (گود) پر نظر رکھتے اور حضرت کے تمام اصحاب نماز میں حضرت کی تقلید کرتے۔ آپ تشہد میں انگشتِ شہادت نہ اٹھاتے تھے۔ اور نمازِ نفل سوائے تراویح اور کسوف کے کبھی با جماعت نہ پڑھتے تھے۔ اور نمازِ کسوف منفرداً ادا کرتے تھے۔ اور حالتِ انفراد میں تسبیحاتِ رکوع و سجود پانچ و سات بلکہ نو و گیارہ مرتبہ پڑھتے اور کبھی تین مرتبہ پر اقتصار فرماتے یعنی حسب موقع ادا فرماتے اور فرماتے تھے کہ شرم آتی ہے قوتِ و استطاعت کے باوجود حالتِ انفراد میں اقل تسبیحات پر اقتصار کیا جائے' اور حالتِ امامت میں اس قدر کہتے کہ مقتدی بفراغت تین مرتبہ کہہ سکیں۔

نماز میں سنن ومندوبات وآداب کی پوری پوری رعایت کرتے اور فرماتے کہ لوگ بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس رکھتے ہیں حالانکہ آدابِ نماز کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت ومجاہدہ نہیں ہے خصوصاً نمازِ فرض وواجب وسُنن کو جن آداب کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس طرح ادا کرنا بہت مشکل ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الآیہ (نماز بہت مشکل ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر مشکل نہیں ہے)۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور پرہیزگار لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دوسری باتوں میں رعایت اور احتیاط مدنظر رکھتے ہیں لیکن نماز کے آداب میں سستی کرتے ہیں۔ آپ نماز تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کبھی ترک نہیں کرتے تھے اور سننِ مؤکدہ وسننِ زائدہ کو بھی سفر وحضر میں بلا تکلف ادا کرتے تھے اور سوائے تراویح وکسوف کے نمازِ نفل کو جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ منع فرماتے تھے جیسا کہ مکتوبات شریف میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

☆……☆……☆

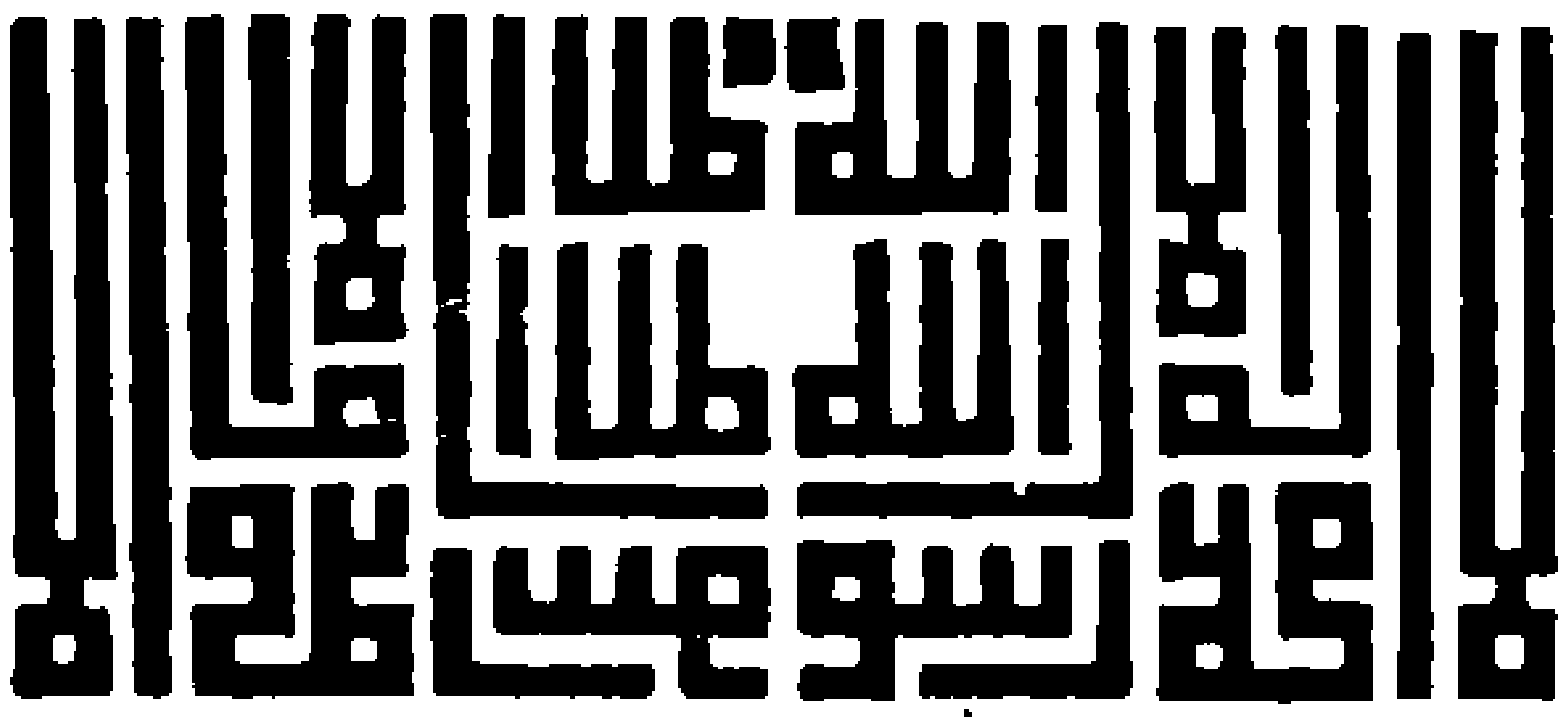

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معمولات حضرت امام ربانی

پروفیسر سید شبیر حسین شاہ زاہد

☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے شب و روز کے معمولات کا ایک مجموعی نقشہ ذیل میں کھینچا جاتا ہے تاکہ آپ کے قول و فعل کی مطابقت کو ثابت کیا جا سکے۔ ''تاریخ دعوت و عزیمت'' کے مؤلف شیخ ابوالحسن علی ندوی نے جلد چہارم میں ''حضرات القدس'' کے حوالے سے شیخ مجدد کے معمولات شب و روز کی تفصیل تحریر کی ہے۔ (مرتبین)

معمولاتِ روز و شب

گرمی ہو یا سردی ہو حضرت کا سفر و حضر میں معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی ثلث اخیر میں بستر سے اٹھ جاتے اس وقت کے لیے احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، وضو بڑے اہتمام (اسباغ وضو) کے ساتھ فرماتے کہ پانی اعضاء کو پورے طور پر پہنچ جائے دوسرے کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ وہ پانی ڈالے، وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منھ ہوتا، البتہ پائے مبارک دھوتے وقت اس کو شمال یا جنوب کی طرف موڑ لیتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں، وہ پڑھتے، پھر بڑے حضور و جمعیت اور طولِ قرآت کے ساتھ نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد خشوع و استغراق کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے، فجر سے کچھ پہلے سنت کے مطابق جھپکی لے لیتے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اٹھ جاتے تازہ وضو فرماتے، فجر کی سنت دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے سنت و فرض کے درمیان سری طریقہ پر ''سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم'' پڑھتے

رہتے فجر کی نماز آخر غلس (اندھیرے) اور اول اسفار (روشنی) میں ادا کرتے تاکہ غلس و اسفار کے بارے میں دونوں مذہبوں پر عمل ہو جائے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل (۱۴) (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پڑھتے تھے۔'' فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے، پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر اور تسبیحات و ادعیۂ ماثورہ سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لاتے اور اہل خانہ و متعلقین کی خیر خبر لیتے اور جو امور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے اور پوری توجہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو جاتے، تلاوت کے بعد طالبین کو طلب فرما کر ان کے حالات کی تحقیق و ہدایات فرماتے اسی وقت اخص اصحاب کو بلا کر مضامین و علومِ خاصہ سے ان کو مستفید فرماتے اور ان کو توجہ دیتے اور اپنے حالات و کیفیات سے مطلع کرتے اور آپ ان کو علو ہمت، اتباع سنت اور دوام ذکر حضور اور اخفائے حال کی تاکید فرماتے۔

ضحوۂ کبریٰ اور نمازِ چاشت کے بعد حرم سرا تشریف لے جاتے اور گھر والوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے صاحبزادوں یا اہل تعلق میں سے اگر کوئی چیز تیار کرتا تو پیش کرتا فرزندوں اور خدام میں سے اگر کوئی اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ رکھوا دیتے اور زیادہ وقت دوسروں کی خبر گیری اور خاطر میں گزرتا بعض اوقات برائے نام تناول فرماتے معلوم ہوتا تھا جیسے کھانے کی احتیاج نہیں محض سنت کی پیروی مقصود ہے''۔ آخری زندگی میں جب گوشہ نشینی اختیار کی اور روزہ رکھتے تو کھانا بھی خلوت خانہ میں تناول فرماتے، کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنے کا (جیسا کہ عام طور پر رواج ہے) معمول نہیں تھا۔ اس لیے کہ صحیح احادیث میں نہیں آیا ہے۔'' فرائض کے بعد فاتحہ پڑھنے کا جیسا کہ بعض مشائخ کے یہاں دستور ہے معمول نہیں تھا۔

دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے، موذن ظہر کے اول وقت اذان دیتا آپ وضو کر کے سنت زوال پڑھتے۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر کسی حافظ سے ایک پارہ یا کم و بیش سنتے اور اگر درس ہوتا تو درس دیتے۔ نمازِ عصر بھی مثلین ہو جانے کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، عصر کے بعد غروب آفتاب تک اصحاب و خدام کے ساتھ سکوت و مراقبہ میں مشغول اور خدام کی باطنی کیفیات کی طرف متوجہ رہتے۔ نماز مغرب کے بعد اوّابین ادا کرتے کبھی چار رکعت کبھی چھ رکعت، نماز عشاء شفق ابیض کے بعد فوراً پڑھ لیتے، وتر کی دعائے قنوت میں احناف و شوافع کی دعائے قنوت کو جمع کر کے پڑھ لیتے، نماز وتر

کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر کبھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے۔ آخر زمانہ میں شاذ و نادر یہ دو رکعتیں پڑھیں۔ وتر کے بعد دو سجدے جو متعارف ہیں نہیں فرماتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے، نماز عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام فرمانے کے لیے لیٹ جاتے اور ادعیۂ ماثورہ پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ درود کثرت سے پڑھتے خاص طور پر شب جمعہ اور روز جمعہ، شب دوشنبہ اور روز دوشنبہ، نماز میں تمام سنن و مندوبات اور آداب کی رعایت فرماتے، تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام کرتے، تراویح کے علاوہ کوئی نفل نماز جماعت سے ادا نہ کرتے۔ لوگوں کو شبِ عاشورہ یا شبِ قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے منع فرماتے۔

مریضوں کی عیادت کے لیے جاتے اور اس موقع پر جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، زیارت قبور کے لیے بھی تشریف لے جاتے، بعض اعلیٰ دینی کتابوں (مثلاً تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، فقہ واصول وکلام میں ہدایہ، بزدوی، مواقف اور تصوف میں عوارف المعارف) کا درس دیتے۔ طلباء کو تحصیل علوم دینی کی تاکید فرماتے اور تحصیل علم کو سلوک وطریقہ پر مقدم رکھتے۔ کثرت سے حمد واستغفار کرتے اور تھوڑی سی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے۔

رمضان کا بڑا اہتمام فرماتے تین سے کم ختم قرآن نہ کرتے۔ خود حافظ قرآن تھے اس لیے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے۔ افطار میں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تعجیل اور سحور میں تاخیر سے کام لیتے اور اس کا اہتمام فرماتے۔

ادائے زکوٰۃ میں طریقہ یہ تھا کہ جب کہیں سے کوئی ہدیہ یا نذر آتی تو حولان حول (سال گزرنے) کا انتظار نہ کرتے۔ ان فتوحات کے وقت فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے۔

اخلاق وتواضع اور خلق اللہ پر شفقت، رضا وتسلیم کی خو انتہا درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لیے آتا تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس میں اس کو جگہ دیتے اور اسی کے ذوق ومناسبت کی باتیں کرتے غیر مسلموں کی تعظیم خواہ وہ حاکم ہوں اور جاہ واقتدار رکھتے ہوں نہیں کرتے تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے، یاد نہیں آتا کہ کسی نے سلام میں آپ سے سبقت کی ہو، اہل حقوق کی حد درجہ رعایت فرماتے کسی کے انتقال کی خبر آتی تو متاثر ہوتے اور کلمہ ترجیع (انا للہ وانا الیہ رجعون) پڑھتے اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے اور دعا وایصال ثواب فرماتے’’۔

آپ کا لباس ایک کرتہ جس کے دونوں کاندھوں پر چاک ہوتا تھا اس کے اوپر ایک عبا لیکن گرمیوں میں اکثر کرتا ہوتا دستار سر پر لپیٹ لیتے جیسا کہ سنت ہے اور شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان پیٹھ پر پڑا ہوتا۔ (سوائے استنجاء اور قضائے حاجت کے وقت) پائجامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا جمعہ اور عیدین میں لباس فاخر پہنتے تھے جب نیا جوڑا زیب تن کرتے تو پہلا کسی خادم یا عزیز یا مہمان کو دے دیتے آپ کی خدمت میں پچاس (۵۰) ساٹھ (۶۰) بلکہ سو (۱۰۰) آدمیوں کے قریب ہمیشہ علماء، عارفین، مشائخ حفاظ و شرفاء سادات میں سے رہتے تھے اور سب کو آپ ہی کے مطبخ سے کھانا پہنچتا تھا۔

(ماخوذ بدرالدین سرہندی، حضرت القدس جلد دوم ۱۹۷۱ء، لاہور، ملخصاً تاریخ دعوت وعزیمت ج ۴، ص ۱۷۷۔۱۸۱ مطبوعہ کراچی)

☆……☆……☆

ملفوظات شاہ نقشبند علیہ الرحمہ نوشتہ خواجہ عمر پارسا علیہ الرحمہ

مرشد حقیقی یعنی اللہ عزوجل اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کی تربیت اس کے حال کی نسبت سے فرماتے ہیں جبکہ اولیائے امت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کو پیغمبران علیہم السلام کی ولایت کی نسبت سے بھی ضرور حصہ ملتا رہتا ہے۔ اولیائے امت کو حضرت خضر علیہ السلام کے مشرب کی نسبت سے علم لدنی کا حصہ ملتا ہے اور وہ آپ ہی کی روحانیت سے حصہ یا مدد پاتے ہیں۔ اگرچہ اولیائے ظاہری جسمانیت کے سبب اسی وقت ایسی استمداد سے غافل ہوتے ہیں۔

(رسالہ قدسیہ، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ سوم

کشورِ روحانیت میں ہے تیرا ارفع مقام
تو ولایت کی دلہن کا غازۂ رُخسار ہے
(اختر)

بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم

الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذى

انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك فان مع العسر يسرًا

ان مع العسر يسرا فاذا فرغت فانصب والى

ربك فارغب

خط دیوانی

کتبہٗ گوہر قلم لاہور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

امام ربانی اور علمِ لدُنّی

شیخ التفسیر والحدیث ابن الصدیق محمد ہادی بخش صدیقی

☆☆

الحمد للّٰہ الذی خلق الانسان علمہ البیان، القی الروح من امرہ علٰی من یشاء من عبادہ دوی الایقان، شرح صدرہٗ للاسلام والایمان، فھو علی نور من ربہ الرحمٰن. والصلوٰۃ والسلام علٰی من انعم اللّٰہ علیھم من النبییّن والصدیقین والشھداء والصالحین، خصوصاً علٰی سیدنا وسید المنعمین، قائد الرسل والعلماء الربانیین، قاسم العلوم والمعارف للمتبعین الکاملین، منبع الانوار والفیوضات للاولیاء الصادقین. وعلٰی آلہٖ الذین فازوا بالارواح المطھرتہ والنفوس المطمئنۃ والقلوب السلیمۃ، واصحابہ الذین شرفوا بالنعمۃ التامۃ والرحمۃ الخاصۃ والفضل العمیم، واتباعہ الذین جاھدوا فی ذاتہ سبحانہ الکریم، وھدوا بالمکاشفۃ والمشاھدۃ والعلم اللدنی والالھام العظیم، خصوصاً علٰی سیدنا ومولانا ومربینا الامام الربانی المجدد للالف الثانی الشیخ احمد السرھندی علیہ رحمۃ الرحمٰن الرحیم.

امابعد اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کے مندرجہ ذیل مبادیات پر گفتگو کی جائے:

(۱)علم لدنی کی تعریف۔ (۲)علم لدنی کے دوسرے نام۔ (۳)علم لدنی کی اقسام و درجات۔ (۴)علم لدنی کا ثبوت قرآن مجید سے۔ (۵)علم لدنی کا ثبوت احادیث مبارکہ سے۔

علم لدنی کی تعریف

(۱) هو نور يظهر فى القلب فيشاهد به الغيب.

ترجمہ: وہ ایک ایسا نور ہے جو انسان کامل کے دل میں جلوہ فگن ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ انسان غیب کا مشاہدہ کرتا ہے[1]۔

(۲) علم المكاشفة: فهو عبارة عن نور يظهر فى القلب عند تطهيره و تزكيته من صفاته المذمومة.... ان يرتفع الغطاء حتى تتضح له جلية الحق فى هذه الامور اتضاحا يجرى مجرى العيان الذى لايشك فيه.

ترجمہ: علمِ مکاشفہ: یہ ایک ایسا نور ہے جو دل کی صفات مذمومہ سے پاکیزگی وصفائی کے بعد اس میں پیدا ہوتا ہے اور اس وقت دل اور حقائق اشیاء کے درمیان سے پردے اس طرح ہٹ جاتے ہیں کہ وہ حقائق دل کو ایسے نظر آتی ہیں جیسے آنکھوں دیکھی چیزیں نظر آئیں[2]۔

(۳) والصوفية سموا العلوم الحاصلة بطريق المكاشفات العلوم اللدنيه. وللشيخ ابى حامد الغزالى رسالة فى اثبات العلوم اللدنيه. واقول تحقيق الكلام فى هذا الباب ان نقول: اذا ادركنا امرا من امور وتصورنا حقيقته من الحقائق فاما ان نحكم عليه بحكم وهو التصديق اوّلا نحكم وهو التصور. وكل واحد من هذين القسمين فاما ان يكون ضروريا حاصلا من غير كسب وطلب، واما ان يكون كسبيا. اما العلوم الضرورية فهى تحصل فى النفس والعقل من غير طلب و كسب، مثل تصورنا الالم و اللذة، والوجود والعدم، ومثل تصديقنا بان النفى والاثبات

لایجتمعان ولایرتفعان، وان الواحد نصف الاثنین، واما العلوم الکسبیة فھی التی لاتکون حاصلة فی جوھر النفس ابتداء بل لا بدمن طریق یتوصل بہ الی اکتساب تلک العلوم، وھذا الطریق علیٰ قسمین (احدھما) ان یتکلف الانسان ترکب تلک العلوم البدیھیة الضروریة حتی یتوصل بترکبھا الی استعلام المجھولات. وھذاالطریق ھو المسمیٰ بالنظر و التفکر والتدبروالتأمل والتروی والاستدلال، و ھذا النوع من تحصیل العلوم ھوالطریق الذی لایتم الا بالجھدوالطلب. و (النوع الثانی) ان یسعی الانسان بواسطة الریاضات والمجاھدات فی ان تصیر القوی الحسة والخیالیة ضعیفة فاذا ضعفت قویت القوتہ العقلیة واشرقت الانوار الالھیة فی جوھر العقل، وحصلت المعارف و اکملت العلوم من غیر واسطة سعی وطلب فی التفکر والتأمل، وھذا ھوالمسمی بالعلوم اللدنیة.

ترجمہ: صوفیاء کرام نے ان علوم کو جو مکاشفہ کے طریقے سے حاصل کیے گئے ہوں ’علومِ لدنیہ‘‘ کہا ہے‘علوم لدنیہ کے ثبوت میں حضرت شیخ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے مکمل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ اس بارے میں میری تحقیق یہ ہے کہ جب ہم کسی بات کا تصور کرتے ہیں یعنی اس کو اپنے خیال میں لاتے ہیں تو اس کو محکوم علیہ ومحکوم بہ بنا کر (جملے کی صورت میں) لاتے ہیں یا اس میں کچھ حکم نہیں ہوتا، صرف کسی ایک چیز کا بغیر کسی حکم کے تصور کرتے ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس کو’’تصدیق‘‘ کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک دو دو قسم ہے (۱) ضروری (۲) کسبی۔ ضروری اس کو کہتے ہیں جو بغیر

فکر وکسب کے حاصل ہو۔ جیسا کہ درد ولذت اور وجود وعدم کا تصور ہے اور تصدیق کی مثال یوں ہے کہ ہم کہیں ''ایک چیز میں نفی اور اثبات دونوں بیک وقت نہ جمع ہوتے ہیں اور نہ جدا ہوتے ہیں۔'' اسی طرح ہم کہیں ''ایک دو کا آدھا ہے۔'' علم کسبی اس کو کہتے ہیں جو انسان کی عقل میں ابتداءً خود بخود نہ آئے بلکہ اس کے حاصل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہو۔ اور یہ قسم دو طریقوں پر مشتمل ہے (۱) یہ کہ انسان کسبی علم حاصل کرنے کے لیے چند ضروری و بدیہی علم جمع کرے اور ان کو اس طرح ترتیب دے کہ ان سے وہ نامعلوم کسبی علم معلوم ہو جائے۔ اس طریقہ کو اصطلاح میں نظر، فکر، تدبر، تامل، تروی اور استدلال سے تعبیر کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ علم حاصل کرنے کا یہ طریقہ ایسا طریقہ ہے جو تکلیف وطلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

(۲) کسبی علم حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان ریاضات اور مجاہدات میں اتنا زیادہ کوشش کرے کہ اس کی خیالی وحسی تمام تر قوتیں پست و کمزور ہو جائیں، جب یہ چیزیں کمزور ہو جائیں گی تو عقلی قوت چست ومضبوط ہو جائے گی اور اس وقت جو ہر عقل میں الٰہی انوار کا جلوہ ہوگا اور معارفِ لدنیہ حاصل ہوں گے اور محنت وسعی وسوچ وفکر کے بغیر بہت زیادہ علوم کاملہ عطا ہونگے علم حاصل کرنے کے اس طریقے کو علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں[۳]۔

(نوٹ' تفسیر روح البیان میں اسی جگہ گویا بعینہ درج بالا تفسیر کبیر کی عبارت مندرج ہے۔)

علم لدنی کے دوسرے نام

علم لدنی کو علم المعرفۃ، علم الحقیقۃ، علم المشاہدہ، علم المکاشفہ اور علم الباطن سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ (علم الباطن تمام ناموں سے زیادہ عام ہے اور دیگر سب پر مشتمل ہے اور علم المعرفۃ سب سے زیادہ خاص ہے اور بیچ کے نام درجہ بدرجہ فرق رکھتے ہیں)۔

علم لدنی کی اقسام و درجات

اتباعِ شریعت، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور فنایت کے بعد جب دل کے پردے کھلتے ہیں تو اس وقت عموماً درج ذیل اشیاء میں سے کسی بھی طبقہ کا قلیل یا کثیر انکشاف ہوتا ہے۔

۱......عالمِ سفلی کی اشیاء کا انکشاف
۲......عالمِ علوی کی اشیاء کا انکشاف
۳......احکامِ شرعیہ کے اسرار و حکم کا انکشاف
۴......احادیث مبارکہ کی بعض عبارات کے متعلق انکشاف
۵......قرآن مجید کی بعض آیات کے متعلق انکشاف
۶......افعالِ خداوند تعالیٰ سبحانہٗ کے متعلق انکشاف
۷......اسماءِ حق تعالیٰ عزوجل کے متعلق انکشاف
۸......صفاتِ باری تعالیٰ عزوجل کے متعلق انکشاف
۹......حقائقِ کعبہ، نبوت، رسالت وغیرہ کے متعلق انکشاف
۱۰......ذاتِ باری تعالیٰ وتقدس کے متعلق انکشاف

بندہ نے اجمالاً واختصاراً انکشافِ باطن کے صرف دس درجات لکھے ہیں ان کے علاوہ جتنی اقسام کے انکشافات ہوں وہ تقریباً ان درجات میں سے کسی نہ کسی ایک درجے میں داخل ہونگے۔

ذاتِ باری تعالیٰ عزوجل کے متعلق انکشاف وعرفان وعلم لدنی تمام تر انکشافات سے اعلیٰ ترین انکشاف ہوتا ہے اس کے اوپر جتنے درجات لکھے گئے ہیں وہ طبقہ بہ طبقہ درجہ میں کم ہوتے جاتے ہیں۔

ولی اللہ کا مقام جتنا بلند ہوتا جائے گا اس کا انکشاف اتنا ہی بالاتر ہی ہوتا جائے گا۔

علم لدنی کا ثبوت قرآن مجید سے

آیت نمبر ۱: **افمن شرح اللہ صدرہٗ للاسلام فھو علی نور من ربہ[۴]. الآیۃ**

ترجمہ: جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے کشادہ فرمائے بس وہ اپنے رب کے ایک خاص نور پر فائز ہو، کیا ایسا شخص اور جو شخص ایسا نہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اس آیت شریف سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے انسان ضرور موجود ہیں جن کا سینہ کشادہ ہوتا ہے یعنی ان کے دل اور حقائق کے درمیان کے پردے ہٹ گئے ہوتے ہیں اور ان کا دل نور سے بھرا ہوتا ہے اور اس حالت میں ان کے دل میں جو اچھے و بہتر خیالات پیدا ہوتے ہیں وہی علم لدنی کہلاتے ہیں۔

آیت نمبر۲: والذین جاھدو فینا لنھد ینھم سبلنا[۵]

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں (اپنے نفسوں سے) مجاہدہ کریں تو ہم یقیناً ضرور بالضرور ان کو اپنی راہیں دکھادیں گے۔

اس آیت شریف کے عموم سے بخوبی معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ عزوجل کی رضا کے لیے اپنے نفس سے اعلیٰ ترین مجاہدہ کرے تو اللہ تعالیٰ عزوجل بھی اس کو اعلیٰ ترین انعام سے نوازدیگا۔ اعلیٰ ترین مجاہدہ شریعت وطریقت پر پابندی کے بعد کلی طور پر نسیان ماسوی اللہ تعالیٰ ہے اور اعلیٰ ترین انعام ذاتی انوار، وصلِ عریان اور ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی شان کے مطابق اس کا عرفان وانکشاف ہے اور یہ علم لدنی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

آیت نمبر۳: وعلمنٰہ من لدنا علما۔[۶]

ترجمہ: اور ہم نے اس کو اپنی جانب سے ایک خاص علم سکھایا ہے۔

اس آیت شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے بعض بندوں کو ظاہری سبب یعنی استاد کی تعلیم وتعلم کے بغیر اپنی طرف سے ایک خاص گونہ علم پوشیدہ طور پر قلب میں القاء کر کے عطا فرماتا ہے۔

صوفیاء کرام علیھم الرحمۃ نے قلبی انکشافات و الہامات کے علوم کو اس آیت شریف کی بناء پر "علم لدنی" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ چونکہ بہت سے محققین کرام نے اس خاص بندہ (خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ولی اللہ تسلیم کیا ہے۔ بنابریں اولیاء کرام علیھم الرحمۃ کے انکشافات پر بھی اس آیت سے استدلال بدرجۂ ظنی الدلالۃ حق ودرست ہوا۔

علم لدنی کا ثبوت احادیث مبارکہ سے

(۱)۔ عن زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامه فاذا عمر بن الخطاب عندہٗ قال ابوبکر: ان عمراتانی، فقال: ان القتل قد استحریوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان استحرالقتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن، وانی

اریٰ ان تامر بجمع القران. قلت لعمر: کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال عمر! هذا والله خیر. فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذالک، ورأیت فی ذالک الذی رای عمر. قال زید: قال ابوبکر: انک رجل شاب عاقل لانتهمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه وسلم فتتبع القران فاجمعه، فوالله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علی مما امرنی به من جمع القران. قال: قلت کیف تفعلون شیئالم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال: هووالله خیر، فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر، فتتبعت القرآن اجمعه من الحسب واللخاف و صدور الرجال حتی وجدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیره.[۷]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ اہلِ یمامہ کے قتال کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا، میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کی خدمت عالیہ میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرے پاس آیا ہے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی میں قرآن مجید کے حفاظ کرام بہت زیادہ شہید ہوئے ہیں اگر اس طرح چند دیگر لڑائیوں میں حفاظِ کرام شہید ہوئے تو مجھے ڈر ہے کہ قرآن مجید کا بہت حصہ تلف ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ قرآن مجید جمع کرنے کا حکم فرمائیں۔ میں (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو؟ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ کام بہت زیادہ اچھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ بھی کشادہ کرایا اور میری رائے بھی وہی ہوئی جو عمر کی تھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے فرمایا کہ اے زید! آپ نوجوان اور سمجھدار انسان ہیں ہم آپ کی سچائی میں شک نہیں کرتے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی وحی کی کتابت کرتے تھے۔ آپ قرآن مجید کی اچھی طرح تلاش و جستجو کریں اور اس کو جمع کریں (حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ) اللہ کی قسم اگر آپ مجھے کسی پہاڑ کے اٹھانے کا امر فرماتے تو یہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا

قرآن مجید کا جمع کرنا میرے لیے گراں ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے عرض کیا آپ وہ کام کیسے کرتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم وہ کام بہت زیادہ اچھا ہے اور آپ یہ بات مجھے بار بار دہراتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا بھی سینہ کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن مجید کی تلاش وجستجو شروع کی اور میں چھڑیوں، سفید پتھروں اور مردوں کے سینوں سے قرآن مجید اکٹھا کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کا آخری حصہ حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پایا ان کے سوا اور کسی کے پاس نہیں پایا۔

(۲) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ولقد كان فيما قبلكم من الامم محدثون فان يک في امتي احد فانه عمر. متفق عليه[۸].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک پہلی امتوں میں ایسے آدمی تھے جن کو الہام کیا جاتا تھا اگر میری امت میں کوئی ایسا آدمی ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔

مسلم شریف عربی صفحہ ۲۷۶ میں ہے **فان يكن في امتي منهم احد فانهٔ عمر بن الخطاب منهم. قال ابن وهب تفيسر محدثون. ملهمون[۹].**

ترجمہ: اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ایک ہے تو عمر بن خطاب ان میں سے ہیں۔ حضرت ابن وھب علیہ الرحمۃ نے فرمایا محدثون کے معنی ہیں الہام کیے ہوئے افراد نیز حاشیہ بخاری شریف ج ۱، ص ۵۲ میں ہے کہ اکثر کا قول اسی طرح ہے[۱۰]...... اس عبارت سے تین فائدے معلوم ہوئے (۱) یہ کہ الہام صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص نہیں۔ بلکہ الہام کئے ہوئے افراد امت میں بہت ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے ایک کامل فرد ہیں۔ (۲) یہ کہ محدثون کے معنی ہیں ''الہام کیے ہوئے افراد''۔ (۳) یہ کہ الہام وعلم لدنی کا ثبوت شریعت وسنت میں بخوبی واضح ہے۔

(۱)

امام ربانی علیہ الرحمۃ کو علمِ لدُنی کا انعام

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں علماء وصوفیہ میں اختلاف رہا ہے لیکن اس سلسلے میں علماءِ اہل سنت کی جو آراء تھیں وہ ازروئے کشف آپ پر ظاہر کر دی گئیں کہ وہی حق ہیں...... چنانچہ ایک مکتوب شریف میں آپ تحریر کرتے ہیں:۔

ذات باری تعالیٰ وتقدس کا وجود اپنی ذات کی وجہ سے ہے وجود کی وجہ سے نہیں یعنی ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے پہلے وجود کی نسبت آ گئی پھر وہ موجود ہوے بلکہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وتقدس کی ذات نسبت وجود کی محتاج نہیں۔ وجود کی نسبت سے پہلے ہی وہ موجود ہے، ہم اس ذات کے لیے لفظ وجود اور موجود کا استعمال ان کی شان کے موافق صحیح لفظ نہ پانے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ بس اس طرح حق تعالیٰ فی ذاتہ مطلقاً بے پرواو غیر محتاج رہے۔ جاننا چاہیے کہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس قسم کا لفظ صریح طریقے سے آپ قدس سرہم سے پہلے اور کسی نے نہیں کہا۔ پس یہ بات آپ کے خصوصی معارف وعلوم میں سے ہوئی۔ ذیل میں مکتوبات کی عبارت مندرج ہے۔

مکتوب نمبر۲: دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں:

> حل این اشکال آنچہ بریں فقیر ظاہر ساختہ اند آنست کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بذات خود موجود است، نہ بوجود، عین باشد آں وجود یا زائد۔
>
> ترجمہ: اس (درج بالا) اشکال کا حل جس طرح اس فقیر پر ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات اپنی ذات کی وجہ سے خود بخود موجود ہے وجود کی وجہ سے نہیں، خواہ وہ وجود ذات کا عین ہو یا زائد۔

شیخ قدس سرہم کی عبارت ''بریں فقیر ظاہر ساختہ اند'' یعنی اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے سے معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم بطریق الہام وعلم لدنی حاصل ہوا۔

چوں کہ یہ معارف عام قارئین کے فہم سے بالاتر ہیں اس لیے ہم خواص کے لیے ایسے مکتوبات شریف

کے صرف حوالے پیش کر رہے ہیں تاکہ جو حضرات اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں وہ ان مکاتیب شریفہ سے رجوع کر سکتے ہیں۔

مکتوبات امام ربانی:

۱۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۳۱
۲۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۸۷، ترجمہ اردو، ص ۷۱۸
۳۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۵۸، ترجمہ اردو ص ۵۶۵
۴۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱، ترجمہ اردو، ص ۳۲۹
۵۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۸۷، ترجمہ اردو ص ۷۲۴
۶۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۴، ترجمہ اردو ص ۱۱۸
۷۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۶۰، ترجمہ اردو، ص ۵۷۳
۸۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۲۳، ترجمہ اردو ص ۸۳
۹۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۳۰، ترجمہ اردو ص ۵۰۳
۱۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱، ترجمہ اردو ص ۱۱۲

(۲)

شاہق جبل پہاڑوں پر بسنے والوں، کفار و مشرکین اور بت پرستوں اور جن تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا ان کے انجام کے بارے میں علماء و صوفیہ کا اختلاف تھا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز پر یہ ظاہر کیا گیا کہ ایسے لوگ حیوانوں کی طرح حساب کتاب کے بعد معدوم کر دیے جائیں گے چنانچہ ایک مکتوب شریف میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

> سوال: اگر شاہق جبل جو بت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لیے نہ رہے تو پھر وہ بہشت میں جائے گا اور یہ بھی جائز نہیں کیونکہ جنت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے۔ ان کی جگہ دوزخ ہے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ**

الجنة وما واه النار جو اللہ کے ساتھ شرک کرے اس پر جنت حرام ہے اور اس کی جگہ دوزخ ہے اور جنت دوزخ کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں اور اصحاب اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس یا جنت میں داخل ہوگا یا دوزخ میں۔

یہ سوال واقعی بہت مشکل ہے۔ اس فرزندِ ارشد کو معلوم ہے کہ مدت تک اس فقیر پر اس سوال کا تکرار کرتا رہا لیکن جواب شافی کچھ نہ پایا اور جو کچھ فتوحاتِ مکیہ والے نے اس سوال کے حل میں کہا ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کی دعوت کیلئے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے اور اس دعوت کے رد و انکار کے بموجب ان کے لیے بہشت و دوزخ کا حکم کیا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک پسند و بہتر نہیں ہے کیونکہ دارِ آخرت دارِ جزا ہے نہ دارِ تکلیف تا کسی پیغمبر کو بھیجنے کی ضرورت ہو۔ بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت و بعث و احیاء کے بعد ان کو مقام حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے انداز کے موافق ان کو عتاب و عذاب دیں گے اور حقوق پورے کر کے غیر مکلّف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدومِ مطلق اور لاشے محض کر دیں گے پس خلود کس کے لیے اور مخلد کون ہوگا اس معرفت غریبہ کو جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق کی اور اس کو مقبول فرمایا۔ **والعلم عنداللہ سبحانہ**" ۔

(۳)

برصغیر میں انبیاء علیہم السلام کی آمد سے متعلق کسی مورخ، عالم یا صوفی نے حتمی طور پر کوئی بات نہیں کہی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز پر یہ راز ظاہر کر دیا گیا اور آپ کو ان مقامات کا مشاہدہ کرا دیا گیا

جہاں یہ حضرات عالیہ آرام فرما رہے ہیں چنانچہ ایک مکتوب شریف میں آپ تحریر فرماتے ہیں: ۔

> اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا نور سب جگہ پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کو دیوار حائل ہے، پہنچا ہوا ہے اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمینِ ہند میں بھی جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں میں سے زیادہ نظر نہیں آتے، جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت لکھا ہے، سب انوارِ نبوت سے مقتبس ہے کیونکہ گزشتہ امتوں میں سے ہر ایک کے زمانے میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت خبر دی ہے اگر ان

بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا ان بدبختوں کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کے ظلمات سے آلودہ ہے، اس دولت کی طرف کس طرح ہدایت پاتی۔

زمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہوگئے لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہمسروں کے درمیان باقی رہا۔ **وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون** اور اس کلمہ کو اس واسطے پیچھے باقی رکھا کہ شاید وہ رجوع کر آئیں"۔

(۴)

صدیوں تک صوفیائے کرام نظریۂ وحدۃ الوجود کے قائل رہے اور آپ بھی عرصہ دراز تک اس نظریہ پر قائم رہے لیکن پھر آپ کو بلند تر مقام پر لے جایا گیا اور نظریہ وحدۃ الشہود آپ پر ظاہر کیا گیا چنانچہ ایک مکتوب شریف میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ درویش (مراد حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) جس سے ان سطروں کا استفادہ ہوا ہے پہلے توحید کا معتقد تھا اور بچپن کے زمانے سے اس توحید کا علم رکھتا تھا اور یہ علم یقین تک پہنچ چکا تھا۔ ہر چند حال نہ رکھتا تھا اور جب اس راہ میں آیا پہلے توحید کا راہ منکشف ہوا اور کچھ مدت تک اس مقام کے مرتبوں میں جولان کرتا رہا اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے، فائز ہوئے اور وہ مشکلات و واردات جو توحید والوں پر وارد ہوتی ہیں۔ کشوف اور علوم فائضہ کے ساتھ سب حل ہوگئیں کچھ مدت کی بعد ایک اور نسبت نے اس درویش پر غلبہ کیا اور اس کے غلبہ میں توحید میں توقف کیا لیکن یہ توقف حسنِ ظن سے تھا، نہ انکار سے کچھ مدت تک تو انکار میں متوقف رہا۔ آخر کار انکار تک نوبت پہنچ گئی اور ظاہر ہوا کہ یہ مرتبہ نہایت ہی پست ہے۔، مقام ظلیت میں اسباب پہنچانا چاہیے لیکن فقیر اس انکار میں بے اختیار تھا نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے نکلے کیونکہ بڑے بڑے مشائخ اس مقام میں اقامت رکھتے تھے اور جب مقامِ ظلیت میں پہنچا اور اپنے آپ کو اور عالم کو ظل معلوم کیا جیسا کہ دوسرے گروہ کے لوگ قائل ہیں۔ تب یہ آرزو ہوئی کہ کاش فقیر کو اس مقام سے نہ نکالیں کیونکہ فقیر وحدت وجود کو کمال جانتا تھا اور یہ مقام کچھ کچھ اس سے مناسبت رکھتا تھا۔

اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور مقامِ عبدیت تک پہنچا دیا اس وقت اس مقام کا کمال نظر آیا اور اس کی بلندی ظاہر ہوئی اور گزشتہ مقامات سے توبہ واستغفار کی اور اگر اس درویش کو اس طریقہ پر اوپر نہ لے جاتے اور بعض سے بعض کی بلندی وفوقیت ظاہر نہ کرتے تو اپنے تنزل کو اس مقام میں جانتا کیونکہ اس کے نزدیک توحید وجودی سے بڑھ کر کوئی اور بلند مقام نہ تھا۔ واللہ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَیَھْدِی السَّبِیْلَ اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے[۱۲]۔

(۵)

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز قضائے مبرم بدل سکتے ہیں۔ (بقول خود) اور یہ حضرات یہ نعمت خاص آپ ہی کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کو بھی اس نعمت سے نوازا اور قضائے مبرم کی حقیقت کو طبقہ صوفیہ میں پہلی بار آپ پر ظاہر فرمایا، چنانچہ ایک مکتوب شریف میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

> اے میرے سعادت مند بھائی! آپ کو معلوم کرنا چاہیے کہ قضا دو قسم پر ہے۔ (۱) قضائے معلق (۲) قضائے مبرم۔
>
> قضائے معلق میں تغیر وتبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر وتبدل کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا، یہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے اور قضائے معلق کے بارے میں فرماتا ہے۔ یَمْحُوا اللہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔
>
> میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی تبدیلی کی مجال نہیں ہے، مگر مجھے ہے اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں، اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے۔

یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔ ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے بڑی یاس و ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت محی الدین قدس سرہ' کی بات یاد آئی۔ دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا۔ تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید قدس سرہ' کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف و تبدل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے[۱۳]۔

(۶)

امام ربانی علیہ الرحمۃ نے کئی آیات مبارکہ کے اسرار و حقائق کے متعلق اپنے الہامی وانکشافات میں علوم و معارف کا ذکر فرمایا ہے، جن میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:

۱۔ لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر۔[۱۴] (سورۃ شوریٰ، آیت نمبر ۱۱)
۲۔ اللہ نور السمٰوات والارض۔[۱۵] (سورۃ نور، آیت نمبر ۳۵)
۳۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوت والارض الآیہ۔[۱۶] (سورۃ احزاب، آیت نمبر ۷۲)
۴۔ فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد[۱۷]۔ الآیہ (سورۃ فاطر، آیت نمبر ۳۲)
۵۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ[۱۸] (سورۃ نجم، آیت نمبر ۹)
۶۔ لایمسہ الا المطھرون[۱۹] (سورۃ واقعہ، آیت نمبر ۷۹)
۷۔ ماآتاکم الرسول فخذوہ الخ الآیتہ[۲۰] (سورۃ حشر، آیت نمبر ۷)
۸۔ اذاسألک عبادی عنی فانی قریب ۲۲ (سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۱۸۶)
۹۔ یآیھاالنبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک ۲۱ (سورۃ ممتحنہ، آیت نمبر ۱۲)
۱۰۔ ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب الآیہ[۲۳] (سورۃ ق، آیت نمبر ۳۷)

(۷)

حضرت امام ربانی قدس سرہم العزیز نے بعض احادیث مبارکہ کے اسرار، معانی و حقائق کے متعلق بھی اپنے بعض انکشافی علوم و معارف کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ وسوسہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذالک من کمال الایمان، ۲۴ (رواہ مسلم)
۲۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ۲۵
۳۔ لواتزن ایمان ابی بکر مع ایمان امتی لرجح ۲۶ (امام سیوطی، الدرر المنتشرہ، ابن عدی، کامل)
۴۔ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل ۲۷
۵۔ لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ ۲۸ (موضوعات ملا علی قاری)
۶۔ کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان جیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ۲۹ (بخاری شریف)

(۸)

اب ہم مختلف موضوعات پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے علوم وانکشافات کا مجملاً ذکر کریں گے، مثلاً بدعات، اختراعات کے متعلق آپ کے علوم و معارف حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام سے ملاقات و مکالمہ۔۔۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقامات کا مشاہدہ۔۔۔ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے آپ کی رائے اور قول کی تائید۔۔۔ روحانی مریض کے لیے پیرہن مبارک کی برکت و فیض۔۔۔ خطہ سرہند میں نور عالی شان کا مشاہدہ۔۔ کھانے میں نورانیت اور مقبولیت کا مشاہدہ۔۔۔ فرشتوں کا مشاہدہ۔۔۔ ملا احمد برکی کے حالات کا مشاہدہ۔۔۔ خلیفہ میر محمد نعمان کی طرف توجہ باطنی سے تکمیل کمال۔۔۔ خود اپنے کلام کی مقبولیت و پسندیدگی کا مشاہدہ۔۔۔ رسالہ مبارکہ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کا مشاہدہ۔۔۔

(۱) بدعت واختراعات کے متعلق آپ نے اپنے بہت سے علوم و معارف کا اظہار فرمایا ہے[۳۰]۔

(۲) آپ نے حضرت خضر و حضرت الیاس علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیمات کی روحانی ملاقات و مکالمہ کا بھی ذکر فرمایا ہے[۳۱]۔

(۳) آپ قدس سرہم العزیز نے تحریر فرمایا کہ ایک دن کسی آدمی نے واقعہ سنایا کہ منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مبارک بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ اس وقت دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو یہ دولت حاصل ہوئی لیکن) حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس وقت کون سی خصوصیت ملے گی۔ توجہ کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اس کا جنت میں داخل ہونا ان دو حضرات شیخین علیہما الرضوان کی رائے اور صوابدید پر ہوگا۔ گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور جنت میں داخل ہونے والے افراد کی تشخیص و تجویز فرما رہے ہیں اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل فرما رہے ہیں[۳۲]۔

(۴) آپ قدس سرہم العزیز نے فرمایا کہ میں نے اس آدمی کے بارے میں جو کسی پہاڑ کی چوٹی وغیرہ پر ایسی جگہ اقامت پذیر ہو جہاں اسے توحید باری تعالیٰ کے متعلق کسی بھی قسم کا پیغام رسول وغیرہ نہ پہنچا ہو اس بارے میں اپنی رائے و عرفان روحانی طریقے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے

حضور میں پیش کیا ان سب نے میری رائے وقول کو پسند فرمایا۔ اس مسئلہ کی تشریح پیچھے بھی گزری ہے۔ اس جگہ مقصود انبیاء کرام علیہم التسلیمات کے مشاہدہ وتائید کرنے کا صرف اظہار کرنا ہے۔

۵۔ مریض کی عیادت کے وقت آپ کا مکاشفہ، الہام اور علم کلام کے متعلق ایک مسئلہ کی تائید[۳۳]۔
۶۔ خطہ سرہند میں جہاں آپ کا مزار مبارک ہے نور عالیشان دیکھا[۳۴]۔
۷۔ میزبان کی غمگینی وشکستہ خاطری کی وجہ سے طعام میں نور وقبولیت کا مشاہدہ[۳۵]۔
۸۔ فرشتوں کا مشاہدہ کرنا، چنانچہ آپ نے فرمایا۔

اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں امید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ جب ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا کی تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے گردونواح سے شیطان کو دفع کرتے ہیں اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا بڑی اعلیٰ درجے کی شکر گزاری ہے اس لیے اس نعمتِ عظمیٰ کے ظاہر کرنے کی دلیری کی۔[۳۶]

(۹) آپ قدس سرہم کا شیخ ملا احمد برکی علیہ الرحمہ کو قطب دیکھنا، نیز ان کے دیگر کمالات کا روحانی طریقہ سے مشاہدہ کرنا[۳۷]۔

(۱۰) آپ قدس سرہم اپنے خلیفہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ کو لکھتے ہیں۔

ایک دن صبح کی نماز کے بعد یاروں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ بیخواستہ آپ کی طرف توجہ ہوئی اور (بشری تقاضا کے) بقیہ آثار جو نظر میں آئے تھے ان کے دور کرنے کے درپے ہوا اور وہ ظلمتیں وکدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدرِ کامل بن گیا اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتیٰ کہ کمال کی جانب میں کچھ متوقع ومنتظر نہ رہا **الا ان یتسع الظرف بعد ذالک ویا خذ بقدر وسعته شیئا فشیئا**۔ (سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق کچھ حاصل کر لے۔) اور بہت دیر تک اس معنی کی مثالی صورت نظر میں رہی یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔[۳۸]

(۱۱) آپ قدس سرہم العزیز کے خلیفہ شیخ مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

جب مکتوبات معدن الفتوحات کی جلد اول میں جس کا نام درالمعرفت ہے ختم ہو چکی تو مقال یعنی گفتگو

کے میٹھے پانی کے بعض پیاسوں نے خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ اگر حضور کا اشارہ عالیہ ہو جائے تو ان اسرار کی نہریں جو اس کے بعد گوہر بار قلم کے چشمے سے نکلی ہیں جمع کر کے جلد دوم کا دریا بنایا جائے۔ بندگان حضرت (یعنی امام ربانی قدس سرہم العالی) نے بڑے انکسار و خوف سے فرمایا کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ سب علوم جو بیان و تحریر میں آچکے ہیں آیا حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ بھی ہیں یا نہیں؟ یہ بات فرما کر خاموش ہو رہے اور بشارتُ واشارت کے منتظر رہے دوسرے روز فرمایا کہ رات کو ندا دی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سب علوم جو لکھے گئے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آیا یہ سب مقبول و پسندیدہ ہے اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب کچھ میں نے ہی کہا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے اس وقت یہ سب علوم نظر کے سامنے تھے اور میں ہر ایک پر مجمل و مفصل طور پر نظر کرتا تھا۔ خاص کر ان علوم کو بھی جن میں مجھے تردد تھا اس حکم میں داخل پایا الحمد للہ علی الاحسان[۳۹] (اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

(مقدمہ دفتر سوم از مکتوبات شریف)

(۱۲) حضرت امام ربانی قدس سرہم مکتوبات میں اپنے شیخ بزرگوار علیہ الرحمۃ کی طرف اپنی عرض گزاشت میں یوں لکھتے ہیں۔

> اب ایک اور رسالہ جو صحیح و درست لکھا ہوا تھا بھیجا ہے، اور یہ رسالہ بعض یاروں کی التماس سے لکھا گیا ہے، یاروں نے التماس کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھیں جو طریقت میں نفع دیں اور ان کے موافق زندگی بسر کی جائے۔ واقعی رسالہ بینظیر اور بڑی برکتوں والا ہے، اس رسالہ کے لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بہت سے مشائخ کے ساتھ جلوہ افروز ہیں اور اسی رسالے کو اپنے مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں اور اپنے کمال کرم سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کو دکھاتے اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اعتقاد حاصل کرنے چاہیں، اور وہ لوگ جنھوں نے ان علوم سے سعادت حاصل کی ہے وہ نورانی، ممتاز اور عزیز الوجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاکسار کو اس واقعہ کے شائع کرنے کا حکم فرمایا۔

مصرعہ برکریماں کارہا دشوار نیست ۴۰
(کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام)

بندہ اس مقام پر اس مقالے کو اختتام دیتا ہے اور باری تعالیٰ سبحانہ سے دعا کرتا ہے کہ ببرکۃ اولیاء الکاملین و بحرمۃ الامام الربانی المجدد للالف الثانی علیہ الرحمۃ اس کو خواص وعوام کے لئے موجب نفع وباعث برکت و ذریعۂ رحمت ووسیلۂ محبت امام ربانی قدس سرہم وسبب اشتیاق صحبت مشائخِ نقشبندیہ مجددیہ بنائے، آمین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا وسید المرسلین وآلہٖ وصحبہٖ واتباعہٖ والذین اتبعوھم باحسان الیٰ یوم الدین.

☆......☆......☆

حواشی

۱......مقدمہ عین العلم

۲......امام غزالی احیاء العلوم، ج ۱، ص ۳۰

۳......امام رازی: تفسیر کبیر، جزء ۲۱، سورۃ کہف، آیت نمبر ۲۵، ص ۱۵۰

۴......قرآن حکیم، سورۃ الزمر، آیت نمبر ۲۲

۵......قرآن حکیم، سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۶۹

۶......قرآن حکیم، سورۃ الکہف، آیت نمبر ۶۵

۷......بخاری شریف

۸......مشکوٰۃ شریف عربی، باب مناقب عمر، ص ۵۵۶

۹......مسلم شریف عربی، ص ۲۷۶

۱۰......حاشیہ بخاری شریف، ج۔ ص ۵۲۰

۱۱......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۵۹، ترجمہ اردو ۵۲۶۔۵۷۰

۱۲......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۶۰
ترجمہ اردو ص ۳۷۰۔۳۷۵

۱۳......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۱۷ ترجمہ اردو ص ۴۷۱۔۴۷۲

۱۴......مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱

۱۵......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱۱

۱۶......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴۷

۱۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴۷

۱۸......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۹۱

۱۹......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۴

۲۰......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۹

۲۱......دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۰

۲۲......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۴۱

۲۳......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۱۷

۲۴......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۸۲

۲۵......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۳۴

۲۶......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۵۶

۲۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۶۸

۲۸......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۹۳

۲۹......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۳۰۸

۳۰......(ا)، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۸۶
(ب)، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۳۱
(ج)، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱۹
(د)، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۲۳

۳۱......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۸۲

۳۲......مکتوبات امام ربانی،، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۵۱

۳۳......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۶۶

۳۴......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۲۲

۳۵......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۶۴

۳۶......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۳۴

۳۷......(ا)، دفتر اوّل مکتوب نمبر ۲۷۴
(ب)، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۷۵
(ج)، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱۴

۳۸......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۲۴۶

۳۹......مکتوبات امام ربانی، مقدمہ دفتر، سوم مکتوبات شریف

۴۰......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۶

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

جذب وسلوک

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے برادر عزیز شیخ غلام محمد سرہندی علیہ الرحمۃ کو ایک مکتوب شریف تحریر فرمایا تھا جو مکتوبات امام ربانی کی جلد اوّل کا مکتوب نمبر ۲۸۷ ہے۔ اس مکتوب شریف میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جذب وسلوک پر تفصیلاً اظہار خیال فرمایا ہے اور آخر میں اربابِ طریقت کے لیے نہایت ہی مفید باتیں بھی تحریر فرمائی ہیں جس سے طریقت وشریعت میں آپ کے نہایت ہی بلند مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کے ارشادات اربابِ طریقت کے لیے رہبر ورہنما ہیں اس لیے اس مکتوب شریف کا متعلقہ حصہ سیّد زوّار حسین شاہ کے اردو ترجمۂ مکاتیب کی جلد اوّل کے حصہ دوم (مطبوعہ کراچی، ص ۳۷۰۔۳۹۲) سے پیش کیا جارہا ہے۔ (مرتبین)

پہلی بات:

(ان معارف کا بیان جو مقامِ جذبہ سے متعلق ہیں)

جاننا چاہیے کہ وہ مجذوب جنہوں نے سلوک کو مکمل طور پر طے نہیں کیا اگرچہ جذبِ قوی رکھتے ہوں اور خواہ کسی راہ سے بھی منجذب (جذب حاصل کیے ہوے) ہوں وہ اربابِ قلوب کے گروہ میں داخل ہیں کیونکہ بغیر سلوک اور تزکیۂ نفس کے وہ مقامِ قلب سے آگے نہیں گذر سکتے اور مقلبِ قلب (یعنی حق تعالٰی) تک نہیں پہنچ سکتے، ان کا جذب انجذابِ قلبی ہے اور ان کی محبت عرضی ہے، ذاتی نہیں، عرضی ہے اصلی نہیں۔ کیونکہ نفس اس مقام میں روح کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظلمت اور نور اس معاملہ میں مخلوط ہیں، اور جب تک روح مطلوب کی طرف توجہ کرنے کے لیے نفس سے مجرد اور آزاد نہ ہوجائے اور نفس روح سے جدا ہو کر بندگی کے مقام میں نیچے نہ آجائے اس وقت تک مقامِ قلب کی تنگی سے مکمل طور پر نہیں نکل سکتے اور

مقلبِ قلب تک نہیں پہنچ سکتے، اور مطلوب کی طرف روحی انجذاب حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب تک یہ دونوں (نفس و روح) حقیقت میں جمع ہیں، حقیقتِ جامعۂ قلبیہ محکم اور غالب ہے، خالص روح کا انجذاب متصور نہیں اور روح کا نفس سے خلاصی پانا (سلوک کی منازل کو طے کرنے اور سیر الی اللہ کے راستے طے کرنے اور سیر فی اللہ سے متحقق ہونے کے بعد بلکہ فرق بعد الجمع کا مقام حاصل ہونے کے بعد ہے جس کا تعلق سیر عن اللہ باللہ سے ہے) صورت پذیر نہیں ہوتا (یعنی روح نفس سے آزادی حاصل نہیں کر سکتی)۔

ہر گدائے مردِ میداں کے شود
پشۂ آخر سلیماں کے شود

پس اس بیان سے جذبِ منتہی اور جذبِ مبتدی کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

ان اربابِ قلوب مجذوبوں کا شہود کثرت کے پردے میں ہے، خواہ وہ اس معنی (باطنی کیفیت) کو معلوم کریں یا نہ کریں، اور ان کا مشہود اس عالمِ کثرت میں نہیں مگر عالمِ ارواح میں لطافت احاطہ اور سریان میں اپنے موجد (یعنی حق جل وعلا) کے ساتھ صورتاً مشابہت رکھتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) .... اور اس مناسبت کے ساتھ روح کے شہود کو حق تعالیٰ وتقدس کا شہود جانتے ہیں، اور احاطہ وسریان اور قرب ومعیت بھی اسی قیاس پر ہیں، کیونکہ سالک کی نظر صرف مقامِ فوق تک عبور کر سکتی ہے مقامِ فوقِ فوق تک نہیں جا سکتی، اور ان کا مقامِ فوق مقامِ روح ہے، لہٰذا ان کی نظر مقامِ روح سے بالا نہیں جا سکتی اور ان کا مشہود سوائے روح کے کوئی اور امر نہیں ہوتا، نظر کا فوقِ روح تک جانا مقامِ روح تک پہنچنے پر موقوف ہے .... اور محبت وانجذاب بھی اسی شہود کی طرح ہیں، حق سبحانہ کا شہود بلکہ جنابِ قدسِ خداوندی کی محبت وانجذاب کا پیدا ہونا فنا کے حصول کے ساتھ وابستہ ہے جس کو سیر الی اللہ کی نہایت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

اس مقام میں شہود کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ ان بزرگوں کا کارخانہ شہود کے وراء الوراء سے متعارف ومشہور ہے جیسا کہ ان کا مقصد بے چون وبے چگونہ ہے اور ان کا اتصال بھی اس پاک سبحانہٗ کے ساتھ بے چون وبے چگونہ ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکَ اِلَّا مُطَایَاہُ (بادشاہوں کے عطیات کو بادشاہوں کی سواریاں ہی اُٹھا سکتی ہیں)۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جانِ ناس

محققین اربابِ سلوک کے نزدیک جو نہایتِ کار تک پہنچ چکے ہیں حق سبحانہٗ کا احاطہ وسریان اور قرب ومعیت ایک علمی ہے جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا مسلک ہے، قربِ ذاتی اور اس طرح کی دوسری باتوں کا حکم کرنا ان کے نزدیک بے حاصلی اور دوری کے مترادف ہے، نزدیک والے حضرات قربِ ذاتی کا حکم نہیں کرتے .... ایک بزرگ فرماتے ہیں:

جو یہ کہتا ہے کہ میں (حق تعالیٰ کے) نزدیک ہوں حقیقت میں وہ دُور
ہے اور جو اپنے آپ کو دور سمجھتا ہے وہ نزدیک .. ؎، تصوف یہی ہے۔

اور وہ علم جو توحیدِ وجودی کے ساتھ متعلق ہے اس کا مقصد انجذاب اور محبتِ قلبی پیدا کرنا ہے۔ اربابِ قلوب جنھوں نے جذبہ پیدا نہیں کیا اور سلوک کے راستے سے منازل قطع کر رہے ہوں ان کے لیے یہ علم مناسبت نہیں رکھتا .... اور اسی طرح وہ مجذوب جو سلوک کے ساتھ اپنے قلب کی تمام توجہ مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) کی طرف کیے ہوئے ہیں وہ بھی ان علوم سے برأت کا اظہار کرتے اور استغفار کرتے ہیں .... بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ سلوک کے راستے سے آتے ہیں اور منازل طے کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مقامِ مالوف (مانوس مقام) سے جدا نہیں ہوتی اور وہ فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس قسم کے علوم ان کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور وہ اس گرداب (بھنور) سے باہر نہیں آسکتے، لہٰذا مدارجِ قرب پر عروج کرنے اور معارجِ قدس میں صعود کرنے میں قاصر اور لنگڑے رہتے ہیں ....

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِيًّاوَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِيْرًا (نساء۴۔آیت۷۵) (اے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی ولی مقرر کر اور ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار بھیج)۔

(سالک کا) ان علوم سے تبرّی (بیزار ہونا) مطلب کی نہایت کے وصول ہونے کی علامت ہے کیونکہ جس قدر تنزیہ وتزکیہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پیدا ہوگی عالم کی اپنے صانع کے ساتھ بے مناسبتی زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس حالت میں عالم کو صانع کا عین جاننا یا صانع کو عالم کا محیط بالذات خیال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مَالِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔

معرفت: حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرماتے ہیں۔

”مانہایت رادر بدایت درج می کنیم“ (ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں)۔

اس عبادت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انجذاب و محبت جو منتہی کو انتہا میں میسر ہوتا ہے وہ انجذاب و محبت اس طریقۂ عالیہ میں ابتدا ہی سے پیدا ہوجاتا ہے، کیونکہ منتہی کا انجذاب روح کا انجذاب ہے مبتدی کا جذب' جذبِ قلبی ہے، اور چونکہ قلب، روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اس لیے جذبِ قلبی کے ضمن میں جذبِ روحی بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ اور اس اندراج کی یہ تخصیص اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ کرنا اگرچہ یہ بات تمام جذبات میں حاصل ہے اس وجہ سے ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں نے اس مطلب کے حاصل کرنے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کرلیا ہے اور اس مطلب کے حصول کے لیے ایک راہ متعین کرلی ہے، اور دوسرے (طریقوں کے) حضرات کو یہ مطلب (وصول الی اللہ) اتفاقاً حاصل ہوجاتا ہے ان کے ہاں کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں ہے........اور اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں کو جذبہ کے مقام میں ایک خاص شان حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں، اور اگر ہے تو شاذ و نادر ہے۔ اسی بنا پر ان میں سے بعض حضرات کو اس مقام میں بغیر منازلِ سلوک طے کرنے کے اربابِ سلوک کی فنا و بقا کے مشابہ ایک طرح کی فنا و بقا حاصل ہوجاتی ہے اور مقامِ تکمیل کا کچھ حصہ بھی جو مقامِ سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہے حاصل ہوجاتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ لوگ مستعد لوگوں کی تربیت کرتے ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اس بحث کی تحقیق عنقریب تحریر کی جائے گی۔

اس جگہ ایک نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے' وہ یہ کہ روح کو بدن کے ساتھ تعلق ہونے سے پہلے اپنے اپنے مقصود کی طرف ایک قسم کی توجہ حاصل تھی، اور جب (روح) بدن کے ساتھ متعلق ہوگئی تو وہ توجہ بھی زائل ہوگئی........ اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین نے اس سابقہ توجہ کے ظہور کے لیے ایک طریقہ وضع کیا ہے لیکن چونکہ روح کا تعلق بدن سے ہے اس لیے توجہِ قلبی موجود رہتی ہے جو نفس و روح دونوں کی توجہ کی جامع ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ توجہ روحی توجہ قلبی میں مندرج ہے لیکن وہ توجہ روحی منتہیوں کو روح کی فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے اور اس کی بقا حقانی وجود کے ساتھ ہے جس کو ہم بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور توجہ روحی جو قلبی توجہ کے ضمن میں ہے بلکہ روح کی توجہ جو بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے تھی وہ ایسی توجہ ہے جو باوجود ہستیٔ روح ہونے کے فنا نے اس کی طرف راہ نہیں پائی اور روح کی ہستی کے وجود کے ساتھ

روح کی توجہ کے درمیان، اور روح کی فنا کے ساتھ روح کی توجہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے.......... لہٰذا اس توجہ روحی مندرجہ کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح ہی کی توجہ ہے کیونکہ نہایت میں صرف یہی توجہ باقی رہ جاتی ہے اور بس۔ لہٰذا بدایت میں نہایت کے اندراج سے مراد یہ ہے کہ نہایت کی صورت بدایت میں مندرج ہے نہ کہ نہایت کی حقیقت، کیونکہ اس کا بدایت میں اندراج محال ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لفظِ ''صورت'' اس لیے نہ لائے ہوں کہ اس راہ کے طالبوں میں ترغیب اور شوق پیدا ہو۔ اور حقیقت یہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تحقیق کی۔

اور وہ سابقین (سبقت کرنے والے) جن کا انجذاب بے تعمل و بے کسب (یعنی بغیر عملی تکلیف اور بغیر ظاہری کسب کے) ہے بلکہ وہ توجہ وحضور کے ذریعے آئے ہیں ان کا انجذاب بھی قلبی ہے اور روح کی توجہ اس سابقہ توجہ کا اثر ہے جس کا تعلق بدن سے بالکلیہ زائل نہیں ہوا ہے (بلکہ باقی ہے) لہٰذا سابق توجہ (روحی کے ظہور کے لیے کسب وعمل کی ضرورت اس جماعت کے لیے ہے جس نے (بدنی تعلق کی وجہ سے) اس سابقہ توجہ کو فراموش کر دیا ہے۔ گویا کہ کسب توجہِ سابق کے لیے ایک تنبیہ ہے، اور اس گم شدہ دولت کے لیے یاد دہانی ہے لیکن سابق توجہ کے فراموش کرنے والے سابقانِ مذکورہ سے زیادہ لطیف استعداد رکھنے والے ہیں، کیونکہ توجہ سابق کو بالکلیہ فراموش کر دینا متوجہ الیہ کی طرف بالفعل توجہ کے ساتھ گم ہونے کی خبر دیتا ہے اور توجہ کا عدم نسیان ایسا نہیں ہے.......... **غایۃ مافی الباب** (خلاصہ کلام یہ ہے) کہ سابقین میں وہ توجہ کلی طور پر شمول (عموم) اور سَرَیان (سرایت کر جانا) پیدا کر لیتی ہے اور ان کا بدن بھی روح کی شان کا حکم پیدا کر لیتا ہے جیسا کہ محبوبین اور مرادین کی شان ہے۔ لیکن شمولِ محبوبان (محبوبوں کی سرایت) اور شمولِ سابقان کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حقیقتِ شے اور صورتِ شے میں ہوتا ہے، جس طرح کہ اس کے جاننے والوں پر ظاہر ہے.......... ہاں محبانِ واصل اور مریدانِ کامل کو بھی اس قسم کی شمول کا تحقق حاصل ہو جاتا ہے لیکن وہ کالبرق (بجلی کی مانند) ہے دائمی نہیں ہے۔ شمولِ دائمی محبوبوں کا خاصہ ہے۔

معرفت:

مجذوبانِ اربابِ قلوب جب مقامِ قلب میں متمکن ہو کر رسوخ (ثبات) پیدا کر لیتے ہیں اور ایک قسم کی معرفت وصحو (عقل وہوش) جو اس مقام کے مناسب ہے ان کو میسر ہو جاتا ہے تو وہ بھی طالبوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور ان کی صحبت میں طالبوں کو انجذاب ومحبتِ قلبی حاصل ہو جاتی ہے لیکن کمال تک نہیں پہنچ

سکتے کیونکہ وہ خود بھی حد کمال تک نہیں پہنچ سکے ہیں اس لیے دوسروں کے کمال حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ مشہور ہے کہ ناقص کے ذریعہ کوئی بھی کامل نہیں بن سکتا۔ البتہ ان کی فیض رسانی جس قدر بھی ہو ارباب سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتی ہے، وہ کتنا ہی سلوک کی انتہا کو پہنچ جائیں اور منتہیوں والا جذب پیدا کرلیں لیکن وہ مقامِ قلب میں سیر عن اللہ باللہ کے طریق سے نیچے نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ منتہی جس نے ابھی عالم (مخلوق) کی طرف رجوع نہیں کیا وہ تکمیل وافادہ کا مرتبہ نہیں رکھتا کیونکہ عالم کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت اور توجہ نہیں ہوئی جس کے ذریعے وہ فائدہ پہنچا سکے۔

شیخِ مقتدا کو برزخ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مقامِ برزخیت میں جس کو مقامِ قلب کہتے ہیں نیچے اُتر آیا ہے اور روح اور نفس دونوں کی جہت سے اس نے حصۂ وافر حاصل کرلیا ہے۔ روح کی جہت سے وہ اپنے فوق سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور نفس کی جہت سے وہ اپنے ماتحت کو پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے لیے حق سبحانہ' کی توجہ مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع ہوگئی ہے پس (ان دونوں توجہوں میں) کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں ہے لہٰذا ایک ہی وقت میں اس کو افادہ اور استفادہ (دونوں) حاصل ہوتے ہیں.......... بعض مشائخ اس برزخیت کو برزخیت بین الخلق والحق (مخلوق اور حق کے درمیان برزخیت) کہتے ہیں اور شیخ برزخ کو جامع بین التشبیہ والتنزیہ قرار دیتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس قسم کی برزخیت جس کی بنیاد سکر پر ہو شیخی کے مقام کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد صحو پر ہے اس لیے کہ ان کا نفس اس مقام میں روح کے انوار کے غلبوں میں مندرج ہوتا ہے اور یہی اندراج سکر کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور قلب کی برزخیت کے مقام میں نفس اور روح ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں لہٰذا لازمی طور پر وہاں سکر کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ وہاں سب صحو ہی صحو ہے جو مقامِ دعوت کے مناسب ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے.......... اور جب شیخ کامل کو مقامِ قلب میں نیچے لاتے ہیں تو اس کو برزخیت کی وجہ سے عالم (دنیا) کے ساتھ مناسبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور وہ مستعد طالبوں کے لیے حصولِ کمالات کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور مجذوبِ متمکن چونکہ مقامِ قلب میں ہوتا ہے اس لیے وہ بھی عالم (مخلوق) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اپنی توجہ کو ان سے باز نہیں رکھتا اور انجذاب ومحبت سے اگرچہ قلبی ہی ہو اس میں اس کو حصہ حاصل ہوتا ہے، لہٰذا لازمی طور پر فیض پہنچانے کا دروازہ اس کے لیے کشادہ ہوجاتا ہے.......... بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مجذوبِ متمکن (مقامِ قلب میں قرار پذیر مجذوب) کی نسبت فائدہ وفیض

مقدار کے لحاظ سے منتہی مرجوع سے زیادہ ہوتا ہے، منتہی کے فائدے کی کیفیت اور حالت' مجذوب کے افادہ کی کیفیت سے زیادہ ہے کیونکہ منتہی مرجوع کو بھی اگرچہ عالم کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی ہے لیکن وہ ظاہری صورت ہے ورنہ حقیقت میں (وہ منتہی عالم سے) جدا ہے اور اصل رنگ میں رنگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے.......... اور اس مجذوب کو حقیقتاً اس عالم کے ساتھ مناسبت ہے اور جملہ افرادِ عالم میں سے ایک ہے اور اس بقا کے ساتھ وہ باقی ہے جس کے ساتھ عالم باقی ہے۔ پس ناچار طالبین مناسبتِ حقیقی کے باعث مجذوب سے زیادہ فائدہ حاصل کر لیتے ہیں اور منتہی مرجوع سے فائدہ کم ہوتا ہے۔ لیکن کمالاتِ ولایت کے مراتب کا فائدہ منتہی کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا فائدہ پہنچانے کی کیفیت میں منتہی کا پہلو راجح اور غالب ہے.......... اور اسی طرح منتہی کو حقیقت میں ہمت اور توجہ نہیں ہوتی لیکن مجذوب صاحبِ ہمت و توجہ ہوتا ہے اور اپنی ہمت اور توجہ سے طالب کے کام کو ترقی دے کر آگے بڑھاتا ہے اگرچہ وہ حد کمال تک نہیں پہنچا سکتا.......... اور اسی طرح طالبوں کو مجذوبوں سے جو نہایت توجہ حاصل ہوتی ہے وہ روح کی وہی سابقہ توجہ ہے جو انہوں نے فراموش کر دی تھی اور ان مجذوبوں کی صحبت میں پھر ان کو یاد آ گئی، اور اندراج کے طریقے پر توجہ قلبی حاصل ہوگئی بخلاف اس توجہ کے جو منتہیوں کی صحبت میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ توجہ حادث (نئی) ہے جو اس سے پہلے ان میں ہرگز موجود نہ تھی اور وہ روح کی فنا بلکہ اس کے وجودِ حقانی کے ساتھ بقا پر موقوف تھی لہٰذا لازمی طور پر پہلی توجہ اسہل الحصول (یعنی حاصل ہونے میں زیادہ آسان) ہے اور توجہ ثانی متعسر الوجود (یعنی جس کا وجود دشوار) ہے جو چیز کہ آسان ہوتی ہے وہ زیادہ ہوتی ہے اور جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ کم سے کم ہوتی ہے.......... اسی لیے کہا گیا ہے کہ جہتِ جذبہ حاصل کرنے میں شیخِ مقتدا کا واسطہ نہیں ہے کیونکہ وہ نسبت طالب کو پہلے حاصل ہو چکی تھی وہ صرف نسیان کے باعث تنبیہ اور تعلیم کا محتاج ہو گیا ہے لہٰذا ایسے شیخ کو ''شیخِ تعلیم'' کہتے ہیں نہ کہ ''شیخِ تربیت''۔ اور جہتِ سلوک میں سلوک کی منازل طے کرنے کے لیے ''شیخِ مقتدا'' درکار ہے اور اس کی تربیت ضروری ہے.......... شیخِ مقتدا کو چاہیے کہ اس قسم کے مجذوب متمکن کو افادۂ عام کی اجازت نہ دے اور اس کو تکمیل و پیروی کے مقام پر نہ بٹھائے کیونکہ طالبوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور وہ کمال و تکمیل کی قابلیت اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔ اس مجذوب کی صحبت میں اگر آ جائیں تو احتمال ہے کہ ان کی استعداد ضائع ہو جائے اور قابلیت بھی ختم ہو جائے.......... مثلاً وہ زمین جس میں گندم کی کاشت کی عمدہ قابلیت ہے اگر اس میں گندم کا

اچھا بیج ڈالا جائے تو بیج کی استعداد کے اندازہ کے مطابق پیداوار اچھی ہوگی اور اگر اس زمین میں خراب گندم یا چنے کا بیج ڈالدیا جائے تو اچھی کاشت تو کجا اس کی پیداوار کی استعداد بھی مسلوب وضائع ہوجائیگی ۔

اور اگر بالفرض شیخِ مقتدا اس کو اجازت دینے میں کوئی بہتری ومصلحت دیکھے اور اس میں فائدہ پہنچانے کی کوئی معنویت پائے تو اس کے افادہ کو بعض شرائط وقیود کے ساتھ مقید کردے، مثلاً افادہ کے طریق پر طالب کی مناسبت کا ظاہر ہونا اور اس کی صحبت میں طالب کی استعداد کا ضائع نہ ہونا، اور اس اقتداء وریاست میں اس کے نفس کا سرکش نہ ہونا، کیونکہ تزکیۂ نفس نہ ہونے کی وجہ سے اس سے ہوائے نفسانی زائل نہیں ہوتی ہے۔ اور جب (اس مجذوب متمکن کو) معلوم ہوجائے کہ طالب اس سے انتہائی فائدہ حاصل کرچکا ہے اور اس طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت موجود ہے تو اس کو چاہیے کہ اس پر اس معنی کو ظاہر کرکے رخصت کردے تاکہ وہ اپنا کام کسی دوسرے شیخ سے مکمل اور پورا کرلے، اور اپنے آپ کو منتہی نہ جانے اور اس حیلہ وبہانہ سے لوگوں کی رہزنی نہ کرے، اور اسی طرح کی اور شرائط جو اس کے وقت اور حال کے مناسب ہوں اس کے سامنے بیان کردے اور ان باتوں کی وصیت کرکے اس کو اجازت دیدے........ لیکن منتہی مرجوع (الی الخلق) فائدہ اور تکمیل میں ان قیود وشرائط کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اس کو جامعیت کی وجہ سے تمام طریقوں کی استعداد اور مناسبت حاصل ہے، لہٰذا ہر شخص اس سے اپنی استعداد اور مناسبت کے لحاظ سے فائدہ اٹھاسکتا ہے اگرچہ شیوخ اور مقتداؤں کی صحبت میں مناسبت کے قوی یا ضعیف ہونے کے اعتبار سے جلدی یا دیر میں (فیضیاب ہونے میں) فرق ہے لیکن اصل فائدہ پہنچانے میں جملہ مشائخ مساوی الاقدام (برابر) ہیں........ شیخ مقتدا کے لیے لازم ہے کہ طالب کو فائدہ پہنچانے کے وقت میں حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا رہے اور اس کی حبلِ متین (مضبوط رسی) کو پکڑے رہے اور اس شہرت کے ضمن میں (جس میں مکرو استدراج پوشیدہ ہو) حضرتِ حق سبحانہٗ کے خوف سے پناہ مانگے، اور یہ التجا نہ صرف اس معاملہ میں بلکہ تمام معاملات میں اور تمام اوقات میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو عطا فرمادی ہے جو اوقات میں سے کسی وقت میں اور افعال میں سے کسی فعل میں اس سے جدا نہیں ہوتی:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (جمعہ ۶۲، آیت ۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دوسری بات:

(ان معارف کے بیان میں جو سلوک سے تعلق رکھتے ہیں)

جاننا چاہیے کہ جب کوئی طالب طریقۂ سلوک میں فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر وہ اس اسم تک جو اس کا رب ہے پہنچ جائے اور اس میں فانی و مستہلک ہو جائے تو اس پر فنا کا اطلاق درست ہو جاتا ہے، پھر اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہونے کے بعد بقا کا اطلاق اس پر مسلم ہو جاتا ہے، اور اس فنا و بقا کے حصول کے بعد ولایت کے مرتبۂ اولیٰ (پہلے مرتبہ) کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے لیکن یہاں تفصیل ہے جس کو بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

تمہید:

وہ فیض جو ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف سے پہنچتا ہے دو قسم کا ہے.......... ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد، ابقا، تخلیق، ترزیق، احیا اور اماتت (یعنی موجود کرنا، باقی رکھنا، پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور مارنا) سے ہے، اسی طرح کی اور بہت مثالیں ہیں.......... اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتبِ ولایت ونبوت کے جملہ کمالات سے متعلق ہے.......... پہلی قسم: صفات کے ذریعے فیض رسانی ہے اور بس۔ دوسری قسم: بعض کو (فیض) صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے توسط سے پہنچتا ہے۔ اور صفات وشیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا.......... مختصر یہ کہ ''صفات'' ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اور ''شیونات'' عز سلطانہ کی ذات میں صرف اعتبارات کے درجے میں ہیں۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح وروشن ہو جاتی ہے۔ مثلاً پانی طبعی طور پر اوپر سے نیچے کو آتا ہے اس کا یہ فعلِ طبعی اس کے اندر حیات، علم، قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے، کیونکہ اربابِ علم اپنے ثقل کے واسطے سے اور اپنے علم کے تقاضے کے مطابق اوپر سے نیچے آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور علم حیات کا تابع ہے اور ارادہ علم کا تابع، اس طرح قدرت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ ارادہ کا استعمال احد المقدورین (دو مقدوروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی خصوصیت ہے.......... یہ اعتبارات پانی کی ذات میں بمنزلہ شیونات ہیں اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں زائد صفات ثابت ہو جائیں تو

وہ وجودِ زائد کے ساتھ صفاتِ موجودہ کی طرح ہوں گے۔ پانی کو اعتباراتِ اولی کی بنیاد پر حی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان ناموں کے ثابت کرنے کے لیے صفاتِ زائدہ کا ثابت ہونا درکار ہے۔ لہٰذا جو کچھ بعض مشائخ کی عبارت میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیون وصفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور اسی طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے...... اور شیون وصفات کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ مقامِ شیون صاحبِ شان کے روبرو ہے اور مقامِ صفات ایسا نہیں ہے.......... حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو آپ کے مبارک نقشِ قدم پر ہیں ان کو فیضِ ثانی کا وصول شیونات کے توسط سے ہے اور باقی تمام انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم وعلی جمیع اتباعہم اور وہ جماعت جو ان کے نقشِ قدم پر ہے ان کے لیے اس فیض کا حاصل کرنا بلکہ فیضِ اول کا ان کو پہنچنا بھی صفات کے توسط سے ہے......... لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ وہ اسم جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور فیضِ دوم کے وصول کا واسطہ ہے وہ شان العلم کا ظل ہے اور یہ شان تمام اجمالی وتفصیلی شیون کی جامع ہے اور وہ ظل شانِ علم کے لیے ذات تعالیٰ وتقدس کی قابلیت بلکہ تمام اجمالی وتفصیلی شیون کی قابلیت کے لیے ہے لیکن شانِ علم کے شمول کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ قابلیت اگرچہ ذات عزشانہ اور شان العلم کے درمیان برزخ کا درجہ رکھتی ہے لیکن چونکہ اس کی ایک جہت بے رنگ ہے اور وہ ذات تعالیٰ شانہٗ کی جہت ہے برزخ میں بھی اس کا کوئی رنگ پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا وہ برزخ بھی دوسری جہت کے رنگ میں ہے جو شان العلم کے رنگ سے رنگین ہے پس لازمی طور پر اس کو اس شان کا ظل کہا گیا ہے۔ اور اسی طرح ظلِ شے مرتبۂ دوم میں ظہور شے سے عبارت ہے اگرچہ وہ شبہ ومثال ہی کی صورت میں ہو...... اور چونکہ برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے یقیناً یہ برزخ مکاشفہ کے وقت میں اس شان کے تحت منکشف ہوتا ہے، لہٰذا اس ظہور کے اعتبار سے آخر تک ظلیت کا اطلاق مناسب معلوم ہوتا ہے...... اور اولیاء اللہ کا ایک گروہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے مبارک قدم پر ہے اور وہ اسماء جو ان کے فیضِ ثانی کے وصول میں ان کے ارباب ہیں اس جامع قابلیت کے ظلال ہیں اور اس ظلِ مجمل کے لیے تفصیل کی مانند ہیں اور باقی تمام انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم کے ارباب اور ان کے لیے فیضِ اول وثانی کے وصول کا واسطہ اتصافِ ذات عزسلطانہٗ کی وہ

قابلیتیں ہیں جو صفات زائدہ کے ساتھ موجود ہیں......... اور وہ گروہ جو ان کے نقشِ قدم پر ہے ان کے ارباب وہ صفات ہیں جو ان کے لیے فیض اول وثانی کے وصول کے حق میں ہیں، اور آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے لیے فیض اول کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ تمام صفات کے ساتھ اتصاف ذات تعالیٰ وتقدس کی قابلیت ہے۔ گویا کہ وہ تمام قابلیتیں جو انبیا صلوات اللہ وبرکاتہٗ علی نبینا وعلیہم کے لیے فیوض کے وسائل ہیں وہ اس قابلیت جامع کے ظلال ہیں اور اس جامع مجمل کے لیے تفصیلات کی مانند ہیں ...... اور وہ گروہ جو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کے مبارک قدم پر ہے ان کے لیے بھی فیضِ اول کے پہنچنے کے لیے ذرائع علیحدہ ہیں کیونکہ وہ صفات ہیں۔ لہٰذا محمدیوں (محمدی المشرب حضرات) کے لیے فیض اول کے وسائل وذرائع فیضِ ثانی کے وصول کے ذرائع سے جدا ہیں' بخلاف دوسروں کے کہ ان کے لیے ایک (ہی ذریعہ یعنی صفات) ہے۔

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے آنحضرت علیہ الصلوۃ والتحیہ کے رب کو قابلیتِ اتصاف میں منحصر کیا ہے، اس کی وجہ شیون اور صفات کے درمیان فرق نہ ہونا ہے بلکہ مقامِ شیون کا عدمِ علم ہے: واللہ یُحقُّ الحقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ظاہر کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے) ...... لہٰذا (یہ بات) تحقیق ہوگئی کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کا رب مقام شیون میں اور خانۂ صفات میں بھی رب الارباب ہے، اور ہر دو فیض کے وصول کا واسطہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے مراتبِ ولایت کے کمالات کا فیض پہنچنا (حق تعالیٰ کی) ذات سے امرِ زائد (اضافی حکم) کے توسط کے بغیر ہے، کیونکہ شیون عین ذاتِ (حق تعالیٰ) ہیں اور ان میں زیادتی کا اعتبار کرنا عقل کے مخترعات (اعتبارات) سے ہے۔ لہٰذا تجلیِ ذاتی آپ ﷺ کے لیے مخصوص ہوگئی، اور آپ کے کامل تابعدار چونکہ آپ ﷺ کی راہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اس لیے وہ بھی اس مقام سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے چونکہ صفاتی واسطے درمیان میں ہیں اور صفات وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں لہٰذا ایک بڑا مضبوط حجاب درمیان میں آ گیا اور تجلیِ صفاتی ان کے نامزد ہوگئی۔

جاننا چاہیے کہ ''قابلیتِ اتصاف'' (صفت سے متصف ہونے کی قابلیت) اگرچہ ایک اعتبار ہے لیکن اس کا کوئی وجود زائد نہیں اور چونکہ صفات موجود ہیں نہ کہ ان کی قابلیت، لیکن چونکہ قابلیتیں ذات وصفات بلکہ شیون وصفات کے درمیان برزخ ہیں اور برزخ اپنی دونوں طرف کا رنگ رکھتا ہے اس لیے قابلیتوں

نے بھی صفات کا رنگ حاصل کر کے حائلیت (حائل یا مانع ہونا) کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست   درونِ دیدہ اگر نیم مُوست بسیار است

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ ذات تعالیٰ وتقدس کا بے پردہ ظہور تجلی شہودی کے منافی نہیں ہے لیکن تجلیٔ وجودی کے منافی ہے لہٰذا آں سرور علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے لیے کمالاتِ ولایت کے فیضِ (ثانی یعنی شہودی فیض) پہنچنے کی جانب میں کوئی حجاب حائل نہیں ہوا اور فیضِ (اول) وجودی کے حاصل کرنے کی جانب میں حجاب درمیان میں آ گیا جو ''قابلیتِ انصاف'' سے ظاہر ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔..........

ایسا نہ کہا جائے کہ جب شیون اور ان کی قابلیتیں عقل کے اعتبار سے ہوں تو ان کا وجود ذہنی ثابت ہوا اور اسی وجہ سے ''حجابِ علمی'' لازم ہوگیا.......... خلاصۂ کلام یہ کہ صفاتی حجابات خارجی ہیں اور شیون کے حجابات علمی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ موجودِ ذہنی دو موجود خارجی کے درمیان پردہ نہیں ہوسکتا بلکہ موجود خارجی کے لیے صرف موجود خارجی ہی پردہ ہوسکتا ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم بھی کرلیں تو بعض معارف کے حاصل ہونے سے علمی حجابات کا درمیان سے اُٹھ جانا ممکن ہے بخلاف خارجی کے کہ اس کا زائل ہونا ممکن نہیں۔

جب یہ مقدمات معلوم ہوگئے تو جاننا چاہیے کہ (سالک) اگر محمدی (المشرب) ہے تو اس کے سیر کی انتہا جو سیر الی اللہ سے موسوم ہے اس شان کے ظل تک ہے جو اس کا اسم ہے اور اس اسم میں فنا ہونے کے بعد فنا فی اللہ سے مشرف ہوجاتا ہے اور اگر اس کو اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہوگئی تو اس کو بقا باللہ بھی میسر ہوجاتی ہے اور وہ اس فنا وبقا کے ساتھ ولایتِ خاصۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ کے مرتبۂ اولیٰ میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور اگر محمدی مشرب نہیں ہے تو صرف صفت کی قابلیت کے ساتھ یا نفسِ صفت تک پہنچتا ہے جو اس کا رب ہے۔ اور اگر وہ اس اسم میں فانی ہوجائے تو اس پر فانی فی اللہ کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے.......... اور اسی طرح اس اسم کے ساتھ بقا کی صورت میں وہ باقی باللہ بھی نہیں ہے کیونکہ اسمِ ''اللہ'' اس مرتبہ سے مراد ہے جو تمام شیون وصفات کا جامع ہے اور چونکہ شیون کی جہت میں زیادتی صرف اعتباری ہے اس لیے وہ عین ذات ہیں اور ایک دوسرے کا بھی عین ہیں (یعنی وہ امر اعتباری عقلی ہے نہ کہ موجود وجودِ خارجی)۔ لہٰذا ایک اعتبار میں فنا ہونا تمام اعتبارات میں بلکہ ذات تعالیٰ وتقدس میں فنا ہونا ہے، اسی طرح ایک اعتبار میں بقا ہونا تمام اعتبارات میں بقا ہونا ہے۔ پس اس صورت میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہنا درست ہوجاتا ہے بخلاف صفات کی جانب کے جو ذات (تعالیٰ) پر وجود زائدہ کے ساتھ موجود ہیں۔

ان کی مغائرت ذات عز سلطانہ کے ساتھ اور (آپس میں) ایک دوسرے کے ساتھ تحقیقی ہے نہ کہ اعتباری۔ لہٰذا ایک صفت میں فانی ہونا تمام صفات میں فانی ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور اسی طرح بقا کا حال ہے۔ لہٰذا مجبوراً اس فانی کو فانی فی اللہ اور باقی کو باقی باللہ کہنا چاہیے بلکہ مطلق فانی اور باقی کہہ سکتے ہیں، یا کسی ایک صفت کے ساتھ مقید کر کے کہہ سکتے ہیں (جیسے علم کی صفت میں فانی ہے یا صفتِ علم کے ساتھ باقی ہے۔ لہٰذا ناچار محمدیوں (محمدی مشرب) کی فنا سب سے اتم اور ان کی بقا سب سے اکمل ہے۔

اسی طرح محمدی (مشرب) کا عروج چونکہ شیون کی جانب ہے اور شیون کو عالم کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں ہے کیونکہ عالم صفات کا ظل ہے نہ کہ شیون کا ظل، لہٰذا سالک کا ایک شان میں فنا ہونا اس کی فنائے مطلق کو مستلزم ہو گیا اس طرح پر کہ سالک کے وجود کی بقا اور اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے گا۔ اور اسی طرح بقا کی صورت میں کامل طور پر اس شان کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ بخلاف فانی فی الصفات کے کہ جو مکمل طور پر اپنے سے باہر نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر ہے اور اسی کا ظل ہے، لہٰذا اصل کا ظہور ظل کے وجود کو مکمل طور پر محو کرنے والا (نیست و نابود کرنے والا) نہیں ہوتا اور بقا بھی فنا کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے لہٰذا محمدی (مشرب) بشری صفات کی طرف لوٹ آنے سے مامون و محفوظ ہوتا ہے اور رَدّ کے خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کُلّی طور پر اپنے آپ سے نکل کر حق سبحانہٗ کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے......... اس مقام میں عود (رجوع کرنا) محال ہے بخلاف فنائے صفاتی کی صورت کے کیونکہ اس جگہ وجودِ سالک کا اثر باقی رہنے کی وجہ سے عود کرنا ممکن ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درمیان (صفاتِ بشری کی طرف) واصل کے رجوع کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو اختلاف ہے وہ اسی سبب سے ہو، لیکن حق یہ ہے کہ اگر وہ محمدی (مشرب) ہے تو عود سے محفوظ ہے ورنہ معاملہ خطرہ میں ہے......... اور اسی طرح وہ اختلاف جو (مشائخ کے درمیان) سالک کی فنا کے بعد وجودِ سالک کے اثر کے زوال پذیر ہونے میں ہے۔ بعض (مشائخ) زوالِ عین واثر کے قائل ہیں (یعنی وہ ذات و صفات کے زوال کے قائل ہیں) اور بعض نے اثر کے زوال کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس معاملے میں بھی (حق بات جاننے کے لیے) تفصیل کی ضرورت ہے......... اگر (وہ شخص) محمدی (مشرب) ہے تو عین واثر دونوں کو گم کر دیتا ہے اور اگر وہ غیر (محمدی مشرب) ہے تو اس (کے وجود) کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ وہ صفت جو اس کی اصل ہے وہ باقی ہے لہٰذا اس کے ظل کا بالکلیہ زوال ممکن نہیں۔

یہاں ایک نازک نکتہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ عین واثر کے زوال سے مراد زوالِ شہودی ہے نہ کہ وجودی۔ کیونکہ زوالِ وجودی کا قول الحاد وزندقہ (بے دینی) کو لازم آتا ہے۔ اور اس گروہ کی ایک جماعت نے زوالِ وجودی تصور کیا ہے اور ممکن کے اثر کے زوال سے اعراض کیا ہے اور اس کو الحاد وزندقہ سمجھ لیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جس کو میں نے حق سبحانہٗ کے اطلاع دینے پر تحقیق کیا ہے۔

تعجب ہے کہ (یہ لوگ) زوالِ وجودی کے قائل ہونے کے باوجود زوالِ عین کے بھی قائل ہو گئے ہیں کیونکہ عینِ وجود کے زوال کا حکم کرنا اثر کے زوال کے رنگ میں مستلزم الحاد وزندقہ ہے.......... مختصر یہ کہ زوالِ وجودی عین واثر میں محال ہے اور زوالِ شہودی ہر دو میں ممکن بلکہ واقع ہے لیکن (یہ زوال) محمدی مشرب والوں کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ محمدی (مشرب والے) کُلّی طور پر قلب سے نکل کر مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) تک پہنچ جاتے ہیں اور احوال کے بدلنے سے محفوظ ہیں اور غیرِ حق کی غلامی سے مکمل طور پر آزاد ہیں، اور دوسروں کو چونکہ وجودِ آثار دامنگیر ہے، نیز احوال کی تبدیلی ان کا نقدِ وقت ہے، اس لیے مقامِ قلب سے خلاصی نہیں پاسکتے، کیونکہ ان کا وجود آثار اور تبدیلیٔ احوال حقیقتِ جامعہ قلبیہ کے نور کی شاخوں میں سے ہے۔ لہٰذا دوسروں کا شہود ہمیشہ پردہ میں ہوگا کیونکہ جسقدر بھی سالک کے وجود کا بقیہ حصہ ثابت ہے مطلوب کا پردہ بھی اسی قدر ہے اور جب اثر باقی ہے تو وہی اثر پردہ ہے۔

معرفت:

اگر سالک غیر متعارف سلوک کے راستے سے مراتبِ فوق کے اسم میں سے کسی مرتبہ میں پہنچے جو اس کا رب ہے، اور بغیر اس کے کہ اس اسم میں پہنچے اس مرتبہ میں (پہنچنے سے پہلے ہی) فانی اور مستہلک ہوجائے تو ایسی حالت میں بھی فنائے فی اللہ کہنا درست ہے اور یہی حال اس مرتبہ میں بقا کا ہے۔ لہٰذا اس اسم کے ساتھ فنافی اللہ کی تحقیق اس اعتبار سے ہے کہ تمام فناؤں کے مراتب میں سے یہ پہلا مرتبہ ہے۔

معرفت:

سلوک کی کئی قسمیں ہیں: بعض کا سلوک جذبہ پر مقدم ہے، اور بعض کا جذبہ سلوک پر مقدمہ ہے۔ اور ایک جماعت کے سلوک کی منزلیں طے کرنے کے دوران جذبہ حاصل ہوجاتا ہے، اور ایک جماعت کو سلوک کی منازل کا طے کرنا تو میسر ہوجاتا ہے لیکن جبتک وہ جذبہ کی حد تک نہیں پہنچتے۔ جذبہ کا (سلوک پر) مقدم ہونا صرف محبوبوں کے لیے ہے اور باقی قسمیں محبین سے تعلق رکھتی ہیں.......... محبوں کے راہِ سلوک

طے کرنے سے مراد دس مشہور مقامات کو ترتیب وتفصیل کے ساتھ طے کرنا ہے، اور محبوبوں کے سلوک میں دس مقامات کا خلاصہ حاصل ہو جاتا ہے ان کو ترتیب وتفصیل سے کوئی سروکار نہیں.......... وحدتِ وجود اور اس کے مانند احاطہ وسَریان اور معیتِ ذاتیہ کا علم جذبۂ مقدم یا متوسط کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن سلوکِ خالص اور منتہی حضرات کے جذبہ کو اس قسم کے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اور منتہی حضرات کے حق الیقین کو بھی توحید وجودی کے ساتھ مناسبت رکھنے والے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس جگہ بھی اربابِ توحید وجودی کے مقام کے مناسب حق الیقین کا بیان کیا گیا ہے وہ مجذوبانِ مبتدی یا متوسط کا حق الیقین ہے (نہ کہ منتہی حضرات کا حق الیقین)۔

معرفت:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جذبہ ہی اس کا رہبر بن جاتا ہے اور بس۔ یعنی اس کو کسی دوسرے رہبر کے توسط کی ضرورت نہیں بلکہ وہی جذبہ اس کے لیے کافی ہے۔ اگر اس جذبہ سے سیر فی اللہ کا جذبہ مراد ہے تو بس یہ کافی ہے لیکن لفظِ ''رہبر'' اس ارادہ کے منافی ہے کیونکہ سیر فی اللہ کے بعد کوئی مسافت (سیر) نہیں ہے کہ جس کے طے کرنے کے لیے وہ رہبر کا محتاج ہو، اور اسی طرح جذبۂ متقدم بھی مراد نہیں ہے جیسا کہ عبارت سے متبادر (بظاہر) مفہوم ہوتا ہے (یعنی جذبۂ متقدم مطلقاً انجامِ کار سلوک کی طرف لے جائے یا نہ لے جائے وہ جذبہ ہے) لہٰذا ناچار جذبۂ متوسط ہی مراد ہوگا لیکن وہ مطلوب کے وصول کی پوری کفالت کرتا ہوا معلوم نہیں ہوگا۔ کیونکہ بہت سے متوسط اس جذبہ کے حصول کے وقت فوق کی طرف عروج کرنے سے رہ جاتے ہیں اور اسی جذبہ کو جذبۂ نہایت سمجھ لیتے ہیں، اگر یہ (جذبہ) کافی ہوتا تو (ان کو) راستہ میں نہ چھوڑ دیتا۔ ہاں چونکہ جذبۂ مقدم کا تعلق محبوبوں سے ہے اگر کافی حاصل ہو جائے تو بھی گنجائش رکھتا ہے کیونکہ محبوبوں کو محض عنایت کے قلابہ (حلقہ) سے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور راستہ نہیں چھوڑتے، لیکن یہ کفایت تمام متقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے صرف وہ جذبہ جو انجام کار سلوک کی طرف کھینچ لے وہی کافی ہے۔ اور اگر وہ سلوک تک نہیں آیا تو یہ مجذوب ابتر (بے نصیب) ہے اور محبوبوں میں سے نہیں ہے۔

خاتمہ: (متفرق علوم ومعارف جن کا جاننا اربابِ طریقت کے لیے کثیر المنفعت ہے)

(۱)......مشائخِ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسراہم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ تجلیٔ ذاتی شعور کو زائل کرنے والی اور حواسِ ظاہرہ کو معطل کرنے والی ہے، ان میں سے بعض نے اپنے حال کی نسبت ایسا کہا ہے کہ اس تجلیٔ ذاتی کے ظہور کے وقت ایک عرصہ تک وہ بے حس وحرکت پڑے رہے اور لوگوں نے ان کو مُردہ خیال کرلیا۔ اور بعض دوسروں نے تجلیٔ ذات میں کلام کرنے اور اس کے سوا سے منع کیا ہے۔......... اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ تجلیٔ ذات اسماء میں سے ایک اسم کے پردہ میں ہے، اور پردہ کا باقی رہنا صاحبِ تجلی کے وجود کے اثر کی بقا کے باعث ہے اور وہ بے شعوری اس بقیہ (اثر کے) واسطہ سے ہی اگر وہ کُلّی طور پر فانی ہوجاتا اور بقاباللہ سے مشرف ہوجاتا تو وہ تجلی اس کو ہرگز بے شعور نہ کرتی ۔

یُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ یَمَسُّ بِهَا   وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يُحْرَقُ

(اس شعر میں) پہلا شخص جو آگ کو چھونے والا ہے اس لیے آگ اس کو چھوتے ہی جلادے گی اور لاشے (نیست ونابود) کردے گی۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جو عین آگ ہے اس لیے آگ آگ کو کیسے جلائے گی......... بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو تجلی کسی پردے میں ہوتی ہے وہ تجلیٔ ذات نہیں ہے بلکہ تجلیٔ صفات میں داخل ہے، کیونکہ تجلیٔ ذات جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے لیے مخصوص ہے وہ تجلیٔ بے پردہ ہے۔ اور پردہ کی علامت بے شعوری ہے اور بے شعوری دُوری کی وجہ سے ہے اور بے پردگی کی دلیل شعور ہے اور شعور کمالِ حضور کی شان ہے .... ایک بزرگ علیہ الغفران نے (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) اس تجلی بالاصالت والاستقلال (جو اصالت اور استقلال کے ساتھ ہے) کے بارے میں اس طرح خبر دی ہے اور کہا ہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات   تو عینِ ذات می نگری در تبسّمی

اور یہی تجلیٔ ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کو دائمی طور پر حاصل ہے اور محبوں کے لیے برقی (کیفیت رکھتی) ہے، کیونکہ محبوبوں کے ابدان (اجسام) نے ان کی ارواح کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور وہ نسبت کُلّی طور پر ان میں سرایت کرگئی ہے اور محبوں میں یہ سرایت کہیں کہیں ہے (ہر کسی کو میسر نہیں)......... اور جو کچھ کہ حدیثِ نبوی علیہ من الصلوۃ اتمھا ومن التحیات اکملھا میں واقع ہوا ہے۔ لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ (مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت حاصل ہے) اس (حدیث) میں وقت سے مراد یہ برقی تجلی نہیں ہے کیونکہ یہ تجلی آں سرور علیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں جو تمام مرادوں اور محبوبوں کے بادشاہ ہیں

دائمی ہے بلکہ ''وقت'' سے اس دائمی تجلی کی ایک خاص قسم کی خصوصیت مراد ہے جو بر سبیلِ قلّت (بہت کم) حاصل ہوتی تھی، جیسا کہ اربابِ (طریقت) پر پوشیدہ نہیں ہے۔

(۲)......معرفت:

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اس حدیث **لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ** (مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت حاصل ہے کہ جس میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی گنجایش نہیں) کی وضاحت میں دو گروہ ہیں، ایک گروہ نے ''وقت'' سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسرا گروہ ندرتِ وقت (شاذ و نادر) کا قائل ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ استمرارِ وقت (دائمی حضور) کے باوجود شاذ و نادر وقت بھی متحقق ہے۔ جیسا کہ (پیشتر) اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے......اور اس حقیر کے نزدیک اس نادر ''وقت'' کی تحقیق نماز ادا کرنے کے وقت میں ہے۔ شاید کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث شریف **قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃُ** (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے......... نیز اسی طرح آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے فرمایا: **اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ** (سب سے زیادہ قرب بندہ کو اپنے رب سے نماز میں ہوتا ہے)......اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** (علق ۹۶، آیت ۱۹) (سجدہ کر اور قرب حاصل کر)......... لہٰذا ہر اس وقت میں کہ جب قرب الٰہی جل شانہٗ زیادہ حاصل ہوتا ہے اس وقت میں غیر کی گنجایش ہرگز نہیں ہوگی.........اور جو کچھ کہ بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے اور اپنے حال کی قوت اور اس کے دائمی ہونے کی اس طرح خبر دی ہے: ''یعنی میرا حال نماز میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ نماز سے قبل ہوتا ہے''۔ پس احادیث مذکورہ بلکہ نص مذکورہ مساوات اور استمرار کی نفی کرتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ استمرارِ وقت تحقیق شدہ ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ استمرار کے باوجود حالتِ نادرہ بھی واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ ایک جماعت جس کو ندرتِ وقت کی اطلاع نہیں دی گئی وہ اس کی نفی کے قائل ہو گئے اور دوسری جماعت جس کو اس مقام سے بہرہ ور کیا گیا انہوں نے اس نادر وقت کا اقرار کر لیا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جس شخص کو آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے طفیل نماز میں جمعیت عطا کی گئی ہو اور اس قرب کی دولت میں سے تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہو وہ بہت ہی کم ہیں۔ **رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِکَمَالِ کَرَمِہٖ نَصِیْباً مِّنْ ھٰذَا الْمَقَامِ بِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ وَالسَّلَامُ** (اللہ سبحانہٗ

اپنے کمال کرم سے حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کے طفیل ہم کو بھی اس مقام سے حصہ عطا فرمائے (آمین)۔

(۳)......معرفت:

صفات کے منتہی حضرات، علوم و معارف میں مجذوبوں سے نزدیک ہیں اور شہود کی دولت میں بھی دونوں کی شان یک رنگ ہے، کیونکہ دونوں اربابِ قلوب میں سے ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ اربابِ صفات تفاصیل سے مطلع ہیں بخلاف مجذوبوں کے (کہ وہ تفاصیل سے مطلع نہیں)..........اور اسی طرح اربابِ صفات سلوک اور فوق کی طرف عروج کرنے کی وجہ سے ان مجذوبوں کی نسبت جنہوں نے عروج نہیں کیا زیادہ قرب رکھتے ہیں لیکن اصل کی محبت ان (مجذوبوں) کی دامنگیر ہے اگرچہ حجاب درمیان میں ہے۔ کیا عجب ہے اگر اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے تحت مجذوبوں میں بھی اصلی قرب و معیت کا اعتبار کیا جائے کیونکہ مجذوب بھی محبت میں محمدیوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اگرچہ محبتِ ذاتی میں حجابات حائل ہیں لیکن مجذوبوں میں بھی محبت پائی جاتی ہے۔

(۴)......معرفت:

اس گروہِ (صوفیہ) کے بعض لوگوں کی عبارت میں واقع ہے کہ اقطاب کے لیے تجلیٔ صفات ہے اور افراد کے لیے تجلیٔ ذات۔ یہ بات غور طلب ہے کیونکہ قطب محمدی مشرب ہوتا ہے اور محمدیوں کے لیے تجلیٔ ذات ہے۔ ہاں اس تجلیٔ (ذات) میں بھی بہت فرق ہے۔ وہ قرب جو افراد کو حاصل ہے اقطاب کو نہیں ہے، لیکن دونوں کو تجلی ذات سے حصہ حاصل ہے ہاں اگر ہم یہ کہیں کہ قطب سے مراد قطبِ ابدال ہے جو کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قدم پر ہوتا ہے نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک پر (تو پھر یہ بات درست ہے)۔

(۵)......معرفت:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)۔ اللہ تعالیٰ بے چون و بے چگونہ (بے مثل و بے کیف) ہے، اس نے آدم (علیہ السلام) کی روح کو بھی جو آدم کا خلاصہ ہے بے چون و بے چگون کی صورت پر پیدا کیا۔ لہٰذا جس طرح کہ حق سبحانہ لامکانی ہے

روح بھی لامکانی ہوئی، اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کے ساتھ ہے کہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج، نہ متصل ہے نہ منفصل۔ اور قیومیت (یعنی تدبیر و تصرف کی نسبت) سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ روح بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کی منتظم اور درست رکھنے والی ہے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ ''قیوم عالم'' (بمعنے مدبر و متصرف) ہے، بدن کے لیے اللہ تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومت کے واسطے سے ہے۔ جو فیض بھی (حق تعالیٰ کی طرف سے) وارد ہوتا ہے اس فیض کا محلِ ورود اولاً اور ابتداء روح ہے، پھر روح کے واسطے سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور جبکہ روح بے چونی و بے چگونگی کی صورت پر پیدا کی گئی ہے تو لازمی طور پر بے چون و بے چگونِ حقیقی کی اس میں گنجایش ہوگئی، (جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے) **لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنُ** (میری گنجایش نہ میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان، البتہ میری گنجایش میرے مومن بندہ کا قلب ہے) .... کیونکہ آسمان و زمین اسقدر وسعت و فراخی کے باوجود دائرہ مکان میں داخل ہیں اور چونی و چگونی کے داغ سے داغدار ہیں اس لیے لامکانی کی جو چندی و چونی (کمیت و کیفیت اور مقدار) سے مقدس اور پاک ہے گنجایش نہیں رکھتے، کیونکہ لامکانی مکان میں سمانے کی گنجایش نہیں رکھتی' اور بے چون' چون میں آرام حاصل نہیں کرسکتا، تو لامحالہ عبدِ مؤمن کے قلب میں جو لامکانی اور چندی و چونی سے پاک و مبرا ہے گنجایش متحقق ہوگئی .... مؤمن بندے کے قلب کی خصوصیت اسی بنا پر ہے کہ غیر مومن کامل کا قلب لامکانی کی بلندی سے نیچے آچکا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہوکر اس کا حکم اختیار کرچکا ہے، لہٰذا اس نزول اور گرفتاری کی وجہ سے دائرۂ مکانی میں داخل ہوگیا ہے اور چونی پیدا کرکے اس قابلیت کو ضائع کردیا ہے: **اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَل** (اعراف ۷، آیت ۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گئے گذرے) .... جن مشائخ نے اپنے وسعتِ قلب کی نسبت خبر دی ہے تو ان کی مراد قلب کی لامکانیت ہوگی کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی فراخ اور وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے۔ عرش اپنی عظمت و فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لیے لامکانی (روح) کے مقابلے میں رائی کے دانے کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی کم تر .... بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قلب چونکہ انوارِ قدم (ازل) کی تجلی کا محل بن چکا ہے اور قدیم (یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ بقا حاصل کرچکا ہے اس لیے عرش اور جو کچھ اس میں ہے اگر اس میں ڈال دیے جائیں تو محو اور لاشے ہوجائیں اور ان کا کوئی اثر باقی نہ رہے جیسا کہ سید الطائفہ

(جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ "جب مُحدث (فانی) قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔"

یہ ایک ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا گیا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ مکان میں داخل ہیں اور چون سے متصف ہیں اسی لیے انسان خلیفۂ رحمٰن جل سلطانہٗ قرار پایا۔ ہاں صورتِ شئے ہی خلیفۂ شئے ہوتی ہے، جبتک شئے (اصل) کی صورت پر مخلوق (پیدا) نہ کی گئی ہو (اس وقت تک) اصل شئے کی خلافت کے شایاں نہیں ہوسکتی اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو اصل کی امانت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔ **لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ** (بادشاہوں کے عطیات اس کی سواریاں ہی اُٹھا سکتی ہیں)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً ط** (احزاب ۳۳، آیت ۷۲) (بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کردیا اور ڈر گئے (لیکن) انسان نے اس کو اٹھالیا بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے)۔.......... (یعنی انسان) اپنے نفس پر اس حیثیت سے بہت ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور زیادہ نادان اور جاہل اس اعتبار سے ہے کہ اس کو اپنے مقصود سے متعلق کچھ ادراک نہیں اور نہ ہی اس کو اتنا علم ہے کہ اپنے مطلوب کی نسبت معلوم کر سکے، بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور جہالت کا اعتراف ہی معرفت ہے البتہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوگی وہ سب سے زیادہ حیرت میں ہوگی۔

تنبیہ:

اگر بعض عبارت میں کوئی ایسا لفظ واقع ہوجائے جس سے حق تعالیٰ وتقدس کی شان میں ظرفیت ومظروفیت ہونے کا وہم ہوتا ہو تو اس کو میدانِ عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہئے اور کلام کی مراد کو علماءِ اہلِ سنت کی آراء کے مطابق سمجھنا چاہیے۔

(٦)......معرفت:

عالَم خواہ صغیر (انسان) ہو یا کبیر (مجموعۂ کائنات) سب اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے مظاہر

ہیں اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے شیون وکمالاتِ ذاتیہ کے آئینہ ہیں، اور وہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا اور ایک پوشیدہ راز تھا اس نے چاہا کہ پوشیدگی سے ظہور میں جلوہ گر ہو، اور اپنے آپ کو اجمال سے تفصیل میں لائے (چنانچہ اس نے) عالم کو پیدا کیا تاکہ اپنی اصل پر دلالت کرے اور اپنی حقیقت پر علامت ہو۔ لہٰذا عالم کو اپنے صانعِ بے چون کے ساتھ اس کے سوا کوئی نسبت نہیں کہ عالم (دنیا) اس کی مخلوق ہے، اور اس تعالیٰ وتقدس کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔ اور اس نسبت کے علاوہ ہر حکم اتحاد وعینیت اور احاطہ ومعیت وغیرہ سب سُکرِ وقت اور غلبۂ حال کی قسم سے ہیں.......... مستقیم الاحوال اکابر جنہوں نے ان کے صحو (ہوش) کے جام سے ایک گھونٹ پی لیا ہے وہ بھی ان علوم سے بیزار اور استغفار کرتے ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض کو راہِ سلوک کے دوران یہ علوم بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن آخر کار ان علوم سے گذار دیتے ہیں اور علومِ شریعت کے مطابق ان پر علومِ لدنّی وارد فرماتے ہیں۔

اس بحث کی تحقیق کے لیے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں: ایک نہایت ہوشیار عالمِ صاحبِ فنون جب چاہتا ہے کہ اپنے پوشیدہ کمالات کے خزانے کو ظہور کے میدان میں لائے اور اپنے پوشیدہ فنون کو برملا ظاہر کرے تو وہ حروف واصوات (آواز) کو ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف وآواز کے پردوں میں ان کمالات کے جلوؤں کو ظاہر کر کے اپنے فنون کا اظہار کرے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہ حروف واصوات اس کے پوشیدہ معانوں پر دلالت کرنے والے ہوں گے۔ لیکن اس عالمِ موجد کے ساتھ ان کو اس کے علاوہ کوئی نسبت نہیں کہ وہ عالِم ان کا موجد ہے اور یہ سب اس کے پوشیدہ کمالات پر دلالت کرنے والے ہیں۔ اور حروف واصوات کو اس عالمِ موجد کا عین یا ان معانی کا عین کہنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا.......... اور اسی طرح احاطہ ومعیت کا حکم کرنا بھی اس واقعہ میں غیر متحقق ہے۔ معانی اپنی اسی پوشیدہ سادگی میں ہیں۔ ہاں جس طرح معانی اور صاحبِ معانی اور حروف وصوات کے درمیان دال اور مدلول ہونے کی نسبت موجود اور متحقق ہے، اسی لیے بعض معانی زائدہ غیر واقع تخیل میں آجاتے ہیں.......... حقیقت میں وہ عالِم اور اس کے پوشیدہ معانی اس نسبتِ زائدہ سے منزہ ومبرا ہیں اور یہ حروف واصوات خارج میں موجود ہیں نہ یہ کہ وہ عالِم اور معانی موجود ہیں اور وہ حروف واصوات محض اوہام وخیالات ہیں۔ پس عالم (جو ماسوا اللہ سے مراد وجودِ ظلّی اور کونِ تبعی کے ساتھ خارج میں موجود ہے نہ کہ عالم اوہام وخیالات ہے.......... یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائی مذہب کے مطابق ہے جو عالم کو اوہام وخیالات جانتا ہے اور کہتا ہے کہ عالم میں حقیقت کو ثابت کرنا

عالم کو اوہام وخیالات سے نہیں نکالتا، اور اس صورت میں حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم۔ کیونکہ عالم اس حقیقت مفروضہ کے علاوہ ہے۔

تنبیہ:

عالم کا اس تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہریت اور مرایت (ظاہر ہونا اور آئینہ ہونے) سے مراد یہ ہے کہ وہ اسماء وصفات کی صورتوں کا مظہر اور آئینہ ہے نہ کہ اسماء وصفات کے آئینے۔

کیونکہ اسم بھی مسمیٰ کے مانند کسی آئینے میں محدود نہیں ہوسکتا، اور صفت بھی (اپنے بے مثل) موصوف کی طرح کسی مظہر میں مقید نہیں ہوسکتی

درتنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد
درکلبۂ گدایاں سلطاں چہ کاردارد

(۷)......معرفت:

آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی کامل تابعداری کرنے والے اگرچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع کی برکت سے اس تجلیٰ ذات سے جو بالا صالت آنحضرت علیہ الصلو ۃ والسلام کا خاصہ ہے، بہرہ مند ہیں اور باقی تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کے لیے تجلیاتِ صفات ہیں، اور تجلیٰ ذات تجلیٰ صفات سے اشرف ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰات والتحیات کو تجلیاتِ صفات میں قُرب کے وہ مراتب حاصل ہیں جو اس امت کے کامل تابعداروں کو بطریقِ تبعیت تجلی ذاتی حاصل ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہیں............مثلاً کوئی شخص ''جمالِ آفتاب'' کی محبت میں عروج کے مدارج طے کرتا ہوا سورج تک پہنچ جائے اور سورج اور اس کے درمیان سوائے ایک باریک پردے کے کچھ بھی حائل نہ رہے۔ اور ایک دوسرا شخص جو ''ذاتِ آفتاب'' کی محبت کے باوجود ان مراتب تک عروج کرنے سے عاجز ہے اگرچہ اس شخص کے اور آفتاب کے درمیان کوئی پردہ حاصل نہ ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلا شخص آفتاب سے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے کمالاتِ دقیقہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پس جس کو قرب زیادہ حاصل ہے وہ معرفت میں بھی زیادہ فاضل تر ہے............لہٰذا اس امت کے اولیاء میں سے جو کہ ''خیر الامم'' ہے کوئی ولی اپنے پیغمبر کی افضلیت کے باوجود انبیاء میں سے کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ اس (ولی) کو اپنے پیغمبر کی متابعت کی وجہ سے اس مقام سے جس کے ساتھ اس کو افضلیت حاصل ہے بہرہ مند ہو چکا ہو، کیونکہ کلی فضیلت صرف

انبیاء کرام کو حاصل ہے اور اولیاء ان کے طفیلی ہیں.......... ہم اسی مضمون پر اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلَی الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ (اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے اور انبیا میں سے افضل نبی اور تمام انبیاء و مرسلین و ملائکۃ المقربین، صدیقین شہداء اور صالحین پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔

☆......☆......☆

ملفوظات شاہ نقشبندیہ علیہ الرحمہ نوشتہ

خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ

مسلمان ہونا اور اس کے احکام کا نفاذ، تقویٰ کی رعایت، عمل میں عزیمت و استقامت اور حتی المقدور رخصتوں (رعایتوں مباح چیزوں) سے دور رہنا، یہ تمام رحمت وصفا ہیں اور ولایت کے درجات کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ اولیاء اللہ ان صفات پر (خلوص سے) عمل کرنے سے (بلند) مقامات و منازل تک رسائی پاتے ہیں۔

(ملفوظات شاہ نقشبند، رسالہ قدسیہ، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوب گرامی امام ربانی مجدد الف ثانی
بنام برادر خورد میاں غلام محمد
در بیان جذبہ وسلوک

☆☆

مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، عکس امرتسر اڈیشن،
مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء، مکتوب نمبر ۲۸۷، حصہ پنجم، صفحہ ۵۳۔۷۲

پیش نظر انگریزی ترجمہ محترم منیر حسین مسعودی نے برمنگھم (انگلستان) سے ارسال فرمایا ہے جسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ جہان امام ربانی مجدد الف ثانی میں شائع کر رہے ہیں......

(مرتبین)

☆☆

1.287 Letter to Mian Ghulam Muhammad, Ahmad Sirhindi's younger brother

☆☆

In the name of God the compassionate and merciful, let us give thanks to God who has guided us. If God had not given us guidance, we would not have been rightly guided.

Messengers of our Lord truly did come. Muhammad, who came with the utmost sincerity, is the last messenger and the best and most perfect of them. May the grace of God the most glorious, His blessings, and salutations be upon him, his family, the prophets, and all those who follow them until the Day of Judgment. Amen.

[The number of] seekers [has dwindled] because of their low aspirations, their baseness of character, and their not being able to find the company of a perfect and perfection-bestowing shaykh. The long path with a lofty goal has been debased to a shortcut leading nowhere.

Proceeding along on the way, they are satisfied with very little and have a limited understanding of where they are going. [Nonetheless,] they think that they have reached the end of the path in perfection, declaring that they have achieved the states of accomplished wayfarers who have reached the final goal. This lowly group, overcome by their own imaginary power, has covered up perfected states with their own deficient ones. That is the story.

In sleep a mouse becomes a camel

[It is one thing to go] from the deep ocean to a drop, another to go from the surface of a drop from the sea of Oman to a dewdrop, but they have become contented with the surface of a dewdrop. They imagine the effable to be ineffable and take comfort [in reducing] the infinite to the finite and in trivializing the incomparable. The condition of people who unquestioningly believe in an ineffable God is many degrees better than the situation of those seekers who have not completed wayfaring on the path or of thirsty people finding [temporary] comfort at the water source. There is a large difference between a speaker of truth and a speaker of lies as there is between a person who behaves in a proper manner and a person who exhibits criminal behavior. Woe on non-realized seekers who think that innovations are well-established practices and who confuse the effable and ineffable. If they are not excused from incorrect interpretations of personal revelation (*kashf*), then they are called to account for that mistake. ***Our Lord does not hold us accountable for what we forget or do mistakenly** [Q 2:286].

For example, there was a person who desired to go to the Ka'ba. From intense longing he set off in the direction of the Ka'ba. All of a sudden, while proceeding along, a house, appearing like the Ka'ba, came into view in front of him. Although the house only appeared like the Ka'ba in a vision, the person imagined that it was the real Ka'ba, and secluded himself there. [Compare this situation with] another person who has actually arrived at the real Ka'ba and knows its special features. He has confirmed [the existence of] the Ka'ba. Without taking one step on the way to the Ka'ba, he knows that there is only one Ka'ba and that his own verification is correct. His situation is better than the situation of the mistaken seeker mentioned previously. Indeed! Although a beginning seeker has not reached the goal, he knows there is only one genuine goal. This is a better state of affairs than a person following a correctly thinking person who has never taken a step towards the goal. The beginning seeker proceeds along the way to the goal (no matter how slow that may be), although he has not experienced the truth of verifying the goal. **[*or in spite of the reality of verifying the goal.]** Then his preference [over the mistaken seeker] is proved.

Some have been attracted [to shaykhs who claim] an imaginary perfection and a supposed realization. [These shaykhs' authority] is based upon old age and popularity. The deficiencies of these shaykhs cause them to ruin potential of many of those who are capable of developing perfections. By the unfortunate coldness of their companionship (*suhbat*), they dampen the enthusiasm of seekers.

It is the case of the blind leading the blind.

Those who have not realized the goal and [claim] imaginary perfections and a supposed attainment of the goal, are more prevalent among intoxicated wayfarers (*majhuban-i suluk*) than with wayfarers who are intoxicated (*salikan bi-majdhub*). This is because both beginners and realized seekers outwardly share the same appearance of intoxication as they express love. In truth, these two [developmental phases] are incommensurate and their states are completely distinct.

What relationship is there between earth and the Lord of lords?

In the beginning [of the path], one is completely deficient and is too full [of ego] to receive. At the end of the path, all is with Truth and for Truth. If God wills, the details of this discussion, including the flights of imagination [justifying] this apparent resemblance and outer connection, will be mentioned below [in the first section].

In the exalted Naqshbandi path, attraction to God (*jadhba*) occurs prior to wayfaring. The reason why a deluded imagination completely predominates over those who are intoxicated in God is because their [sufi] lineage does not benefit from [experienced knowledge of] wayfaring. Others, overwhelmed by attraction to God, [mistakenly] think that their oscillation between states is an indication that they are traversing various stages along the path to God. When their weak minds reach some kind of stability, they perceive themselves as intoxicated wayfarers (sing. *majdhub-i salik*). The sections below explain the truth of attraction to God, the truth of wayfaring, and the difference between both of these stations. Mention will be made of the special characteristics distinguishing one from the other as well as the difference between the attraction of a beginner and that of an accomplished wayfarer.

The letter will also discuss the truth of the perfection-bestowing station, in addition to the knowledge and guidance pertaining to this station. ***So that the truth of the true and the false of the false can be established even though criminals are hated** [Q 8:8]. Now, with the beauty of His most glorious good fortune, I begin this explanation. He is the most glorious guide of the path, the perfect master and protector.

This letter has two sections (sing. *maqsad*) and an epilogue. The first section explains knowledge related to the station of attraction to God. The second section pertains to wayfaring (*suluk*). The epilogue clarifies miscellaneous [aspects of] inner and outer knowledge, which will greatly benefit seekers.

Section One

Know that intoxicated wayfarers who are not yet fully realized, although they experience strong attraction to God, are in the circle of the heart-centered ones (*arbab-i qulub*). No matter what path they choose, they experience [the same kind of] attraction. Without [guided] wayfaring and purification of the lower soul (*nafs*), they cannot go beyond the station of the heart and arrive at the invigorator of the heart [God]. Their attraction is attraction to the heart. Their love is contingent (*'ardi*), not genuine. Also [in this station], the lower soul (*nafs*) is mixed with the soul subtle center like darkness and light. One has to totally emerge from the constraints of the heart station in order to be [intimately] connected with the Invigorator of the heart. Until the soul subtle center escapes from the lower soul, the soul subtle center will not be able to focus on the goal. Likewise, until the lower soul becomes separated from the soul subtle centre, it is not possible for the lower soul to descend into the station of servanthood. As long as these two [lower soul and subtle center] are entwined together, the heart synthesis (*jami 'a-yi qalbiyya*) is firmly established and pure soul attraction [of the soul subtle center] is not possible. Nor is it possible to purify the soul subtle center from the lower carnal soul until one traverses the stages of wayfaring, which include wayfaring to God (*sayr ila Allah*) and wayfaring in God (*sayr fi*

Allah). It is only after attaining the station of the separation after the synthesis (*maqam-i al-farq ba'd al-jami'*), which is connected to returning to the world of creation for God and by means of God (*sayr 'an Allah billah*), that anything is possible.

How can every donkey become a rival?
How can the last gnat become Solomon?

So see the difference between the attraction of the realized person and that of a beginner! The experience of these intoxicated heart-centered ones is in the veil of excess, whether or not they make known their inner condition. In this excess, they only experience the world of spirits (*'alam-i arwah*). Its subtle, encompassing, and penetrating nature [has them feeling like] they are experiencing a form resembling God. God created Adam in His image.[1] With this as their frame of reference, they interpret their experience in the soul subtle center as experience of the almighty and holy Truth. Likewise, they experience the encompassing and penetrating nature, closeness, and togetherness of the soul subtle center as that of God. This is because the wayfarer's vision can only see as far as the station above his present station [here referring to the station of the heart], which is the station of the soul subtle center, not the station three levels above. Seeing above the station of the soul subtle center will be blocked until one actually arrives at the station of the soul subtle center. [In an analogous way, the feelings of] love and attraction to God [interpreted as such in the station of the heart] are also like the experience of the most glorious Truth [in the station of the heart]. The difference, however, is that love and attraction to God are related to realizing annihilation in God (*fana' fi Allah*), which happens after the end of wayfaring to God (*sayr ila Allah*).

As long as no one is there,
One can be annihilated in God.
God's court is not a place.
So no road goes there.

Release from the experiences of this station [of the heart] involves dealing with the constraints of the relative domain. [To accomplish this], the field of activity of [Naqshbandi] notables operates beyond the beyond of consensus reality. In the same manner, their goal is the eternal and ineffable. Their being united with Him, the most glorious, is also eternal and ineffable. There is no path from the finite to the infinite. Only a camel can carry the King's gifts.

Uniting with God, incomparably beyond form
The Lord of humans and their souls

According to the investigations of experienced wayfarers, i.e., those who have arrived at the end of the path, the encompassing and penetrating nature, closeness, and togetherness of the Truth, most glorious, is a branch of knowledge. Such knowledge is harmonious with [the understanding of] jurists who know the truth (*'ulama'-i ahl-i haqq*) - may God thank them for their efforts. According to these jurists, determining closeness to God and other relates topics can only be done from afar, by those who have not achieved the goal. Those who are close to God do not measure it. A notable once said, "Whoever says he is close [to God] is far and whoever is far [from his ego] is close [to God]. Sufism is a branch of knowledge that pertains to asserting the unity of existence, whose source is attraction to God and love [overflowing] from the heart. Those who are centered on the heart subtle center, who have not first cultivated an attraction to God, but who still set out wayfaring and traversing the stages of the path, have no affinity for this branch of knowledge. It is exactly the same situation for those intoxicated with God who begin wayfaring from the subtle center of the heart focused on the Invigorator of the heart and are indifferent to this knowledge. [**May ?**]They ask God's forgiveness. Some of those intoxicated with God, even though they set out wayfaring through the stages, do not progress because their vision never goes beyond the station of the familiar [*Urdu: maanuus] to develop higher aspirations. They do not recognize that this kind of knowledge even exists, and cannot get out of their predicament. Thus, they are unable to ascend through the various degrees of closeness to God. ***Please God, extricate us from this**

village of oppressors. Make us near to you. Make us victorious [Q 4:75]. The sign of arriving at the end of the goal is being indifferent to this knowledge. [**check on previous sentences since this does not make sense**] To the extent that one develops a greater affinity to immanence [manifesting in the world], he finds less affinity to the Creator of the world. During this time he thinks that the world is the origin of the Creator and considers the Creator to be an ocean encompassing the world. Essentially, this makes no sense at all. What relationship is there between earth and the Lord of lords?

A. Inner meaning

The exalted presence of the master Naqshband - may God almighty bless his most holy secret - said that his group [followed the principle of] "including the end in the beginning."[2] This means that the attraction and love realized by accomplished seekers [in other lineages] at the end of the path are gradually introduced at the beginning for those in the Naqshbandi lineage. This is because, for realized seekers, attraction to God stems from the soul subtle center, while attraction for beginners is from the heart subtle center. The heart subtle center is a bridge between the soul subtle center and the lower soul (*nafs*). So attraction to God associated with the heart subtle center becomes mixed with that of the soul subtle center. Naqshbandis stress this [principle of including the end in the beginning], although this concept [of attractions of subtle centers mixing with each other] is found in all modes of attraction to God [depending on the subtle center]. It is because of this [situation] that the great Naqshbandi shaykhs have established a method to actualize this concept and have specified a path to arrive at this goal. Those of other lineages [only] randomly experience this concept as they go along the path; they cannot consciously actualize it. Naqshbandi notables in the station of attraction have a special kind of attraction to God that other do not - and if they do it is rare. Therefore, some of these non-Naqshbandis are in the station of attraction without traversing the stages of the path. Their annihilation and remaining in God (*fana'* *wa baqa'*) resembles those who have already traversed the stations along the path. There is a portion of the perfection-bestowing (*takmil*) station that resembles the station of returning to the world of creation for God and by means of God (*sayr 'an Allah billah*) [included in their station of attraction]. This also makes it easy for them to appear to have had the training of accomplished wayfarers. Further substantiation of this topic will be found below if God almighty wills. This is only an introduction.

One must know that the soul subtle center develops a kind of inclination toward the goal before its attachment to the [physical] body. After the soul subtle center becomes attached to the body, this tendency [to turn toward the goal] lessens. The notables of this exalted lineage have established a method in order to cultivate the aforementioned inclination. But when the soul subtle center is attached to the body, an inclination develops toward the heart subtle center - which combines the inclinations of the soul subtle center and the lower soul. Without a doubt, the inclination of soul subtle center is contained in the inclination of the heart subtle center. For realized wayfarers, however, the inclination of their soul subtle center manifests after the annihilation of the soul subtle center and subsiding in it with pure existence, which leads to remaining in God.

[In contrast], the soul inclination [of non-realized wayfarers] is when the inclination of the soul subtle center becomes included in the heart subtle center's inclination before the soul subtle center becomes attached to the body. It is a [type of] inclination associated in such a way with the soul's existence of being that the soul subtle center cannot become annihilated. There is a major difference between the soul subtle center's inclination when the soul subtle center's being is existent [for non-realized wayfarers] and when the soul subtle center is annihilated. To say that soul inclination is included at the end [is only valid] from the viewpoint of the [pure nature of the] soul subtle center's inclination because at the end this is all that remains. [When one talks about "the end" in] "the end being included in the beginning," it means the outer appearance (*surat*) of the end, not the essence (*haqiqat*) of the end. It is impossible for the essence of the end to be included in the beginning. It could have been possible that the word "outer appearance" was omitted [in the phrase "the end being included in the beginning"] to allure seekers to this lineage. Truth is what I have figured out with the help of God almighty.

Wayfarers who make quick progress and appear to be ahead of others have an attraction to God that is effortless and without apparent result, even though they have come with focus and presence.3 They still have an attraction stemming from the heart subtle center, a sign that the inclination of the soul subtle center is not entirely disassociated from the physical body. There are some for whom it is necessary to have effort and benefit, so they eliminate any inclination of the soul subtle center that manifests by means of a connection with the body. That is, one should be aware of acquiring an inclination connected to the physical body and how to get rid of it. Those quickly-progressing wayfarers who are able to let go [of this connection to the physical body] will have a more subtle ability to progress on the path, whether they let go of the inclination of quickly-progressing wayfarers completely or just lose the connection [of the soul subtle center's inclination] with the body and become lost in that. Not losing that connection with the body is an entirely different matter [and involves, among other things, seeing the Beloved in the physical appearances of others].

In short, quickly-progressing wayfarers [should] cultivate an overall inclination permeating everything such that their soul subtle center takes control over the physical body just like [the situation of] lovers that God desires. When lovers go wayfaring it is like essence of something, and for quickly-progressing wayfarers it is like the outer form. Those who can recognize it [the essence] are aware of its appearance. Indeed! Lovers who arrive and seekers who are perfected verify this kind of [essence-tasting] wayfaring. Like lightening, this experience is not constant. Constant wayfaring is a special situation for lovers.

B. Inner meaning

When divinely intoxicated ones, those who are focused on the heart subtle center, become established in the station of the heart, a sobriety and knowledge appropriate to that station is also facilitated for them. It is possible for these intoxicated ones to be of benefit to seekers who, in companionship, can realize more love and attraction to God through the heart subtle center. Yet, intoxicated ones cannot bring others to perfection because they themselves are not yet perfected. It is well known that completion cannot come from deficiency.

[Paradoxically], intoxicated ones benefit others more in every way than wayfarers, even if the latter have finished all their wayfaring and have realized the kind of attraction to God associated with accomplished wayfarers. In the station of the heart, wayfarers are not on the path returning to the world of creation for God and by means of God (*sayr 'an Allah billah*). Anyone at the end of the path who has not returned to help humanity has not reached the level of perfection bestowing (*takmil*). This is because the person has no inclination and affinity for the world, without which he cannot help others.

An exemplary shaykh is called a transitional bridge (*barzakh*) from the standpoint of his being in the station of being a transitional bridge (*barzakhiyat*), after having come down from the station of the heart. He encompasses both sides, the soul subtle center and the lower soul. From the refrence point of the soul subtle center, the exemplary shaykh is favored by [divine emanations from] above and relative to the lower soul, he is favored from below. He personally benefits [from this bridging] because he unites an inclination toward most glorious God with an inclination toward humanity without any veils whatsoever. Thus, the exemplary shaykh realizes the union of the benefited and the benefitor. Some shaykhs say that bridging is between God and humans instead of the bridging of an exemplary shaykh. They say that a shaykh who functions as a transitional bridge unites the transcendent and the immanent. The critique [of this perspective] is that being a bridge is based upon intoxication, instead of sobriety, which is the appropriate mode for the station of a shaykh. Intoxication is not proper for the station of a shaykh, because the lights of the soul subtle center that are included in thi station [of being a shaykh] overpower the lower soul and [themselves] are the source of intoxication. In the station of being a bridge of the heart (*maqam-i barzakhiyat-i qalb*), the subtle center of the soul and the lower soul are separate. There is no possibility for intoxication to take over; all is sobriety, which is the station of inviting others to God. Keep this in mind.

When a perfect shaykh is able to return (lit. go down) from the ascent in the station of the heart, through his being a transitional bridge, he develops an affinity with the world and enables qualified seekers to acquire perfections. One who is firmly established in attraction to God [hereafter attracted shaykh], because he is in the station of the heart, also has an affinity with the world. He does not withhold love, intoxication or supernatural power (*tawajjuh*) [to help others]. Even though these are of the heart subtle center, one benefits. Undoubtedly, he [the attracted shaykh] is open to help others. I assert that the realized shaykh who has returned to the world [also called the perfect shaykh in this discussion] and the attracted shaykh, both in their respective ways, provide more benefits than the other. The realized shaykh only has an outward affinity with the world. In reality he is separate from the world, imbued with the origin, where he remains. The attracted shaykh has a real affinity to the world and remains with all aspects of the world. In this remaining there is a remaining such that the world remains in this [state of] remaining.

Seekers definitely get more benefit from attracted shaykhs than with realized shaykhs because of real affinity [with the world]. However, the realized shaykh specializes in benefiting others among the levels of perfections associated with intimacy with God. Without a doubt the benefits of a realized shaykh prevail, even though in reality he does not have supernatural power (*tawajjuh or himmat*) to further [the development of] the seeker like the attracted shaykh can. With the attracted shaykh, however, a seeker cannot reach the limits of perfection. In addition, the considerable supernatural power, associated with the soul subtle center, that the seekers receive from attracted shaykhs accelerates them along the path. Although they have forgotten this kind of supernatural power [connected to the physical body], in companionship with the attracted shaykh, seekers remember it, since it is included in the supernatural power associated with the heart subtle center.

On the other hand, the supernatural power found in the companionship of a realized shaykh is new [for the seekers]. While they have not experienced it before in the state of annihilation of the soul subtle center, they experience it for the first time in the divine presence as the state of remaining in the soul subtle center. The supernatural power [from an attracted shaykh] is easy to receive and assimilate, while that [of a realized shaykh] is hard to find and correspondingly much less is received. What is easier is more common and what is harder is more rare. They say that an exemplary shaykh [one who is a bridge] is not the way to realize attraction to God since the seeker already has that [type of] connection [with an attracted shaykh]. Correction and learning are necessary only because the student has forgotten. Therefore, they call this shaykh a teaching shaykh (*shaykh-i ta'lim*) and a directing shaykh (*shaykh-i tarbiya*). For traversing the stages of the path an exemplary shaykh is effective and the direction [given by such a shaykh] becomes necessary.4 It is not appropriate for an exemplary shaykh to give an attracted shaykh permission to teach others or to appoint him to the station of perfection bestowing. To be in companionship with an attracted shaykh would probably cause some seekers to lose their great aptitude and their ability to become perfect and perfection bestowing. For example, if a good wheat seed is planted in land that has the total ability to grow wheat, it will grow according to its potential. If a bad seed is planted, the place where it would have sprouted has lost its potential [to grow wheat].

If we assume an exemplary shaykh finds it advisable to given an attracted shaykh permission to teach in order that some essential benefit will result, then his teaching must be restricted by certain stipulations. These include a clear manifestation of the seeker's affinity with the attracted shaykh's method of teaching, maintaining the aptitude of the seeker during companionship with the attracted shaykh, and no flaring up of his lower soul while supervising seekers. In the latter case, the seeker's capricious impulses from the lower soul will not decrease because there is no purification of the lower soul. When the attracted shaykh knows that the seeker has reached the end of his teaching and still has ability and potential to develop, the attracted shaykh must make this known to the seeker and give him permission in order that he can finish his work with another shaykh. [In this way], the attracted shaykh will not consider himself to be fully realized and wayfarers will be saved from highway robbery along the path [because this admission of limitation is made public]. The attracted shaykh gives the seeker permission along the same lines as he himself was given permission by the exemplary shaykh, i.e., with stipulations (like those mentioned above) suitable for the specific situation and with a specific mandate to fulfill.

An exemplary shaykh does not need these restrictions to teach or bestow perfection on others. He has a special connection [with God] by virtue of [his embodying] the universality of all sufi lineages and their dispositions. Each person can benefit [from his presence] to the extent of his or her aptitude. Although there are distinctions of how quickly one can progress [with one exemplary shaykh or another] because of a [relatively] strong or weak connection with God, in the context of companionship with shaykhs or exemplary shaykhs, [these distinctions] are also imaginary. Essentially, all shaykh's teachings involve the same steps. The exemplary shaykh, while teaching a student, must take refuge in the majesty of the most glorious Truth and cling tightly to His strong rope [often interpreted to be the Quran and shariat] inside His omnipresence in order to be safe from fearing the most glorious

God's ruses. Taking refuge in God is not just for this situation, but for all situations. The most holy and glorious Truth always provides favors, and is not separated from any deed or moment. **God gives favor to whomever He desires and is the master of all grace** [Q 62:4].

Chapter Two

This discussion is associated with wayfaring. Know that if a seeker is proceeding on a path going upwards and he realizes a name [of God] such that it manifests through him [lit. he becomes a master of a name] to such an extent that the annihilation of ego occurs, it is correct for him to abandon his annihilation. After remaining (*baqa'*) in this name, abandoning this remaining is, for him, preserving it. With this annihilation and remaining, one becomes honored with the first level of intimacy with God. Here is a detail that must be discussed at length.

Introduction

There are two kinds of divine effulgence (*fayd*) that emanate from the almighty and holy Essence. The first kind is associated with creation, preservation, nourishing, giving life, causing to die, and other attributes like these. The second kind relates to belief (*iman*), and suprarational knowledge (*ma'rifat*), and all the rest of the perfections of the levels of intimacy with God and prophethood.5 The first kind of divine effulgence is only associated with the divine attributes, while the second kind emanates partially through the attributes and partially through the qualities (*shu'unat*). The difference between attributes and qualities is very subtle. It does not appear to anyone except to the intimates of God having a Muhammadan disposition - and no one else has spoken about it.

In short, attributes of God exist in the objective world. The almighty and holy Essence exists above and beyond these, while the qualities and aspects (*i'tibarat*) are separate [from the attributes] in the Essence - may his sovereignty be glorified. An example will shed some light on this discussion. Water flows downhill. This is a natural act in which the aspects of life, knowledge, power, and will develop. Fro example, those with knowledge, by mean of the heaviness of knowledge and according to the demands of knowledge, will go from top to bottom and will not be able o focus their attention upwards. Knowledge follows life; will follows knowledge; and power is affirmed because the specialty of will is to choose one possibility [out of many].[6] The aspects in the essence of water have been confirmed at the stage of the qualities. If, in spite of those aspects, one confirms that there are additional attributes in the essence of water, then they would be present, like attributes beyond existence. It cannot be said that water has the primary aspects of being alive, knowing, having power, and desiring. In order to affirm the names, additional attributes must be designated.

Thus, according to the explanation of some shaykhs, [the phenomenon of] water occurs in connection with an affirmation of the aforementioned names. They base their explanation upon the absence of difference between aspects and attributes, and in the same fashion, deny the existence of attributes, which [in turn] is also supported by the absence of that difference.[7] Another difference between qualities and attributes is that station of qualities is directly facing the Essence. For attributes it is not.

God's messenger,[8] Muhammad - may God almighty bless him and his family - and intimates of God who are under his supervision - may God almighty be satisfied with all of them - receive the second kind of divine effulgence through the qualities. The rest of the prophets and those who follow them - may God almighty bless our prophet, them, and their followers - receive the first kind of divine effulgence from the attributes. I declare that the name whose master [associated with the quality of knowledge] is that Pleasure [Muhammad] - may peace and blessings be upon him - is a means for the second type of divine effulgence to arrive. The name is the shadow of the quality of knowledge and is the comprehensive synthesis of all the comprehensive and particular qualities. This shadow is for the quality of knowledge and for all the comprehensive and particular qualities (which are included in the quality of knowledge) because it leads to the possibility [of being with] the almighty and holy Essence.

One must know that capacity of God is a transitional bridge between the exalted Essence and the quality of knowledge. When one side of the bridge loses all attributes, that side is almighty Essence and cannot have any attributes. The other side, that of the quality of knowledge, can take on attributes, which is said to be the shadow [of the quality of knowledge]. The shadow of a thing consists of the appearance of the thing itself, although it is only a resemblance [of the original] at the second level [explain*]. The realization of the bridge comes after realizing the two sides. When a person has a revelation, [the quality of knowledge side of] the bridge becomes visible [at a level] below the quality [of knowledge]. From the perspective of this appearance, it is recognized as appropriate for one to get out of darkness from beginning to the end. [check orig text in lower left corner page 62]

There is a group of intimates of God under the supervision of Muhammad - may blessings and peace be upon him and them. They have realized the names where (the second kind of) divine effulgence arrives. They comprehend and encompass the shadows of God's capacity. For that shadow of wholeness, they are like the details. Those who follow the rest of the prophets - may God almighty bless and greet our prophet and them - receive the first and second types of divine effulgence by means of the power and capacities of the sovereign Essence, who is characterized by attributes beyond [existence]. There is also a group following these prophets that is characterized by attributes [i.e., the capacity of the attributes in detail, not capacity characterized by Essence] through which they receive the first and second types of divine effulgence. The means of transmitting the first type of divine effulgence to that Pleasure [Muhammad] - may peace and blessings be upon him -- is the divine capacity characterized by the almighty and holy Essence along with all the divine attributes. Thus, the capabilities [of the attributes] are means to transmit divine effulgences to the rest of the prophets - may God bless our prophet and them. They [the capabilities of the attributes] are the shadows of the comprehensive capacity [of God] and are like the details of the overall whole.[9]

There is a group under the authority of that Pleasure [Muhammad] - may blessings and salutations be upon him and them. They receive the first type of divine effulgence, associated with the attributes, separately [from the second type]. For those of a Muhammadan disposition, the means of receiving [i.e., the mode of] the first type of divine effulgence is separate from the mode of the second type of divine effulgence.[10] On the other hand, others [following other prophets] receive only one [mode of divine effulgence, i.e., both types of divine effulgence come from the attributes]. Some shaykhs - may almighty God sanctify their secrets - who limit the Lord of that Presence [Muhammad] in capacity [of Essence and all the divine attributes] - may peace and salutations be upon him. [For these shaykhs], there is no difference between the qualities and the attributes. This indicates a lack of knowledge about the station of the qualities. God manifests the truth and guides us to the straight path.

It has been verified that the lord of that Presence [Muhammad] - may blessings, peace, and greetings be upon him -- is the Lord of lords, whether in the station of the qualities [where the second type of divine effulgence is channeled from God], the abode of the attributes, or the means for [the transmission of] both types of divine effulgence. It also has become well known that the arrival of divine effulgence is from the Essence via the levels of perfection of intimacy of that Presence [Muhammad] without mediation from anything else - may peace and blessings be upon him. This is because the qualities are the origin of the Essence. Any additional aspect concerning the qualities [originates] in the mind [as opposed to being in the Essence]. Therefore, the manifestation of the Essence is special to Muhammad and his perfected followers because they receive divine effulgence from his path and become favored with a part of this station. Others are in the middle because [the divine effulgence they receive] is by means of the attributes along with the presence of attributes beyond existence. This causes a major impediment to come [between them and the goal] and they become destined for the [mere] manifestation of attributes.[11]

One must know that the capacity characterized [by essence], to the extent that it is an aspect, has no existence outside the Essence because attributes are being, not the [inherent] capacity of the attributes. Capabilities act as transitional bridges between the attributes and the Essence. Between the qualities and attributes is a transitional bridge, which itself takes on the characteristics of both sides. As [the transitional bridge] takes on the characteristics of the attributes, obstacles and impediments are created.

Even half a hair's width of separation from the friend is too much.From this discussion it is clear that the unveiled appearance of the almighty and holy Essence is in accordance with the manifestation of subjective witnessing (*tajalli-yi shuhudi*), while the manifestation of objective existence (*tajjali-yi wujudi*) is not. Therefore, that Pleasure [Muhammad] - may peace, blessings, and salutations be upon him - received divine effulgence (*fayd-i shuhudi* -- the second type) in the multi-faceted perfections of intimacy with God without any veils coming between [him and the Source]. On the other hand, veils between him and the source of existential divine effulgence (*fayd-i wujudi* - the first type) did come from the "capacity characterized by Essence" discussed above. It should not be said that just because qualities and their respective capabilities (*qabiliyat*) are from aspects of the mind (see discussion above), that mental existence is proved. For this reason the veil of knowledge must come [into being]. Briefly, this alludes to veils of objective attributes and veils of known qualities. I say that mental existence cannot be a veil between two objective existences, the Creator and the created. However, objective existence is its own veil. If one were to surrender, then by attaining some knowledge, the veils of knowledge could be lifted. On the contrary, it is not possible that the objective world will disappear.

When these preliminaries are known, then one should know that for those of a Muhammadan disposition, their last [stage of] wayfaring is named "wayfaring to God" until the shadow of the quality that is its name. After annihilation in that name, they become honored by annihilation in God. If they remain in that name, remaining in God also becomes easy. With that annihilation and remaining, they enter the first level of a special Muhammadan intimacy with God - may blessings, peace, and salutations be on those who achieve this. For those who are not of a Muhammadan disposition, they arrive at the capacity of the attribute or the attribute itself, which is its lord. If they become annihilated in this name, then they are not able to be annihilated in God. Likewise, if one remains in that name, there is no remaining in God.

The name of Allah means the level at which the totality of all the qualities and attributes exist. From the standpoint of the qualities, most [attributes] are relative (i.e., mental, not objectively existing). The qualities are the origin of Essence and vice versa. Thus, annihilation in one aspect [the discussion has shifted from qualities to aspects but both are beyond attributes] is annihilation in all the aspects and annihilation in the almighty and holy Essence. Likewise, remaining in one aspect is remaining in all the aspects. Therefore, to say annihilation and remaining in God is correct in this case. On the contrary, from the viewpoint of attributes existing beyond existence in the Essence, these attributes are interchangeable with the Essence - may his sovereignty be glorified, a real relationship, not a relative one. So annihilation in one attribute does not imply or require that there will be annihilation in all the attributes. Such is the case with remaining also.

One must not say that this annihilation is annihilation in God or that this remaining is remaining in God or that either is absolute annihilation or remaining. Nor can one qualify a specific attribute, e.g., annihilation in the attribute of knowledge or remaining in that attribute. Thus, the annihilation of those of Muhammadan disposition is more complete and their remaining is more perfect. [In a similar manner], the Muhammadan ascent is superior because it goes to the qualities, which are incommensurate with the material world, a world that is the shadow of the attributes, not the shadow of the qualities. The annihilation of a wayfarer in a quality means that he or she must have achieved an absolute annihilation such that the wayfarer has no trace of existence remaining. Similarly, remaining completely with that quality, one becomes utterly remaining. In contrast, when annihilates in an attribute one never emerges entirely from oneself. Its effect does not go away because the existence of the wayfarer is the effect of that very attribute and its shadow. The appearance of the source does not completely wipe away the existence of the shadow - making the remaining as incomplete as the annihilation. Completely transcended himself, remaining in God the most glorious. In this situation, return is not possible. On the other hand, an appearance of annihilation in the attributes makes return possible because of the remaining effect stemming from the wayfarer's existence.

It is at this point that disagreements occur among shaykhs - may almighty God sanctify their secrets - concerning the possibility of returning or not returning [to human attributes]. The truth is that if a person is a Muhammadan, then he or she is protected from return; otherwise one has a risk [of returning]. There also exists a difference of opinion concerning the disappearance of the effects of existence for wayfarers after their annihilation. Some say they disappear in the Essence with a residual effect of existence in the attributes. Others say that the effect of existence cannot possibly disappear. The truth that for a Muhammadan, the origin and effect are both lost. For others [not of Muhammadan disposition], the effect of existence does not go away because its origin, the attribute, still remains. From the standpoint of the Essence and effect, the disappearance of the shadow [of existence] is totally impossible. Here is a subtle point.

One must know that the disappearance of the origin and effect is a subjective perception (*shuhudi*), not an existential reality (*wujudi*), because to declare existential disappearance (*zawal-i-wujudi*) is paramount to apostasy and heresy. There are some in this group who have imagined existential disappearance, yet deny the possibility that the effect can disappear. They know that [their ideas] are those of apostates and heretics. The truth is what I have confirmed with signs of the most Glorious. It is strange that they have spoken about existential disappearance [of the effect, i.e., creation?] while asserting the existential disappearance of the origin. To decide that the disappearance of the origin is like the disappearance of the effect is impossible, although from a subjective perceptual point of view, it is not only possible, but it can actually occur in special cases for those of a Muhammadan disposition.

When the Muhammadans completely finish with the heart subtle center, and join with the Palpitator of the heart [God], they are completely free (in their perfection) of fluctuations of state and servitude to anything other than God. Others have no escape from the station of the heart because of their attachment to effects and because of the continual fluctuations of states in their lives. This is because the existence of effects and fluctuations of states is from a branch of the illumination of truth in the synthesis of the heart. The perception of others [non-Muhammadans] is always obscured by a veil because to the extent that the remaining part of the wayfarer's existence is established, the goal is veiled to the extent. When the effect [of existence] remains, to that extent the effect is veiled.

A. Inner Meaning

If the wayfarer on the path arrives unexpectedly and without vision on a level above a name that is his master, without reaching this name, he will become annihilated on this level. It is correct to say that [he is experiencing] annihilation in God or that [he is experiencing] remaining on this level. From the standpoint [of Muhammadans], annihilation in God is at the first level [i.e., at the level of Essence, not attributes or other levels].

B. Inner Meaning

There are many kinds of wayfaring: 1) those whose wayfaring precedes being attracted to God, 2) those who have an attraction to God at the beginning of the path, 3) those who experience attraction to God as they proceed along the path, and 4) those who easily traverse the stages along the path but do not experience attraction to God. The beloveds of God (*mahbuban*) have an attraction to God at the beginning of the path, while the other three kinds of wayfaring are for lovers (*muhibban*) of God, whose wayfaring involves the well-known traversing of the ten stations in a careful and diligent fashion. In the wayfaring of God's beloveds, they realize the essence of the ten stations without a great deal of effort.12 They adhere to [the principle] of the unity of existence (*wahdat-i wujud*) from their understanding the essential interpenetrating and interconnectedness [of existence], which is connected to the attraction associated with beginners and intermediates. Pure wayfaring and the attraction of realized wayfarers (*muntahiyan*) has no connection with [experience informed by] these types of knowledge - as has been explained already.

Realized wayfarers' certitude of truth (*haqq-i yaqin*) also has no relationship with [experience informed by] knowledge associated with asserting the unity of existence (*tawhid-i wujudi*). Whenever the certitude of faith is explained in conjunction with a suitable station for those adhering to the unity of existence, that certitude of truth pertains to those intoxicated with God who are either beginners or intermediated.

C. Inner Meaning

Some shaykhs have said that when seeker's efforts have resulted in intoxication with God, the attraction itself will be his or her guide. And that is that. They mean that there is no need for the mediation of another guide, i.e., attraction is sufficient. If they mean an attraction associated with wayfaring in God, then it is enough. But the word "guide" does not make any sense here, because after wayfaring in God, there is no more wayfaring to do, so one does not need a guide to proceed [along the path]. In a similar fashion, [it makes no sense here to] discuss an attraction that is at the beginning of the path (*jizba-yi mutaqaddim*) as the outward meaning [of "attraction"] implies. So they must mean the attraction of intermediates. It is not certain that this kind of attraction is enough [to arrive at the goal] because most intermediates, at the time of realizing this attraction, start ascending and think that their type of attraction is the attraction of realized seekers. If their type of attraction were sufficient, then they would not leave the path while wayfaring. Indeed! Because the attraction associated with beloveds is at the beginning of the path, when it is sufficient, it has the capacity [to take them to the goal]. Beloveds merely pull the ring of divine favor and do not leave the middle of the path. This sufficiency [i.e., not needing a guide], with respect to all types of attraction experienced at the beginning of the path, is forbidden. An attraction that pulls one to the goal is sufficient. If an attracted one does not start wayfaring, then he is worthless and not a beloved of God.

Epilogue

Some shaykhs - may God almighty bless their secrets - have said that the manifestation of the essence is without feeling

☆......☆......☆

Footnote

1...... A sound hadith cited eight timed in the *Collected Letters in* both Bukhari and Muslim.

2...... This is Baha'uddin Naqshband (d. 1389 Bukhara), the founder figure of the Naqshbandiyya.

3...... There is a parallel discussion of this topic in Sirhindi's *Divine Knowledge* (*Ma'arif laduna*).*

4...... The Nur Ahmed edition reads "they call this shaykh a teaching shaykh (*shaykh-i ta'lim*) not a directing shaykh (*shaykh-i tarbiya*) which does not make sense in the subsequent usage of *tarbiya* in the next sentence. See 1.287:60. The translation here (still ambiguous) is from the Muhammad Sadiq Urdu translation, based upon a pre-Nur Ahmed edition of Sirhindi's letters. See Muhammad Sadiq, trans.,*Maktubat-i Imam Rabbani*,1:613."

5...... According to Nur Ahmad, the first kind of divine effulgence is the domain of the leader of the substitutes (*qutb-i abdal*) and the second is the domain of the central guide (*qutb-i irshad*). See 1.287:61, fn. 4 and 5.

6...... The meaning of this is unclear. In Muhammad Sadiq's translation, the word "will" is omitted, making the reading "because the specialty [of power?] is to choose one possibility [out of many]." See Sadiq, 1:615.

7...... Nur Ahmad quotes Sirhindi's Divine Knowledge in 1.287:62 fn 1, explaining that anyone who equates the qualities and attributes thereby also equates the attributes and the Essence, along with the equating the qualities with the objective world. This means denying the attributes and goes against the consensus of those who know the truth (*ahl-i haqq*).

8...... The letter now continues the discussion of the two types of divine effulgence.

9...... Some specific examples are in order here. When the first and second types of divine effulgence manifest through the prophet Moses, there is the capacity of the Essence along with the attribute of speech. With Adam there is also the capacity of the Essence along with the attribute of physical formation (*takwin*). Jesus had the capacity of the Essence along with the attribute of power. These various capabilities (speech, physical formation, and power) are only parts of the comprehensive capacity of God. This latter capacity of the Essence expressed in its comprehensive nature is the domain of Muhammad. See Sharh-i Maktubat, p.430-431.

10......This is largely because the darkness in the shadow of the quality of knowledge is a transitional bridge to the divine capacity. See1.287:63 fn 3.

11...... The principle here is that the attributes are considered to have objective existence (*wujud-i khariji*) and are not a part of the Essence. Thus, the attributes, since they are derived from the Essence, are an obstacle between divine capacity (*qabiliyat-i dhat*) and humans, unlike the qualities, whose divine effulgence is mediated by Muhammad. The divine effulgence that comes from other prophets originates in the attributes (*fayd-i wujudi*). See Sharh-i Maktubat, p.432.

12...... The ten stations are (in order): repentance, etc see Schimmel*

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امامِ ربانی کی تعلیماتِ تصوف

صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن

(مدیر، ماہنامہ فکر ونظر، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

☆

جب کسی چیز کو غیر معمولی شہرت حاصل ہو جائے تو اس کے متعلق اتنی رائیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اتنے افسانے گڑھ لیے جاتے ہیں کہ پھر اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنا بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔

شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

کچھ اسی طرح کا معاملہ تصوف کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ ہر چند کہ ''صوفی'' اور ''تصوف'' کے الفاظ ہر کس وناکس کی زبان پر ہیں مگر اس کی حقیقت سے عوام تو کیا اکثر خواص بھی ناآشنا ہیں۔ دورِ حاضر میں جو لوگ تصوف کی حقیقت سے بے خبر ہیں ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو محض ناواقفیت کی وجہ سے تصوف کا منکر ہے۔ یہ گروہ تصوف کو بدعت اور ایک مہلک ٹیکہ گردانتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف کا مآل وانجام گمراہی وضلالت ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو کہ تصوف کا علمبردار ہے لیکن اس نے بھی تصوف کی حقیقت کو جاننے میں کوتاہی کی۔ ان کے خیال میں تصوف شریعت کے تابع نہیں۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت اور تصوف یا طریقت دو جدا جدا راستے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں یہ نظریہ قدرِ مشترک ہے کہ تصوف شریعت اسلامیہ کے علاوہ خدارسی کا کوئی مستقل بالذات طریقہ ہے۔ موخر الذکر گروہ اکبری وجہانگیری دور میں بہت تقویت حاصل کر چکا تھا، اور اس دور میں اسلامی عقائد کی بیخ کنی میں جہاں اور بہت سے عناصر سرگرم تھے وہاں اس گروہ نے بھی تصوف کے نام

پر مسلمانوں کے ٹھوس عقائد میں کجی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی جس میں انہیں خاص کامیابی حاصل ہوئی ۔ حضرت مجدد نے، جنہیں اصلاحِ امت کی توفیق سے بہرہ مند کیا گیا تھا' جہاں دین کو بدعات سے پاک وصاف کرنے کی مہم کا آغاز فرمایا وہاں تصوف کی حقیقت کو بھی انتہائی شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ غلط نظریات کا دلائل وبراہین کے ساتھ ردّ فرمایا۔ ذیل میں تصوف کی حقیقت کو مکتوبات مجددی کی روشنی میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے :

(۱)

دور جہانگیری میں عقیدہ وحدت الوجود کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اس نظریہ کے حاملین ''وجودی'' کہلاتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ وجود ایک ہے اور وہی خدا ہے۔ وجود سے ان کی مراد کل کائنات ہے مع ان اشیاء کے جو اس میں موجود ہیں' خواہ ان کا علم ہمیں ہو یا نہ ہو' وہ ہم کو نظر آتی ہوں یا نہ آتی ہوں' وہ ہمارے حواس ظاہری اور عقل سے معلوم ومتحقق ہو سکتی ہوں یا نہ ہو سکتی ہوں [1]۔ ابن عربی نے اس نظریہ ہمہ اوست کو علمی اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کیا جس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ گیا۔ درحقیقت یہ منازل سلوک کی واردات ہیں جن کو اگر فلسفیانہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ گتھی سلجھائی نہیں جا سکتی۔ امام ربانی مجدد الف ثانی نے اس نظریے کی سختی سے تردید فرمائی آپ لکھتے ہیں۔

> ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال وصفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء وصفات میں الحاد ہے [2]۔

ایک اور مکتوب گرامی میں آپ مزید تشریح وتوضیح کے ساتھ اس عقیدے کا ذکر فرماتے ہیں :

> وجود ہر خیر وکمال کا مبداء اور عدم ہر نقص وشرارت کا منشاء ہے' جلّ شانہ کے لیے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے۔ تمام خیر وکمال کو عدم کی طرف راجع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ملک وملک میں اس کو شریک بنانا ہے ۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات وافعال کو حق تعالیٰ کے صفات وافعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد وشرک ہے۔[3]

(۲)

تصوف کے حلقوں میں یہ بات بھی عموماً بیان کی جاتی ہے کہ ظاہر اور ہے اور باطن اور ہے اس اصول کی بنیاد پر اپنے آپ کو شرع کی پابندی سے آزاد کر لیا جاتا ہے حضرت امام ربانی اس خیال فاسد کا رد ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

> شریعت ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ معاملہ اس جہان میں باطن سے تعلق رکھتا ہے، ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلّف ہے اور باطن اس معاملے میں گرفتار ہے چونکہ یہ جہان دارِ عمل ہے، باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد ملتی ہے اور باطن کی ترقیات شریعت کے بجالانے پر جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہیں منحصر اور موقوف ہیں پس اس جہان میں ہر وقت ظاہر و باطن کے لیے شریعت کا ہونا ضروری ہے، ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اس کے نتائج و ثمرات باطن کے نصیب ہیں۔ [۴]

(۳)

شروع سے صوفیہ کا ایک گروہ منازل سلوک طے کرنے کے لئے ترکِ دنیا کو ضروری خیال کرتا ہے چنانچہ صوفیہ کے اکثر تذکروں میں ’’ترک دنیا‘‘ کی اصطلاح کا استعمال ہوا ہے حالانکہ اسلام ’’لا رهبانية في الاسلام‘‘ کا درس دیتا ہے اور سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ کا عملی نمونہ بھی سامنے موجود ہے۔ البتہ جلوت کی دوستی کے لیے کچھ عرصہ کے لئے خلوت کا اختیار کرنا درست ہو سکتا ہے اور اس کے لئے حضور سرور عالم ﷺ کی ’’حرا نشینی‘‘ کو بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے مگر مستقل طور پر دنیا والوں سے تعلق منقطع کر لینا اسلام کے مزاج اور فطرت کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔ خداوند کائنات نے امّت مسلمہ کو ’’خیر امّة‘‘ کا لقب اسی لیے عنایت فرمایا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو سرانجام دیتی ہے، جب دنیا سے ہی لاتعلقی کر لی تو دنیا والوں کی اصلاح کا موقع کیسے نصیب ہوگا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حضرت مجدد الف ثانی رقمطراز ہیں:

> آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ویسے ہی خلق کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ غمخواری کرنے سے بھی چارہ نہیں "**التّعظیم لامر اللہ والشّفقۃ علیٰ خلق اللہ**" اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرنا انہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان فرماتا ہے اور دونوں طرف کو مدنظر رکھنے کی ہدایت فرماتا ہے پس ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پر اقتصار کرنا سراسر قصور ہے اور کل کو چھوڑ کر جزو پر کفایت کرنا کمالیت سے دور ہے پس خلق کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی ایذا کو برداشت کرنا ضروری ہے۔ [۵]

(۴)

اکثر لوگ کرامات کو ولایت کا معیار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ روحانی کرشمے دلیل صداقت نہیں اور اس کے لیے ولایت کا ہونا تو درکنار ایمان کا وجود بھی ضروری نہیں۔ دنیا میں بے شمار عامل ایسے ہیں جو نہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور نہ ہی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر محیّر العقول خوارق عادات چیزوں کو ظہور میں لے آتے ہیں حدیث میں روایت ہے کہ دجال بڑے بڑے کرشمے دکھائے گا اور قرآن میں ساحرین فرعون کا ذکر بھی موجود ہے۔ الغرض ولایت کے لیے کرامات کا ظہور ضروری نہیں اور نہ ہی کرامات کا ظہور مقتضیاتِ ولایت میں سے ہے ولایت کے لئے تو استقامت علی الدّین بنیادی شرط ہے۔ کسی مستقیم الاحوال صوفی شاعر نے خوب کہا: ؎

ما برائے استقامت آمدیم
نے برائے کشف و کرامت آمدیم

حضرت امام ربانی کشف وکرامات کے متعلق اپنے ذاتی نظریّہ کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

> نامشروع طریقوں پر جو احوال و کیفیات مترتب ہوں وہ فقیر کے نزدیک استدراج کے قبیل سے ہیں کیونکہ اہلِ استدراج کو بھی احوال و کیفیات ہاتھ آتے ہیں ...... حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی سادھو اس معاملے میں شریک ہیں، احوال و کیفیات کی سچائی اور مقبولیت کی علامت مشتبہ امور سے مکمل پرہیز کے ساتھ ساتھ علوم شرعیہ سے ان احوال کی موافقت اور مطابقت ہے۔ [6]

ایک اور مکتوب گرامی میں جو آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے آپ تحریر فرماتے ہیں :

> اے فرزند جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے، احوال علوم و معارف اور اشارات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر اور زہے قسمت، ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔ [7]

اس ضمن میں ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو جس سے کشف و کرامت کے متعلق مسلک امام ربانی صاف واضح ہو جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

> خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں، جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے لئے مکلّف نہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور پر مکلّف نہیں کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی ہے جو ماسوا کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں دیتے۔ بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں۔ غائبانہ حالات پر اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دے دیتے ہیں یہ تیسری قسم کے لوگ اہلِ استدراج ہیں نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى

شَیْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ o اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ
فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ
حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ . [8]

(۵)

حضرت مجدد الف ثانی ہر حال میں تصوف کو سنت رسول ﷺ کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ولی کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ اس کی زندگی کا ہر عمل رسولِ خدا ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ بعض صوفیہ نے غلبہ سکر و حال کی وجہ سے بعض کلمات ایسے کہہ ڈالے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ حضرت مجدد تلقین فرماتے ہیں کہ صوفی کا ایسا قول جو شرع کے مطابق نہ ہو قطعاً قبول نہ کیا جائے۔ آپ لکھتے ہیں:

> اگر صوفیہ کا کلام احکامِ شرعی کے مطابق نہیں ہے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی حجت اور تقلید کے لائق ہے کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق علمائے اہل سنت و جماعت کے اقوال ہیں پس صوفیہ کا جو کلام ان علماء کے اقوال کے موافق ہے وہ معقول ہے اور جو مخالف ہے وہ مردود ہے، مستقیم الاحوال صوفیہ، احوال واقوال۔ اعمال اور علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے اگر کسی کا حال سکر کے وقت شریعت کے مخالف ہو تو معذور ہے اور اس کا کشف غیر صحیح ہے اس کی تقلید ناجائز اور نادرست ہے اس کی تاویل کرنی چاہیے۔ [9]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے ”کل حقیقة ردته الشریعة فهو زندقة“ [10] فرما کر تصوف میں بدعت کے داخل ہونے کے تمام راستوں کو مسدود کر دیا ہے۔

(۶)

حضرت امام ربانی تصوف میں رائج غیر مشروع ریاضتوں اور مجاہدوں کے سخت خلاف ہیں۔ یہ ریاضتیں اور مجاہدے نفسِ امارہ کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے سے بہتر کوئی تریاق نہیں۔ اسلام طہارت، پاکیزگی اور ستر پوشی کی تعلیم دیتا ہے مگر ہمارے عقیدہ کی پختگی کی یہ حالت ہے کہ

جب کسی مخبوط الحواس کو ننگا اور بے ربط باتوں میں مصروف پاتے ہیں تو اسے ولیِ کامل سمجھ لیتے ہیں، اس سے مرادیں مانگتے ہیں اور اگر کوئی جرأت کر کے منع کرے تو جواب یوں ملتا ہے کہ یہ فقیر کے رموز ہیں جنہیں سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، ایسا فقر جو شرع پیغمبر کے سراسر خلاف ہو اس سے الامان والحفیظ حضرت امام ربانی تحریر فرماتے ہیں :

> جاننا چاہیے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح تر ہے کیونکہ پیر تعلیمِ شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا راہنما بھی برخلاف پیر خرقہ ، کے پس پیر کو تعلیم کے آداب کی زیادہ رعایت کرنی چاہیے۔ پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی طریقہ ہے اور اس طریق میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے احکامِ شرعی کے بجالانے اور سنتِ عالیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے میں ہے کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفسِ امارہ کی خواہشات کو دور کرنا ہے جو کہ اپنے مولیٰ جل شانہ کی دشمنی کے ساتھ قائم ہوا ہے پس نفسانی خواہشات کو دور کرنا احکامِ شرعیہ کے بجالانے سے وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر خواہشاتِ نفسانی سے دور ہوگا پس نفسِ امارہ پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔
>
> وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کیے جائیں معتبر نہیں ہیں کیونکہ جوگی، ہندو، برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور خسارے کے سوا اور کچھ راہنمائی نہیں کرتیں۔ [۱۱]

(۷)

صوفیہ کے ایک مخصوص طبقہ میں سماع (چنگ و مزامیر) کو روح کی غذا سمجھا جاتا رہا ہے اور آج بھی

باہتمام محفل سماع کا انعقاد جاری ہے، مجھے جتنے بھی صوفیہ عظام (خواہ وہ کسی بھی سلسلۂ تصوف سے منسلک تھے) کی زندگیوں کے مطالعہ کا موقع ملا ہے کسی کی تعلیمات میں بھی مروّجہ محفل سماع کا جواز نظر سے نہیں گزرا، خواجہ نظام الدین اولیاء کی ''فوائد الفواد'' ہو یا حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ''کشف المحجوب'' سب اس بات پر شاہد ہیں کہ مروّجہ ''محفل سماع'' ان کے نقطۂ نظر کے مطابق درست نہیں ہے کیونکہ ان کی مقررہ شرائط کی کہیں بھی پابندی نہیں کی جاتی، حضرت امام ربانی سماع کو روح کی غذا نہیں بلکہ فنا خیال کرتے ہیں اور سختی سے اس کی ممانعت فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> جو رقص و سرود آج کل متعارف ہے اور جو مجلس و اجتماع آج کل مشہور و معروف ہیں ان کے مضر محض اور منافیِ شرع ہونے میں کچھ شک نہیں، عروج وہاں بے معنی ہے سماع سے مدد و استعانت مفقود ہے اور اس کی مضرت و نقصان موجود ہے۔ [۱۲]

درج ذیل مکتوب گرامی میں جو آپ کے صاحبزادوں کے نام ہے آپ بالدلائل سماع کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں:۔

> سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہے آیۂ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سرود کے منع ہونے کے لیے نازل ہوئی ہے مجاہد نے جو ابن عباس کا شاگرد ہے اسے سرود کے لئے ہی قرار دیا ہے نیز ابن مسعود اور ابن عباس نے بھی یہی تصریح کی ہے، آیات و احادیث اور فقہی روایات غِنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے، اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایت شاذ کو سرود کے مباح ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کرے تو یہ امر قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ کسی فقیہ نے کسی عہد میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے صرف یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور انہیں ملامت نہ کریں یہاں تو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی،

> ابی حسن نوری کا عمل، اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کر کے سرود و رقص کو اپنا دین بنالیا ہے اور اس کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہیں ہوئے اور ہم تابعداروں کو ایسے امور کی تقلید سے چھڑا دیا ہے۔ ۱۳

(۸)

حضرت امام ربانی نے تصوف کے متعدد طرق میں سے طریقہ نقشبندیہ کو پسند فرمایا ہے اور اس سلسلے سے وابستگی کی تلقین فرمائی ہے طریقہ نقشبندیہ کے ساتھ حضرت مجدد کے لگاؤ کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں بدعات کی قطعاً گنجائش نہیں اور اس سلسلے میں مراتب سلوک کے حصول کا واحد ذریعہ سنت رسول کی متابعت ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

> اور طرق صوفیہ میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال کے با متابعت میں فتور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے اس لیے ان بزرگوں نے سماع و رقص کو جائز نہیں رکھا اور ان احوال کا جو ان پر مرتب ہوں کچھ اعتبار نہیں کرتے بلکہ ذکر جہر سے بھی اُسے بدعت سمجھ کر منع کیا ہے اور جو فوائد اور ثمرات اس پر مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ ۱۴

الغرض حضرت شیخ مجدد کا تصوف قرآن وسنت پر عمل کرنے کا نام ہے وہ اس تصوف کی تعلیم دیتے ہیں جو خلفاء کبار کا تصوف تھا۔ ایسا تصوف جو یونانی فلسفہ کے امتزاج سے پیدا ہوا اور بدعات کا مجموعہ بن کر رہ گیا اور جس کے حاملین کو دیکھ کر ہندو جوگیوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے' حضرت امام ربانی کو اس قسم کے تصوف سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مضمون کا اختتام عبدالماجد دریابادی کی اس عبارت پر کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت مجدد کی تعلیمات تصوف کے متعلق زیب قرطاس فرمائی ہے لکھتے ہیں:۔

> عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال گذرنے پر شیخ احمد سرہندی پیدا

ہوئے جنہوں نے نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسل تصوف میں تجدید واصلاح کا صُور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در ودیوار سے آ رہی ہے۔ شیخ موصوف کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک میں شائع ہو چکے ہیں ان میں شروع سے آخر تک مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں صرف ایک ہی دعوٰی کی تکرار، صرف ایک ہی دعوت کا اعادہ ہے اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد واعمال ہر شے میں کتاب وسنت ہی کو اپنا دلیلِ راہ بنانا چاہیے۔ [۱۵]

☆☆☆

حوالہ جات

۱ ______ حقیقت وحدۃ الوجود، مصنفہ خواجہ عبدالحکیم انصاری، ص۔ ۴۰

۲ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۷۲

۳ ______ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱۱

۴ ______ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴۶

۵ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۷۰

۶ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۶

۷ ______ تذکرہ مجدد الف ثانی، مصنفہ سید زوار حسین شاہ ص۔ ۴۳۰

۸ ______ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۹۶

۹ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۸۹

۱۰ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۳

۱۱ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۲۱

۱۲ ______ مکتوبات، دفتر اول مکتوب، نمبر ۳۸۵

۱۳ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۶

۱۴ ______ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۶۶

۱۵ ______ تصوف اسلام، مرتبہ، مولانا عبدالماجد دریابادی، ص۔ ۷

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عہدِ اکبری کے صوفیہ کی اصلاح میں مکتوباتِ امام ربانی کا کردار

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں...... وہ ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۴ء کو بھارت کے صوبہ پنجاب کے شہر ''سرہند'' میں پیدا ہوئے[۱]..... اصلاحی اور تجدیدی کارنامے انجام دینے کے بعد ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء کو وہیں وصال فرمایا[۲]....... آپ کی تجدیدی اور اصلاحی کوششیں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے مکتوبات شریف علم ودانش کا عظیم خزانہ ہیں۔

حضرت امام ربانی نے اپنی اصلاحی کوششوں کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد سے کیا جو جہانگیر کے عہدِ حکومت میں بارآور ہوئیں...... دربارِ اکبری اور دربارِ جہانگیری کے وزراء اور امراء کے آپ سے قریبی روابط تھے، جہانگیر کے دربار میں جاکر اور جہانگیر کے ساتھ سفر وحضر میں رہ کر بڑے تحمل وتدبّر کے ساتھ اسلام کا پیغام پہنچایا اور تجدید واصلاح کا حق ادا کیا[۳]....... آپ نے احیاءِ سنت، بدعات کے استیصال، اسلامی حکومت کے قیام، سیاسیات میں غیر مسلموں سے عدم تعاون اور اسلامی ہند کی تعمیر نو کے لیے جدوجہد کی اور شریعت، طریقت، سیاست، حکومت، معاشرت اور معیشت کے شعبوں میں گرانقدر کارہائے نمایاں انجام دیے.......

عہدِ اکبری میں دین اسلام کے خلاف جو طوفان اٹھا، دیگر طبقات کے ساتھ ساتھ صوفیہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے...... عوام تو عوام خواص بھی شریعت سے بیگانے ہونے لگے، ایسے میں حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوبات کو صوفیہ کی اصلاح کا ذریعہ بنایا اور اپنے مکتوبات کے ذریعے بے راہ روی کا

شکار بعض صوفیہ کو بروقت تنبیہ فرمائی اور تجدد و اصلاح کا فریضہ انجام دیا، انہیں آشنائے شریعت کیا، بعض صوفیہ طریقت کے حقیقی معنی سے ناواقفیت کی وجہ سے گمراہ ہو رہے تھے .... آپ نے ان کو طریقت کا واقف کار اور اداشناس بنایا ...... بعض صوفیہ میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ شریعت اور طریقت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں، حضرت امام ربانی نے اس فاش غلطی کا ازالہ کیا اور واضح فرمایا کہ شریعت اور طریقت ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں، چنانچہ شیخ محمد یوسف کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ....

> اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت سے اور باطن کو باطن شریعت یعنی حقیقت سے آراستہ پیراستہ رکھیں کیونکہ حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت اور طریقت سے مراد ہیں نہ یہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور، کہ یہ الحاد اور زندقہ ہے[4] ....

ایک اور مکتوب میں سید احمد قادری کو تلقین فرماتے ہیں.......

> شریعت اور طریقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں[5] ....

شریعت اور طریقت کو الگ الگ تصور کرنے کے خیال کو حضرت امام ربانی بدعقیدگی کہتے ہیں اور اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں چنانچہ شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ....

> ایسے بُرے اعتقاد سے اللہ کی پناہ، طریقت اور شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں اور بال بھر ان کے درمیان فرق نہیں ہے۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل اور استدلال اور کشف کا ہے جو کچھ شریعت کے مخالف ہے مردود ہے....... **كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيعَةُ فَهُوَ زَنْدِقَةٌ**" اور جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا وہ زندقہ ہے[6] ....

یہ فکر بھی پروان چڑھنے لگی کہ ظاہر اور ہے اور باطن اور...... اس اصول کی بنیاد پر بعض نام نہاد صوفیہ اپنے آپ کو شریعت کی پابندی سے آزاد کرنا چاہتے تھے۔ یہ فاسد خیال آج بھی کئی خانقاہوں سے پروان چڑھ رہا ہے، امام ربانی، مولانا حمید الدین بنگالی کے نام ایک مکتوب میں اس خیال کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ....

> شریعت ظاہری اعمال کا نام اور یہ معاملہ اس جہان میں باطن سے تعلق رکھتا ہے' ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہے اور باطن اس معاملہ میں گرفتار ہے چونکہ یہ جہان دارِ عمل ہے، باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد ملتی ہے اور باطن کی ترقیات شریعت کے بجالانے پر، جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہے منحصر اور موقوف ہیں پس اس جہان میں ہر وقت ظاہر و باطن کے لیے شریعت کا ہونا ضروری ہے، ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اس کے نتائج و ثمرات باطن کے نصیب ہیں۔ پس شریعت تمام کمالات کی ماں اور تمام مقامات کا اصل ہے[۷] ....

اسلام طہارت، پاکیزگی اور ستر پوشی کی تعلیم دیتا ہے مگر آج گمراہی و بدعقیدگی کا عالم یہ ہو گیا کہ جس کسی مخبوط الحواس کو برہنہ اور بے سروپا باتوں میں مصروف پایا اسے ولی کامل سمجھ لیا، منع کرنے پر لوگ باز نہیں آتے بلکہ بہت بُرا مانتے ہیں۔

حضرت امام ربانی نے اس شیطانی خیال کا رد فرمایا ہے اور پیر کامل کے اوصاف اس طرح بیان فرمائے ہیں ....

> پیر ایسا ہونا چاہیے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف ہوا ہو اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کو انجام تک پہنچایا ہو اور اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہے اور مرادوں کی تربیت سے تربیت یافتہ ہے تو اس کا وجود سرخ گندھک کی طرح ہے۔ اس کا کلام دوا اور اس کی نظر شفاء ہے مردہ دل اس کی توجہ شریف سے زندہ ہوتے ہیں اور مرجھائی ہوئی جانیں اس کے لطیف التفات سے تازہ ہوتی ہیں اور اگر اس قسم کا صاحب دولت نہ ملے تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے وہ بھی ناقصوں کی تربیت کر سکتا ہے اور فنا و بقا کی دولت تک پہنچا سکتا ہے[۸] ....

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں.......

پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف رہنمائی کرے[9] ....

نفس امارہ کی سرگرمیوں کو ختم کرنے اور اس کی خواہشات کی اصلاح کے لیے بعض حضرات نے سخت ریاضتیں اور مجاہدات کیے ہیں....... حضرت امام ربانی، نفسانی خواہشات سے نجات حاصل کرنے کے لیے شریعت وسنت پر عمل کرنے کو بہترین تریاق فرماتے ہیں، چنانچہ سید حسین مانک پوری کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ....

> پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف رہنمائی کرے یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے برخلاف پیر خرقہ کے۔ پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امارہ کی خواہشوں کو دور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولائے جل شانہ کی دشمنی میں قائم ہے پس نفس کی خواہشوں کا دور ہونا احکام شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر ہوائے نفس سے دور تر ہوگا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے، وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں کیونکہ جوگی، ہندو، برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں[10] ....

ایک اور مکتوب میں مولانا بدرالدین کو تحریر فرماتے ہیں ....

> شرع شریف نفس امّارہ کی رسوم کو مٹانے اور اس کی خواہشات کو دور کرنے کے لیے وارد ہوئی ہے گویا ہوائے نفس اور شریعت کی متابعت دو طرفیں ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں پس اس دشواری کا وجود ہوائے نفس کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور جس قدر ہوائے نفس زیادہ ہوگی اسی قدر یہ دشواری زیادہ ہوگی پس جب خواہشِ نفس بالکل دور ہوجائے گی یہ دشواری بھی دور ہوجائے گی ......اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ احوال واعمال اور علوم ومعارف میں ہرگز شریعت سے تجاویز نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ شریعت کا بقیہ خلاف حال کسی خرابی اور نادرستی سے پیدا ہے اگر حال درست وصادق ہوتا تو شریعت حقہ کے مخالف نہ ہوتا[11] ....

کرامات وخوارق کا ظاہر ہونا کسی کی ولایت کی شرط ودلیل نہیں........حدیث پاک میں آیا کہ زمانۂ قربِ قیامت دجال کا ظہور ہوگا جو بڑے بڑے کرشمے دکھائے گا اور قرآن حکیم میں بھی ساحرین فرعون کے کرشموں کا ذکر ملتا ہے معلوم ہوا کہ ولایت کے لیے کرامت ضروری نہیں، مگر بعض لوگ کرامات کو ولایت کا معیار تصور کرنے لگے ......حضرت امام ربانی اس خیال کا رد فرماتے ہیں چنانچہ میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ....

> آپ کو واضح ہو کہ خوارق وکرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے مکلّف نہیں ہیں اسی طرح اولیاء خوارق کے ظہور پر مکلّف نہیں ہیں کیونکہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے جو ماسوائے کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے[12]۔
>
> ......جو دولتِ قرب سے مشرف ہیں اولیاء اللہ ہیں، نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے اور نہ عدم کشف ان کی ولایت کو گھٹاتا ہے[13]......

ایک اور مکتوب میں اپنے پیرزادوں خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کے نام اپنے ذاتی نظریے کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے ....

> وہ احوال ومواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشف وتوحید اور مکاشفہ ومعائنہ ان کو ظاہر ہوجاتے ہیں اس امر میں حکماء یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرمہ اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے[۱۴] ......

حضرت امام ربانی کے نزدیک ایک ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ اس کی زندگی کا ہر قول وفعل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطابق ہو، وہ تصوف کو سنت کے سانچے میں ڈھلا ہونے کے قائل ہیں وہ صوفیہ کے ان اقوال کے قبول کرنے کے بھی قائل نظر نہیں آتے جو شرع کے مطابق نہ ہوں چنانچہ مولانا بدرالدین کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ....

> اگر ان (صوفیہ) کا کلام احکام شریعہ کے مطابق نہیں ہے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی حجت کے لائق ہے کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق علمائے اہل سنت وجماعت کے اقوال ہیں پس صوفیہ کا جو کلام علمائے اہل سنت وجماعت کے اقوال کے موافق ہے وہ قبول ہے اور جو ان کے اقوال کے مخالف ہے وہ مردود اور نامقبول ہے[۱۵] ....

بعض نام نہاد صوفیہ آج بھی شریعت مطہرہ کے خلاف عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کی اندھی تقلید کرنے والے جہلا بھی ان کا ارتکاب کرتے ہیں، حضرت امام ربانی نہ صرف نام نہاد بلکہ حقیقی صوفیہ کرام سے بھی حالت سکر میں خلافِ شریعت ہونے والے کام کو غیر صحیح اور اس کی تقلید کو ناجائز فرماتے ہیں، چنانچہ مولانا بدرالدین کے نام ایک تفصیلی مکتوب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں.......

> حاصل کلام یہ کہ اگر صوفی غلبہ حال یا سکر وقت میں اپنے کشف سے کوئی ایسا کام کرے جو شریعت کے مخالف ہو تو وہ معذور ہے اور اس کا کشف غیر صحیح ہے اور اس کی تقلید ناجائز اور نادرست ہے[16] ......

ایک طبقے میں سماع (مع مزامیر) کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ درست نہیں...... حضرت امام ربانی نے اس خیال کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے سلسلہ چشتیہ کے معروف بزرگ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی' چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن امام ربانی کے حجام نے عرض کیا کہ میں عرس فریدی میں شرکت کے لیے پاکپتن شریف جا رہا ہوں...... آپ نے اسے ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ مسجد اولیاء پاک پتن شریف کے اندر اس حلیہ کا ایک شخص ہو گا تم انہیں میرا اسلام کہنا اور یہ رقعہ پیش کرنا اور وہ جو جواب ارشاد فرمائیں وہ مجھے پہنچا دینا..... حجام عرس شریف میں حاضر ہوا اور پھر مسجد اولیاء میں حسب ہدایت بتائے گئے حلیہ کے شخص کو تلاش کر کے امام ربانی کا رقعہ پیش کیا۔ انہوں نے ملاحظہ فرما کر اپنی طرف سے جواب تحریر کر کے حجام کو عنایت کیا، جب حجام واپس سرہند شریف پہنچا تو جواب امام ربانی کو پیش کر دیا...... امام ربانی نے جب یہ جواب پڑھا تو زار و قطار آنسو بہنے لگے، خوب روئے پھر تھوڑی ہی دیر بعد آپ مسکرانے لگے، حجام کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے ذریعے بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں وہ رقعہ بھیجا تھا اور تم مسجد اولیاء میں جس ہستی سے ملے تھے وہ خود بابا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ تھے' میں نے انہیں لکھا تھا کہ آپ خود سنّت و شریعت کی پابندی میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے تو آپ اپنے مزار مقدسہ پر لوگوں کو غیر شرعی رسومات سے کیوں نہیں روکتے۔! اس پر حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ میں عالم برزخ میں ہوں اور اب تبلیغ دین کا فریضہ میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ یہ اب آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ بلا لومۃ لائم سرانجام دیں' تو میں اس لیے رویا کہ مجھ سے اپنا فریضہ کماحقہ سرانجام نہ ہو سکا[17] ......

اس واقعہ کے بعد امام ربانی نے اعراس بزرگان دین پر ہونے والی غیر شرعی رسومات اور خاص کر رقص و سرود کی محافل کے حوالے سے اصلاحی کوششیں تیز کر دیں، آپ نے اعلان فرمایا کہ......

> جو رقص و سرود آج کل متعارف ہے اور جو مجلس و اجتماع آج کل (اعراس

> میں) مشہور و معروف ہیں ان کے مضر محض اور منافیٔ شرع ہونے میں کچھ شک نہیں، عروج وہاں بے معنیٰ ہے سماع سے مدد اور استعانت مفقود ہے اور اس کی مضرت و نقصان موجود ہے[۱۸] ......

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ........

> سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہے ------ جو شخص منسوخ حدیث یا روایت شاذ کو سرود کے مباح ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کرے تو یہ امر قابل اعتبار نہیں کیونکہ کسی فقیہہ نے کسی عہد میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی رقص و پا کوبی کو جائز قرار دیا ہے اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے صرف یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور انہیں ملامت نہ کریں یہاں تو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی، ابی حسن نوری کا عمل، اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کرکے سرود و رقص کو اپنا دین بنا لیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے![۱۹]۔

پیش کردہ حقائق سے حضرت امام ربانی کی اپنے مکتوبات شریف کے ذریعے عہد اکبری اور پھر عہدِ جہانگیری کے صوفیہ کی اصلاح کے لیے کی گئی سعیٔ بلیغ بخوبی عیاں ہے.......آپ نے شریعت اور طریقت کے رشتے کو مستحکم کیا کہ خام خیال صوفیہ کے سبب یہ رشتہ ٹوٹ رہا تھا' آپ نے اپنے مکتوبات اور مکالمات میں باطل نظریاتِ تصوف (جن کا اسلامی تصوف سے دور کا بھی تعلق نہ تھا) کی مخالفت اور اصلاح کا اہم کارنامہ سرانجام دیا اور اس طرح عہد اکبری کے ایک بڑے فتنے کی سرکوبی فرمائی.......

صوفیہ کے لیے آپ کے ارشادات نہ صرف آپ کے عہد مبارک بلکہ ہر زمانے و عہد کے صوفیہ کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں......حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوبات شریف میں ہر عہد کے آنے والوں کو نہایت دردمندانہ پیغام دیتے ہوئے اس طرح تلقین فرمائی ہے.........

> اس طرح زندگی گذاریں کہ اس وراثت کے حق دار ہو جائیں، اپنے ظاہر

کو ظاہر شریعت سے اور باطن کو باطن شریعت سے جو حقیقت سے عبارت ہے آراستہ و پیراستہ کریں کیونکہ حقیقت طریقت، حقیقت شریعت سے عبارت ہے اور راہ شریعت پر چلنا ہی حقیقت ہے[۲۰]۔

☆......☆......☆

حواشی:

[۱]......خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات (مترجم، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) مطبوعہ سیالکوٹ ۱۴۰۷ھ ص۔۱۹۰

[۲]......ایضاً، ص۔۳۹۳

[۳]......ر، ک، مجدد الف ثانی حالات، افکار و خدمات از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

[۴]......مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی (مترجم مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی) مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء، جلد اول، مکتوب نمبر ۵۷،

[۵]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۸۴

[۶]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۴۳، ص۔۱۸۷

[۷]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۴۶

[۸]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۹۲، ص۔۶۷۳

[۹]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۲۱، ص۔۴۲۵

[۱۰]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۲۱، ص۔۴۲۵

[۱۱]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۸۹، ص۔۶۵۱

[۱۲]......ایضاً، جلد دوم، مکتوب نمبر ۹۲، ص۔۲۴۳

[۱۳]......ایضاً، جلد دوم، مکتوب نمبر ۹۲، ص۔۲۴۳

[۱۴]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶، ص۔۵۶۱

[۱۵]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۸۹، ص۔۶۵۱

[۱۶]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۸۹، ص۔۶۵۱

[۱۷]......صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی، حضرت مجدد الف ثانی کی دینی و ملی خدمات، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء، ص۔۵۳

[۱۸]......مکتوبات امام ربانی، جلد اول۔ مکتوب نمبر ۲۸۵

[۱۹]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶، ص۔۵۶۱

[۲۰]......ایضاً، جلد اول، مکتوب نمبر ۵۷

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی، تزکیۂ نفس اور اخلاص

پروفیسر عبدالباری صدیقی فرنگی محلی

☆☆

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

تزکیۂ نفس:

ضابطۂ شریعت کے چوتھے رکن تزکیۂ نفس کو استحسانی رکن کہتے ہیں۔ ”تزکیۂ نفس“ یا تصفیۂ نفس کہتے ہیں نفسِ امّارہ کو برائیوں بے جا خواہشوں یا روحانی بیماریوں سے پاک و صاف کرنے کو۔ اور یہی سیر و سلوک کا مقصود ہے۔ حضرت امام ربانی میاں حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

> سیر و سلوک کا مقصد یہی ہے کہ نفس امّارہ برائیوں سے اور عیبوں سے پاک ہو جائے تا کہ انسان کو جھوٹے معبودوں کی پرستش سے نجات مل جائے اور معبودِ برحق کے سوا کوئی اور ہستی اس کی توجہ کا مرکز نہ رہے[1]۔

قلب:

اس نفسِ امارہ کی آماجگاہ قلب ہے۔ اس لیے روحانی بیماریوں کا منبع بھی قلب ہی ہوا۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ قلب دو مساوی حصوں میں منقسم ہے پہلے نصف کا تعلق عالمِ خلق سے دوسرے کا عالم امر سے ہے اس طرح قلب روحانی و مادی دونوں قوتوں کا سرچشمہ ہوا خلق سے تعلق رکھنے والے اس قلب کا نصف ہوا و ہوس کی قوتوں کا مرکز ہے خواہشات نفسانی

کے مرکز اس چوتھائی قلب کو ہی ہم دل یا قلب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قلب ''عالمِ خلق'' اور ''عالمِ امر'' کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت امام ربانی قلب کے نفسانی مرکز کی یوں تعریف فرماتے ہیں:

> پس ربعِ قلب عبارت از مقامِ ہوا باشد کہ قلب متضمن آنست[2]۔
>
> یعنی۔ پس چوتھائی قلب ہواؤ ہوس کی آماجگاہ ہے اور اسی کو قلب کے نام سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔

نفسِ امّارہ:

یہ نفس امارہ ہماری ساری مصیبتوں اور بیماریوں کی جڑ ہے یہ ہمارا سب سے قریبی مصاحب مگر بہت ہی برا مصاحب اور جانی دشمن ہے اس کی سب سے بڑی تمنا اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کی سب سے بڑی آرزو شیطان کی اطاعت ہے[3]۔ حضرت شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

> نفس امارہ چاہتا ہے کہ سائر خلائق اس کی محتاج رہے اور اوامر ونواہی اسی کے اشارے پر سرزد ہوں وہ کسی کا محتاج نہیں بننا چاہتا اسی کو دعوٰی الوہیت اور خدائے بے ہمتا جل سلطانہ کی قدرت میں شرکت کہتے ہیں مگر یہ منحوس صرف اسی پر راضی نہیں اس کی مرضی تو یہ ہے کہ وہ حاکم مطلق بلا شرکت غیرے بن جائے اور سب اسی کے اشارے پر ناچتے رہیں اسی لیے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ **عاد نفسک فانھا انتصبت بمعاداتی**، اپنے نفس کو اپنا دشمن سمجھو کیونکہ اس کی دوستی میری دشمنی پر ورغلاتی ہے[4]۔

امراضِ قلبی:

ہوائے نفسانی، زن، زر، زمین سے لگاؤ، اموال واولاد سے محبت، جاہ وریاست اور نام ونمود کی طلب قلبی وروحانی بیماریوں کے مختلف روپ ہیں یہ سب کچھ ہم اپنے نفس امارہ کی خاطر چاہتے ہیں اس لیے ہمارا معبود خود ہمارا نفس ہوا جس کی غلامی سے نجات پر اُخروی نجات وفلاح منحصر ہے۔ حضرت امام ربانی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> پس فی الحقیقت معبود او نفسِ اوست، تا زمانے از گرفتاری او اخلاص نشود، امید نجات بسے مستبعد است[۵]۔

> یعنی پس حقیقتاً اس کا معبود اسی کا نفس ہے جب تک اس کی قید سے رہائی نہیں ملتی، نجات کی امید رکھنا انتہائی دور کی بات ہے۔

اسی لیے صاحب عرفان عالموں اور بابصیرت مفکروں اور دانشوروں پر فرض ہے کہ وہ قلبی و روحانی امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔

> پس بر علمائے اولوا الالباب وحکمائے ذوی الابصار فکر ازالۂ ایں مرض لازم است، در خانہ اگر کسے است، یک حرف بس است[٦]۔

> یعنی علمائے اولوا الالباب وحکمائے ذوی الابصار پر اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فرض عائد ہوتا ہے اگر گھر میں ذرا سی بھی گنجایش موجود ہے تو بس یہی ایک حرف کافی ہے۔

ازالہء امراضِ قلبی کی ضرورت:

ان امراض قلبی اور باطنی آفات سے نجات اس لیے ضروری ہے کہ ان کی وجہ سے ہمارا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ:

> جس طرح اعضائے جسمانی کے ضعف سے احکامِ شریعت کی بجا آوری میں تامل وتکلف محسوس ہوتا ہے بالکل اسی طرح ضعفِ ایمانی سے بھی ان کی تعمیل میں تامل وتکلف پیدا ہو جاتا ہے[۷]۔

آپ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ نفس امارہ کی غلامی اور امراض قلبی میں گھرے ہونے کی وجہ سے تلاوت قرآنی سے بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ آپ حکیم عبدالقادر کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

> تا زمانے کہ در مرض قلبی مبتلا است ''**فی قلوبھم مرض**'' ہیچ عبادتے وطاعتے او را نافع نیست بلکہ مضر است حدیث معروف است، **رب صائم لیس لہ من صیامہ الا الجوع والظلمأ خبر صحیح**[۸]۔

یعنی جب تک مرض قلبی میں مبتلا رہو گے قرآن شریف کی نص کے مطابق جن کے دل بیمار ہیں ان

کے لیے کوئی عبادت واطاعت مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔

یہ مشہور حدیث ''خبر صحیح'' ہے کہ اکثر روزے دار کو اس کے روزے سے بھوک پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملتا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> جس طرح صفراوی امراض کی وجہ سے قندونبات کی مٹھاس محسوس نہیں ہوتی بالکل اسی طرح امراضِ قلبی کی وجہ سے ایمان کی خوشبو کا احساس باقی نہیں رہتا کیونکہ ہمارا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اس لیے ان سے نفس کی صفائی و پاکیزگی ضروری ہے۔ اور جسے تزکیۂ نفس کی سعادت مل گئی اسے فلاحِ دارین نصیب ہوگئی۔
>
> **قد افلح من زکٰها و تدخاب من دسٰها**، اسی کو فلاح ملی جس کا نفس پاکیزہ ہوگیا اور محرومی اس کا مقدر بن گئی جس نے اسے اپنے من میں چھپالیا[9]۔

اسی تزکیۂ نفس کے بعد قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی دوستی وقربت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت ایمان کی سعادت ایمان ووجدان کی دولت عظمیٰ ملتی ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ:

> پس بعد از تزکیۂ نفس واطمینان آں حقیقت ایمان صورت دارد ووجدان می گردد وایں قسم ایمان از زوال محفوظ است۔ آیت کریمہ **الاان اولیآء اللہ لاخوف علیهم ولاهم یحزنون**، در شان ایشاں صادق است[10]۔

یعنی پس تزکیۂ نفس اور روحانی اطمینان کے بعد ایمان کی حقیقت اپنی صورت اختیار کرتی ہے اور ایمان وجدان میں تبدیل ہو کر زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی لیے آیت کریمہ میں اولیاء اللہ کو بشارت دی گئی ہے کہ ہاں! یہی تو اللہ تعالیٰ کے اولیاء، اس کے محبوب و برگزیدہ بندے ہیں جو خوف و دہشت اور حُزن وملال سے بالاتر ہو کر رضائے الٰہی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

طبعی وفطری خواہشات: (INSTINCTS)

تقاضائے بشریت کو دبانے یا کچلنے کو تزکیۂ نفس نہیں کہتے۔ اس کے برخلاف جو خواہشات منشائے

طبیعت کے عین مطابق ہیں انہیں پورا کرنا عین منشائے الٰہی ہے مثلاً بھوک لگے تو کھانا کھانا، پیاس لگے تو پانی پینا، طہارت کی غرض سے یا شدید گرمی میں غسل کرنا اور جاڑوں میں سردی سے بچنے کیلیے موٹے ملبوسات پہننا، یہ سب فطری ضروریات میں شامل ہیں۔ آنحضرت ﷺ خود شیرینی پسند فرماتے تھے۔ پس فطری خواہشات کی تکمیل عبادت وعبودیت کے منافی نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ:

(۱)...... نفسِ امارہ کی خواہشات طبعی ضروریات کے زمرے میں نہیں آتیں نفس امارہ کی خواہشات مباحات فضولیہ ہیں یا مشتبہات یا حرام اشیاء کی طلب پس ان تینوں قسموں کی خواہشات کو دل سے نکال دینا چاہیے[11]۔

(۲)...... نفس امارہ کی ایما پر جو فساد پیدا ہوتا ہے اسے مرض ذاتی کہتے ہیں یہی مرض ذاتی سمِ قاتل ہے اور منافی عبودیت۔ پس اس سے پوری طرح اجتناب برتنا چاہیے[12]۔

مخالفتِ نفس ضروری ہے:

تزکیۂ نفس کا مقصود یہ نہیں کہ نفسِ امارہ یکسر اپنی خصوصیات سے اس حد تک محروم ہوکر رہ جائے کہ پھر اس میں مخالفت یا مقابلے کی سکت ہی باقی نہ رہے اس کے برخلاف روحانی و باطنی ترقی اسی مخالفت نفس پر مبنی ہے اسی بناء پر مخالفت نفس کو جہاد اکبر کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ جہاد سے فارغ ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر** یعنی اب ہم جہاد اصغر (جہاد بالسیف) سے جہاد اکبر (جہاد نفس) کی طرف رجوع ہو رہے ہیں[13]۔

نفسِ مطمئنہ:

نفس امارہ کی مخالفت کے باوجود سنت نبویہ کے مطابق احکامِ شریعت کی تعمیل کرتے کرتے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہی نفسِ امارہ نفس مطمئنہ میں تبدیل ہوکر روحانی ترقیوں کا اہل بن جاتا ہے۔ پھر مومن کی نماز صورت نماز نہیں رہتی بلکہ حقیقت نماز بن جاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسے اتباع رسالت کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے[14]۔

سلامتی قلب (سیاستِ قلب):

نفس امارہ ''سیاستِ قلب'' کی بدولت نفس مطمئنہ کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ

دیگر معبودوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے نفسانی سرگرمیوں سے پیچھا چھڑانے کا نام سیاستِ قلب ہے اور اسی کو ''سلامتیِ قلب'' بھی کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

> وعلامت سلامتی از گرفتاری ''نسیان ماسوائے اوست'' (تعالیٰ و تقدس) وتاسرِ مواز غیر آ گاہ است از سلامتی گمراہ است۔ **فطوبیٰ لمن سلّم** لِربه[15]۔

یعنی نفس امارہ کی غلامی سے رہائی یا سلامتی قلب کی علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کے ماسوا ہر شے کو یکسر فراموش کر دیا جائے اور جب تک بال برابر غیر حق کا احساس باقی رہے راہ سلامتی سے گمراہ ہو کر اِدھر اُدھر بھٹکتا ہی رہے گا پس فلاح ونجات کی خوشخبری صرف اسی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے قلب کو اپنے رب کے لیے مخصوص کر کے ''سلامتی'' کی نعمت و برکت حاصل کر لی۔

فقرِ محمدی:

نفسانی خواہشات سے بے نیاز ہو جانے کو فقر محمدی کہتے ہیں حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> وفقر فقر محمدی گشت علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتسلیمات زیرا کہ درفقر نامرادی نفس است وحصول عجز آں مقصود از بعثت انبیاء علیہم الصلواۃ والتسلیمات[16]۔
>
> یعنی اور اسی فقر کو فقرِ محمدی علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتسلیمات کہتے ہیں کیونکہ ''فقر'' نامرادیِ نفس کا دوسرا نام ہے اور نفسِ امارہ کی عاجزی و بے بسی بعثت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقصود ہے۔

اسی طرح کمال اتباع نبوت اور تعمیل احکام شریعت سے ''فقر محمدی'' کی دولت مل جاتی ہے اور نفس امارہ نفسِ مطمئنہ کی ہیئت اختیار کر کے ہوائے نفسانی سے پاک وصاف ہو کر فلاح سرمدی کی نعمتوں سے مومن کو مالا مال کر دیتا ہے۔

محبت ذاتی:

پھر یہی نفسِ مطمئنہ فقرِ محمدی کی برکتوں سے ''محبت ذاتی'' کی تجلیات کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ دل

نفسانی مرادات سے پاک ہو جائے تو پھر حق تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں سما جاتی ہے۔ اسی کو محبت ذاتی کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

> محبت ذاتی اللہ سے اللہ ہی کے لیے کرنے کو کہتے ہیں یا اللہ سے اللہ ہی کی طلب کا نام محبت ذاتی ہے۔

گویا تنعمات دنیوی سے بے نیاز ہو کر رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام محبت ذاتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کونسا عیش ہو سکتا ہے کہ بندے کے کردار سے اس کا مولا راضی ہو جائے اور اس سے سنگین کونسی جفا ہے کہ اس کے اعمال سے اس کا خدا ناراض رہے۔ اسی لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> **رضاء اللہ تعالٰی فی الجنة خیر من الجنة وسخط اللہ تعالٰی فی النار شر من النار[17]۔**
>
> یعنی جنت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی جنت سے بہتر ہے اور جہنم میں اللہ تعالیٰ کا خشم وعتاب جہنم سے بدتر ہے۔

اس لیے اس محبت کی ذاتی نعمتوں سے اور برکتوں سے مالا مال ہونے کے بعد مومن کے دل سے جو آواز نکلتی ہے تو بس یہی کہ:

> خدایا! جو تیری مرضی وہی میری مرضی، اور جو تیری مراد وہی میری مراد میں تو وہی چاہتا ہوں جو تو چاہتا ہے[18]۔

فنائے مطلق:

گویا محبت ذاتی کی نعمتیں اور برکتیں اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دینے سے میسر ہوتی ہیں۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس منزل پر فائز ہونے کے بعد مومن کی نظر میں دنیوی کلفتیں اور راحتیں دونوں یکساں ہو جاتی ہیں۔ ''ہر چہ از دوست می آید نیکوست'' جو بھی دوست عطا فرما دے سر آنکھوں پر، وہی نعمت غیرِ مترقبہ ہے اس عالم میں وہ اپنے رب کی عبادت اپنے نفس کے لیے نہیں کرتا۔ کیونکہ نعمت وکلفت دونوں کیفیتیں اس کی نظر میں ایک جیسی ہو جاتی ہیں[19]۔

اسی کیفیت اور اسی عالم کو فنائے مطلق کہتے ہیں اور یہ محبت ذاتی کا ثمرہ ہے۔ حضرت امام ربانی

قدس اللہ سرہ حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

> فنائے مطلق محبت ذاتی کا ثمرہ ہے اس مقام پر محبت و راحت میں کسی کا احساس باقی نہیں رہتا۔ دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر فائز برگزیدہ ہستیاں جنت کو جنت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے چاہتی ہیں کہ جنت رضائے الٰہی کا نام ہے[۲۰]۔

اخلاص:

تزکیہ نفس، محبت ذاتی اور فنائے مطلق کی نعمتوں سے فیضیاب ہوتے ہی مرد مومن اخلاص کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> اس مرتبے (فنائے مطلق) پر فائز ہونے کے بعد بندہ اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے[۲۱]۔

اسی حقیقت کی وضاحت میاں محمد لاہوری سے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> جوں ہی یہ مقام (فنائے مطلق) حاصل ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مقصود بن جاتا ہے تو بندے پر اخلاص کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کلمۂ توحید کی صحیح حقیقت منکشف ہو کر لا الٰہ الا اللہ کا حقیقی مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔

اخلاص کی کیفیت تامل و تکلیف سے مبرا ہوتی ہے اخلاص کامل آفاقی (ظاہری) اور انفسی (باطنی) معبودوں کو ٹھکرا کر خود کو رضائے خداوندی کے سانچے میں ڈھالنے سے حاصل ہوتا ہے اس اخلاص کی دولتِ عظمیٰ ہی سے ولایتِ خاصہ کا مرتبہ مل جاتا ہے۔ لیکن جس اخلاص سے تامل و تکلف مکرر یا اور نمود و نمائش کا مظاہرہ ہو وہ عارضی اخلاص ہے۔ اخلاص کامل یا دائمی اخلاص کی دولت تو محبت ذاتی ہے جو فنائے مطلق کی منزلوں سے گزرنے کے بعد ملتی ہے۔ حضرت امام ربانی سید محمود کو تحریر فرماتے ہیں کہ اخلاص کامل کی دولت مرتبہ ''حق الیقین'' پر فائز ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> اخلاصے کہ بہ تحمل و تکلف محتاج است، دوام نمی پزیرد و بے تکلف بودن در حصول دوام درکار است کہ در مرتبۂ حق الیقین است۔ پس اولیاء اللہ

> ہر چہ می کنند برائے حق می کند جل وعلانہ برائے نفسِ خود۔ چہ نفسِ ایشاں فدائے حق شدہ است[۲۲]۔
>
> یعنی اس اخلاص کو دوام نہیں جو حیلہ وتکلف کا محتاج ہو۔ حصولِ دوام کے لیے اخلاص کا تکلف اور تحمل سے پاک ہونا ضروری ہے اور یہ نعمت مرتبہ حق الیقین پر فائز ہونے سے ملتی ہے پس اولیاء اللہ کی ہر حرکت اور ہر فعل فقط حق جل وعلا کے لیے وقف ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ اُن کا نفس تو حق پر فدا ہو کر اپنی ہستی فنا کر دیتا ہے۔

اسی مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اخلاص کامل نیت کا بھی محتاج نہیں کیونکہ نفس کی غلامی کا طوق اتارنے کے بعد مردِ مومن صرف اور صرف حق تعالیٰ کا ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا سے اٹھاتا ہے ایسے عالم میں نیت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> چوں ایں گرفتاری نفس زائل می شود، وگرفتاری حق جل وعلا بجائے نشینہ ناچار ہر چہ کند برائے حق کند۔ نیت دست دہد یانہ[۲۳]۔
>
> یعنی۔ جوں ہی نفس کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے اور اس کی جگہ حق جل وعلا کی غلامی نصیب ہو جاتی ہے تو پھر لازماً بندۂ مومن جو بھی کرتا ہے، حق تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے، نیت اختیار کرے یا نہ کرے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

غالباً حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات سے متاثر ہو کر حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود
مرضیِ او مرضیِ حق می شود!
ماہ از انگشتِ او شق می شود!

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ذاتِ حق در ذاتِ صوفی گم شود
ایں سخن کے باورِ مردم شود

اولیائے مقربین:

اخلاص کی دولت عظمیٰ جسے مل گئی وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہو گیا۔ اسی لیے ایسی بزرگ ہستیوں کو اولیائے مقربین کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

> اولیائے مقربین کی توجہ کا مرکز فقط معبودِ حقیقی کی ذات ہی ہوتی ہے وہ دینی و دنیوی مقاصد میں سے کسی کو اپنا معبود نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی اور شے اس کی مقصود نہیں ہوتی [۲۴]۔

ابرار کا مرتبہ:

ابرار کا مرتبہ اولیائے مقربین سے کمتر ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ابرار کا مرتبہ اولیائے مقربین سے کم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ محبت ذاتی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی طمع کی بنا پر کرتے ہیں [۲۵]۔

تزکیہ نفس اور اخلاص کے ذرائع:

تزکیۂ نفس اور اخلاص کی دولت ضابطۂ شریعت کی اتباعِ کامل سے ملتی ہے اعمالِ صالحہ اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے بعد جو بھی وقت بچے اسے ذکرِ الٰہی کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> پس لازم ہے کہ اہلسنت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے بعد ذکرِ الٰہی سے اپنے باطن کو منور رکھیں کہ فلاحِ اُخروی کثرتِ ذکر پر موقوف ہے۔ ارشادِ ایزدی ہے کہ

> **واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون** ، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو کہ اس کی بدولت تمہیں فلاح مل جائے گی۔ پس جو بھی تمہیں اس ذکر سے باز رکھے اسے اپنا دشمن جانو! نجات کی یہی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی لیے فرماتا ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ، یہ سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے[۲۶]۔

ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ انتہائی الحاح وزاری اور عجز و نیاز سے توبہ واستغفار اور اظہارِ ندامت سے بھی اخلاص کی دولت حاصل ہونے میں مدد ملتی ہے۔

احتسابِ نفس:

احتسابِ نفس سے مراد یہ ہے کہ بندہ رات کو سونے سے پہلے اپنے خیالات، اقوال، افعال بلکہ تمام حرکات وسکنات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی کوتاہیوں پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر توبہ واستغفار کے ساتھ معافی کا طلبگار ہو۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> فقیر کی رائے میں سونے سے قبل سو مرتبہ تسبیح تحمید وتکبیر (سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر) وردِ زبان رکھنا محاسبہ کا مناسب ترین طریقہ ہے اور یہی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ کلمہ تسبیح توبہ کی کلید ہے اس کے ورد سے بندہ اپنی کوتاہیوں پر معافی طلب کرتا اور بارگاہِ ایزدی کو ان تمام باتوں سے پاک قرار دیتا ہے جن کی بناء پر اس نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے[۲۷]۔

اسی مکتوب کے مطابق صاحب فتوحات مکیہ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

> میں اپنے ہم عصر مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے مقابلے میں انتہائی اہتمام سے بڑے شدومد سے اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں حتی کہ میں نے اپنے قلبی خطرات اور نیات کا بھی محاسبہ کیا ہے۔

بلاشبہ خطرات ونیات کا محاسبہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ پھر اسی مکتوب کے آخر میں حضرت امام ربانی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(۱)......استغفار میں گناہوں کی ستر پوشی کی طلب پائی جاتی ہے اور کلمۂ تنزیہ سبحان اللہ کے ذریعہ بندہ اپنے گناہوں کے دُھل جانے کی طلب کرتا ہے۔

(۲)......الحمد للہ کی تکرار سے بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اظہار شکر کرتا ہے۔

(۳)......اللہ اکبر کے ورد سے بندہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اس قدر بلند ہے کہ اس کے شایان شان نہ تو اظہار معذرت کرسکتا ہے اور نہ ہی اظہار شکر۔ یہ آیہ کریمہ اسی بات کو واضح کرتی ہے کہ **سبحان ربک رب العزۃ عمایصفون**۔ آپ کا رب، صاحب عزت رب ہر چیز سے حتی کہ اپنے بندے کی توصیف سے بھی بالاتر اور بے نیاز ہے۔

فلسفۂ خودی:

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے (اقبال)

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ نفس (خود) غلامی ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس لیے اپنے نفس کی غلامی سے نجات کا مطلب یہ ہے کہ غیر حق یا ماسوائے حق کی غلامی سے نجات مل گئی۔ اپنے نفس کی غلامی ہی کو خود پرستی کہتے ہیں اور بت پرستی بھی خود پرستی کا ایک روپ ہے۔ یہ ہمارا نفس ہی ہے جو سنگی ٹکڑوں کو تراش خراش کر بتوں کو گھڑ لیتا ہے۔ اسلیے نفس پرستی خود پرستی حتی کہ نفس کے ایماء پر ہر قسم کے مادی تصوراتی بتوں کی پرستش سے بے نیاز ہو کر تزکیۂ نفس، محبت ذاتی، فنائے مطلق اور اخلاص کی دولت عظمیٰ مل سکتی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ میاں مزمل کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ہر بلائے کہ ہست از گرفتاری خودست۔ چوں از خود نفس خلاص شد از گرفتاری مادون او سبحانہ، خلاص شد۔ اگر بُت می پرستد فی الحقیقت خود رامی پرستد کہ **افرایت من التخذ الھہ ھواہ**[۲۸]۔

> یعنی خود اپنے نفس کی غلامی ہی ساری بلاؤں کی جڑ ہے جوں ہی خود اپنے نفس کی غلامی سے نجات مل گئی اسی لمحے ''ماسوائے حق'' سبحانہ کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے۔ اگر بتوں کی پرستش کرتا ہے تو پھر دراصل خود اپنے نفس کی پرستش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ** ۔ آیا آپ نے اس شخص کی کیفیت کا مشاہدہ نہیں فرمایا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے یعنی بندۂ ہوا و ہوس بن گیا ہے۔

خودگزاشتی یا خود باختگی:

اس لیے فلاحِ سرمدی حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کا ساتھ چھوڑنا، اپنے نفس کی بندگی اور پیروی سے منھ موڑنا ضروری ہے۔ اپنے نفس کی حمایت ترک کرنے اور اس کی بندگی سے اظہار بریت و بیزاری کے بعد ہی بندہ اپنے نفس، اپنی انا کے خول سے باہر آ جاتا ہے۔ اسی کو خودگزاشتی یا خود باختگی کہتے ہیں اور یہی حقیقی مسرت و شادمانی کا سرچشمہ ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

> ازخودگزاشتی ہمہ عیش است وخوشی۔ **دع نفسک وتعال**[29]۔
>
> یعنی خودگزاشتی، خود باختگی اپنی انا کے خول سے باہر نکلنے سے ہی حقیقی عیش اور حقیقی خوشی مل سکتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ **دع نفسک وتعال** اپنے نفس سے منھ موڑ کر ہمارے قریب آ جاؤ یعنی قربت ایزدی کی برکتوں سے فیضیاب ہو جاؤ۔

خودشناسی، معرفت باطنی:

جس طرح خودگزاشتی قربت الٰہی کے لیے ضروری ہے اسی طرح خودشناسی بھی لازمی ولابدی ہے اپنے باطن کو ٹٹولنے' اپنے اندر جھانکنے اور خود اپنی معرفت حاصل کرنے سے قربتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''درخود رفتن'' یا اپنے باطن کی سیر کرتے ہوئے اس کی گہرائیوں تک پہنچنے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو خود ہمارے باطن میں چھپا ہوا ہے پھر ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت کیا ہے؟ اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہم چنانکہ از خود گزاشتن فرض است، در خود رفتن ہم لازم است کہ یافت اینجاست، در بیرونِ خود یافت نمی باشد۔

باتو در زیرِ گلیم است ہرچہ ہست
ہم چو نابینا مبر ہر سوئے دست ۳۰

یعنی جس طرح خود اپنے نفس سے منھ موڑنا فرض ہے، خود اپنے باطن کی سیر بھی لازمی ہے کہ حق تعالیٰ تو خود ہمارے باطن میں موجود ہے۔ اس لیے خود اپنے باطن کے باہر اسے نہیں پاسکتے۔

سیر آفاقی:

تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر اپنے نفس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال رہا ہے۔ یہ نفس کی غلامی تو تجھے اس کائنات (آفاق) کی در بدر خاک چھاننے اور راہِ حق ”صراط مستقیم“ سے ادھر اُدھر بھٹکنے ہی میں منہمک رکھے گی۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ نے نفس امارہ کی غلامی و بندگی میں راہِ حق سے بھٹک کر مارے مارے پھرنے کو ”سیرِ آفاقی“ سے تعبیر کیا ہے۔ بندہ اس ”سیرِ آفاقی“ میں اس وقت تک بھٹکتا رہے گا جب تک وہ ماسوائے حق ہر قسم کے ”معبودانِ آفاقی“ کی غلامی و بندگی سے رہائی حاصل نہیں کر لیتا۔ اس لیے خود اپنے نفس کی بندگی سے منھ موڑ کر ہی قربتِ الٰہی مل سکتی ہے۔

سیرِ انفسی:

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ”سیرِ آفاقی“ سے نجات حاصل کرنا ہے تو اپنے باطن، خود اپنے اندر کو کھنگال ڈالو۔ اپنے باطن کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے خود اپنے باطن کی سیر کرنا ضروری ہے۔ اسی کو آپ نے سیرِ انفسی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی سے معرفت باطن کی سیر کرنے کی سعادت ہر ایک کو نہیں ملتی۔ صرف ان بزرگ ہستیوں کو نصیب ہوتی ہے جو محبت ذاتی اور فنائے مطلق کی دولتِ عظمیٰ حاصل کر کے اخلاص کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جاتی ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ اسی لیے فرماتے ہیں کہ:

سیر آفاقی بُعد در بُعد است و سیرِ انفسی قُرب در قُرب۔ اگر شہود است

درخود است۔ اگر معرفت است ہم درخود۔ اگر حیرت است ہم درخود
بیرونِ خود قدم گاہے نیست[۳۱]۔

یعنی ''سیر آفاقی'' اپنے نفس کے اشاروں پر، اپنی انا کے جال میں پھنس کر کائنات کے گوشے گوشے میں ادھر اُدھر بھٹکنے اور دربدر کی خاک چھاننے سے راہِ حق سے دور بہت ہی دور ہوتے جائیں گے تو پھر مقصود سے محرومی ہمارا مقدر بنتی جائے گی۔ اور ''سیرِ انفسی'' سیر باطنی یا خود اپنے اندر، اپنے دل میں، اپنے من میں جھانکتے ہی، دل کی آنکھوں سے روح کی گہرائیوں میں دیکھتے ہی حق سے قریب اور قریب ہونے کی سعادت نصیب ہوسکتی ہے۔ شہود کی تجلیوں سے دیدۂ بینا کو ٹھنڈک مل سکتی ہے تو پھر اسی عالم ہی میں۔ ہاں محبوبِ برحق کا دیدار ہوسکتا ہے تو یہیں اپنے من میں۔ اسکی معرفت مل سکتی ہے تو یہیں دل کی گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر۔

دیدار و معرفت کی سعادت مل گئی تو پھر اَنا کے عنکبوتی تار انوار و تجلیات کی بارش سے ایک ایک کر کے ٹوٹتے جائیں گے اور دوئی کے حجابات آنِ واحد میں تار تار ہو کر ہوا ہو جائیں گے۔ اسی عالم میں ایسے ایسے سربستہ اسرار ایک ایک کر کے پلک جھپکتے ہی یوں منکشف ہونگے کہ ہم ورطۂ حیرت میں، مارے حیرت کے مدہوش ہو کر رہ جائیں گے۔

اور پھر اُسی کی بارگاہ میں، اسی کی لامتناہی قدرت و قادریت یوں ہمارے ہوش و حواس پر چھا جائیگی کہ بصد عجز و نیاز اپنی بندگی کا ورد دھڑکنوں کے ساز سے ہم آہنگ ہو کر سراپا زبان بن جائے گا۔

یہ سعادت اپنے سے باہر آفاق و کائنات میں یوں ہی مارے مارے پھرنے سے کہاں میسر ہوسکتی ہے! منزل تو دور کی بات ہے راہِ حق کی کسی ایک قدم گاہ کا کوئی نشان بھی ڈھونڈنے سے نہیں پاسکتے۔ حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

☆......☆......☆

حواشی:

(۱)......مکتوب ۳۵۔ دفتر اول
(۲)......مکتوب ۲۶۴۔ دفتر اول
(۳)......مکتوب ۲۷۔ دفتر سوم
(۴)......مکتوب ۵۱۔ دفتر اول
(۵)......مکتوب ۱۰۵۔ دفتر اول
(۶)......مکتوب ۱۰۵۔ دفتر اول
(۷)......مکتوب ۲۱۹۔ دفتر اول
(۸)......مکتوب ۱۰۵۔ دفتر اول
(۹)......مکتوب ۴۶۔ دفتر اول
(۱۰)......مکتوب ۴۶۔ دفتر اول
(۱۱)......مکتوب ۲۷۔ دفتر سوم
(۱۲)......ایضاً
(۱۳)......مکتوب ۴۱۔ دفتر اول
(۱۴)......مکتوب ۵۴۔ دفتر دوم
(۱۵)......مکتوب ۱۶۱۔ دفتر اول
(۱۶)......مکتوب ۵۲۔ دفتر اول
(۱۷)......مکتوب ۷۳۔ دفتر اول
(۱۸)......مکتوب ۹۹۔ دفتر دوم
(۱۹)......مکتوب ۲۴۔ دفتر اول
(۲۰)......مکتوب ۳۵۔ دفتر اول
(۲۱)......مکتوب ۴۴۔ دفتر اول
(۲۲)......مکتوب ۵۹۔ دفتر اول
(۲۳)......مکتوب ۵۹۔ دفتر اول
(۲۴)......مکتوب ۳۵۔ دفتر اول
(۲۵)......مکتوب ۲۴۔ دفتر اول
(۲۶)......مکتوب ۲۰۶۔ دفتر اول
(۲۷)......مکتوب ۳۰۹۔ دفتر اول
(۲۸)......مکتوب ۱۵۴۔ دفتر اول
(۲۹)......مکتوب ۱۵۴۔ دفتر اول
(۳۰)......مکتوب ۱۵۴۔ دفتر اول
(۳۱)......مکتوب ۱۵۴۔ دفتر اول

(ماخوذ ایمانیات از پروفیسر عبدالباری صدیقی فرنگی محلی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء، ص۔ ۱۳۳۔ ۱۴۸)

☆......☆......☆

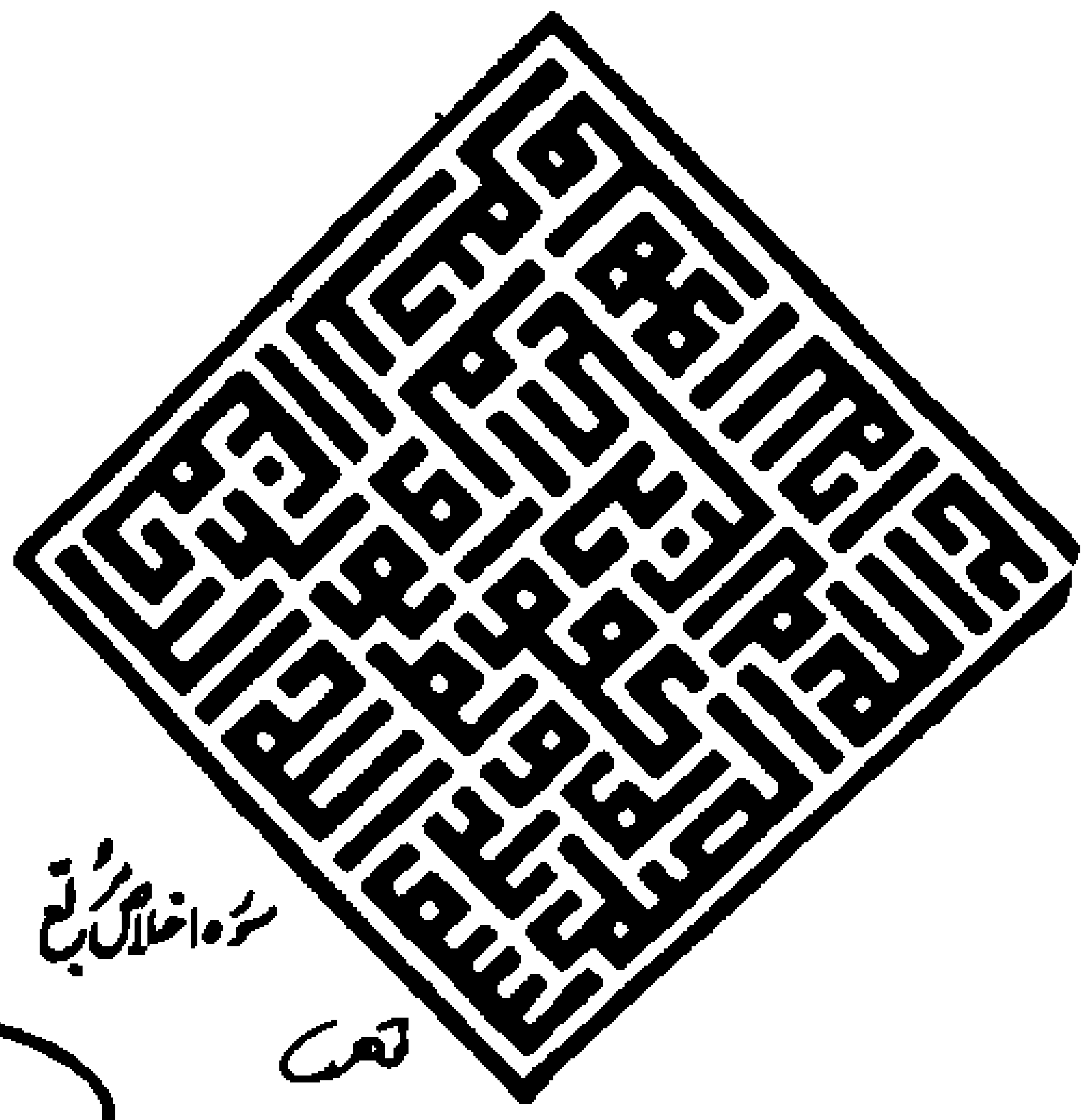

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

صحو وسُکر مکتوبات امام ربانی کے آئینے میں

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد

(شاہی امام وخطیب، مسجد فتحپوری، دہلی)

☆☆

موجِ دریائے حقیقت گہ چنیں گاہے چناں است
گاہ گویا باش گاہے گنگ چوں دیوانہ باش

سُکر جذبہ کا حسن ہے، جذبہ کا نکھار ہے! جذبہ کا ابھار ہے، جذبہ کی پرواز ہے، جذبہ کا عروج ہے، جذبہ کی پکار ہے...... صحو جذبہ کا نزول ہے، جذبہ کا ہبوط ہے، جذبہ کا سکوت ہے۔

کبھی رات، کبھی دن...... کبھی دھوپ، کبھی چھاؤں...... کبھی برسات، کبھی مطلع صاف...... کبھی بہاؤ، کبھی ٹھہراؤ، کبھی دید ہی دید، کبھی شنید ہی شنید...... کبھی روح مچلتی ہوئی، کبھی دل چمکتا ہوا...... کبھی صبحِ وصال، کبھی شامِ فراق...... کبھی اُدھر، کبھی اِدھر۔

سُکر مقامِ محبوبیت ہے، صحو مقامِ عبدیت ہے...... سُکر مولٰی کا ادراک ہے، صحو اپنا ادراک ہے...... سُکر نعمت کا ذکر ہے، صحو نعمت کا شکر ہے...... سُکر جلالِ نعمت ہے، صحو جمالِ نعمت...... سُکر مستی ہی مستی ہے، صحو بیداری ہی بیداری ہے...... صحو حضوری کی ملاقات ہے، سکر غیوبیت کی حضوری میں تو یہ عالم ہوتا ہے:

شمع چپ، پروانہ ششدر، اہل محفل دم بخود
ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے!

اس تصویر کے عالم میں کس کی زبان کھلتی ہے؟ سکر عیب نہیں، کھانے میں نمک ہے...... ایک کیفیت ہے جو سرفراز ہوا وہی اس کی لذت سے آشنا ہے...... کیا خوب کہا ہے:

در خیال حضرتِ جاناں ز خود بیزار باش
بے خبر از خویش باش و باخبر از یار باش

سکر کی کیفیت طاری نہیں کی جاتی، طاری ہو جاتی ہے...... جب وہ طاری ہوتی ہے تو معانی کا ایک جہاں سامنے ہوتا ہے...... سکر میں خالق کی طرف رجوع ہوتا ہے، صحو میں مخلوق کی طرف نزول ہوتا ہے...... صاحب سکر غیر مکلّف ہے، صاحبِ صحو مکلّف ہے...... اگر اہلِ باطن عاجزی وانکساری کرتے رہتے تو اہلِ ظاہر اپنے علوم کے گھمنڈ میں رہتے...... رب تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو ایسی کیفیت سے گزارا کہ ان کی زبانیں خود بخود اُن کے احوال و مقامات بیان کرنے لگیں اور اہل ظاہر حیران رہ گئے...... کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

از خیالِ خویشتن بیخویش شو بیگانہ باش
در خیال حضرتِ جانانہ شو جانانہ باش

اور صحو وسکر کی اس کیفیت کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

دل سے جب دل کو راہ ہوتی ہے
آہ ہوتی ہے' واہ ہوتی ہے

یہ آہ، سکر ہے اور یہ واہ صحو ہے۔۔۔ جب عجز وانکساری اور بندگی کے حجاب اٹھتے ہیں اور نعمتوں کے اصل چہرے سامنے ہوتے ہیں تو اہل باطن وہ جان لیتے ہیں، اہل ظاہر کو جن کی ہوا بھی نہ لگی...... سچ یہ ہے کہ یہ کیفیات عطائے ربانی ہیں' جو اللہ کے خاص محبوبوں کی کیفیت قلبی کا عکس جمیل ہیں...... جو ان کیفیات سے نہیں گزرا وہ ان کیفیات کو کماحقہٗ نہیں سمجھ سکتا...... ہر کیفیت کے سمجھنے کے لیے اس کیفیت سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح بلوغ کی کیفیات جاننے کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے...... ان کیفیات کا تعلق تعلیم سے کم ہے، تربیت سے زیادہ ہے...... علم سے کم ہے، نظر سے زیادہ ہے...... سکر وصحو کی کیفیات کو ہم ہو بہو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے...... مخصوص جذبات کے

اظہار کے لیے مخصوص جذبات کی ضرورت ہوتی ہے، اسکے بغیر وہ بیان نہیں کیے جاسکتے، وہ ظاہر نہیں کیے جاسکتے، الفاظ کا دامن تنگ ہو جاتا ہے، معانی لفظوں میں نہیں سماتے......

○

صحو اور سکر عربی زبان کے الفاظ ہیں...... سکر کے معنی ہیں مدہوشی، مستی، بے ہوشی، نشہ[1]...... اور صحو کے معنی ہیں: نشہ اتر جانا، افاقہ پانا، مستی سے ہوش میں آنا، ہوشیار ہونا[2] لیکن یہ خیال رہے کہ جب یہ الفاظ تصوف کے دائرے میں داخل ہوتے ہیں تو نئے معانی و مفاہیم، نئی کیفیات و واردات لے کر داخل ہوتے ہیں...... قرآن کریم میں بھی لفظ ''سکر'' مختلف سورتوں میں آیا ہے[3] لیکن یہاں اس کے معنی لغوی ہی ہیں، متصوفانہ معنی نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوبات شریف میں متعدد جگہ صحو و سکر کا ذکر فرمایا ہے...... میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب شریف میں لکھتے ہیں:۔

> ''وہ صحو جو سکر سے پہلے ہوتا ہے وہ عوام کا حال ہے اور وہ صحو جو سکر کے بعد حاصل ہوتا ہے' وہ خواص کا بلکہ اخص الخواص کا مقام ہے۔
> عجیب معاملہ ہے کہ عارف اگرچہ اپنے آپ کو واجب تعالیٰ نہیں جانتا لیکن اس کا علم حضوری جس کا تعلق عارف کے اپنے نفس سے ہے واجب تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے' اور عارف کا اپنے نفس کا علم حضوری، علم حصولی ہو جاتا ہے۔ عقلمند کی عقل اس باریکی کا سراغ نہیں لگا سکتی[4]۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکر کے مراتب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمۃ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

> ''سکر کے بہت سے مراتب ہیں جس قدر سکر زیادہ ہوگا اتنی ہی شطح زیادہ ہوگی۔۔۔ لھذا جو بھی صحو رکھتا ہے اس کے متعلق یہ گمان نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے ساتھ سکر نہیں ہے کہ وہ عین قصور ہے۔ کیوں کہ صحو' خالص عوام کا حصہ ہے۔ جس نے بھی صحو کو ترجیح دی ہے' اس کی

مراد غلبہ صحو ہے نہ کہ خالص صحو، اور جو سکر کو ترجیح دیتا ہے اس کی مراد غلبۂ سکر ہے نہ کہ خالص سکر کہ وہ آفت ہے[۵]۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکتوب شریف میں سکر کو کھانے میں نمک سے تعبیر کرتے ہیں جس سے کھانے کی لذت و حسن بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ خواجہ حسام الدین کے نام ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:۔

> ”صحو کی حالت میں سکر یہ باتیں کھانے میں نمک کی مانند ہیں، جو کھانے کو لذیذ کرتا ہے۔ اگر نمک نہ ہو تو کھانا معطل و بیکار ہو جاتا ہے۔[۶]

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں...... چنانچہ شیخ عبد المجید و شیخ محمد مفتی لاہوری کے نام ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:۔

> ”پہلا گروہ (مستھلکین) سکر والوں میں سے ہے اور دوسرا گروہ (راجعین الی الدعوۃ) صحو والوں کا ہے، اور عروج و بلندی پہلے گروہ کے لیے ہے، اور فضیلت دوسرے گروہ کے لیے اور پہلا مقام ولایت کے مناسب ہے دوسرا مقام نبوت کے مناسب۔“[۷]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، مشائخ کرام سے حالت سکر میں جو بظاہر خلاف شرع باتیں سرزد ہوتی ہیں، ان کے بارے میں مقصود علی تبریزی کے نام ایک مکتوب میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> ”مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم میں سے جس نے بھی شطحیات (خلافِ شرع باتیں) کے طور پر کلام کیا ہے، اور ظاہر شریعت کے خلاف باتیں کہی ہیں۔ یہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوا ہے جو کہ سکر و بے تمیزی کا مقام ہے۔۔۔ ایسا شخص اگر مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو کر ماسوٰی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو اس کا کلام مقبول ہے ورنہ الحاد و زندقہ ہے......[۸]

ایسے مشائخِ کرام کے متعلق جن کو ماسوٰی کا نسیان حاصل ہو چکا ہے، اور ان سے ایسے کلمات

سرزد ہوئے ہیں ان کے بارے میں عبدالرحیم خان خاناں کے نام ایک مکتوب میں بڑی دل لگتی بات فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں:

> اور یہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتوں میں غلبہ سکر کی وجہ سے کفر کی تعریف، زُنّار باندھنے کی ترغیب اور اس قسم کی دوسری باتیں پائی جاتی ہیں، ظاہری مطلب سے پھیر کر ان کی تاویل و توجیہ کی جائے گی۔ [۹]

اسی حقیقت کو شیخ درویش کے نام ایک اور مکتوب میں یوں فرماتے ہیں:۔

> طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو اثنائے راہ میں ایسے امور پیش آئیں جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں تو وہ سکر وقت کی کیفیت اور وجد و حال کے غلبہ کے باعث ہوں گے۔ اگر ان کو اس مقام سے گزار کر صحو میں لے آئیں تو یہ شریعت سے مخالفت رفع ہو جاتی ہے۔ [۱۰]

اسی طرح اپنے مرشد کریم خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے نام ایک مکتوب میں سکریہ کلمات کی توجیہہ کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> بعض صوفیہ وجود، ظاہری شریعت کے خلاف کشفوں کو بیان کرتے ہیں، یہ صحو کی وجہ سے ہے یا سکر (مستی) کی وجہ سے۔ ورنہ باطن، ظاہر کے بالکل مخالف نہیں ہے۔ راہ سلوک طے کرنے کے دوران سالک کو جو مخالفت نظر آتی ہے ان اختلافات کی توجیہ کرنے اور ان میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے لیکن حقیقی منتھی باطن کو ظاہر شریعت کے مطابق پاتا ہے۔ [۱۱]

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض سکریہ کلمات کے لیے توبہ استغفار کی تلقین فرماتے ہوئے شیخ درویش کے نام ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:۔

> غلبۂ حال اور سکر وقت میں ایسی بہت سی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں کہ جس سے آخر کار گزر جانا چاہیے اور توبہ و استغفار کرنی چاہیئے۔ [۱۲]

◆

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف اولیاء اللہ اور مشائخِ کرام کے کلمات سکر یہ نقل فرمائے ہیں جس میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ، حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ، حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ اور حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ وغیرھم شامل ہیں۔ چنانچہ شیخ احمد بجواڑوی کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

> ابویزید بسطامی کے متبعین سکر کو صحو پر ترجیح دیتے ہیں' اسی لیے شیخ ابویزید کہتے ہیں **لوائی ارفع من لواء محمد** بعض مشائخ کا یہ کلام: **الولایت افضل من النبوۃ** بھی اسی قسم (یعنی سکر سے) ہے...... بعض مشائخ نے اس کلام کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔[13]

خواجہ حسام الدین کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

> حضرت جنید بغدادی ارباب صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی بہت سی عبارتیں سکر آمیز ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ مثلاً: **ھو العارف، ھو المعروف...... لون الماء، لون اناءہ... المحدث اذا قورن بالقدیم، لم یبق لہ' اثر.**

اور اسی مکتوب میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> صاحب ''العوارف المعارف'' قدس سرہ نے حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے اس قول **قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی** کو سکر پر ہی محمول کیا ہے۔[15]

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھتے ہیں:

> صاحب ''العوارف المعارف'' نے جو ارباب صحو میں کامل ترین ہیں' اپنی کتاب میں اس قدر سکر یہ معارف لکھے ہیں کہ ان کی شرح کیا بیان کی جائے...... اس فقیر نے ایک صفحہ میں آں قدس سرہٗ کے

معارف سکریہ جمع کیے ہیں۔ ۱۶

شیخ عبدالعزیز جونپوری کے نام ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محی الدین ابن عربی کی سکریہ باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> شیخ سے پہلے اس گروہ (صوفیہ) میں سے کسی نے ان علوم و اسرار میں زبان نہیں کھولی اور اس بات کو کسی نے بھی اس انداز سے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ توحید و اتحاد کی باتیں غلبہ سکر کی وجہ سے ان سے بھی ظاہر ہوئی ہیں' اور انا الحق اور سبحانی جیسے الفاظ کہے ہیں لیکن یہ حضرات اتحاد کی وجہ سے منشاء توحید معلوم نہ کر سکے۔ لہٰذا شیخ ہی اس گروہ متقدمین کی برھان اور گروہِ متاخرین کے لئے حجت و دلیل ہیں' لیکن ابھی اس مسئلے کے بہت سے نکات پوشیدہ رہ چکے ہیں۔ اور اس باب میں بہت سے پوشیدہ اسرار منصۂ شہود پر نہیں آئے ہیں کہ فقیر کو ان کے اظہار کی توفیق اور ان کو قید تحریر میں لانے کی بشارت ملی ۱۷

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سید احمد قادری کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

> اور مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی علم و عمل میں جو امر شریعت کے خلاف واقع ہوا ہے' وہ سکر وقت پر مبنی ہے۔ اور سکر وقت اس راستہ کے دوران ہی واقع ہوتا ہے۔ نہایۃ النہایۃ کے منتہیوں کے لیے سب صحو ہے، وقت ان کا مغلوب اور حال و مقام ان کے کمال کا تابع ہے۔ ۱۸

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کاملین سے سکریہ کلمات سرزد ہونے پر ملامت و اعتراض کو جائز قرار نہیں دیتے' اور اس سے انکار کو سالکین کے لیے مضر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر محب اللہ مانکپوری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق جل و علا کے اولیاء کے ساتھ بغض و عداوت پیدا کر دے...... علماء حق کی آراء کے مطابق عمل

کرنا چاہیے اور صوفیہ کی کشفی باتوں کے ساتھ حسن ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہیے اور ''لا'' و ''نعم'' کی جرات نہ کرنا چاہیے[19]۔

◆

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی عالمِ سُکر و صحو سے گزرے ہیں۔ چنانچہ اپنے مرشد کریم خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> اس خادم کو عالم صحو و بقا کی ابتداء ربیع الآخر کے آخری دنوں سے حاصل ہے، اور اب تک ہر ایک مدت میں کسی خالص بقاء کے ساتھ مشرف فرمادیں...... ابتداء حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجلی ذاتی سے ہوئی...... کبھی صحو میں لاتے ہیں کبھی سُکر میں لے جاتے ہیں اور اس نزول و عروج میں عمدہ اور نئے نئے علوم اور عجیب و غریب معارف کا فیضان ورود فرماتے ہیں، اور ہر مرتبہ میں خاص مشاہدہ اور احسان کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں[20]

صحو و سُکر کی اس کیفیت سے پہلے جب آپ خالص سُکر کی کیفیت میں تھے، شیخ صوفی کے نام ایک مکتوب شریف میں اس کیفیت کا حال یوں لکھتے ہیں:۔

> اور سُکرِ وقت اور غلبۂ حال اس توحید (وجودی) میں اس حد تک حاصل ہوا کہ بعض عریضوں میں جو کہ فقیر نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے تھے، ان دو شعروں کو جو کہ سراسر سُکر کے متعلق ہیں لکھا تھا[21]

اے دریغا کیں شریعت ملتِ اعمائی است
ملت ما کافری و ملتِ ترسائی است
کفر و ایمان زلف و روئے آن پری زیبائی است
کفر و ایمان ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

یہ حالت سالوں رہی یہاں تک کہ جو ظاہر ہونا تھا ظاہر ہوا۔ اور جب آپ سکر وصحو کی منزلوں سے گزر رہے تھے (جس کی طرف جلد اوّل مکتوب نمبر ۲ میں اشارہ فرمایا ہے) غالباً اسی زمانے میں آپ نے ایک مکتوب ملا صالح کولابی بدخشی کے نام تحریر فرمایا جو آپ کے محبّ خاص، تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے...... یاد رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص باتیں عام محبین کو تحریر نہیں فرماتے، ایسی باتیں خاص بلکہ اخص الخواص محبین اور صاحبزادگان کے نام تحریر فرماتے ہیں...... جس مکتوب سے ہم آپ کے چند اقوال پیش کر رہے ہیں اس کے بارے میں آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:

> انھوں نے مستی کے سرچشمے سے جوش مارا اور عین صحو سے برآمد ہوئے......

یعنی سکر کی زمین سے پھوٹے ہیں اور صحو کی فضاؤں میں پھولے پھلے ہیں...... آپ تحریر فرماتے ہیں:

۱...... میں اللہ جل وعلا کا مرید بھی ہوں اور اللہ جل شانہٗ کی مراد بھی ہوں۔

۲...... میری ارادت کا سلسلہ بے توسط اللہ تعالیٰ سے متصل ہے۔

۳...... میرا ہاتھ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے۔

۴...... میری ارادت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ واسطوں کو قبول نہیں کرتی۔

۵...... میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا ہم پیرہٗ اور متبع اور مقتدی بھی۔

۶...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولت کے اس دسترخوان پر اگرچہ میں طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا۔

۷...... اگرچہ ان کا متبع ہوں لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں۔

۸...... اگرچہ میں امتی ہوں لیکن دولت میں ان کا شریک ہوں، لیکن یہ ایسی شرکت نہیں ہے جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہو کیونکہ وہ کفر ہے۔ بلکہ یہ وہ شرکت ہے جو خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔

۹...... جب تک مجھے طلب نہیں کیا گیا اس دولت کے دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا اور جب تک انھوں نے نہیں چاہا اس دولت کی طرف میں نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا۔

۱۰...... اگرچہ میں اویسی ہوں لیکن میں اپنا مربی، حاضر و ناظر رکھتا ہوں۔

۱۱...... اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا کفیل اللہ باقی ہے، میں نے اس کے فضل سے تربیت پائی ہے اور میں اجتباء کی راہ پر چلا ہوں۔

۱۲...... میرا سلسلہ رحمانی سلسلہ ہے، کیونکہ میں عبدالرحمٰن ہوں۔ میرا رب رحمٰن ہے، میرا مربی ارحم الراحمین ہے۔

۱۳...... میرا طریقہ سبحانی طریقہ ہے، کیونکہ میں تنزیہ کے راستے چلا ہوں، اور میں نے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کسی کو اسم و صفت سے نہیں چاہا۔

۱۴...... میرا یہ "سبحانی" کہنا وہ "سبحانی" نہیں ہے جس کے قائل (بایزید) بسطامی ہوئے ہیں کہ ان کو اس سے ارتباط و مساس نہیں ہے، بلکہ وہ انفس کے دائرے سے باہر نکلے ہی نہیں اور یہ (سبحانی کہنا) ماورائے انفس و آفاق ہے۔ اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہن لیا ہے۔ اور یہ تنزیہ وہ ہے جس کو تشبیہ کی گرد تک نہ پہنچی اور اس نے مستی کے سرچشمے سے جوش مارا اور عین صحو سے برآمد ہوا ہے۔

۱۵...... ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا اور میری تربیت میں اپنے فضل کے علاوہ کسی دوسرے کو علتِ فاعلی نہیں بنایا اور اپنے کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو حق تعالیٰ و تقدس نے میرے حق میں رکھی ہے، کسی دوسرے کے فعل کو میری تربیت میں تجویز نہیں فرمایا، یا میں کسی دوسرے کے ساتھ اس معنی میں متوجہ ہوں۔

۱۶...... میں اللہ جل شانہ، کا پروردہ اور اس تعالیٰ کے بے انتہا فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں[۲۲]۔

جو حضرات حضرت مجدد الف ثانی کے مقام و مرتبہ کو نہیں سمجھ سکے یا جن کے سامنے سابقین کے سکریہ اقوال نہیں تھے، انھوں نے اس مکتوب پر اپنے اپنے فہم کے مطابق اعتراضات شروع کر دیے جس کا تفصیلی جواب آپ نے خواجہ حسام الدین کے نام اپنے مکتوب نمبر ۱۲۱، ج ۳ میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ نے ان کو تحریر فرمایا:-

> جو کوئی اس قسم کی باتیں لکھتا ہے وہ سکر کی وجہ سے لکھتا ہے اور سکر کی آمیزش کے بغیر اس نے قلم نہیں اٹھایا۔

پھر اسی مکتوب شریف میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

> اس قسم کی باتیں جو افشاء راز پر مبنی ہوتی ہیں اور ظاہر کی طرف سے مصروف اور پھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ہر وقت مشائخِ طریقت قدس اسرارہم سے ظہور میں آتی رہتی ہیں اور ان بزرگوں کی دائمی عادت بن گئی ہے، کوئی بات بھی ایسی نہیں جس کی ابتداء فقیر نے کی ہو اور اس کی اختراع کی ہو۔۔۔ لہٰذا یہ تمام شور و غوغا کیسا؟[۲۳]

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بڑی دل لگتی بات فرمائی اور وہ یہ کہ کوئی ولی عالمِ صحو میں اپنے فضائل و کمالات بیان نہیں کرسکتا' کیونکہ یہ حضوری کی کیفیت ہے۔ اور حضوری میں کون محب ہے جو محبوب کے سامنے اپنے فضائل و کمالات بیان کرے۔ ہاں سُکر میں وہ خود سے غائب ہوکر اس کی زبان بن جاتا ہے، پھر وہی کہتا ہے جو کہلوایا جاتا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ **عبد اللہ** بود

اسی معنی و مفہوم کو حضرت مجدد الف ثانی خواجہ حسام الدین کے نام محولہ بالا مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:-

> یہ سُکر ہی ہے جس کی وجہ سے وہ فخر و مباہات کرتے ہیں' اور یہ سُکر ہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر فضیلت دیتے ہیں۔ اگر صحو خالص ہوتا تو اسرار افشاء کرنا اس مقام پر کفر ہوتا اور خود کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہوتا[۲۴]

غالباً اسی لیے قصیدۂ غوثیہ کے بارے میں بقول حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض معاصرین کا خیال ہے کہ اس کے مطالب و معانی سُکر یہ ہیں کیونکہ یہ معانی و مفاہیم آپ کی کسی تصنیف میں نظر نہیں آتے ......اور سُکر یہ اقوال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ بار بار نہیں دہرائے جاتے بس ایک دو بار......بہرحال بہت سے مشائخ کا خیال ہے کہ آپ کے ارشادات سراسر صحو ہیں اور ان میں سُکر کی آمیزش نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ صراحۃً فرماتے ہیں: ۔

> اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا جو کہ مباہات وافتخار پر مبنی ہوں بغیر سکر کے ثابت نہیں ہیں کیونکہ صحو خالص میں اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا دشوار ہے[۲۵]۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال اس لیے وزن رکھتے ہیں کہ آپ خود ان کیفیات سے گزرے ہیں اور ان مقامات کو خود محسوس کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کیفیت سکر اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے۔ چنانچہ شیخ العالم حاجی محمد لاہوری کے نام ایک مکتوب میں ایک سوال کا عالمانہ انداز میں جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں: ۔

> یہ جواب علماء کرام کے طریقہ پر ہے اور اس ضعیف بندہ (حضرت مجدد قدس سرہ) کے نزدیک مذکورہ اشکال کے جواب ہیں جو کہ صوفیاء کرام کے طریقہ کے مناسب ہیں۔ لیکن وہ جوابات ایک قسم کا سکر چاہتے ہیں اور سکر کے بغیر ان جوابات کا ذکر کرنا مستحسن (اچھا) نہیں ہے، بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ سکر والے لوگ معذور ہیں اور حالت صحو (ہوش) والے پوچھے جائیں گے......اس وقت میری حالت محض صحو کی ہے۔ پس ان جوابات کا ذکر کرنا میرے حال کے مناسب ولائق نہیں ہے[۲۶]

حضرت مجدد الف ثانی اہل اللہ کے سکریہ اقوال کی تاویل وتوجیہ کے قائل ہیں اور انکار کے قائل نہیں۔ چنانچہ خواجہ حسام الدین کے نام محولہ بالا مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں: ۔

> اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہو گیا ہے جو ظاہر علوم شریعت سے مطابقت نہیں رکھتا تو اس کو تھوڑی سی توجیہ سے ظاہر سے پھیر کر شریعت کے مطابق بنا دینا چاہیے اور ایک مسلمان پر تہمت نہیں لگانی چاہیے فاحشہ کو رسوا کرنا اور فاسق کو خوار کرنا جب شریعت میں حرام ومنکر ہے، تو ایک مسلمان کو محض شبہہ کی بناء پر رسوا کرنا کہاں تک مناسب ہے، اور شہر شہر اس کی منادی کرنا کون سی دینداری ہے؟[۲۷]

اور ایک مکتوب میں عبدالرحیم خان خاناں کے نام تحریر فرماتے ہیں:-

> اور یہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتوں میں غلبۂ سکر کی وجہ سے کفر کی تعریف، زنار باندھنے کی ترغیب اور اس قسم کی دوسری باتیں پائی جاتی ہیں لہٰذا ظاہری مقصد سے پھیر کر ان کی تاویل و توجیہ کی جائے گی[۲۸]۔

آپ نے ایک بڑی دل لگتی بات فرمائی اور وہ یہ کہ اقوال سکریہ کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا قائل کون ہے۔ اگر کوئی ولی کامل ہے تو ان اقوال کی تاویل و توجیہ کی جائیگی' اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس پر فتویٰ لگایا جائے گا...... چنانچہ خواجہ حسام الدین کے نام محولہ بالا مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:-

> مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو بظاہر علوم شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے۔ اگر ملحد اور زندیق ہے تو اس کو رد کرنا چاہیے، اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنا چاہیے...... اور اگر اس کا کہنے والا کوئی مسلمان ہے اور خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہے' تو اس کے بیان میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کا صحیح محمل پیدا کرنا چاہیے۔ اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیۓ، اگر وہ اس حل میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے اور نرمی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہیے کیونکہ وہ اجابت و قبولیت کے نزدیک ہے۔ اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور صرف رسوا کرنا مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے[۲۹]

حضرت مجدد الف ثانی کے مذکورہ بالا مکتوب شریف کے آخری کلمات سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں، علماء کرام اور خصوصاً مفتیان عظام کے لیے درس و نصیحت ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور حضرات اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے اقوال سکریہ کی ایسی تاویل و توجیہہ

فرمائی کہ ان کے دامن پر لگنے والے داغ بالکل دھل گئے۔ چنانچہ حسین بن منصور الحلاج جن کے قول ''انا الحق'' پر ایک طوفان اٹھا اس قول کی ایک ایسی دلپذیر توجیہہ فرمائی کہ یہ طوفان سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ مولانا شیخ مودود محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> قول ''انا الحق'' کے معنی یہ ہوے کہ میں کچھ نہیں ہوں، موجود حق تعالیٰ ہی ہے۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میں حق کے ساتھ متحد ہوں' یا حق تعالیٰ میں حلول کے لیے ہوے ہوں کیونکہ یہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے، اس میں مشہود صرف واحد احد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے[۳۰]

ایک عارف نے کیا خوب فرمایا ہے:-

تا سراغِ آشنا در خویشتن یابی امیر
دور شو از خویشتن و از خویشتن بیگانہ باش

صحو وسکر کی فضیلت میں اولیاء اللہ کا اختلاف ہے۔ بعض سکر کو صحو پر فضیلت دیتے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر فرمایا ہے......

> کہ ابو یزید بسطامی کے متبعین سکر کو صحو پر فضیلت دیتے ہیں[۳۱]۔

لیکن بعض صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

> حضرت جنید بغدادی اور شیخ شہاب الدین سہروردی صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں[۳۲]۔

حضرت مجدد الف ثانی سکر وصحو کو عوام وخواص میں تقسیم فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں سکر کو صحو پر فضیلت دینے والوں کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوے تحریر فرماتے ہیں:

> شاید ان لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کے مانند سمجھ کر سکر پر اس کو ترجیح دی ہے...... کاش کے خواص کے سکر کو بھی عوام کے سکر کی طرح سمجھتے' اور اس حکم کی جرأت نہ کرتے۔ کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات ثابت ومقرر ہے کہ صحو سکر سے بہتر ہے[۳۳]۔

لیکن اس تقسیم کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سکر کی کیفیت سے یکسر مبرا ہیں، ان کے ہاں صحو ہی صحو ہے۔ چنانچہ عبدالرحیم

خان خاناں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات کا علم خواہ وہ علم احکام ہو یا علم اسرار، سب کا سب صحو در صحو ہے کہ سکر کا ایک شمہ بھی اس میں نہیں ملا ہے۔ بلکہ یہ معارف اس مقامِ ولایت کے مناسب ہیں جو سکر میں قدم راسخ رکھتا ہے[۳۴]۔

الغرض صحو و سکر کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحو و سکر روحانی کیفیات ہیں جن سے سالکینِ طریقت گزرتے ہیں، سکر عیب نہیں بلکہ حُسن ہے۔ جس طرح نمک کھانے کو اور لذیذ بناتا ہے اس طرح سکر صاحبِ سکر کو خاص قسم کے معارف سے آشنا کرتا ہے:

۱...... بعض معارف عین سکر میں صادر ہوتے ہیں اور بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں تو ایسے معارف کسی ولی کامل پر وارد ہوں۔ تو ان کی تاویل و توجیہ کر لینی چاہیے' کیونکہ سالک کا باطن ظاہر کے بالکل مخالف نہیں ہوتا۔ اور کسی ملحد و زندیق سے سرزد ہوں تو ان کو رد کرنا چاہیے۔

۲...... بعض معارف زمین سکر سے پھوٹتے ہیں اور صحو کی فضاؤں میں پھولتے اور پھلتے ہیں، ایسے معارف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور زبانِ اعتراض دراز نہیں کرنی چاہیے۔

۳...... بعض معارف عین صحو میں صادر ہوتے ہیں جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو ہی نہیں سکتے، ہر حال میں قابلِ قبول ہوتے ہیں۔

۴...... کیفیت سکر خود بخود طاری ہوتی ہے اس میں ارادے کو دخل نہیں...... سکر جتنا زیادہ ہوگا بظاہر خلافِ شرع امور کا اسی قدر ظہور ہوگا...... فخر و مباہات کا بھی عالم سکر ہی میں ظہور ہوتا ہے کیونکہ عالم صحو میں اسرار افشا کرنا کفر ہے اور خود کو دوسروں پر فضیلت دینا شرک ہے۔

۵...... عوام کے سکر اور خواص کے سکر، خواص کے صحو اور عوام کے صحو میں بہت فرق ہے۔ خواص کے صحو و سکر کو عوام کے صحو و سکر پر قیاس نہ کرنا چاہیے...... سکر کے بعد صحو، خواص کا صحو ہے کیونکہ سکر والے جب صحو میں آتے ہیں تو شریعت کی مخالفت رفع ہو جاتی ہے۔

۶...... جو بھی صحو رکھتا ہے اس کے ساتھ سُکر ضروری ہے، کیونکہ صحو کے ساتھ سُکر کا نہ ہونا عین قصور ہے۔ صحو خالص عوام کا حصہ ہے۔ جس نے صحو کو ترجیح دی اس کی مراد غلبہ صحو سے ہے نہ کہ خالص صحو سے، اور جو سُکر کو ترجیح دیتا ہے اس کی مراد بھی غلبہ سُکر سے ہے نہ کہ خالص سکر کہ وہ آفت ہے۔ اربابِ صحو سے سُکر یہ اقوال سرزد ہوتے ہیں اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحو کے ساتھ سُکر کا نہ ہونا عین قصور ہے۔ جو صحو، سُکر کے بعد ہوتا ہے وہ خواص کا سُکر ہے اور جو صحو سُکر سے پہلے ہوتا ہے وہ عوام کا صحو ہے۔

۷...... صحو و سُکر میں فضیلت صحو کو ہے، علماء بھی صحو کو فضیلت دیتے ہیں...... عروج و بلندی سُکر والوں کے لیے ہے اور فضیلت صحو والوں کے لیے ہے، سُکر والے مقام ولایت کے مناسب ہیں اور صحو والے مقامِ نبوت کے، کیونکہ انبیاء علیھم السلام کے ہاں صحو ہی صحو ہے۔ اس لیے حقیقی منتہی باطن کو ظاہر شریعت کے مطابق پاتا ہے، وقت اس کا مغلوب ہے، حال و مقام ان کے کمالات کا تابع...... اولیاء اللہ کے سُکر یہ اقوال کا انکار نہ کرنا چاہیے بلکہ تاویل و توجیہ کرنی چاہیے کہ مبادا یہ انکار دل میں اہل اللہ سے بغض و عناد پیدا کر دے۔

☆......☆......☆

حواشی

۱......المنجد، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۴۸۲

۲......لغاتِ کشوری، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۵۵، ۲۸۹، ۵۵۸

۳......قرآن کریم: سورۃ النحل، آیت نمبر ۶۷۔ سورۃ قٓ، آیت نمبر ۱۹۔ سورۃ الحجر، آیت نمبر ۷۲۔ سورۃ النساء، آیت ۴۳۔ سورۃ الحج، آیت نمبر ۲

۴......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم (معرفۃ الحقائق)، مکتوب نمبر ۴، ترجمہ اردو سید زوّار حسین شاہ، ادارۂ مجددیہ، کراچی، ۱۹۹۳ء

۵......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۶......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، صفحہ اوّل، (درالمعرفت) ترجمہ اردو سید زوّار حسین شاہ، ادارۂ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۸ء، مکتوب نمبر ۲۲

۸......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم (نورالخلائق)، مکتوب نمبر ۹۵ ترجمہ اردو سید زوار حسین شاہ، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۹۱ء

۹......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۳

۱۰......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۴۱

۱۱......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۱۳

۱۲......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۹۷

۱۳......مکتوب امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۹۵

۱۴......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۱۵......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۱۶......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۱۷......مکتوبات امام ربانی، ج ۲، مکتوب نمبر ۱

۱۸......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۸۴

۱۹......مکتوب امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۳۲

۲۰......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲

۲۱......مکتوب امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۳۱

۲۲......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۸۷

۲۳......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۲۴......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۲۵......مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱

۲۶......مکتوب امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۶

۲۷......مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۶

۲۸...... مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۳
۲۹...... مکتوبات امام ربانی، جلد ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱
۳۰...... مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۱۹
۳۱...... مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۹۵
۳۲...... مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب نمبر ۱۲۱
۳۳...... مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، حصہ دوم، (درالمعرفت)، مکتوب نمبر ۲۶۸ ترجمہ اردو سید زوّار حسین شاہ، ادارۂ مجددیہ، کراچی
۳۴...... مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۶۸

☆......☆......☆

○

ملفوظات شاہ نقشبند علیہ الرحمہ نوشتہ خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ

جب سالک کو ان دو صفات جلالی و جمالی سے پرورش و تربیت کی جاتی ہے تو اس کیلئے جلال، جمال ہو جاتا ہے اور جمال ان کیلئے جلال ہو جاتا ہے۔ خوف کی انتہائی صورت میں امید بندھ جاتی ہے اور غلبہ رجا (امید) میں خوف کی کیفیت رہتی ہے۔ عین اس حالت و کیفیت میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال کا اظہار ہوتا ہے تو جمال کی صفت بھی توجہ فرما ہوتی ہے۔

سلطان العارفین ابو یزید قدس سرہٗ نے حضرت ابو تراب بخشی (م۔ ۲۴۵ھ) قدس سرہٗ کے ایک مرید کو جلال کی نظر سے دیکھا اور وہ نگاہ تجلی ذات کی نسبت لئے ہوئے تھی، وہ مرید فوراً مر گیا۔ وہ مرید صرف صفت جمال کا پرورش یافتہ تھا۔ اگر وہ دونوں صفات کا پرورش یافتہ ہوتا تو اسے سلطان العارفین کی نگاہ کی کشش برداشت کرنے کی قوت حاصل ہوتی اور وہ اس طرح بشریت کے وجود کا متلاشی نہ ہوتا۔

(رسالہ قدسیہ، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امام ربانی اور علم النفسیات

ڈاکٹر محمد اقبال

مرتبہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

☆☆

مذہبی زندگی کے اساسی امور کی وضاحت اور ''نفسیاتِ حاضرہ'' پر تنقید کے بعد اقبال سترھویں صدی عیسوی کے جلیل القدر صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے تصورات ونظریات اور مشاہدات وتجربات کا جائزہ لیتے ہیں اور ساتھ ہی اس حقیقت کا اظہار کر دیتے ہیں کہ ''نفسیاتِ حاضرہ'' میں ان مصطلحات کا اب تک وجود نہیں، جن کے ذریعے حضرت مجدد کے روحانی تجربات کو بیان کیا جا سکے۔ گویا ان کے نزدیک حضرت مجدد اپنے زمانے سے کہیں آگے جا چکے تھے۔ وہ اس منزل تک پہنچ چکے تھے جس کی گرد تک ''نفسیاتِ حاضرہ'' کی رسائی نہیں۔ چنانچہ ''وارداتِ روحانی'' کے تنوع کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> تھوڑا بہت اندازہ شاید آپ سترھویں صدی کے ایک بہت بڑے مرشد کامل[1] حضرت شیخ احمد سرہندی کی ایک عبارت سے کر سکیں گے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک وعرفان کا ایک طریق وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی ''سلسلہ ہائے تصوف'' رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے۔ مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رُخ کیا اور جو اب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔ البتہ جہاں

تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں، نفسیاتِ حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کرسکوں کیونکہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں لیکن میرا مقصد چونکہ سردست صرف اتنا ہے کہ آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گوناگونی کی طرف منعطف کراؤں، جن سے ایک سالک راہ کو گزرنا پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اس لیے ضروری ہے۔ لہٰذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لیے معذور سمجھیں، جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایک ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب وتمدن کی ایک سرتاسر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی اور جو وضع ہوئیں تو اس کے زیر اثر، لیکن جن میں سچ مچ معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ بہر حال اب میں شیخ موصوف کی عبارت پیش کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ جب عبدالمومن نامی ایک ارادت مند نے اپنے مندرجہ ذیل مشاہدے اور تجربے کا حال شیخ موصوف سے بیان کیا:

> میرے لیے نہ تو ارض وسمٰوٰت کا وجود ہے، نہ عرش الٰہی کا، نہ جنت اور دوزخ کا، میں اپنے اردگرد نظر ڈالتا ہوں تو ان کو کہیں نہیں دیکھتا۔ میں جب کسی کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے کوئی نظر نہیں آتا، بلکہ میں اپنا وجود بھی کھودیتا ہوں۔ ذاتِ الٰہیہ لامتناہی ہے۔ کوئی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا یہی مُنتہٰی ہے روحانی مشاہدات کا۔ کسی ولی کا گزر اس سے آگے نہیں ہوا۔

تو اس پر شیخ نے فرمایا:

> میرے سامنے جو مشاہدات بیان کیے گئے ہیں۔ ان کا تعلق قلب کی ہر لحظہ بدلتی ہوئی زندگی سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ مشاہدات نے قلب کے لاتعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں کیے۔ ان

> مقامات کا طے کرنا ضروری ہے تا کہ عالمِ روحانیت کے مقام اول کے مشاہدات کی تکمیل ہوجائے۔ اس مقام کے بعد اور بھی کئی مقامات ہیں مثلاً روح کا مقام، سرخفی اور سراخفی کے مقامات ان سب مقامات کے جن کو مجموعاً ہم اپنی اصطلاح میں ''عالم امر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنے اپنے احوال اور واردات ہیں، جب سالک کا گزر ان مقامات سے ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ اس پر اسمائے الٰہیہ اور صفاتِ الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے، بالآخر ذات الٰہی کی۔
>
> شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کیے ہیں۔ ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو، اس سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس ''مصلحِ عظیم'' کی نگاہوں میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ان بے مثال واردات اور مشاہدات سے پہلے جو ''وجودِ حقیقی'' کا مظہر ہیں، ''عالم امر'' یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم رہنما توانائی کی دنیا کہتے ہیں، ہم نے اسی لیے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا[۲]۔

اقبال نے عبدالمومن کا جو بیان نقل کیا ہے وہ موصوف کا نہیں ہے بلکہ یہ شیخ ادریس سامانی نے اپنے واردات و مشاہدات قلبیہ، عبدالمومن کی زبانی حضرت مجدد سے کہلوائے تھے۔ جس کا جواب شیخ موصوف نے تحریری صورت میں ارسال فرمایا۔

یہ مکتوب نمبر ۲۵۳، ''مکتوبات شریف'' کی جلد اول میں شامل ہے۔ اس میں حضرت مجدد نے پہلے ادریس سامانی کے مشاہدات نقل کیے ہیں اور پھر ان پر جرح و تنقید کی ہے۔ حضرت مجدد نے قلب کے جن مقامات کا ذکر کیا، وہ اس ترتیب سے ہیں: روح، سر، خفی، اخفی۔ گویا قلب سمیت پانچ مقامات ہیں مگر اقبال نے روح، سرخفی، سراخفی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

اس کے علاوہ اقبال نے حضرت مجدد کا جواب جس انداز سے نقل کیا ہے وہ من وعن نہیں ہے بلکہ اصل

مکتوب کا خلاصہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں یہ مکتوب نقل کردیا جائے جس کی طرف اقبال نے اپنے خطبے میں اشارہ فرمایا ہے۔

مکتوب بنام شیخ ادریس سامانی

بیان احوال و مواجید کہ بلسان مولانا عبدالمومن حوالہ نمودہ بودند و استفسار جواب آن فرمودہ۔ مولانا بتفصیل ہمہ را وانمود و گفت کہ فرمودہ اند (شیخ ادریس) کہ اگر بجانب زمین نظر می کنم زمین رانمی یابم و اگر بجانب آسمان نظر می اندازم آن را نیز نمی یابم و ہم چنین عرش و کرسی و بہشت و دوزخ را نیز وجود نمی یابم۔ و پیش کسے کہ می روم او را نیز وجود نمی یابم و خود را نیز موجود نمی دانم و وجود حق جل شانہ، بے پایان ست نہایت او را ہیچ کس نیافتہ است۔ و بزرگان نیز تا ہمیں جا گفتہ اند۔ و تا ایں جا آمدہ از سیر ماندہ شدہ اند و زیادہ برایں معنی اختیار نمودہ اند۔ اگر شما نیز ہمیں را کمال می دانید و در ہمیں مقامید پس ما پیش شما برائے چہ بیائیم و تصدیع بکشیم و تصدیع بدہیم۔ و اگر امرے دیگر ورائے ایں کمال است پس اعلام بخشند تا ما دیارِ دیگر کہ دردِ طلب بسیار دارد آں جا برسیم۔ چندیں سال توقف در آمدن بواسطہ حصول ایں تردّد بودہ۔

مخدوما! ایں احوال و افعال از تلوینات قلب ست۔ مشہود می گردد کہ صاحب ایں احوال از مقاماتِ قلب زیادہ از ربع طے نہ کردہ است، سہ حصہ دیگر از مقامات قلب طے باید کرد تا معاملہ قلب را بتمام طے کردہ باشد از گزشتِ قلب، روح است، و از گزشتِ روح، سر است و از گزشت سر، خفی است بعد ازاں اخفی۔ ہر کدام ازیں چہار باقی ماندہ احوال مواجید علاحدہ دارد، ہمہ را جدا جدا طے باید کرد۔ و بکمالات ہر کدام متحلّی باید شد۔ از گزشت ایں پنجگانہ عالم امر، و طے منازل اصول آن ہا مرتبۂ بعد مرتبۂ و قطع مدارج ظلال اسماء و صفات کہ اصول ایں اصول

است درجۂ بعد درجۂ تجلیات اسماء وصفات است وظہوراتِ شیون و اعتبارات ازگزشت ایں تجلیات، تجلیاتِ ذات است تعالیٰ وتقدس، ایں زماں معاملہ باطمینانِ نفس می افتد وحصول رضائے پروردگار جل سلطانہ میسر می آید۔ کمالاتیکہ دریں موطن حاصل می گرددودر جنب ایں کمالات، کمالات سابق حکم قطرہ دارددر جنب دریائے محیط بیکراں۔

(حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء، ص۔۶۶)

☆......☆......☆

حواشی

۱......نذیر نیازی نے "GENIUS" کا ترجمہ ''مرشد کامل'' کیا ہے اس لفظ میں جو معنویت ہے وہ ''مرشد کامل'' میں نہیں۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اس کا ترجمہ ''روح عصر'' کیا ہے جو ایک حد تک اصل معنی سے قریب ہے (مسعود)

۲......محمد اقبال: تشکیل جدید الہیات، ص۹۸_۳۰۰

☆......☆......☆

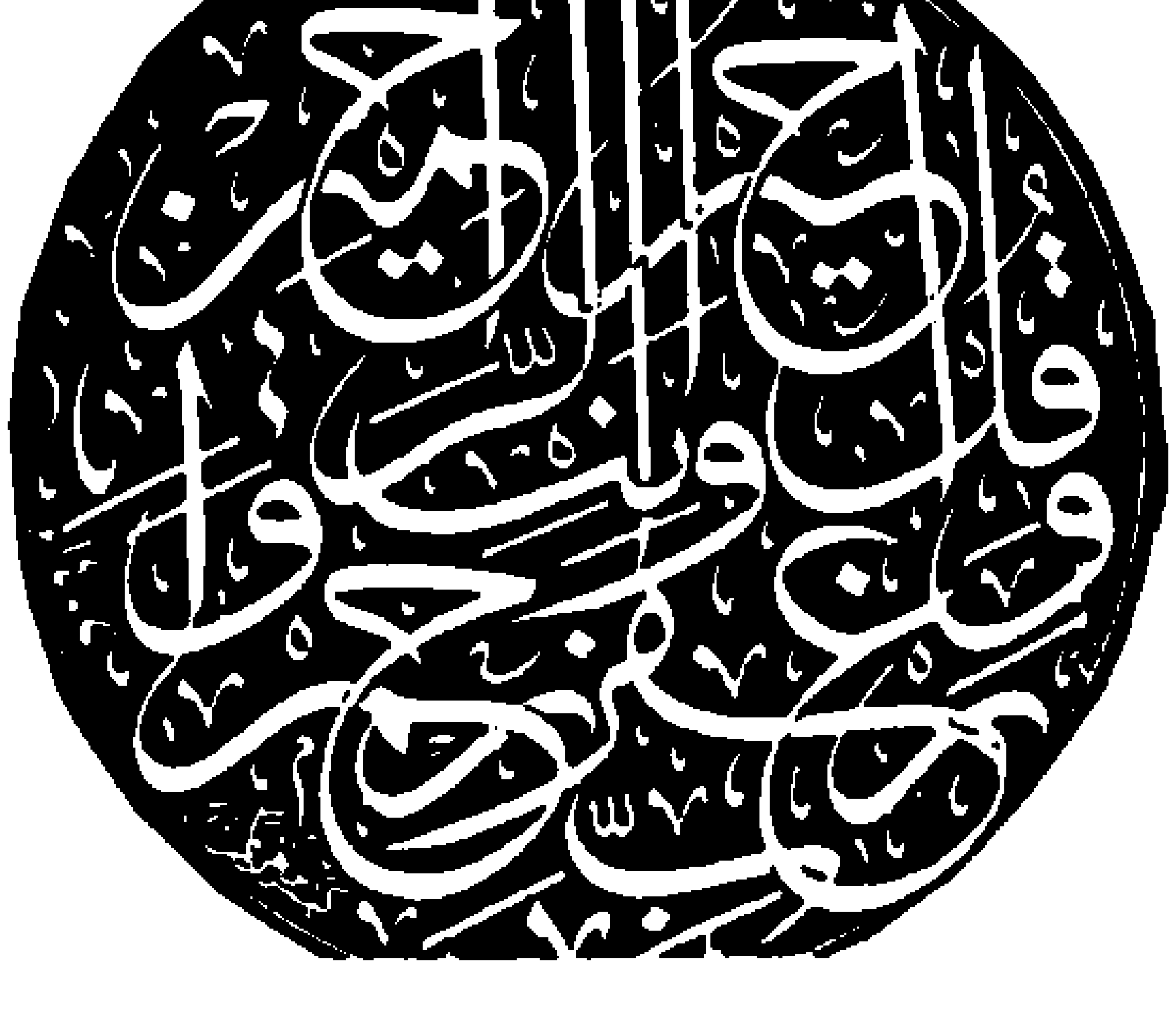

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امام ربانی اور علم الکائنات

فضل احمد حبیبی

☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے علم لدنی عطا فرمایا تھا جس کا بخوبی اندازہ مکتوبات شریف کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ اس مضمون میں اس علم کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے۔ ہم اس مضمون میں بغیر کسی تبصرے اور شرح کے صرف مکتوبات شریف کے اقتباسات پیش کریں گے۔ چونکہ کائنات کا پیدا کرنے والا خالق ومولیٰ ہے اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کریں گے پھر جس کے صدقے میں کائنات وجود میں آئی اس کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد کائنات وموجودات کا ذکر کریں گے، پھر انسان کا ذکر کریں گے جس کو سب سے بہترین ساخت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور آخر میں کائنات کے حوالے سے خود حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا مکتوبات شریف کی روشنی میں ذکر کریں گے۔

(۱)

کائنات کے وجود کی حیثیت اور حقیقت

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات میں مختلف مقامات پر لکھا ہے کہ کائنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظلال کا مجموعہ ہے اور اس کی اصل حقیقت صفات واسماء ہیں:-

خلاصہ کلام یہ کہ جبکہ عالم اللہ تعالیٰ کی صفات واسماء کا ظل ہے تو اس کے اصول بھی اسماء وصفات ہوں گے اور ظلال اعراض ہیں کہ جن کا قیام اپنے اصول سے ہے جو کہ اسماء وصفات ہیں اور ان میں

کوئی چیز بھی جوہر نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ قائم ہوں نظام معتزلی بحکم ان الکذوب قد یصدق (کبھی جھوٹا بھی سچی بات کہہ دیتا ہے) اس راز پر آگاہ ہوا اور اس نے کہا کہ عالم سب کا سب اعراض ہے اور ان میں کوئی جوہر نہیں ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوں۔ لیکن اس نے اس بات میں غلطی کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ''ان اعراض کا قیام ان کی اپنی ذات سے ہے''۔ اور ان کے اصول سے غافل رہا کہ جس کے ساتھ وہ قیام رکھتے ہیں۱۔

ایک دیگر مکتوب میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی تعداد کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ۱۔ حیوٰۃ ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ ارادہ ۵۔ سمع ۶۔ بصر ۷۔ کلام ۸۔ تکوین اور ان آٹھ صفات کو حقیقیہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ قدیم ہیں اور خارج میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر زائد وجود سے موجود ہیں۲۔

ایک دوسرے مکتوب میں صفات الٰہیہ کی تفصیل یوں تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ نفس وجود اور تمام کمالات میں جو کہ وجود کے توابع ہیں مثلاً ۱۔ حیوہ ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ ارادہ ۵۔ سمع ۶۔ بصر ۷۔ کلام ۸۔ تکوین میں بذات اقدس خود کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفات زائدہ کا محتاج نہیں۔ اگرچہ صفاتِ کاملہ زائدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں پس اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات پاک سے خود موجود ہے نہ کہ وجود سے اسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ حیوٰۃ سے جو اس کی صفت ہے اور اپنی ذات سے جاننے والا ہے نہ کہ علمِ صفت سے اور اپنی ذات سے دیکھنے والا ہے نہ کہ صفت بصر سے اور اپنی ذات سے سننے والا ہے نہ کہ صفت سمع سے اور اپنی ذات سے قادر ہے نہ کہ صفت قدرت سے اور اپنی ذات سے ارادہ کرنے والا ہے نہ کہ صفت ارادہ سے اور اپنی ذات سے متکلم ہے نہ کہ صفت کلام سے اور اپنی ذات سے ایجادِ کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفتِ تکوین سے۔

اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی صفات کے واسطہ سے ہے چنانچہ اس معنی کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ یہ تکوین قدرت کے سوا اور چیز ہے کیونکہ قدرت میں فعل اور ترک فعل دونوں برابر ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے اور یہ فرق بھی ہے کہ قدرت ارادے پر مقدم ہوتی ہے اور تکوین ارادے کے بعد ہے۔ یہ تکوین بندہ کی اس استطاعت کے مشابہ ہے کہ علماء اہل حق نے اس کو بندہ کے فعل سے متصل رکھا ہے اور اسے قدرت و ارادہ کی صفت کے علاوہ سمجھا ہے۔ کیونکہ قدرت فعل و ترک فعل کی دونوں طرفوں کو برابر قرار دیتی ہے اور ارادہ ایک طرف کو ترجیح دینے والا ہے۔ اور ایجاد ترجیح ارادہ کے بعد تکوین سے تعلق رکھتی ہے اور اگر قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین کی مصحح ہے تو جبر لازم آئے گا اور اگر تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد بے سہارا رہ جاتی ہے کیونکہ قدرت ایجاد کی مصحح ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے پس تکوین کے اثبات سے چارہ نہیں ہے کہ علماء ماتریدیہ کو اس کی راہنمائی حاصل ہوئی ہے اور اشاعرہ نے جب اس کی نسبت اور تعلق کو بہت سی چیزوں کے ساتھ پایا تو اسے صفات اضافیہ سے شمار کر لیا۔ اور اللہ حق کو حق کرتا ہے۔ اور وہی رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

تخلیق، ترزیق، احیاء، اماتت اور ان جیسی اور صفات کو تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہر ایک کو مستقل طور پر صفت قدیمہ کہا جائے تو بے ضرورت بہت سی چیزوں کا قدیم ہونا ثابت کرنا ہوگا۔ پس واضح ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے صفات میسر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کو بذات خود بے توسط صفات حاصل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی دوسری چیز کے ملاحظہ اور اعتبار کے بغیر بھی تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے۔ کیونکہ بعض اور جزو ہونا اللہ تعالیٰ کی

> ذات کے لیے ناپید ہے وہ تمام علم ہے۔ وہ تمام سننا (سمع) ہے۔ وہ تمام دیکھنا (بصر) ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں[۳]۔

اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> عالم اگرچہ صفات کا ظلال ہے اور صفات حضرت ذات کا ظلال ہیں لیکن اس ظلیت کے مراتب اور درجات ہیں کہ ہر ایک کو حجاب مطلوب ہے۔
>
> حدیث: **اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَبْعِیْنَ اَلْف حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَةٍ**
>
> ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں[۴]۔

مندرجہ بالا مکتوب کے آخری حصہ میں صفات کو حضرت ذات کے ظلال اور کائنات کو صفات کے ظلال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ایک دیگر مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ عالم یعنی کائنات صفات کا ظلال ہے لیکن صفات کا معاملہ حضرت ذات سے ایسا نہیں ہے بلکہ جدا اور مختلف ہے۔ فرماتے ہیں:

> اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کا قیام خدا تعالیٰ کی ذات سے اس طرح کا نہیں ہے جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ ان کا قیام اس طرح ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع سے ہوتا ہے۔ کہ صانع اپنے مصنوع کا قیوم ہے۔ اگرچہ اس جگہ اتصاف ہے اور اُس جگہ اتصاف نہیں ہے۔ بلکہ ان کا قیام کسی چیز کی اپنی ذات سے قیام کی طرح ہے۔ اتنا فرق ہے کہ اس جگہ زیادتی ثابت ہے اور اس جگہ زیادہ متصور نہیں ہے۔ لیکن وہ زیادتی غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی ہے۔ کیونکہ علماء نے نہ اس کا غیر ہے" فرمایا ہے کہ پس دونوں جگہ میں تغائر اعتباری ثابت ہوا اور قیام متحقق ہوا۔ اور اتصاف کا حصول اس جگہ انسان کی انسانیت سے اتصاف کی طرح ہے یا جوہر کے جوہریت کے اتصاف کی طرح۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس مقام میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقیہ مقدسہ ہیں جو کہ حضرت کی ذات سے قائم ہیں۔ صفت اور اتصاف کا کوئی ملاحظہ اس جگہ ثابت نہیں ہے۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موصوفیت کا ملاحظہ ہے اور نہ ہی صفات مقدسہ میں صفائیت ملحوظ ہے جس

صورت میں وجودِ اور وجودِ وجوب کو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے۔ تو صفت واتصاف کی کیا مجال ہے۔ جو کہ وجود کی شاخ ہیں۔ اس مقدس مقام میں سوائے نور کے اور کسی کو گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ بھی بے چون ہے اگر حیات ہے تو وہ بھی نور ہے اگر علم ہے تو وہ بھی نور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور اس نور اقدس بے چون کو اگر مرتبہ ثانی میں بے تغیر اور انتقال اثبات کیا جائے تو یقیناً اس کی مظہریت کے قابل سوائے وجود کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی لہٰذا اس فقیر کے نزدیک تعین اول "تعین وجود" ہے اور باقی سب تعینات اس تعین کے تابع ہیں۔ اگرچہ تعین کے لفظ کا اطلاق بھی اس فقیر کے علوم کے مطابق اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ لیکن چونکہ قوم میں یہ لفظ متعارف ہو چکا ہے لہٰذا ہم بھی اس کے اطلاق میں نرمی کرتے ہیں۔

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ آمین۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے[۵]۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ

جس طرح اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات ذاتی حقیقی قدیمی زائدہ ہیں اسی طرح اللہ کی صفات اضافیہ بے حد و بے حساب ہیں۔ صفاتِ اضافیہ کا مرتبہ نیچے ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ صفاتِ اضافیہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجود کے دائرے میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے امکان کی بوان میں ثابت ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا۔ اور ان کا قدیمی نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اور کشفِ صریح

> سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہوئی ہے جو صفاتِ اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ وہ امکان جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے۔ اور جتنا بھی دقت نظر سے ممکناتِ عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفاتِ اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا۔ بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازم ان کا سایہ نہ ہوگا۔ اور یہ بھی ہے عالمِ شہادت کسی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہے اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ علیہ وآلہ تسلیمات۔
>
> سن غور سے سن! صفتِ علم صفاتِ حقیقیہ سے ہے۔ اور وہ خارج کے دائرہ میں داخل ہے اور اس صفت کو نسبت لاحق ہوتی ہے اور اس سے وہ تقسیم ہو جاتی ہے مثلاً علمِ اجمالی یا علمِ تفصیلی تو اس کی یہ اقسام اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی۔ جو کہ صفات اضافیہ کا مقام ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جمل جو کہ صفت اضافیہ سے ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایسا نور ہے۔ عنصری پیدائش میں جو اصلاب متکثرہ میں گرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں جو کہ بہترین شکل وصورت (احسن تقویم) ہے۔ ظاہر ہوا اس کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہوا٦١۔

مندرجہ بالا عبارت میں امکان کو دو طرح پر بیان کیا گیا ہے۔

(۱) امکان صفاتِ اضافیہ

(۲) دوسرا عالمِ ممکنات

ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کی وضاحت اسی مکتوب میں بیان کی گئی۔ یہ کچھ اس طرح ہے۔ امکان صفاتِ اضافیہ کو نفس الامری مرتبہ میں شمار کیا ہے۔ اور عالمِ ممکنات کو مرتبہ وہم میں شمار کیا گیا ہے۔ راقم الحروف نے مکتوبات کے مطالعہ سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ کچھ یوں ہے:۔

امکان صفات اضافیہ کا وہ جہاں ہے جو عالم ممکنات سے اوپر کی جانب واقع ہے۔ امکان صفات اضافیہ کا جہاں عالم ارواح واضح ہوتا ہے[۷]۔ (مکتوب ۳۱، دفتر سوم کی روشنی میں) اور عالمِ ممکنات کا جہاں عالم اجساد ہے۔ جس کو عالم کبیر اور عالم اشیاء بھی کہا جاتا ہے۔ عالم کبیر بھی عالم اشیاء کو عالم اسماء اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اسی جہاں میں مقام عرش پر واقع ہوئی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کا سکھایا تھا۔ اور امام ربانی علیہ الرحمۃ نے حضور ﷺ کے نوری وجود کی تخلیق عالم اسماء سے اوپر کے جہاں میں قرار دی ہے۔ جو عالم ارواح ہے جسے صفات اضافیہ کا جہان کہا گیا ہے۔ اور نفس امری کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس جہاں کے بارے میں مکتوب ۷۶، دفتر دوم میں یوں لکھا ہے۔

> یہاں تک کہ عالمِ امر ختم ہو جائے۔ اس دائرہ (عالم کبیر) کے ختم ہونے کے بعد معاملہ حیرت اور جہل کا ہے۔ اگر چہ کچھ معرفت ہے تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہے۔ چونکہ حادث عقل وفہم کے لائق نہیں ہے[۸]۔

حضور ﷺ کے اس وجود کی ولادت جو اسم محمد سے معروف ہے عالم ممکنات میں ہوئی تھی اور حضور کا وہ وجود جس کی تخلیق اسم احمد سے ظہور میں لائی گئی تھی۔ وہ عالم ارواح میں واقع ہوئی تھی جو صفات اضافیہ کے امکان کا جہاں ہے۔ جس کو بعد نفس الامری قرار دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کی تخلیق اسم احمد کی صورت میں اس وقت کی گئی تھی جب کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا تھا۔ اور یہی انسان اول ہے۔ جس کے وجودِ مقدس واقدس سے کائنات کا وجود ظہور میں لایا گیا تھا۔

بنی آدم میں سے جب کسی کو ''عارف'' کے منصب پر فائز کرنا ہوتا ہے تو اسے از سرِ نو اسی مقام پر خلق کر کے ''عارف'' بنا دیا جاتا ہے۔ اس تخلیق کے عمل کو مکتوب ۱۱۱ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> جب دَنو کے تحقق کے بعد تدلی ہے۔ نزول کے روبرو ہے۔ جب تدلی تحقق ہو جاتا ہے اور ''عارف'' کو خلق میں لاتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے[۹]۔

اللہ تعالیٰ کی شانیں

گزشتہ صفحات میں اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ اور صفات اضافیہ اور اسماء کا اجمالاً بیان ہو چکا ہے۔ اگلے صفحات پر اللہ تعالیٰ کی شانوں کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ جن کے بارے میں امام ربانی علیہ الرحمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم سے اوپر شان الحیوٰۃ ہے کہ علم اس کا تابع ہے اور وہ تمام صفات کی ماں ہے کیا علم اور کیا غیر علم اور کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور یہ حیوٰۃ کی شان بڑی ہی عظیم الشان شان ہے۔
>
> دوسری تمام صفات اور شیون اس کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کہ دریائے محیط کے مطابق چھوٹی چھوٹی لہریں۔ عجیب بات یہ ہے کہ شیخ بزرگوار (ابن عربی) نے اس وسیع مملکت میں سیر نہیں کی ہے اور اس بات سے علوم و معارف کے پھول نہیں چنے ہیں اور اگرچہ یہ شان حضرت ذات عز شانہٗ سے بہت زیادہ قریب ہے اور عدم ادراک کے بہت زیادہ مناسب ہے۔ لیکن چونکہ وہ تنزل اور ظلیت کا شائبہ رکھتی ہے اور علم و معرفت کے مظنّہ سے ہے۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔
>
> جن دنوں میں یہ فقیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس عظیم الشان حالت میں سیر کر رہا تھا تو اس مقام کے نیچے دور بہت دور ایسا مشہود ہوتا تھا کہ شیخ نے اس جگہ ایک کٹیا بنا رکھی ہے۔ اور اس میں اقامت اختیار کر رکھی ہے۔ شاید آخر میں شیخ (ابن عربی) نے اس مقام سے حصہ حاصل کیا ہو۔
>
> اس طرح کے بُعدِ مسافت بے چون کا بُعد دو اعتبار سے ہے، کہا جا سکتا ہے کہ میدان عبارت کی تنگی ہے۔ یا اس کی صورت مثالی ہے۔ عالم مثال میں بُعد بے چونی بُعد مسافت سے مشہود ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ ہمیں صرف وہی علم ہے جو تو نے ہمیں بتایا۔ یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

فصل بالخیر

اس بیان سے لازم آیا کہ علم حیوٰۃ کے مرتبہ میں جو اس سے اوپر ہے ثابت نہیں ہوتا کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور جب مرتبہ حیوٰۃ میں علم ثابت نہ ہوگا تو مرتبہ ذات عز شانہٗ میں کس طرح ثابت ہوگا۔ جو کہ اوپر سے بھی اوپر ہے اور جب علم ثابت نہ ہوگا تو اس کا نقیض ثابت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

اس اشکال سے رہائی ایک باریک نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے کم ہی اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ جاننا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ کا علم مثلاً جیسا کہ صفات ثمانیہ حقیقیہ زائدہ سے ہے۔ جس طرح کہ اہل حق نے فرمایا ہے اسی طرح شیون اور اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے اور جب پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد صفات سے ہے تو جن سے ان کا تعلق ہے وہ بھی ذات کے سوا ہوں گے۔ اور وہ ماسویٰ خواہ عالم ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات زائدہ کیونکہ جو کچھ بھی ظلیت کے داغ سے داغدار ہو چکا ہے۔ اور زیادتی کا نام اس پر آ چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے لائق نہیں ہے اور نہ اس کا خدا تعالیٰ کی ذات سے کوئی تعلق ہے۔ وہ علم خواہ حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری بھی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر چہ اس نے علم اور عالم اور معلوم میں اتحاد پیدا کیا ہے کیونکہ یہ اتحاد کا مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ نہ کہ اس کا عین۔ اگر چہ ایک جماعت نے اس کی عینیت کا گمان کیا ہے[۱۰]۔

یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ربانی علیہ الرحمۃ صفات اور شیونات کی کامل معرفت رکھتے ہیں۔ امام ربانی علیہ الرحمۃ مندرجہ بالا علوم و معارف کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

> یہ علوم جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں اسی طرح کشف و شہود سے بھی بالا ہیں اور یہ بھی ہے کہ ارباب کشف و شہود اس معلوم کے سمجھنے میں اہل علم و عقل کی طرح ہیں، نبوت کی فراست کا نور چاہیے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی متابعت سے ان حقائق کو پا لینے کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کو پا لینے کی دلالت کرے۔

مندرجہ بالا واضح ہونے والی باتوں سے امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی معرفت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کس قدر جلیل القدر ہیں۔ چنانچہ رسالت مآب ﷺ کے وجود عبد جو اسم احمد ﷺ کے نام سے

معروف ہے۔ اس وجود کی تخلیق کا امکان صفات اضافیہ کا امکان بیان فرماتے ہیں۔ نیز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے بارے میں جو معرفت آپ علیہ الرحمۃ کو حاصل ہے۔ یعنی حقیقت محمدی کی تخلیق تین چیزوں کی جامع ہے۔ محبت، شعور اور نور جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ **''جوہر محبت''** کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> حقیقت محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ حقیقت الحقائق ہے۔ مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر آخر کار جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ تعین وظہور حبّی ہے جو کہ تمام ظہورات کا مبدا اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے۔ مشہور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ **کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ** (میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے محبوب رکھا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں) سب سے پہلی چیز جو اس مخفی خزانہ سے ظہور کے تخت پر جلوہ گر ہوئی وہ محبت تھی جو کہ مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانا رکھتا۔ حدیث قدسی **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) جو کہ خاتم الرسل ﷺ کی شان میں واقع ہے کا راز اس جگہ سے معلوم کرنا چاہیے اور **لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّتَ** (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں تلاش کرنا چاہیے[۱۲]۔

۲۔ **''شعور''** (جس کا مبدا حقیقت قرآن ہے) کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> ماہ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ اس ماہ مبارک کی قرآن مجید کے ساتھ جو تمام کمالات ذاتی اور شیونی کا جامع ہے اور دائرۂ اصل میں اس طرح داخل ہے کہ ذرہ برابر ظلیت اس کی طرف راہ نہیں

پا سکتی۔ اور حقیقت محمدی ﷺ اس کا ظل اول ہے، مکمل مناسبت رکھتا ہے، اسی مناسبت کی بنا پر اس مقدس کتاب کا نزول اس ماہ مبارک میں واقع ہوا۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰن

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔

اس بات کا مصداق ہے۔ اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ تمام خیرات و برکات کا جامع ہے۔ ہر طرح کی خیر و برکت تمام سال میں جس کسی کو پہنچتی ہے۔ جس راہ سے بھی پہنچتی ہے، اس عظیم القدر ماہ مبارک کی بے نہایت برکات کا ایک قطرہ ہے۔ اگر اس ماہ مبارک میں جمعیت نصیب رہی تو سارا سال جمعیت حاصل رہے گی۔ اور اگر اس ماہ مبارک میں پراگندگی رہی تو سارا سال پراگندگی پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تو کتنا مبارک ہے وہ شخص جس کے پاس یہ مہینہ آیا اور اس سے راضی اور خوش گیا۔ اور خرابی ہے اس شخص کے لیے جس سے یہ مہینہ ناراض گیا اور اس کی برکات و خیرات سے محروم رہا۔ اور اس ماہ مبارک میں قرآن مجید کے ختم کی سنت بھی اسی تعلق کی بناء پر معلوم ہوتی ہے تا کہ تمام اصلی کمالات اور بھی میسر ہوں تو جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا، امید ہے کہ وہ اس کی برکات سے محروم نہیں رہے گا اور اس کی خیرات سے روکا نہیں جائے گا۔ وہ برکات جو اس مبارک مہینہ کے ایام سے متعلق ہیں اور وہ خیرات جو اس کی راتوں سے وابستہ ہیں کچھ اور ہیں۔ اسی راز کے باعث شاید یہ بات ہے کہ جلدی روزہ افطار کرنے کا حکم ہے اور سحری میں تاخیر کرنے کے متعلق وارد ہوا ہے۔ تا کہ دن رات کے دونوں وقتوں کے اجزاء میں امتیاز و فرق حاصل ہو۔ قابلیت اولیٰ جس کا اوپر ذکر ہوا، اور حقیقتِ محمدیہ **علیٰ مظہر ھاالصلوٰت واتسلیمات** کے سن سے عبارت ہے وہ قابلیت ذات نہیں جو صفات سے متصف ہے[۱۳]۔

۳۔ ''نور'' (جو شانِ علم کا مظہر ہے) کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

شان العلم کی بلندی اور اس مرتبہ مقدسہ کا بیان جو اس سے اوپر ہے۔ جسے خالص نور کہا جاتا ہے۔

(۱)

شان العلم اگرچہ شان الحیوٰۃ کے تابع ہے لیکن علم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں صفات وشیون کے اعتبار کے سقوط کے بعد ایک ایسی شان اور گنجائش ہے کہ وہ حیوٰۃ کو بھی نہیں ہے پھر دوسری صفات اور شیون کا کیا حال ہے۔ وہ ایک مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے تجرد کا مقام ہے کہ اطلاق نور کے علاوہ اپنے لیے کچھ اور تجویز نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ علم کو بھی اس جگہ گنجائش ہے لیکن وہ علم نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں کہ وہ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ حیوٰۃ کا تابع ہے بلکہ وہ علم اللہ تعالیٰ کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور وہ سب بے چون شعور ہی شعور ہے۔ اس میں عالم ومعلوم کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اس مرتبہ کے اوپر ایک مرتبہ ہے کہ علم کو بھی دوسرے شیون کی طرح اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ اس جگہ سب نور ہے کہ اس کا اصل بے چون و بے چگون شعور ہے اور جب حضرت نور کا ظل بھی بے چون و بے چگون ہے تو اصل جو کہ عین نور ہے کی بے چونی و بے چگونی کے متعلق کیا کہوں، اور کیا کہا جا سکتا ہے، اور تمام کمالات خواہ وہ وجوبی ہوں یا امکانی نور کے ظلال ہیں اور نور کے ساتھ قائم ہیں وجود بھی نورِ وجود سے ظاہر ہوا ہے اور مبدا آثار ہوا ہے۔ پہلا جو کہ حضرت نور کے مرتبہ سے صرف انحطاط کی بو رکھتا ہے اور شعور و نور کا جامع ہے نبی ﷺ نے اس کو مخلوق کہا ہے اور کبھی اُسے عقل سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس جگہ آپ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ

سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

اور یہ دونوں ایک ہیں یہی نور ہے اور یہی عقل و شعور اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرتبہ کی اپنی طرف نسبت کی ہے ''میرا نور'' فرمایا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقت محمدی کا مرتبہ تھا اور یہ تعین اول ہوگا نہ وہ حقیقت و تعین اول جو کہ متعارف ہو چکی ہے کیونکہ وہ تعین اگر اس تعین کا ظل ہو تو بھی غنیمت ہے[۱۴]۔

(۲)

جس طرح امام ربانی علیہ الرحمۃ نے حقیقت محمدی (روح محمدی) کی معرفت کو بیان فرمایا۔ اسی طرح آپ نے حضور ﷺ کے قالب اور روح کے جامع وجود کے بارے میں تحقیق فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

> ان اسرار کے بیان میں جو رسول اللہ ﷺ کے دو ناموں محمد اور احمد سے متعلق ہیں:
>
> ہمارے پیغمبر ﷺ دو ناموں سے موسوم ہیں اور دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (محمد اللہ کے رسول ہیں) اور عیسیٰ روح اللہ کی بشارت کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: اِسْمُہٗ اَحْمَدُ (اس کا نام احمد ہوگا) اور ان دونوں مبارک ناموں کی ولایت علیحدہ ہے۔ ولایت محمدی اگرچہ پیغمبر ﷺ کی محبوبیت کے مقام سے پیدا ہوئی ہے لیکن اس جگہ خالص محبوبیت ثابت نہیں ہے بلکہ اس میں محبیت کی کیفیت کی آمیزش بھی ہے اگرچہ وہ آمیزش اس کے اصل میں ثابت نہیں ہے لیکن محبوبیت خالص کے مقام سے مانع ہے اور ولایت احمدی خالص محبوبیت سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبیت کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ ولایت پہلی ولایت سے بلند تر ہے اور ایک منزل مطلوب سے نزدیک تر ہے اور محبّ کو زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جتنا بھی محبوبیت میں مکمل ہوگا اس کی بے نیازی اور استغنا بھی کامل تر ہوگا اور محبّ کی نگاہ میں زیادہ خوبصورت اور زیبا تر ہوگا اور محبّ کو اپنی طرف زیادہ کھینچے گا اور اسے زیادہ سرگشتہ اور شیفتہ بنا دے گا۔
>
> نہ تنہا آفتم زیبائی اوست
> بلائے من ز ناپروائی اوست

بلا سے مراد عشق کا حد سے گزرنا ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحان اللہ! احمد عجیب مبارک نام ہے جو کہ کلمہ مقدسہ احد سے مرکب ہے اور حرف میم کے حلقہ سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے عالم بے چون میں پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چون میں اس پوشیدہ راز کو حلقہ میم کے بغیر تعبیر کیا جا سکے۔ اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے تعبیر فرماتے اور احد احد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور حلقہ میم طوق عبودیت ہے کہ جس نے بندہ کو مولا سے الگ کیا ہے پس بندہ وہی میم کا حلقہ ہے اور لفظ احد اس کی تعظیم کے لیے آیا اور اس کے اختصاص کا اظہار کیا ہے۔

چوں نام این است نام آور چہ باشد

ہزار سال کے بعد کہ اس کو امور عظام کے تغیر میں ایک تاثیر ودیعت کی ہے اُس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک کھینچا اور ولایت محمدی ولایت احمدی پر منتہی ہوئی۔ اور کاروبار عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق تک پہنچا اور پہلے طوق کی جگہ حرف الف جو کہ اس کے رب سے اشارہ ہے متمکن ہوا یہاں تک کہ محمد احمد ہوا۔ **علیہ و علیٰ الہ الصلوۃ والسلام** اس کا بیان یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوق میم کے دو حلقوں سے عبارت ہیں کہ جو اسم مبارک محمد میں مندرج ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دو طوق ان کے دو تعین کی طرف اشارہ ہو۔ ان دو تعین میں سے ایک تعین بشری ہے اور دوسرا تعین روحی ملکی اور تعین جسدی میں اگرچہ موت آ جانے کی وجہ سے سستی ونقص آ جاتا ہے اور تعین روحی نے اور قوت حاصل کر لی لیکن اس تعین کا اثر باقی رہا تھا ہزار سال چاہیے تھا کہ اس کا اثر بھی زائل ہوا اور اس تعین کا کوئی نشان نہ رہے اور جب ہزار سال ختم ہوا اور اس تعین کا اکثر حصہ نہ رہا اور ان دو طوق میں سے ایک طوق عبودیت کھینچ لیا گیا اور اس پر فنا اور زوال طاری ہوا اور الف الوہیت کہ اس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا

> ہے اس کی جگہ بیٹھا تو لازماً محمد احمد ہوا اور ولایت محمدی سے ولایت احمدی میں انتقال فرمایا۔ پس محمد دو تعین سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین سے کنایہ ہے اور بس۔ پس یہ نام حضرت مطلق سے زیادہ قریب ہوگا اور عالم سے دور تر ہوگا[۱۵]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے خلق محمدی کو عام انسانوں کی تخلیق کی طرح قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ بعض گستاخوں نے خیال کیا۔ بلکہ آپ ﷺ کی تخلیق کو کسی شے کی تخلیق کی مثل بھی قرار نہیں دیا۔ آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

> جاننا چاہیے کہ خلق محمدی دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ رسول اللہ ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں۔
>
> اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں۔ لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ امکان کی بُو ان میں ثابت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا۔ اور ان کا قدیمی نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہے اور کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اُس امکان میں ہوئی ہے جو امکان اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے اور جتنا بھی دقت نظر سے ممکنات عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا

> وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا۔ بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازماً ان کا سایہ نہ ہوگا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ عالم شہادت میں کسی شخص کا سایہ اُس شخص سے زیادہ لطیف ہے۔ اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات[۱۶]۔

(۳)

عالمِ آفاق اور عالمِ انفس

کائنات کے عالمِ آفاق اور عالمِ انفس کے ایک قدم میں طے کرنے کا ذکر یوں تحریر فرماتے ہیں:

> یہ وہ طریقہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگ (انبیاء علیہم السلام) اسی راستے سے اپنے مختلف مراتب کے مطابق منازل وصول تک پہنچے ہیں۔ اور انہوں نے آفاق وانفس کو ایک قدم میں طے کیا اور دوسرا قدم آفاق وانفس سے باہر جا رکھا ہے اور معاملے کو سلوک اور جذبہ سے اوپر لے گئے ہیں۔ اس لیے کہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے۔ اور جذبے کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک۔ اور جب سیر آفاقی اور انفسی نہایت کو پہنچ گئی سلوک وجذبہ کا معاملہ مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد نہ سلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ معنی ہر مجذوب سالک اور ہر سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک آفاق وانفس کے باہر قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر بالفرض ابدی عمر پائیں۔ تو ساری کی ساری سیر انفس میں صرف کر دیں گے۔ اور پھر بھی اُسے تمام نہ کرسکیں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ذرّہ گر بس نیک ور بس بد بود
گرچہ عمرے تنگ زند درخود بود

جیسا کہ گزرا۔ اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ذات کی تجلی متجلی لہٗ کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔ پس متجلی لہٗ نے اپنی صورت کے سوا حق کے آئینہ میں کچھ نہیں دیکھا۔ اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اُسے دیکھ سکے[۱۷]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ آفاق وانفس سے باہر اس بلند ذات کو تلاش کرنا چاہیے۔ چناں چہ ایک مکتوب میں حاجی محمد فرکتی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ کا مراسلہ شریفہ جو آپ نے کمال اخلاص اور محبت کیساتھ ارسال کیا تھا۔ موصول ہو کر بہت زیادہ فرحت اور خوشی کا موجب ہوا۔ نسبت رابطہ تمہیں ہمیشہ صاحب رابطہ (شیخ) کے ساتھ رکھتی ہے۔ اور فیوض انعکاسی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس نعمت کا شکر بجا لانا چاہیے۔ اور قبض و بسط دونوں اس راہ میں اُڑنے کے دو بازو ہیں۔ قبض سے دلگیر۔ اور بسط سے مسرور نہ ہوں۔

آپ نے یہ آرزو کی تھی کہ تمام ذرات میں مشاہدہ جمال میسر ہو۔ محبت کے اطوار والے! بندے کو آرزو سے کیا کام۔ اور اس کی آرزو اس کے فہم قاصر کے اندازہ کے مطابق ہوگی۔ جمال لایزال کا ذرات کے آئینے میں مشاہدہ کرنا کوتاہ بینی کے باعث ہے ذرات کی کیا مجال ہے۔ کہ اس جمال کے آئینے بنیں۔ جو کچھ ذرات کے آئینوں میں مشہود ہوتا ہے۔ وہ اس بے نہایت جمال کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اس بلند ذات کو وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر ڈھونڈنا چاہیے۔ اس

> وقت جو نسبت تم رکھتے ہو وہ تمہاری آرزو سے فوقیت رکھتی ہے۔ لوگوں کی تقلید کر کے پستی کی طرف راغب ہونے کی آرزو ہرگز نہ کریں۔ اور بلندی سے نیچے آنے کی تمنا نہ کریں۔ ان اکابر کا کارخانہ بلند ہے۔

اَنَّ اللّٰہ سبحانَہ، یحب معالی الھمم

بیشک اللہ سبحانہ بلند ہمتی کو پسند فرماتا ہے۔

المسؤل من اللہ سبحانہ، جمیعتکم الصوریۃ والمعنویۃ والسلام[۱۸]

آفاق وانفس سے باہر

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ آفاق وانفس کی حدود سے باہر کی سیر کی خبریں دیتے ہیں:۔

> اگر قرب نبوت کے کمالات کی بلندی کی طرف قرب ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو تو فنا وبقا اور جذبہ وسلوک سے چارہ نہیں۔ کیونکہ یہ اس قرب کے مقدمات اور اسباب ہیں۔ اور اگر اس راہ سے نہ چلے اور شاہراہ قرب نبوت سے گئے ہیں۔ اس لیے وہ جذبہ وسلوک اور فنا وبقا سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اس معرفت کا بیان میرے اس مکتوب سے جو مولانا امان اللہ کے نام لکھا ہے۔ تلاش کریں اور اس فقیر نے اپنے مکتوبات ورسائل میں جہاں جہاں یہ لکھا ہے، کہ میرا معاملہ سلوک وجذبہ سے وراء اور تجلیات وظہورات سے بھی وراء ہے۔ اس سے یہی قرب مراد ہے۔ میں اپنے خواجہ قدس سرہ، کی خدمت میں تھا کہ اس دولت نے ظہور فرمایا۔ اس عبارت کے ساتھ حضرت ایشاں کی خدمت میں میں نے عرض کیا تھا تو مجھ پر ایک چیز ظاہر ہوئی کہ سیر انفسی اس عمل کی نسبت سیر آفاقی کی طرح ہے۔ اس عبارت سے زیادہ اس دولت کی تعبیر کے لیے طاقت نہیں پاتا تھا۔ سالہا سال کے بعد یہ عجیب معاملہ صاف ہوا۔ اور مجمل عبارتوں کے ساتھ تحریر میں لایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

پس عبارت فنا و بقا اور جذبہ و سلوک نئی پیدا شدہ اور مشائخ کی ایجاد کردہ چیز ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمۃ نفحات میں لکھتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے جس شخص نے فنا و بقا کا لفظ زبان سے نکالا ہے، ابوسعید خراز ہے قدس سرہ[19]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کائنات کی حدود یعنی آفاق و انفس سے باہر قدم رکھنے کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> پس سیر انفسی تو ضروری ہے اور سیر آفاقی طفیلی طور پر اس کے ضمن میں میسر آ جاتی ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سیر انفس میں منحصر تھی۔ اور آفاقی طفیلی طور پر ضمن میں طے ہو جاتی تھی۔ ہاں سیر آفاقی بھی اچھی چیز ہے۔ اگر اس کے طے کرنے کی فرصت دیں۔ اور رکاوٹوں کے درمیان میں حائل ہونے کے بغیر ہی انجام تک پہنچا دیں۔ اور اگر اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور رکاوٹوں میں مبتلا کر دیں تو نزدیک ہے۔ کہ سیر آفاقی لایعنی کاموں میں شمار ہو جائے اور حصول مطلوب کے موانع میں داخل ہو جائے۔ سیر انفسی جس قدر طے ہو سکے غنیمت ہے۔ کیونکہ یہ بدی سے نیکی کی طرف جانا ہے۔ نعمت عظیم ہے۔ اگر اس سیر کو بندہ انجام تک لے جائے۔ اور دائرہ انفس سے باہر ٹہلنا شروع کر دے۔ کیا ضرورت ہے کہ (سالک) تلوینات نفس کو آفاق کے ائینہ میں مشاہدہ کرے۔ اور اپنے تغیرات کا آفاق میں معائنہ کرے۔ جس طرح اپنے صفائے قلب کو مثلاً آئینہ مثال میں معلوم کرے اور اسی صفائی کو نور سرخ کی صورت میں بھی دیکھے۔ اپنی قوت باطن کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔ اور اس کی صفائی کو اپنی فراست کے سپرد کیوں نہیں کرتا۔ مثال مشہور ہے کہ

بارہ سالہ لڑکے کو طبیب کی کیا حاجت ہے۔ کیونکہ سالک اپنے وجدان صحیح سے اپنے احوال کی تلونیات کو پالے گا۔ اور فراست سے ہی اپنی صحت وسقم کو معلوم کرلے گا[۲۰]۔

عالمِ ارواح

جو صفاتِ اضافیہ کا امکان ہے۔ اور عالم مثال کے اوپر واقع ہے جس کے بارے میں امام ربانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ:

> عالم امر ختم ہو جانے کے بعد معاملہ حیرت اور جہل کا ہے۔ اگر کچھ معرفت ہے تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہے۔ جو کہ حادث عقل وفہم کے لائق نہیں ہے[۲۱]۔

راقم الحروف حبیبی کی گزارش ہے کہ عالم ارواح وہ عالم ہے جس میں حضور ﷺ کے وجود عبد کو خلق فرمایا گیا تھا۔ جس کا ذکر امام ربانی علیہ الرحمۃ نے آج سے چار صد سال پہلے اپنے مکتوب میں ذکر کر کے قرآن کریم کی وہ تفسیر بیان کردی جس کا کسی دوسرے فرد کو ادراک نہ تھا۔ مکتوب کی عبارت درج ذیل ہے:۔

> خاتمہ حسنہ: حسن و جمال محمدی ﷺ کے بیان میں جس سے جہانوں کے پروردگار کی محبت کا تعلق ہے اور نبی ﷺ اس جمال کے ساتھ رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف اگرچہ اس صباحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوب کے محبوب ہوئے ہیں (علیٰ نبینا علیہما الصلوٰۃ والسلام)، لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم المرسلین ہیں اس ملاحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے ہیں خالق زمین وآسمان کے محبوب ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور زمین وزمان کو ان کے طفیل پیدا کیا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔
>
> جاننا چاہیے کہ خلق محمدی دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ رسول اللہ ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالیٰ

کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں۔ لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ امکان کی بُو ان میں ثابت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریقِ اولیٰ ہوگا۔ اور ان کا قدیمی نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہے اور کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اُس امکان میں ہوئی ہے جو امکانِ اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے اور جتنا بھی دقتِ نظر سے ممکناتِ عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا۔ بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازماً ان کا سایہ نہ ہوگا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ عالم شہادت میں کسی شخص کا سایہ اُس شخص سے زیادہ لطیف ہے۔ اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔

سن غور سے سن! صفت علم صفاتِ حقیقیہ سے ہے۔ اور وجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور اس صفت کو نسبت لاحق ہوتی ہے اور اس سے وہ تقسیم ہو جاتی ہے مثلاً علم اجمالی یا علم تفصیلی تو اس کی یہ اقسام

اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی۔ جو کہ صفات اضافیہ کا مقام ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جمل جو کہ صفت اضافیہ سے ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں جو اصلاب سے ارحام متکثرہ میں گرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں جو کہ بہترین شکل و صورت ہے۔ ظاہر ہوا اس کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہوا۲۲۔

(۴)

موجودات کے تین مراتب

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے موجودات کے تین مراتب قرار دیے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> پس موجودات کے تین مرتبے ظاہر ہوئے۔ اور مرتبہ وہم میں جو کہ اس پیدائش کے اکثر افراد کا حصہ ہے سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ اس مرتبہ سے باہر آ چکے ہیں اور اسی طرح ملائکہ کرام بھی **علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام** کہ جن کا وجود آخرت کی پیدائش کے وجود سے مناسبت رکھتا ہے اور اولیائے کرام سے بھی بہت سے کم لوگ ایسے ہیں جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہم سے نکل کر نفسِ امر کے ساتھ ملحق ہو چکے ہیں۔
>
> اور دوسرا مرتبہ نفسِ امر کا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال اس جگہ موجود ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں اور آخرت کی پیدائش کا وجود بھی اس مرتبہ میں ثابت ہے اور اسی طرح انبیاء اور اولیاء میں سے تھوڑے آدمی بھی اسی مرتبہ میں چلے گئے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں جو کہ اس

کے اجزاء میں سے اشرف ہے اور باقی موجودات اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس کے اطراف واکناف میں ہے۔

اور تیسرا مرتبہ خارج اور موجود کا ہے اس جگہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ثمانیہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو مرکز اور غیر مرکز کا ہے کہ مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کے زیادہ مناسب ہے[۲۳]۔

۱......مرتبہ وہم میں موجودات: کائنات کا وہ حصہ جو فنا قبول کرنے والا اور فنا ہونے والا ہے۔

۲......مرتبہ نفس الامری: کائنات کا وہ حصہ جو فنا قبول کرنے والا ہے لیکن فنا سے مستثنیٰ ہے۔ جیسے دوزخ، جنت، کرسی، عرش، لوح، قلم، روح یعنی عالم ارواح۔

۳......مرتبہ خارج اور موجود: غیر مخلوق خالق کائنات کا جہاں ہے۔

امام ربانی علیہ الرحمۃ عالمِ ممکنات کے بارے میں صوفیاء کرام کے نظریہ کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> اے بھائی عالم ممکنات کو صوفیہ نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عالمِ ارواح و عالمِ مثال اور عالمِ اجساد عالمِ مثال کو عالمِ ارواح و عالمِ اجساد کے درمیان برزخ (پردہ) کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ عالمِ مثال ان دونوں عالموں کے حقائق و معانی کے لیے آئینہ کی طرح ہے کہ ارواح و اجساد کے حقائق و معانی عالم مثال میں لطیفہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ اس جگہ ہر معنی و حقیقت کے مناسب دوسری صورت و ہیئت ہے اور وہ عالم (مثال) بذاتِ خود صور و ہیئات و اشکال کا متضمن نہیں ہے۔ صور و اشکال اس میں دوسرے عالم سے منعکس ہو کر ظہور پاتے ہیں اس کی مثال آئینہ کی طرح ہے۔ جو بذات خود کسی صورت کا متضمن نہیں ہے اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو وہ باہر سے آئی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب جاننا چاہیے کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم میں تھی جو عالمِ مثال سے اوپر ہے اور بدن

سے تعلق کے بعد اگر اس نے نیچے اتر کر عالم اجساد سے تعلق قائم کیا ہے اور محبت کی وجہ سے نیچے آئی ہے تو اس کا عالم مثال سے کوئی کام نہیں ہے۔ نہ تعلق سے پہلے اور نہ تعلق کے بعد۔ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے بعض حالات کو عالم مثال کے آئینہ میں مطالعہ کرتا ہے اور احوال کے حسن و قبح کو اس جگہ سے معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ کشف اور خواب میں یہ معنی واضح ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حسّ سے غائب بھی نہیں ہوتا اور اس معنی کا احساس کر لیتا ہے اور بدن سے علیحدگی کے بعد اگر روح علوی ہے تو اوپر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر سفلی ہے تو نیچے کی گرفتار ہے۔ عالم مثال سے اس کا کوئی کام نہیں ہے۔ اور عالم مثال دیکھنے کے لیے ہے نہ کہ رہنے کے لیے۔ رہنے کی جگہ عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔ عالم مثال ان دونوں عوالم کے آئینہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں رکھتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور وہ تکلیف جو خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتی ہے وہ اس سزا کی صورت و شباہت ہے۔ جس کا دیکھنے والا مستحق ہے اور تنبیہ کے لیے اس پر اس معنی کو ظاہر کیا ہے اور عذابِ قبر اس جنس سے نہیں ہے کہ وہ سزا کی حقیقت ہے نہ کہ اس کی صورت و تشبیہ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے۔ اگر بالفرض وہ حقیقت بھی رکھتی ہو تو وہ دنیوی تکالیف کی قسم سے ہوگی۔ اور عذاب قبر عذاب اخروی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ دنیوی عذاب کو اخروی عذاب سے (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) کچھ بھی نسبت نہیں اور اگر دوزخ کی آگ کا ایک شرارہ دنیا میں گر پڑے تو ساری دنیا کو جلا دے اور نیست و نابود کر دے۔ عذاب قبر کو خواب کے رنگ میں جاننا عذاب کی

حقیقت اور عذاب کی صورت سے ناواقفی کی بنا پر ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ اس شبہ کا منشا یہ وہم ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کا ہم جنس ہے اور یہ باطل ہے اور اس کا بطلان ظاہر ہے[۲۴]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کائنات کے مرتبہ وہم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سوال: جبکہ سب وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کر لیا جائے تو وجود وہمی اور نمود خیال کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔؟

جواب: یہ وہمی وجود محض اختراع وہم سے حاصل نہیں ہوا۔ کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ بلکہ حق تعالیٰ جل وعلا کے فعل سے مرتبہ وہم سے حاصل ہوا۔ اور استحکام پیدا کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا۔ اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُسے مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا ہے۔ اور جب اس بلند ذات کا فعل خلق ہے تو جس مرتبہ میں بھی ہوگا زوال وخلل سے محفوظ ہے۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب اُسے پیدا کیا ہے تو ناچار نفس امری بھی ہوا۔ جس مرتبے میں بھی اُسے پیدا کیا گیا ہو۔ اگرچہ وہ نفس نفس امری نہ ہو صرف اعتبار ہو۔ لیکن اس مرتبے میں اس کی پیدائش نفس امری ہے اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے۔ یعنی اشیاء کو مرتبہ ایجاد میں فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لیے حصول وثبوت نہیں ہے مگر صرف حس و وہم میں۔ جیسے ایک شعبدہ باز غیر واقع اشیاء کو واقع کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ایک چیز کو دس چیزیں کر کے دکھاتا ہے حالانکہ ان دس چیزوں کے لیے حس و وہم کے سواء کوئی ثبوت نہیں اور نفس امر میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور ان دس چیزوں کو جو ظاہر کیا ہے۔ اگر قدرت کاملہ خداوندی جل سلطانہٗ سے ثبات واستقرار پیدا کر دیں۔ اور خلل اور جلد زائل ہونے سے محفوظ کر لیں تو وہی دس چیزیں نفس الامری بن جائیں گی۔ تو اس اعتبار

سے وہ دس چیزیں نفس امری ہیں بھی اور نہیں بھی۔ لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبہ حس و وہم سے قطع نظر کر لی جائے تو معدوم ہیں۔ اور اگر حس و وہم کا لحاظ کیا جائے تو موجود ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ بلادِ ہندوستان میں چند شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے شعبدہ بازی کی۔ اس درمیان میں طلسم و شعبدہ سے باغ اور آم کے درخت لوگوں کے سامنے لائے اور ایک عارضی نمود سے انہیں ظاہر کیا۔ اور انہوں نے اسی مجلس میں یہ بھی دکھایا کہ وہ درخت بڑے ہوے۔ اور انہیں پھل بھی لگا اور اہل مجلس نے ان پھلوں سے کچھ کھائے بھی۔ عین اسی وقت بادشاہ نے ان شعبدہ بازوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ اگر ظہور شعبدہ کے بعد شعبدہ باز کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے اپنی حالت میں موجود رہتا ہے۔ اتفاق سے جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو آم کے وہ درخت قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے اسی حالت میں موجود رہے۔ اور میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اس وقت تک موجود ہیں۔ اور لوگ ان کے میوے کھاتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں [۲۵]۔

کائنات کے تین عوالم

امام ربانی علیہ الرحمۃ نے کائنات کے تین عالم بیان فرمائے ہیں۔ پھر ہر عالم کے بارے میں الگ وضاحت فرمائی۔ عالم اجساد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> عرش مجید خداوند تعالیٰ کی عجائب مصنوعات میں سے ہے۔ وہ عالم کبیر میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان برزخ ہے اور اس سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس سے بھی اور عالمِ خلق چھ روز میں پیدا ہوا ہے۔ زمین اور پہاڑ اور آسمان وغیرہ جن کا ذکر آیت کریمہ وَخَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیۃ میں واقع ہوا ہے۔ عرش کی ایجاد ان سب سے پہلے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ اور اللہ وہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ بلکہ پانی کی پیدائش بھی اس آیت سے ان چیزیں سے پہلے معلوم ہوتی ہے۔ پس عرش مجید جس طرح کہ زمین کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ آسمانوں کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عالم امر سے بھی بہت سا حصہ رکھتا ہے۔ اور یہ چیزیں اس سے کوئی حصہ نہیں رکھتیں۔

خلاصہ کلام چونکہ عرش کو آسمانوں سے زمین کی نسبت بہت زیادہ مناسبت ہے تو لازمی طور پر اسے آسمانوں میں شمار کیا گیا۔ ورنہ فی الحقیقت وہ جیسے زمین سے نہیں ہے۔ آسمانوں سے بھی نہیں ہے۔ تو لازمی طور پر زمین و آسمان کے احکام و آثار علیحدہ ہوں گے۔ باقی رہا کرسی کا معاملہ تو وہ آیت کریمہ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرسی بھی آسمانوں سے الگ ہے۔ اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اور شک نہیں ہے کہ کرسی عالم امر سے نہیں ہے کیونکہ کرسی کو عرش سے نیچے کہتے ہیں۔ اور عالم امر کا معاملہ عرض سے اوپر ہے۔ اور چونکہ کرسی عالمِ خلق سے ہے۔ اور اس کی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے۔ تو چاہیے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے علاوہ ہو۔ اور اس معنی میں کوئی استحالہ نہیں آتا۔ کیونکہ تمام عالم خلق کو ان چھ دنوں میں ہی پیدا نہیں کیا ہے۔ کہ پانی کی پیدائش جو کہ عالمِ خلق سے ہے۔ ان چھ روز کے علاوہ ہے۔ اور ان چھ دنوں سے پہلے۔ جیسا کہ پہلے گزرا اور چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر اچھی طرح نہیں کھلا ہے لہٰذا اس کی تحقیق کو دوسرے کسی وقت پر ڈالتے ہیں۔ اور اللہ کی نوازش سے ہم اس کی امید رکھتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے علم زیادہ عطا فرما۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراض خود بخود رفع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ جب زمین اور آسمان نہیں تھے تو چھ دن کی تعیین و تشخیص کس طرح ہو گئی۔ اور اتوار کا دن سوموار سے کیونکر جدا ہوا۔ اور منگل بدھ سے کس طرح الگ ہوا۔ اور جمعرات کا دن کیسے ممتاز ہوا۔

جب عرش کی پیدائش زمین و آسمانوں کی پیدائش سے پہلے معلوم ہو چکی۔ تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا۔ اور ایام کا ثبوت واضح طور پر مہیا ہو گیا۔ اور اعتراض ختم ہوا۔ یہ کب ضروری ہے کہ مخصوص ایام کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب سے ہو۔ کیونکہ بہشت میں طلوع و غروب نہیں ہے اور دونوں کا امتیاز ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔

دوسرا اعتراض جو رفع ہوا ہے اور اس فقیر کے علوم سے مخصوص ہے۔ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''میرے آسمان اور میری زمین مجھے نہیں سما سکتیں۔ لیکن مجھے سما لیتا ہے میرے مومن بندے کا دل''۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اتم مومن بندے کے دل سے مخصوص ہے۔ کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ اور تم نے اپنے مکتوبات میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔ کہ ظہور اتم عرش مجید کے لیے ہے۔ اور ظہور قلبی ایک چمک ہے ظہور عرشی سے۔ اور اس سابق تحقیق سے معلوم ہے۔ کہ عرش مجید کے آثار و احکام علیحدہ ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں گنجائش نہیں ہے۔ اور عرش میں ہے۔ ہاں زمین اور آسمان اور ان کے اندر کی موجودات اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے۔ سوائے مومن بندے کے دل کے کہ وہ اس دولت کے لیے مستعد ہے۔ پس وسعتِ قلبی کا حصر زمین اور آسمانوں کی نسبت سے ہے۔ نہ کہ تمام مخلوقات کی نسبت سے جو کہ عرض مجید کو

بھی شامل ہو۔ تاکہ حدیث قدسی کے مفہوم کے خلاف متصور رہو۔ پس دوسرا اعتراض بھی رفع ہوا۔

جاننا چاہیے کہ عرض مجید جو کہ ظہور نام کا محل ہے۔ جب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ ان سب کو عرض کے مقابل لاتے ہیں۔ تو بلاشبہ وہ ناچیز اور نابود ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا، مگر انسان کا دل جو کہ خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ باقی رہتا ہے اور محض لاشے نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وہ ظہور جو کہ عرش سے اپنی جانب سے تعلق رکھتا ہے جو کہ صرف عالم امر سے ہے۔ عرش کا اس مرتبہ کی نسبت وہی حکم ہے جو کہ زمین اور آسمانوں کو عرش سے نسبت ہے۔ اور اسی طرح ہر بلند کو اپنے پست سے یہ نسبت ہے۔ یہاں تک کہ عالم امر ختم ہو جائے۔ اس دائرہ کے ختم ہونے کے بعد معاملہ حیرت اور جہل کا ہے۔ اگر کچھ معرفت ہے تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہے جو کہ حادث عقل وفہم کے لائق نہیں ہے۔ اب ہم انسانی کمالات اور انسان کے دل کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں[۲۶]۔

عیبِ مے جملہ بہ گفتی ہنرش نیز بگو

عرشِ مجید اگرچہ فراخ تر اور مظہر اتم ہے۔ لیکن وہ اس دولت کے حصول کا علم نہیں رکھتا۔ اور اس کو اپنے کمالات کا ظہور حاصل نہیں ہے۔ برخلاف قلب انسانی کے کہ وہ صاحب شعور ہے۔ اور اپنی معرفت اور علم سے معمور ہے۔ اور دل کو دوسری فضیلت وہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔ اچھی طرح سنو۔

مجموع انسان جسے عالم صغیر کہتے ہیں۔ ہر چند کہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے۔ لیکن اس کو اجتماعی حقیقی صورت حاصل ہے۔ کہ اس ہیئت پر احکام وآثار مرتب ہوتے ہیں۔ اور عالم کبیر کو یہ ہیئت حاصل

نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف اعتباری ہے۔ پس وہ فیوض جو اس ہیئتِ وحدانی کی راہ سے انسان تک اور اس کے ذریعے قلب انسانی تک پہنچتے ہیں۔ عالم کبیر اور عرش مجید جو کہ اس عالم کبیر میں دل کی طرح ہے۔ ان کو ان فیوض و برکات سے کچھ حصہ نہیں ہے۔ اور ایک یہ فضیلت بھی ہے کہ جزو ارضی جو کہ حقیقت میں مخلوقات کا خلاصہ ہے۔ دوری کے باوجود اقرب ظہورات ہے۔ اس کے کمالات نے مجموعہ عالم صغیر میں سرایت کی ہے۔ اور عالم کبیر میں چونکہ وہ مجموعہ نہیں ہے۔ یہ سرایت اس جگہ مفقود ہے۔ پس عرش مجید کے برخلاف انسان کا دل یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ فضائل و کمالات جو کہ قلب میں ثابت کیے گئے ہیں۔ اگر ان کو اچھی طرح دیکھا جائے تو یہ جزوی فضیلت میں داخل ہیں۔ کلی فضیلت ظہور عرش ہی کو حاصل ہے۔ عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک وسیع آتش ہے جس نے دشت و صحرا کو منور کر رکھا ہے اور اس آگ سے ایک مشعل روشن کی ہے۔ جس نے بعضے امور کے الحاق سے ایک الگ نورانیت پیدا کر لی ہے جو اس آگ میں نہیں ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ یہ زیادتی سوائے جزوی فضیلت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ **وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین وسلم و بارک و علیٰ جمیع الانبیآء و المرسلین و الملآئکۃ المقربین اجمعین**[۲۷]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کائنات کے عالم اجساد کی مسافت کو سات قدم قرار دیتے ہیں۔ دو قدم عالم خلق اور پانچ قدم عالم خلق امر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

از ہر چہ می رود سخن دوست خوش تر است
دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو بہت اچھی ہے

یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں۔ سب سات قدم ہے۔ دو قدم عالمِ خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ عالمِ امر سے۔

پہلے قدم پر جو سالک عالمِ امر میں رکھتا ہے۔ تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے۔ اور دوسرے قدم پر تجلی صفات۔ اور تیسرے قدم پر تجلیات ذاتیہ کا ظہور شروع ہونے لگتا ہے۔ پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جیسے کہ اس حال کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں، لیکن یہ سب کچھ حضرت سید اولین و آخرین ﷺ کی متابعت پر منحصر ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ راہ صرف دو قدم ہے۔ اس سے ان کی مراد مختصر طور پر عالمِ خلق اور عالمِ امر ہے۔ تاکہ طالبوں کی نظر میں یہ کام آسان دکھائی دے۔

ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم پر سالک اپنے آپ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور ان قدموں کے طے کرنے کے بعد فنائے اتم ہے۔ جس پر بقا اکمل مترتب ہے۔ اور ولایت خاصہ محمدیہ ﷺ کا حاصل ہونا اس فنا و بقا پر موقوف ہے۔

ایں کارِ دولت است کنوں تا کرا دہند

یہ دولت مندی کا کام ہے دیکھیں اب یہ کسے عطا کرتے ہیں۔

ہم نامراد فقیروں کو اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ہے۔ سوائے اس کے کہ اہل کمال کے صاف پانی سے اپنے کام و دہاں کو سیراب و شیریں کریں۔

گر ندارم از شکر جز نام بہر
زیں بسے خوش تر کہ اندر کام زہر
آسمان نسبت بعرش آمد فرود
ورنہ بس عالی است پیشِ خاکِ تود

ترجمہ: اگرچہ شکر میرے پاس نہیں مجھے صرف اس کا نام ہی حاصل ہے لیکن یہ اس سے بہتر ہے کہ میرے منہ میں زہر ہو۔ آسمان عرش کے نیچے ہے مگر خاک کے تودے سے بہت ہی بلند ہے[۲۸]۔

والسلام اوّلاً و آخراً

عالمِ مثال

گزشتہ صفحات میں عالمِ اجساد یعنی عالمِ کبیر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اگلے صفحات میں عالمِ مثال کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ عالمِ مثال کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> جاننا چاہیے کہ عالمِ مثال تمام عوالم سے فراخ تر ہے جو کہ کچھ بھی تمام عوالم میں ہے۔ اس کی صورت عالمِ مثال میں موجود ہے، معقولات و معانی بھی اس عالم میں صورت رکھتے ہیں۔ اہلِ علم نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ لیکن مثال ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کے لیے بلند مثال ہے) اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ تنزیہ خالص کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں ہے۔ مثال بھی نہیں ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ (اللہ تعالیٰ کے لیے مثال نہ بیان کرو۔) اور عالمِ صغیر میں عالمِ مثال کا نمونہ خیال ہے۔ کہ خیال میں تمام اشیاء کی صورتیں متصور ہیں۔ سالک کے مقامات و احوال کی کیفیتوں کو خیال ہی متصور کر کے دکھاتا ہے۔ اور اہلِ علم سے بنا دیتا ہے۔ اور خیال نہ ہو۔ یا وہ کوتاہی کرے۔ تو جہل لازم آئے گا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل و حیرت ہے۔ کیونکہ خیال کی دوڑ دھوپ تو صرف مراتب ظلال تک ہے۔ جس جگہ ظل (سایہ) نہ ہوگا۔ وہاں خیال کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جب صورت تنزیہی عالمِ مثال میں نہ ہوگی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تو خیال میں بھی جو کہ عالمِ مثال کا پرتو ہے۔ کس طرح

صورت تنزیہی متصور ہوسکتی ہے۔ تو لازمی چیز ہے کہ اس جگہ سوائے جہالت اور حیرت کے کچھ نہ ہوگا۔ اور جس جگہ علم نہیں ہوتا۔ وہاں گفتگو بھی نہیں ہوتی۔ (جس نے اللہ کو پہچان لیا۔ اس کی زبان گنگ ہوگئی) اس کا نشان ہے۔ اور جس جگہ علم ہوگا۔ وہاں گفتگو بھی ہوگی۔ (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان لمبی ہوگئی) اس کا بیان ہے۔

پس زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے۔ اور ظلال کے مراتب سے اوپر زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ فعل ہو یا صفت۔ اسم ہو یا مسمّی پس جو کچھ بھی خیال نے تراشا ہے۔ وہ چونکہ ظلال ہے۔ اور علت سے معلول اور جعل مجعول ہے۔ اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ چونکہ وہ مطلوب کے آثار و علامات سے ہے۔ لہٰذا یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے۔ عین الیقین اور حق الیقین ظلال اور خیال سے بہت اوپر ہیں۔

خیال کی تراشیدہ چیزوں سے اس وقت خلاصی میسر آتی ہے۔ جبکہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ جائے اور آفاق و انفس سے اوپر جولانی دکھانے لگے۔ یہ مقام اکثر اولیاء کو موت کے بعد میسر آتا ہے۔ جب تک زندگی رہتی ہے۔ خیال ان کا دامنگیر رہتا ہے اور اکابر اولیاء میں سے بہت کم لوگوں کو یہ دولت اس دنیا میں میسر ہوتی ہے۔ وہ دنیوی زندگی باوجود خیال کے غلبہ کے تصرف سے باہر آ جاتے ہیں اور خیال کی تراش و خراش کے بغیر اپنے پہلو میں لے لیتے ہیں۔ اور اس وقت ان بزرگواروں کے حق میں تجلّی ذاتی برقی دائمی ہو جاتی ہے اور عریاں وصل پرتو ڈالتا ہے[۲۹]۔

مندرجہ بالا مکتوب میں عالم مثال کے بارے میں تفصیل سے لکھا گیا ہے اور اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ عالم صغیر میں یعنی انسان میں جو خلاصہ کائنات ہے اُس میں خیال عالم مثال کا نمونہ ہے اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

> خلاصہ کلام یہ کہ وہ معنی متلقی جو انہوں نے روحانیت کی راہ سے اخذ کیا ہوتا ہے جب دوسری مرتبہ عالم خیال میں کہ وہ انسان میں عالم مثال کی شکل ہے حروف وکلمات مترتبہ کی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور وہ تلقی (سیکھنا) والقاء سماع وکلام لفظی کی صورت میں نقش ہوتا ہے کیونکہ ہر معنی کے لیے اس عالم میں ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بے چون ہو۔ لیکن بے چون کا نقش ہونا بھی اس جگہ میں بصورت چون ہے کہ فہم وافہام اس کے واسطہ سے وابستہ ہے جو کہ اس نقش کا مقصود ہے۔
>
> اور جب متوسط سالک اپنے اندر حروف اور کلمات مترتبہ کو پاتا ہے اور سماع اور کلام لفظی کا احساس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف وکلمات کو اصل سے سنا ہے اور بغیر کسی فرق کے اسی جگہ سے اخذ کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ حروف وکلمات اس معنی متلقی کے صور خیالیہ ہیں اور یہ سماع اور کلام لفظی بے چون کلام اور سماع کی شکل ہے۔ پوری معرفت والا عارف چاہیے جو کہ ہر مرتبہ کے حکم کو الگ کرے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلط نہ ہونے دے، پس ان اکابر کا سماع وکلام جو کہ بے چونی کے مرتبہ سے وابستہ ہے یہ القاروحانی اور تلقی کے قبیل سے ہے اور یہ کلمات وحروف جو کہ اس معنی متلقی کی تعبیر کرتے ہیں۔ وہ عالم صور مثالیہ سے ہے[۳۰]۔

عالم مثال کو مزید واضح کرتے ہوئے امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

> یہ فنا اس طرح ہے کہ کوئی شخص مانگ کر لباس پہنے ہوئے ہو اور اُسے معلوم ہو کہ یہ کپڑے اس کے نہیں ہیں کسی دوسرے کے ہیں جو کہ مانگ کر پہنے ہوئے ہیں اور جب یہ خیال غالب آتا ہے تو پوری طرح غلبہ پیدا کر لیتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ان کپڑوں کو پوری طرح صاحب جامہ کو دے دے اور اپنے آپ کو برہنہ اور عریاں سمجھنے

لگے اس حد تک کہ اپنے ہم نشینوں سے اپنی برہنگی کی وجہ سے شرمندگی اٹھائے اور اپنے آپ کو حیا سے کسی گوشہ میں لے جائے۔

اور چونکہ سالک کا وجود مرتبہ وہم وخیال میں پیدا کیا گیا ہے تو اس کے لیے خیالی فنا ہی کافی ہے کہ اس تخیل کا غلبہ اس کو یقین قلبی تک پہنچاتا ہے اور ذوقی اور وجدانی بنا دیتا ہے اور جو کچھ فنا ونیستی میں مقصود ہے وجود میں میں لے آتا ہے کیونکہ فنا کا مقصود ظل کی گرفتاری کا زوال اور اصل کی گرفتاری کا حصول ہے اور جب ظل کا رجوع اصل کی طرف یقینی ہوا اور وجدانی اور ذوقی ہوا تو لازماً ظل کی گرفتاری زائل ہوئی اور اس کی جگہ اصل کی گرفتاری آ بیٹھی اور اگر یہ خیال حاصل نہ ہوتا تو ظل کی گرفتاری کے زوال کی دولت میسر نہ آتی بلکہ اس راہ کے سلوک کا دارومدار توہم اور تخیل پر ہے کیونکہ احوال مواجید جو کہ اس راہ کے معنی جزئیہ ہیں وہم سے مدرک ہوتے ہیں اور سالکین کی تجلیات اور تلوینات خیال کے آئینہ میں مشہود ہوتی ہیں۔ اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر ہوتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستور ہوتا۔

اس راہ میں وہم وخیال سے زیادہ کوئی چیز بھی نفع مند نہیں پائی گئی ہے اور ان کا اکثر ادراک وانکشاف واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ وہم ہی ہے جو پنجاہ ہزار سال کی راہ کو جو بندے اور خدا کے درمیان ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے تھوڑی سی مدت میں قطع کر لیتا ہے۔ اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے جو غیب الغیب کے اسرار ودقائق کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور سالک مستعد کو مطلع کر دیتا ہے اور یہ وہم کی بزرگی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو کمالات کے ظہور کا محل بنایا ہے اور یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو عالم مثال کا نمونہ

> بنایا ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے یہاں تک کہ خداوند کی صورت بھی اس عالم میں موجود کہتے ہیں اور حکم لگایا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کے لیے بلند مثل ہے) احکام وجوبیہ کی صور ہیں کہ عارف ان کو اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان کی دریافت کے ذوق سے ترقی کرتا ہے[۳۱]۔

کائنات کی حیثیت

گزشتہ صفحات میں کائنات کے عالم اجساد یعنی عالم آفاق اور عالم ارواح یعنی عالم انفس کے بارے مختصر حالات بیان ہو چکے ہیں۔ درج ذیل عبارت میں امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے احوال کی روشنی میں کائنات کی حیثیت کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱...... امام ربانی کمالات انسانی اور کمالات کائنات میں فرق بیان کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

> لیکن اصحاب کا زمانہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس کی نسبت گفتگو کرنا فضول ہے۔ سابق سابق ہی ہیں اور جنت نعیم میں مقرب ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دوسروں کا پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنا ان کے ایک سیر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔
>
> جاننا چاہیے کہ پہلے بیان سے اس عبارت کے معنی واضح ہو گئے جو رسالہ مبدء و معاد میں اس عبارت کے اوپر لکھی گئی ہے کہ کعبہ ربانی کی حقیقت حقیقت محمدی کی مسجود ہو گئی کیونکہ کعبہ ربانی کی حقیقت بعینہ حقیقت احمدی ہے کہ حقیقت محمدی درصل اس کا ظل ہے۔ پس ناچار حقیقت محمدی کی مسجود ہوگی۔ اگر سوال کریں کہ کعبہ حضور ﷺ کے اولیاء امت کیلیے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت، حقیقت محمدی پر متقدم ہے تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی۔

میں جواب میں کہتا ہوں کہ حقیقت محمدی تنزیہ اور تقدیس کی بلندی سے محمد ﷺ کے نزول کرنے کے مقامات کی نہایت ہے اور کعبہ کی حقیقت عروج کعبہ کے مقامات کی نہانت ہے اور حقیقت محمدی کے واسطے مرتبہ تنزیہ پر عروج کے لیے پہلا مرتبہ حقیقت کعبہ ہے۔ اور حقیقت محمدی کے عروج کی نہایت کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور جب حضور کی امت میں سے کامل اولیاء کو آنحضرت ﷺ کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے تو پھر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے[۳۲]۔

ذرہ، دائرہ امکان سے کئی گنا بڑا

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں دائرہ امکان (کائنات) سے بلند مراتب میں پہنچ کر ایک مرتبہ سامنے آتا ہے جس کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

> اللہ سبحانہٗ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک ﷺ نہایت النہایہ کے مراتب کی طرف عروج کے وقت ایک ایسا مرتبہ سامنے آیا۔ جس مقام کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ تھا۔ پس اگر اس مقام کے ایک ذرے کا سلوک طے کر لیا جائے تو گویا دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ مسافت طے ہو جاتی ہے۔ تو اس شخص کی ترقی کا کیا عالم ہوگا جو اس مرتبہ کی مسافت طویلہ طے کر چکا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ دائرہ امکان کے وجوب اور اس سے اوپر کے مراتب کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ کاش کہ دریائے محیط کے سامنے قطرہ کی حیثیت رکھتا۔ تو لازمی بات ہے کہ اپنے پاؤں کی قوت سے کوچہ دوست میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ کی عطاؤں کو اُسی کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں[۳۳]۔

کائنات ذرّۂ ناچیز

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کائنات کو ایک خوردترین ذرہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ** کے دو کلمے ہیں جن کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:۔

> یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے بھی بقیہ سکر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک تھا حکم لگایا تھا اور لکھا تھا کہ کلمہ ثانیہ ایک ایسا دریا ہے کہ اس کے پہلو میں کلمہ اولیٰ ایک نقطہ کی طرح ہے اور اس مقام میں صاحب فتوحات مکیہ نے بھی کہا ہے کہ جمع محمدی زیادہ وسیع تر ہے۔ بہ نسبت جمع بے پایاں الٰہی جل سلطانہ کے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بے چوں مرتبہ وجوب تعالت و تقدست کی وسعت پر تو ڈالتی ہے۔ اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیف احاطہ ظاہر ہوتا ہے تو تمام کائنات باوجود اس طول اور عرض کے ایک خوردترین ذرہ کا حکم بہ نسبت اس دریائے بے پایاں کے رکھتی ہے[۳۴]۔

مشاہدۂ فنا و بقاء

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مرید مولانا احمد برکی کو جو غالباً افغانستان کے رہنے والے تھے۔ ان کو ان حال کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> آپ نے لکھا تھا کہ فنافی اللہ اور بقاباللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی۔ کیا کیا جائے آپ صحبت میں بہت کم رہے ہیں۔ اور اتنی دیر بھی نہیں ٹھہرے کہ تمہیں تمہارے بعض احوال کے حاصل ہونے کی اطلاع دی جاتی۔ میں اب ہندوستان بیٹھا ہوا تمہاری فنا اور بقا کو دیکھ رہا ہوں۔ اور یہ دو کمال جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ میں تمہارے اندر ان کا احساس کر رہا ہوں۔ اور تم اس معنی کا انکار کرتے ہو۔ درمیان میں بڑا فاصلہ حائل ہے۔ جب تک ظاہری ملاقات میسر نہ ہو۔ مخفی احوال پر مطلع کرنا دشوار ہے[۳۵]۔

(۵)

انسان کے تین مراتب

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے انسان کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں:

> جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کو اپنے اصل سے جو کہ اوپر کے اصل کا ظل ہے۔ عروج حاصل ہوتا ہے تو ہر اصل میں اصول اول سے اس کو اس اصل میں فنا ہے اور اس کے اس اصل کے ساتھ بقا ہے اور اس فنا اور بقا سے اس کی انا کا اطلاق زائل ہو کر اصل پر کہ اس کو اس میں فنا اور بقا حاصل ہوئی ہے۔ اطلاق پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا اور اسی طرح جب اس اصل سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کو عروج واقع ہوگا تو وہ اصل جو اس اصل کے اوپر ہے اور وہ اصل اس اصل کا ظل ہے تو اس پہلے اصل کی فنا و بقا کو اس اصل ثانی میں حاصل کرے گا۔ اور انا کا اطلاق اصل اول سے زائل ہو کر اصل ثانی سے مل جائے گا۔ اور اپنے آپ کو یہ اصل ثانی بنائے گا اور اصل ثانی کی اصل ثالث سے یہی نسبت ہوگی۔ اگر عروج واقع ہوگا تو انا کا اطلاق اس اصل ثالث پر قرار پائے گا کہ اصل ثانی اس کا ظل ہے اور اسی طرح ہر نچلے اصل میں جو کہ اوپر کے اصل کے ظل کی طرح ہے۔ یہی نسبت ثابت ہے اگر اس کو محض فضل خداوندی سے عروج واقع ہو اور ظل سے اصل پر لے جائیں۔ تو انا کا اطلاق اس اصل پر قرار پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا استعداد کے درجات کے مختلف ہونے پر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔

اور یہ اصول اس کثرت اور اس رفعت کے باوجود اس کے اجزاء ہو جائیں گے اور قطرہ کو دریا بنا دیں گے اور تنکے کو پہاڑ کر دیں گے اور

> جب یہ اصول اس کے اجزا ہوں گے تو لازماً اُن کے کمالات و برکات بھی اس کا پورا حصہ ہو جائیں گے۔ اور اس کا کمال ان اجزاء کا جامع کمالات ہوگا۔
>
> اس جگہ سے انسان کامل اور باقی افرادِ انسانی کے درمیان فرق پہچانا جاتا ہے کہ وہ بحرِ محیط ہے اور یہ اس دریا کے حقیر قطروں کی طرح ہیں پس یہ اس کو کیا پہچان سکیں گے اور اس کے کمال کو کیا پا سکیں گے کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ ''الٰہی یہ کیا معاملہ ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کو ایسا بنایا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا ہے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔''
>
> اور جب طرح انسان کامل اور انسان ناقص میں کثرت و قلت اجزا کا فرق ہے ان کی طاعات وحسنات میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے۔ ایک آدمی جس کو سو زبان دے دیں اور وہ ہر زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے وہ اس شخص سے کیا نسبت رکھتا ہے جس کو ایک زبان دیں اور وہ ایک زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے۔ ایمان اور معرفت اور باقی تمام کمالات کو بھی اسی معنی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔
>
> **الحمدللّٰہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی رسولہٖ دائماً وعلیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام الیٰ یوم القیام**[36]۔

انسان کے تین مراتب کی وضاحت کرتے ہوئے امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مزید تحریر فرماتے ہیں:

> یہ وہ خصوصیت ہے جو بنی آدم کو عطا ہوئی ہے اور ان پر ترقی کی راہ کھولی ہے یہ اپنے اصل سے بھی گزر جاتے ہیں اور اصل الاصل سے

> بھی اور اس جگہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اصل ظل کی طرح راہ ہی میں رہ جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے[۳۷]۔

عالمِ اجساد اور انسان کا باہمی تعلق

انسان کائنات کے عالمِ اجساد (جسے عالمِ کبیر اور عالمِ آفاق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک حصہ ہے۔ عالمِ اجساد کے انسان کے ساتھ باہمی تعلق کے بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

> انسان کے اندر جیسا کہ اس کا دل عرش رحمان جل شانہٗ کا نمونہ ہے اور اس کا ظہورِ قلبی ظہورِ عرشی کا نمونہ ہے۔ بیت اللہ شریف کا بھی انسان میں نشان ہے۔ جو درمیان ہے اور دائیں بائیں سے بیگانہ ہے۔ اور حسن سبقت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلواۃ والتسلیماۃ ہیں۔ اور ان بزرگواروں کی امتوں میں سے بطور تبعیت و وراثت جس کو بھی چاہیں۔ اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اصحاب میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ تھی۔ اور صحابہ کے زمانہ کے بعد کم ہوگئی۔ اور پھر اب لمبی مدت کے بعد اگر کسی ایک کو اس دولت سے بطور وراثت وتبعیت مشرف فرمائیں۔ تو وہ غنیمت ہے اور کبریت احمر ہے اور یہ شخص صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت میں داخل ہے۔ اور سابقین سے ہے اور اس بلند نسبت کا مالک مرکز مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔
>
> یہ درست ہے کہ نفس مرکز میں بھی کئی درجے ہیں۔ لیکن یہ سبقت کی دولت سے بھی مشرف ہے۔ اس سے زیادہ اس معما کو کیا کھولوں۔ اور اس رمز کی اس سے زیادہ کیا شرح کروں۔ اور جب اللہ کے فضل

> وکرم سے یہ بلند نسبت سر نکالتی ہے۔ تو تمام پہلی نسبتیں زائل ہو جاتی ہیں اور ان کا نام ونشان نہیں رہتا۔ دل کی نسبت کیا اور غیر دل کی نسبت کیا؟ جب اللہ کی نہر آ جاتی ہے تو عیسیٰ کی نہر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اس جگہ کا نشان ہے۔
>
> اس دولت والے صراط مستقیم پر ہیں جو کہ مطلوب کے وصول کے برابر ہے اور جو صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہے۔ تو اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے۔ اگر چہ ظل میں بھی مختلف مدارج ہیں۔ لیکن سب داغ ظلیت سے داغدار ہیں۔
>
> فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
> درون دیدہ اگرنیم موست بسیار است[۳۸]
>
> جو آدمی صراط مستقیم سے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی جدا ہو جائے۔ تو وہ جب تک چلتا جائے گا۔ دور سے دور ہوتا جائے گا۔ اور مطلوب کے وصول سے بہت دور جا پڑے گا[۳۹]۔

انسان اور کائنات کا باہمی تعلق

بعض صوفیہ عالم خلق کو انسان کا ظاہر اور عالم امر کو انسان کے باطن کا مظہر جانتے ہیں۔ لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ عالم خلق اور عالم امر دونوں کو انسان کی صورت اور ظاہر بیان فرماتے ہیں:۔

> انسان عالم امر و عالم خلق کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ عالم خلق کو انسان کا ظاہر اور صورت میں تصور فرماتے ہیں۔ عالم امر کو انسان کا باطن وحقیقت جانتے ہیں اور اعیان ثابتہ (صور علمیہ) کو جو ممکنات کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں اور وہ اعیان ان کے اصول ہیں کیونکہ ممکنات کی ماہیت و حقیقت وہی اعیان کے ظلال ہیں کہ ممکنات ان ظلال سے ممکنات

بنی ہیں۔ اور اپنا وجود ظلی پیدا کیا ہے۔ برخلاف ان اعیان کے کہ تعینات وجوبیہ کا اس جگہ اثبات کرتے ہیں اور اس کو امکان کے مراتب سے بلند سمجھتے ہیں۔

کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت کو جو کہ اعیانِ ثابتہ کا مرتبہ ہے۔ تعین وجوبی کہتے ہیں اور تین اور تعینات کو بھی جو کہ تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین حسی ہیں۔ تعین امکانی سمجھتے ہیں۔ پس تعین وجوبی کو جو کہ تعین امکانی کی حقیقت کہتے ہیں تو یہ برسبیل مجاز ہوگا کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہوگی نہ کہ مرتبہ وجوب سے۔ اصل شے گویا حقیقت شے ہے۔ پس وہ جو کہتے ہیں کہ صوفی کائن اور بائن ہے۔ یعنی ان کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور باطن ان سے جدا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ تو ظاہر سے مراد اس کا عالم خلق سمجھتے ہیں اور باطن سے اس کا عالم امر جانتے ہیں۔

اور اس مقام کو جو کہ دونوں وجوہ کا جامع ہے۔ بہت بلند کہتے ہیں۔ اور اس کو مقام تکمیل و ارشاد سمجھتے ہیں اور مرتبہ دعوت کہتے ہیں اور اس فقیر کو اس مقام کی معرفت خاصہ حاصل ہے اور وہ وہ ہے اور جو اخص الخواص شخص ہے کہ جس کی نسبت عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے صورت اور ظاہر ہے اور اس کا باطن وہ اسم ہوتا ہے جو اس کے تعین کا مبدا ہے دوسرے اسماء اور شیونات کے ساتھ جو کہ اس اسم کا اصل ہیں۔ یہاں تک کہ شیون اور اعتبارات سے خالی ذات کی بارگاہ تک ان کی انتہا ہوتی ہے۔

یہ پوری معرفت والا عارف جب تمام امکانی مراتب کو طے کر لیتا ہے۔ تو اس کو اس اسم تک رسائی ہو جاتی ہے جو اس کا قیوم ہے اور اس کی انا امکانی مراتب سے الگ ہو کر اس اسم کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔ اور ترتیب کے ساتھ برسبیل عروج وہ ہیں۔ اس اسم کے اوپر کئی مراتب تک جو کہ اس اسم کے اصل کی طرح ہیں۔ انطباق حاصل کرتی ہے اور اسی طریقہ سے احدیت مجردہ تک پہنچتی ہے۔ پس یہ مراتب تمام انطباق اس کی ہیں کے اس کی حقیقت ہو جاتی ہیں کہ اس

کا عالمِ امر اس کے عالمِ خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت ہو جاتا ہے۔ اور یہ صورت اس حقیقت کے لیے لباس کی طرح ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اس جامہ کو پہننے والا ہے۔ اور چونکہ دوسروں کا انا (میں) کا اطلاق کرنا صرف عالمِ خلق اور عالمِ امر پر ہی ہے تو لازمی طور پر ان کی صورت و حقیقت یہی عالمِ خلق اور عالمِ امر ہوتا ہے اور وہ اسماء جو ان تعینات کے مبادی ہیں ان کے قیوم سے زیادہ نہیں ہوں گے[۴۰]۔

(۶)

قَیُّوم اور کائنات

کائنات کے عالمِ اجساد کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے عالمِ آفاق، عالمِ کبیر، عالمِ اسماء اور عالمِ اشیاء جو عالمِ خلق اور عالمِ امر کا دونوں کا جامع ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ قیوم اور عالمِ اشیاء کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> یہ عارف جو قیومیت اشیاء کے منصب پر مقرر ہوا ہے یہ وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوقات کی مہمات اس کی طرف راجع ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ انعامات، بادشاہ کی طرف سے ہیں۔ لیکن ان کی وصولی وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ یہ دولت سردار ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان بزرگواروں کی تبعیت اور وراثت میں جن کو چاہیں۔ اس دولت سے مشرف کریں۔
>
> با کریماں کارہا دشوار نیست
>
> اور وارثان کتاب میں سے جو کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ پہلی جماعت یہی اپنی جان پر ظلم کرنے والی ہے جو کہ وزارت و قیومیت کے منصب سے مشرف ہوتی ہے[۴۱]۔

قیوم کی حقیقت

> اور یہ پوری معرفت والا عارف جو مرتبہ ذات سے واصل ہے اور ذات سے ہمیشہ کی بقا پا چکا ہے۔ یہ ایک نادر الوجود عنقا کا حکم رکھتا ہے اور نہایت غریب الوقوع...... فناء و بقا کے بعد اس کو ایک ایسی ذات عنایت کی گئی ہے کہ اسماء وصفات کے عکوس وظلال (یعنی کائنات) کا قیام جو اس کی حقیقت ہے۔ اُس کی ذات سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان کے اصول کو جو کہ اسماء ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قیام ہوتا ہے۔ تو ان اسماء کے ظلال کو اس ذات کے پرتو سے قیام ہوگا جو کہ عارف کو عطا ہوا ہے[۴۲]۔

عارف کے وجود کی اہمیت

پس تمام افراد عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلہ میں کاش اتنی ہی نسبت رکھیں جتنی ایک قطرہ کو دریائے محیط سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اسماء وصفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں کوئی قدر اور مقدار نہیں ہے۔ قطرہ کو تو پھر بھی دریائے محیط سے کوئی نہ کوئی نسبت ہوگی اور ان کو کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ نسبت بھی نہیں ہے۔ اس جگہ اُس عارف کی درک وادراک اور اس کی بڑائی اور بلندی درجہ کو اس جگہ سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کر لیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے[۴۳]۔

عارف کی پہچان

کامل بقا کے باوجود کلمہ انا (میں) کا اطلاق اپنے اوپر نہیں کر سکتا کیونکہ اُس کی بقائے اکمل اس کی فنا اتم پر متفرع ہے کہ جس نے کلمہ انا کے اطلاق کا نام ونشان بھی مٹا دیا ہے۔ اور واپس آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی (اَلزَّائِلُ لَا یَعُوْدُ)[۴۴]

(۷)

کمالات امام ربانی

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو رسالت مآب ﷺ کے روح اور قالب کے مختلف مدارج میں جو معرفت حاصل ہے۔ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ اس کی روشنی میں کمالات

امام ربانی کو بیان کیا جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ جب کسی کو حضور ﷺ کی جس قدر معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو اُس خوش نصیب کو اسی قدر وہ دولت استعداد حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اصل کی استعداد کے حصول سے اصل الاصل کو پالیتا ہے۔ جس کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

(آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہو)

استدلال کی راہ سے مطلوب حقیقی تک پہنچتے ہیں اور تجلیات وظہورات کے تنگ کوچہ سے جو کہ ظلال سے مخلوط ہے خلاصی حاصل کر کے اصل الاصل سے مل جاتے ہیں۔

وہ مقام جہاں تک علماء ظواہر کا علم پہنچتا ہے۔ یہ بزرگوار محبت کے کنڈے سے کھینچ کر بذات خود وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور بے کیف اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہ فرق محبت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جو محبّ ہے اور محبوب کے علاوہ دوسروں سے الگ ہو چکا ہے وہ محبوب تک پہنچ جاتا ہے اور جس میں یہ محبت نہیں ہے وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے۔ بلکہ جس جگہ وہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں ان کا علم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

علم کی انتہا بشرطیکہ وہ صحیح علم ہو مطلوب کی دہلیز تک ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے وہ مطلوب کے ساتھ ہے۔ معیت کوئی ایسا دقیقہ نہیں چھوڑتی جو واصل کے نصیب میں نہ ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں:

بندہ باحق ہمچو شیر وشکر است

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کے لیے بلند مثل ہے)

بندہ بننا چاہیے اور ماسوا کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ والسلام [۴۵]

امام ربانی اپنی پیدائش کے مقصود کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے، میرے علم میں پورا ہو گیا ہے۔ اور ہزار سالہ تجدید کی دعا مقبول ہو گئی ہے۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا۔ ہر حال میں بہت کامل حمد وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی خَیرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخوَانِہٖ الْکِرَامِ مِنَ الاَنبِیَاءِ وَالْمَلائِکَۃِ الْعِظَامِ

اور جب کہ صباحت بھی ملاحت کے رنگ کے ساتھ رنگین ہو چکی ہے۔ اس بناء پر لازماً خلتِ ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کر لی ہے۔ اور محیط نے بھی مرکز کا حکم اختیار کر لیا ہے[46]۔

یہ فقیر (امام ربانی) چونکہ ولایت محمدی اور ولات موسوی علی صاحبہما الصلوات والسلام والتحیۃ دونوں کا پروردہ ہے اس مقام ملاحت میں اقامت اور سکونت رکھتا ہے۔ اور ولائت محمدی ﷺ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوبیت کی نسبت غالب ہے اور محبیت کی نسبت مغلوب و مستور ہے۔

اے فرزند (محمد معصوم) اس معاملہ کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ایک اور عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ مجھے پیری مریدی کے لیے (دنیا میں) نہیں لایا گیا۔ میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل و ارشاد نہیں ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے جو شخص (مجھ سے) مناسبت رکھتا ہوگا وہ اس دوسرے کام کے ضمن میں فیض حاصل کرے گا۔ اگر مناسبت نہ رکھتا ہوگا تو فیض نہ پا سکے گا۔

ایک عظیم کام کی نسبت ارشاد و تکمیل کا کام اس طرح معمولی ہے جس طرح راستہ میں پڑی ہوئی چیز (تنکا وغیرہ) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام والتسلیمات کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن تبعیت اور وراثت کے طور

پر ثبوت کے کمالات اور خصائص سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات سے ان کے کامل پیروکاروں کو بھی حصہ ملتا ہے [۴۷]۔

امام ربانی مطلوب کی طرف جانے کی دو حالتیں بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> جاننا چاہیے کہ تزکیۂ نفس کا طریقہ دو قسم پر ہے۔ ایک طریقہ وہ ہے جو ریاضت اور مجاہدات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریقہ ہے جو مریدوں سے مخصوص ہے اور دوسرا طریقہ جذب اور محبت کا طریق ہے جو کہ اجتباء کی راہ ہے اور یہ مرادوں سے تعلق رکھتا ہے اور ان دونوں طریقوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا طریق تو مطلوب کی طرف چل کر جانا ہے اور دوسرا طریق مقصود تک لے جانا ہے اور جانے اور لے جانے میں بڑا فرق ہے اور جب سابقہ کرم کی بنا پر کسی صاحبِ دولت کو چاہتے ہیں کہ اجتباء کی راہ سے لے جائیں تو اس کو جنابِ قدس میں جذب اور محبت عطا فرماتے ہیں اور کشاں کشاں لے جاتے ہیں اس دوران میں کوئی سعادت مند ہوتا ہے جس کو فنا کی حد تک لے جاتے ہیں اور ماسوا کی دید و دانش سے رہا کر دیتے ہیں۔ اور انفس و آفاق سے گزار دیتے ہیں [۴۸]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تجلی ذات کو پالینے کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

> اور تجلی ذات کے متعلق کیا لکھوں اور کیا لکھا جاسکتا ہے کہ وہ ایک وجدانی چیز ہے۔ جس نے پایا اس نے معلوم کیا اور جس نے نہ چکھا نہ جانا۔
>
> **قلم اینجا رسید و سر بشکست** [۴۹]

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خاص علوم کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> یہ علوم جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں اسی طرح کشف و شہود سے بھی بالا ہیں اور یہ بھی ہے کہ اربابِ کشف و شہود اس معلوم کے سمجھنے میں اہلِ علم و عقل کی طرح ہیں۔ نبوت کی فراست کا نور چاہیے جو کہ انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت سے ان حقائق کو پالینے کی ہدایت فرمائے اوران علوم ومعارف کو پالینے کی دلالت کرے[۵۰]۔

گزشتہ صفحات میں منصب قیوم کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ وزیر کا حکم رکھتا ہے اس مکتوب میں قیوم کی حقیقت سے مطلع کیا گیا ہے۔

> جب عارف کا معاملہ شیون اور صفات سے اوپر چلا جاتا ہے اور ذات تعالیٰ کے اعتبارات اور وجود سے اوپر پہنچتا ہے۔ اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے نماز کی حقیقت کہا ہے۔ برتری پیدا کرتا ہے تو توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ (جس کی طرف توجہ کی جائے) کی طرح بے چون ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ چون کو بے چون سے کوئی راہ نہیں ہے اور وہ متوجہ (توجہ کرنے والا) عارف کی ذات ہے۔ جبکہ تمام وجوہ واعتبارات اُس سے الگ ہو جائیں اور کنہ ذات اللہ تعالیٰ کی ذات مجردہ سے عبارت ہے جو کہ بذات خود ہے نہ کہ وجہ واعتبار کی رو سے اور جو ذات اور کنہ کی طرف توجہ کرنے والا ہے۔ وہ خود اپنا مطلوب ومعروف ہے[۵۱]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جب خواجہ باقی باللہ (رضوان اللہ علیہما) کی خدمت اقدس میں زیر تربیت تھے اور وہ ابتدائی دور تھا اُس زمانہ کے اپنے احوال کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

> خواجہ محمد ہاشم جان لیں کہ اس مشکل کا حل صحبت سے وابستہ ہے اور خدمت پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ جو بات اس مدت میں کسی نے بیان نہیں کی وہ ایک ہی بار لکھنے سے تمہاری سمجھ میں کیسے آئے گی لیکن چونکہ آپ نے سوال کیا ہے۔ اس لیے جواب سے چارہ نہیں۔ ضرورتاً اجمال کے طور پر اس کا حل کرتا ہوں۔ کان لگا کر سنیں۔
>
> وہ قرب جو فنا وبقاء اور سلوک وجذبہ سے وابستہ ہے، قُرب ولایت ہے کہ اولیاءِ امت اس سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور جو قُرب صحابہ کرام کو صحبت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں میسر آیا، قُرب نبوت ہے جو تبعیت اور وراثت کے طور پر انہیں حاصل ہوا۔ اس قُرب میں نہ

فنا ہے نہ بقاء نہ جذبہ ہے اور نہ سلوک۔ اور یہ قُرب قرب ولایت سے کئی مرتبے اعلیٰ اور افضل ہے۔ کیونکہ یہ قُرب قرب اصالت ہے اور وہ قرب قُربِ ظلیت دونوں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس معرفت کے ادراک تک نہیں پہنچ سکتا۔ نزدیک ہے کہ خواص بھی اس معرفت کے سمجھنے میں عوام کے ساتھ شریک ہوں۔

گر بو علی نوائے قلندر نو اختے
صوفی بدے ہر آنکہ بہ عالم قلندر است

ہاں اگر قُربِ نبوت کے کمالات کی بلندی کی طرف قُربِ ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو تو فنا و بقاء اور جذبہ وسلوک سے چارہ نہیں کیونکہ یہ اس قرب کے مقدمات اور اسباب ہیں۔ اور اگر اس راہ سے نہ چلے اور شاہراہ قُربِ نبوت سے گئے ہیں۔ اس لیے وہ جذبہ وسلوک اور فنا وبقاء سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اس معرفت کا بیان میرے اس مکتوب سے جو مولانا امان اللہ کے نام لکھا ہے۔ تلاش کریں اور اس فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں جہاں جہاں یہ لکھا ہے، کہ میرا معاملہ سلوک وجذبہ سے وراء اور تجلیات وظہورات سے بھی وراء ہے۔ اس سے یہی قرب مراد ہے۔ میں اپنے خواجہ قدس سرہ کی خدمت میں تھا کہ اس دولت نے ظہور فرمایا۔ اس عبارت کے ساتھ حضرت ایشاں کی خدمت میں میں نے عرض کیا تھا تو مجھ پر ایک چیز ظاہر ہوئی کہ سیر انفسی اس عمل کی نسبت سیر آفاقی کی طرح ہے۔ اس عبارت سے زیادہ اس دولت کی تعبیر کے لیے طاقت نہیں پاتا تھا۔ سالہا سال کے بعد یہ عجیب معاملہ صاف ہوا۔ اور مجمل عبارتوں کے ساتھ تحریر میں لایا۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ.

پس عبارت فنا و بقاء اور جذبہ وسلوک نئی پیدا شدہ اور مشائخ کی ایجاد کردہ چیز ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمۃ نفحات میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے فنا و بقاء کا لفظ زبان سے نکالا ہے، ابو سعید خراز ہے۔ قدس سرہ[۵۲]

مکتوب ۳۱۷ دفتر اول کی عبارت آپ کے ابتدائی احوال کی ترجمانی کرتی ہے۔ اور مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم آپ کی حیات مبارک کے آخری ایام کے احوال سے عبارت ہے۔ جس کے بارے میں یہ مکتوب شریف پیش کیا جارہا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ' وہ راہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں ایک وہ راہ ہے جو قربِ نبوت سے تعلق رکھتی ہے علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے۔ اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور اس راہ میں توسط وحیلولت نہیں ہے جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی کے وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب واوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگواروں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔

اس راہ میں گویا کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہما اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماوٰی تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی ان کے ذریعے سے ہی پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی ہدایت اور فیض پہنچتا ہے ان بزرگواروں کے ذریعہ اور حیلولۃ سے پہنچا ہے اگرچہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماوٰی یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصبِ مذکور آپ کے سپرد ہوا اور ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا وصول جس کو بھی ہو خواہ وہ اقطاب و نجبا ہوں آپ کے واسطہ ہی سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

[۵۳]أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
أَبَدًا عَلٰی أُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ [۵۴]

سنو سنو! اگرچہ اس دولتِ خاصہ محمدی میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں ہے لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اُس دولتِ خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا کیونکہ شرفاء کی ضیافت کی دولت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہنا لازمی امر ہے۔ جو کہ پس ماندہ کھانے والے خادموں کا حصہ ہوتا ہے۔ اور اس بقیہ کو آپ ﷺ کی امت سے کسی ایک دولت مند پس خوردہ کھانے والے کو عطا فرمایا ہے۔ اور اس کے خمیر کا سرمایہ بنا کر اُس کی مٹی کو خمیر کیا ہے اور اُن کی وراثت و تبعیت میں آپ ﷺ کی دولتِ خاصہ کا شریک بنایا ہے۔

ع با کریماں کارہا دشوار نیست
کریم لوگوں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں

اور یہ بقیہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش سے نصیب ہوا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کیا کرو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے۔''

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَأسِ الْکِرَامِ نَصِیْبُ
اور شرفاء کے پیالہ میں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے[۵۵]۔

درج ذیل مکتوب میں اپنے مقام کی خبر دیتے ہوئے انکشاف فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا مراد بھی، میری ارادت کا سلسلہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں درمیان میں اکیس واسطے ہیں۔ اور طریقہ

قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس، اور میری اللہ تعالیٰ سے جو ارادت ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ میں محمد رسول اللہ ﷺ کا مرید بھی ہوں اور ان کا متبع، ہم پیر بھی اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ میں طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ میں تابع ہوں لیکن اصل سے بے نصیب نہیں ہوں اور اگرچہ میں امتی ہوں لیکن دولت میں شریک ہوں۔ لیکن وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری کا دعوٰی پیدا ہو کہ وہ کفر ہے بلکہ یہ شرکت خادم کی اپنے مخدوم کے ساتھ شرکت ہے مجھے جب تک بلایا نہیں گیا میں اس دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا ہوں اور جب تک انہوں نے خود نہیں چاہا میں نے اس دولت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ہے۔ اگرچہ میں اویسی ہوں لیکن میں اپنا حاضر و ناظر مربی رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرا پیر عبدالباقی ہے لیکن میری تربیت کا کفیل خود اللہ الباقی ہے۔ میری تربیت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئی ہے اور میں اجتباء کی راہ چلا ہوں میرا سلسلہ، سلسلۂ رحمانی ہے کہ میں عبدالرحمان ہوں کیونکہ میرا رب رحمان ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین، اور میرا طریقہ، طریقۂ سبحانی ہے کہ میں تنزیہ کی راہ پر چلا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اسم اور صفت کو نہیں چاہا ہے یہ میرا سبحانی کہنا وہ سبحانی نہیں ہے جس کا بسطامی قائل ہوا ہے کہ اس کو اس سے کوئی ربط نہیں ہے کہ وہ انفس کی چوٹی سے باہر نہیں آیا ہے اور یہ انفس و آفاق سے ماورا ہے اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ وہ تنزیہ ہے کہ جس کو تشبیہ کی بو بھی نہیں پہنچی ہے اور اس نے سکر کے چشمہ سے جوش مارا ہے اور یہ عین صحو سے برآمد ہوا ہے۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا ہے اور میری

تربیت میں اپنے فضل کے سوا کسی کو علت فاعلی نہیں بنایا اور اپنے کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ میرے حق میں رکھتا ہے جائز نہیں رکھا ہے کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا کوئی دخل ہو یا میں اس معنی میں دوسروں کی طرف متوجہ ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نامتناہی کا مجتبا ہوں۔

ع با کریماں کارہا دشوار نیست

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذی الجلال والاکرام والمنة والصّلوٰة عَلٰی رسوله والتحیة اوّلاً و آخراً [۵۶]

مرشد کریم حضرت صاحب قبلہ سید محمد حبیب اللہ قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ حدیث جتنے زیادہ واسطوں سے بیان ہوگی اتنی ہی کمزور ہوگی۔ لیکن نسبت جس قدر زیادہ واسطوں سے ملتی ہے اسی قدر قوی ہوتی ہے۔ (فضل احمد حبیبی)

☆......☆......☆

حواشی

۱......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم (ترجمہ اردو مولانا سعید احمد نقشبندی مجددی) مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۲ء)، مکتوب نمبر ۸۰، ص ۱۴۹۱

۲......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۷، ص ۱۲۹۶

۳ ایضاً، مکتوب نمبر ۲۶، ص ۱۳۳۵

۴......ایضاً، مکتوب نمبر ۳۶، ص ۱۳۳۹

۵......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۱۳، ص ۷۶-۱۵۷۵

۶......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۰۰، ص ۱۳۵۳

۷......ایضاً، مکتوب نمبر ۳۱

۸......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، (ترجمہ اردو مولانا سعید احمد نقشبندی مجددی) مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۱ء)، مکتوب نمبر ۷۶، ص ۱۱۹۲

۹......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۱۱۱، ص ۱۵۷۳

۱۰......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۳، ص ۱۴۴۹

۱۱......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۶، ص ۱۴۷۷

۱۲......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۲۲، ص ۱۶۵۹

۱۳......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد اول مکتوب نمبر ۴، ص ۴۸

۱۴......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۷۶، ص ۱۴۷۵

۱۵......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۹۶، ص ۱۵۳۴

۱۶......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۱۰۰، ص ۱۵۵۳

۱۷......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۴۲، ص ۱۰۵۸

۱۸......ایضاً، مکتوب نمبر ۲۴، ص ۱۰۰۴

۱۹......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، (ترجمہ اردو مولانا سعید احمد نقشبندی مجددی) مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۳ء)، جلد اول، مکتوب نمبر ۳۱۳، ص ۹۰۵

۲۰......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۴۲، ص ۱۰۶۱

۲۱......ایضاً، مکتوب نمبر ۶۷

۲۲......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم مکتوب نمبر ۱۰۰، ص ۱۵۵۳

۲۳......ایضاً، ص ۱۵۴۶

۲۴......ایضاً، مکتوب نمبر ۳۱، ص ۱۳۴۷

۲۵......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۴۴، ص ۱۰۷۲

۲۶......(ترجمہ) تو نے شراب کے تمام عیب بیان کیے اس کا ہنر بھی بیان کر

۲۷......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۷۶، ص ۱۱۹۰

۲۸......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد اول، مکتوب نمبر ۹۶، ص ۱۲۳

۲۹......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۵۸، ص ۱۱۴۲

۳۰......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۹۲، ص ۱۵۲۱

۳۱......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۰۹، ص ۱۵۶۹

۳۲......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۰۹، ص ۴۶۴

۳۳......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۴۱، ص ۱۰۴۹

۳۴......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۱، ص ۱۱۸۱

۳۵......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۴، ص ۹۷۸

۳۶......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۳۰، ص ۱۳۴۷

۳۷......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۳، ص ۱۴۵۱

۳۸......(ترجمہ) دوست کا فراق اگر تھوڑا بھی ہو تو تھوڑا نہیں۔ آنکھ کے اندر اگر آدھا بال بھی ہو تو بہت زیادہ ہے۔

۳۹......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۷۰، ص ۱۱۸۰

۴۰......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۳، ص ۱۱۸۵

۴۱......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۴، ص ۱۱۸۸

۴۲......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۷۹، ص ۱۴۸۵

۴۳......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۷۹، ص ۱۴۸۶

۴۴......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۷۹، ص ۱۴۸۶

۴۵......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۵۰، ص ۱۳۹۷

۴۶......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد دوم مکتوب نمبر ۶، ص ۹۵۷

۴۷......ایضاً، ص ۹۰۸

۴۸......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۶۰، ص ۱۴۲۰

۴۹......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۵، ص ۱۴۶۰

۵۰......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۶، ص ۱۴۷۷

۵۱......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۹، ص ۱۴۸۳

۵۲......مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد اول، مکتوب نمبر ۳۱۳، ص ۹۰۴

۵۳......ایضاً، مکتوب نمبر ۷۳، ص ۱۴۵۱

۵۴......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۱۲۳، ص ۱۶۲۵

۵۵......ایضاً، مکتوب نمبر ۱۰۰، ص ۱۵۵۷

۵۶......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، جلد سوم مکتوب نمبر ۸۷

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ چہارم

تم سا ہے مجدد کون ولی سلطانِ عالم سرہندی
ہے شان تمہاری البیلی سلطانِ عالم سرہندی

(اعزاز)

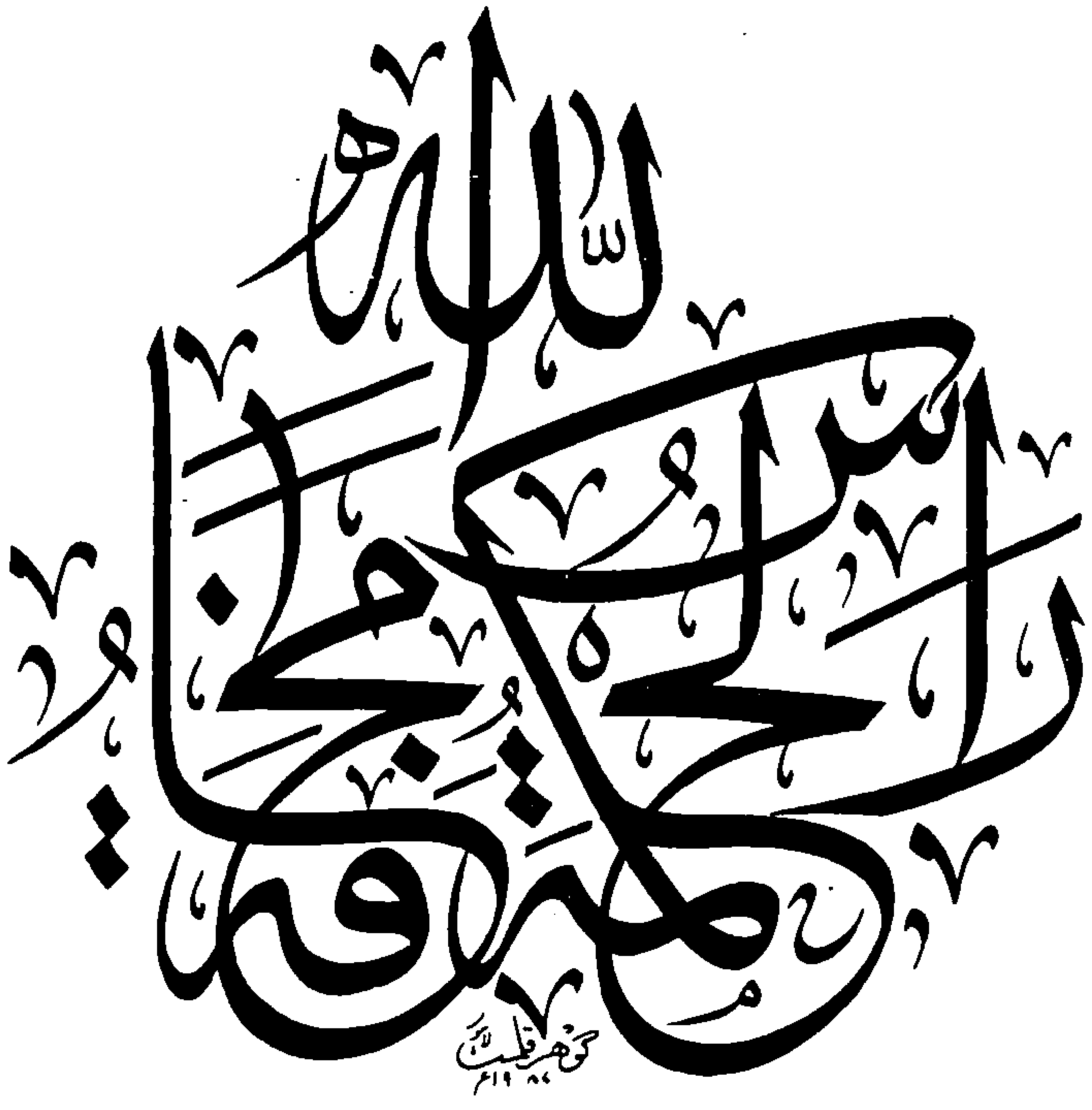
راس الحكمة مخافة الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

امام ربانی کا لقب ’’مجدد الف ثانی‘‘

علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی
(شیخ الحدیث، جامعہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور)

☆☆

جیسے غوث اعظم کا لقب سیدنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کو سجتا ہے ایسے ہی مجدد الف ثانی کا لقب سیدنا امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ، کو موزوں ہے۔ لیکن بعض بدقسمت دونوں بزرگوں کے لیے یہ دونوں لقب پڑھنا، کہنا گوارا نہیں کرتے یہ ان کی بدانجامی کا نتیجہ ہے۔ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے لقب کے لیے فقیر کا رسالہ ہے ’’غوث اعظم جیلانی کا لقب‘‘ ضرور پڑھیے۔

حضور مجدد الف ثانی کے لقب کے دلائل حاضر ہیں:

۱...... حضرت جلال اللہ والدین امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل فرمائی ہے۔

قال النبی ﷺ یکون فی امتی رجل یقال لہ صلہ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذاو کذا (جمع الجوامع)

(جمع الجوامع کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ اہل دل کے لیے اتنا کافی ہے۔ نااہل کے لئے دفتر بھی ناکافی ہے)۔

ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جسے صلہ کہا جائیگا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے مسلمان بہشت میں داخل ہوں گے۔

اس حدیث میں حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور اس حدیث شریف کو مندرجہ ذیل حضرات نے شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے لئے تسلیم کیا ہے۔

ا......سیدنا باقی باللہ رضی اللہ عنہ	اخبار الاخیار
۲......امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی	مکتوبات جلد دوم نمبر ۲
۳......شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ	اخبار الاخیار
۴......حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ	دلائل التجدید

حدیث صلہ کے تحت حضرت امام حافظ ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں صلہ ابن شیم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی ابو نعیم فی الحلیته من طریق ابن المبارک عن عبدالرحمن بن یزد بن جابر قال بلغنا ان النبی ﷺ قال یکون فی امتی رجل یقال له صلة یدخل الجنته بشفاعته کذاو کذا.

ترجمہ: ابونعیم نے حلیہ میں ابن المبارک کے طریق سے روایت کی کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے فرمایا کہ ہمیں روایت پہنچی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک فرد پیدا ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے مسلمان بہشت میں داخل ہوں گے۔

ایسی روایات اگرچہ مبہم ہوتی ہیں لیکن قرائن سے جن بزرگوں کے لیے ان کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ تو پھر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا واقعی وہ روایات انہی بزرگوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جس کے لیے قرائن ملے۔ مثلاً حدیث فارس سیدنا امام ابوحنیفہ کے لئے محمول کی گئی جس پر احناف کو یقین ہے کہ واقعی اس روایت میں سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے لئے تو نام بھی بتادیا گیا ہے۔ اگرچہ دوسری روایات میں ابوحنیفہ کا نام بھی بتایا گیا ہے لیکن ان روایات میں محدثین کو کلام ہے۔ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے لیے مندرجہ ذیل حدیث سے سلسلہ قادریہ کے بزرگوں نے اثبات کیا۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ

قال علی و نظر الی ابنه الحسن ان ابنی هذا سید کما سماه رسول الله ﷺ سیخرج من صلبه رجل یسمی باسم نبیکم یشبه فی الخُلق لا یشبه فی الخلق،

> حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا یہ میرا بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام سید رکھا۔ اس کی پشت سے ایک جوان پیدا ہوگا جو تمہارے نبی علیہ السلام کا ہم نام ہوگا وہ آپ کی سیرت میں آپ کی مشابہ ہوگا صورت میں نہیں۔

اس حدیث میں جوان سے مراد تمام شارحین نے حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کو مراد لیا ہے۔ لیکن حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں

> کہ ایں حدیث اشارہ است از اولادِ مولانا وسیدنا و مرشدنا سید ابو محمد محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی زاد اللہ تعالیٰ شرفہ کہ پیدا نمود و گردانید قدم او بر رقاب کل ولی اللہ۔

اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ پیدا ہوں گے۔ جن کا قدم تمام اولیاء اللہ پر ہوگا۔ (میلاد نامہ بحوالہ قیامت نامہ تصنیف بحر العلوم لکھنوی)

ان کے علاوہ دیگر متعدد روایات مختلف بزرگوں کے لئے پیش کی جاسکتی ہیں اختصار کے پیش نظر صاحب نظر کے لئے اتنا کافی ہے۔

سیدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یونہی بشارت احادیث و روایت میں موجود ہے۔ ان کے قرائن سے بھی امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ مراد لیے جائیں گے اس لیے حدیث صلہ سے سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مراد ہوں تو کیا حرج ہے۔ ہاں دل میں کوئی لا علاج بیماری ہے تو اس کا کیا علاج ----

روضہ قیومیہ میں وارد ہے کہ

> **یبعث رجل علے عشر ماۃ سنۃ ہو نور عظیم اسمہ اسمی بین السلطانین الجابرین و یدخل الجنۃ الوفا**
>
> ترجمہ: گیارہویں صدی کے شروع میں دو جابر بادشاہوں کے درمیان یک شخص بھیجا جائے گا وہ میرا ہم نام اور نور عظیم الشان ہوگا اور ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

یہ حدیث سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی بشارت پر سو فیصد صادق آتی ہے۔ قطع النظر اس کی سند کے، مشاہدہ اور واقعہ سے صحت سند خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

روضہ قیومیہ میں کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کسی جنگل میں مراقبہ فرما رہے تھے کہ یکایک ایک نور آسمان سے ظاہر ہوا اس سے تمام عالم منور ہو گیا اور القاء ہوا کہ آپ سے پانچ سو سال کے بعد جب کہ عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گا ایک بزرگ، وحید امت پیدا ہوگا وہ دنیا سے شرک و الحاد کے نام کو نابود کر دے گا۔ دین محمدی کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا اسکی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی اسکے صاحبزادے اور خلفاء بارگاہِ احدیت کے مقبول ہوں گے۔

عارف جامی کی تصدیق

نفحات الانس میں مولانا جامی نے بھی شیخ کا سنہ وفات ٦٠٠ھ تحریر کیا ہے چونکہ حضرت امام ربانی کا ظہور ١٠٠٠ھ میں ہوا جو زمانہ شیخ سے پورے چار سو سال بعد ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ بزرگ آپ ہی ہیں۔

حضرت داؤد قیصری کا عجیب استدلال

حضرت داؤد قیصری شارح فصوص الحکم مقدمہ قیصری کی دوسری فصل میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک اسم اور کوکب کا دورہ ہزار سال کا ہوتا ہے چنانچہ اولوالعزم نبیوں کی شریعت کا زمانہ بھی ہزار سال کا ہے اس امت میں بھی ہزار سال بعد ایک نائب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوگا جو دین کی اصلاح اور درستی کرے گا۔

حضرت خلیل اللہ بدخشی کا الہام

مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ شیخ نے ایک روز فرمایا۔ سبحان اللہ سلسلہ خواجگان نقشبند میں ایک عزیز افضل ترین اولیاء امت ملک ہند میں پیدا ہونے والے ہیں ان سے شرف ملاقات نہ ہو سکنے کا مجھ کو افسوس ہوگا۔ انہوں نے ایک خط بطور عرض داشت آپ کے نام تحریر کیا اور اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰن بدخشی کو دیا جو ١٠٢٢ھ ہجری میں آپ کے حضور پیش کیا گیا اس میں آپ سے دعا کے لئے استدعا کی گئی تھی۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر ان کے لئے دعا فرمائی اور کہا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام کبار اولیاء امت میں نظر آتا ہے۔

سلسلۂ چشتیہ وسہروردیہ کی تصدیق

حضرت شیخ سلیم چشتی اور نظام نارنولی اور شیخ عبداللہ سہروردی اکابر اولیاء ہندوستان کی خدمات میں لوگ آآ کر اکبر بادشاہ کی بددیانتی اور گمراہی کی شکایت کر کے ترقی اسلام کی دعا کے لئے خواستگار ہوا کرتے تھے یہ اولیائے وقت جب توجہ باطنی فرماتے تو الہام ہوتا کہ عنقریب ایک امام وقت مجدد اسلام کا ظہور ہوگا وہ سب بددینی اور ضلالت کو دفع فرمائے گا۔ قیامت تک اس کا نور باقی رہے گا (جواہر مجددیہ صفحہ ۲۴)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا ارشاد

سیدنا مجدد الف ثانی کے والد جناب مخدوم عبدالاحد علیہ رحمۃ کی بیعت کے وقت شیخ نے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کی پیشانی میں ایک ولی برحق کا نور جلوہ گر ہے اس سے مشرق ومغرب روشن ہوں گے۔

بدعت وضلالت دور ہوگی میں اگر اس وقت تک زندہ رہا تو اس کو وسیلہ قرب الٰہی گردانوں گا۔

(جواہر مجددیہ صفحہ ۲۴)

سیدنا مجدد الف ثانی کے والد گرامی

حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ العزیز آپ کے والد ماجد نے ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ عالم میں تاریکی پھیل گئی ہے خوک و بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ ایک نور ان کے سینے سے نکلا جس سے جہان روشن ہوگیا اور برق خاطف نے نکل کر سب درندوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا پھر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تخت پر کوئی بزرگ مسند نشین ہے اس کے چاروں طرف بہت سے نورانی آدمی اور ملائکہ مؤدب کھڑے ہیں۔ ملحدوں، زندیقوں، ظالموں اور جابروں کو لا کر اس کے حضور پیش کر کے بکریوں کی طرح ذبح کر رہے ہیں منادی ندا دے رہا ہے **قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا** (ترجمہ: حق آیا اور باطل بالکل پامال ہوا بیشک باطل پامال ہونے والا ہے) آپ نے یہ واقعہ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے عرض کیا آپ نے توجہ الی اللہ کر کے فرمایا کہ آپ کے گھر ایک فرزند گرامی افضل اولیاء امت پیدا ہوگا اس کے نور سے شرک وبدعت کی تاریکی دور ہوگی اور دین محمدی کو فروغ حاصل ہوگا۔

ہر صدی کے مجددین کے ادوار تاریخ میں مثبت کارنامے درج ہیں۔ ان کے کارناموں کے مقابلے میں مجدد الف ثانی کے کارنامے خصوصیت اور اہمیت کے حامل ہیں۔ سب سے بڑھ کر دین الٰہی کا خاتمہ

ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں جس قدر کفر والحاد کو فروغ اور شرع اسلام کو ضعف اور انحطاط ہو گیا تھا محتاج بیان نہیں۔ دربار کا آداب سجدہ تھا۔ اور بادشاہی مُہر کا سجع جل جلالہ ما اکبر شانہ تھا۔ وزیر ابوالفضل نے ایک کتاب بادشاہ کو لا کر دی اور کہا کہ آسمان سے آپ کے واسطے فرشتہ لایا ہے تا کہ آپ اس پر عمل کریں اس کتاب میں یہ آیت (من گھڑت) تھی۔ **یا ایھا البشر لا تذبح البقر و ان تذبح البقر فما وک جھنم** (ترجمہ) اے بشر گائے مت ذبح کر اور اگر ذبح کرو گے تو تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

دین الٰہی اگر کامیاب ہو جاتا تو آج اسلام کی یہ بہاریں نہ ہوتیں یہ بہاریں سیدنا مجدد الف ثانی کی مرہون منت ہیں۔ بڑے بدبخت اور احسان فراموش ہیں وہ لوگ جو سیدنا مجدد الف ثانی کے احسانات بھول کر ان پر تنقید کرتے اور انکی تنقیص کے درپے ہیں۔ فقیر امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے معذرت کے ساتھ کہتا ہے۔

پاگلو دین بچانے کا بھی احسان گیا۔

اللہ اکبر ایک طرف ملحد اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کا لاؤ شکر دوسری طرف حاسدین کی شرارت گویا اس وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی طرح پڑھتے ہوں گے۔

اک طرف اعدائے دین ایک طرف حاسدین
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروروں درود

اسی لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مجدد الف ثانی کو غیبی طاقت نے بام عروج تک پہنچایا۔ چنانچہ آپ کے دعاوی مبارکہ سے ایک طرف ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے تجدیدی کارنامے منجانب اللہ تھے دوسری طرف یہ ثابت ہوگا کہ آپ کا لقب مجدد الف ثانی بھی منجانب اللہ ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

۱...... خود امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ میں اپنی پیدائش سے مقصود جو کچھ سمجھتا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہو گیا اور مسئول ہزار سالہ قبول ہو گیا بہر حال ’حمد‘ خدا کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا (صلہ) اور دو گروہوں میں صلح کرانے والا بنایا۔ (مکتوبات دوم مکتوب نمبر ۲۰

بعض پیشین گوئیاں صدیوں پہلے حضور سرور عالم ﷺ بیان فرماتے ہیں تو ان کا مصداق جب سامنے آتا ہے تو ہر ایک یقین کر لیتا ہے کہ ہاں حضور پاک ﷺ نے یوں فرمایا تھا اسی لیے فلاں امر اسی کے مطابق ہوا۔ حدیث صلہ کی صحیح روایت صدیوں پہلے وارد ہوئی۔ اسی دوران بیشمار محبوبانِ خدا پیدا

ہوئے کسی نے اس کا مصداق نہ خود بنایا نہ ان کے معتقدین سے کسی بزرگ کے لیے منقول ہے ثابت ہوا کہ اس کا مصداق امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی ہیں۔ اسی لیے آپ نے اس کا دعویٰ بھی کیا جیسا کہ ''سلسلۂ نقشبندیہ'' سے وابستگان کو دیکھ لیجیے کہ چلتے پھرتے جنتی محسوس ہوتے ہیں۔ الحمدللہ علی ذالک حضرت شیخ کے ارشاد میں دو سمندروں سے مراد شریعت وطریقت اور دو گروہوں سے مراد علماء اور عظام صوفیہ کرام ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲......سیدنا مجدد الف ثانی نے جناب میر محمد نعمان کو یوں تحریر فرمایا۔ عین الیقین کی نسبت کیا کہوں تو کون سمجھے گا، یہ معارف ولایت کے احاطہ سے خارج ہیں ارباب ولایت مثل علمائے ظواہر کے ان کے سمجھنے میں عاجز اور ان کی دریافت میں قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوۃ سے اقتباس کیے گئے ہیں۔ (اربابِ نبوت پر درود وسلام ہو) جو الف ثانی (دوسرے ہزار) کی تجدید کے تتبع اور وراثت سے تازہ ہوئے ہیں اور ترو تازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں ان علوم و معارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے چنانچہ جو لوگ اس کے علوم و معارف دیکھتے ہیں جو ذات وصفات وافعال اور احوال و مواجید وتجلیات وظہورات کے متعلق ہیں ان پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور جانتے ہیں کہ یہ علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں۔ بلکہ علماء و اولیاء کے علوم پوست ہیں اور یہ معارف اس پوست کا مغز ہیں اللہ پاک ہادی ہے اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف (ہزار) کا مجدد اور۔ سو اور ہزار میں جتنا فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد اور ابدال و نجباء ہوں اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔ خاص کند بندہ مصلحت عام را خدا مصلحت عامہ کے لئے کسی بندے کو مخصوص کر دیتا ہے (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴)

۳......ایک اور مکتوب میں (جو آپ نے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے نام لکھا ہے) اپنی تجدید کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

اے فرزند! اب وہ وقت ہے کہ پہلی امتوں میں ایسے وقت میں جو تاریکی سے پُر ہو اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت کو زندہ کیا کرتا تھا اس امت میں (جو خیر الامم ہے اور جس کے پیغمبر

خاتم الرسل ہیں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات) علمائے کرام کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کے وجود سے صرف علماء کے وجود پر اکتفا کیا گیا ہے اس لیے ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین ہوتا ہے جو شریعت کو زندہ کرتا ہے۔ بالخصوص ہزار سال کے گزرنے کے بعد جو پہلی امتوں میں اولوالعزم پیغمبر کے مبعوث ہونے کا وقت تھا اور اس وقت ہر پیغمبر پر اکتفا کیا جاتا تھا ایسے وقت میں ایک عالم تام المعرفت درکار ہے جو پہلی امتوں کے اولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس ارباز فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ترجمہ: اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کر دکھائیں جو حضرت مسیح کیا کرتے تھے۔

۴...... سیادت مآب میر محمد نعمان کو ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں۔

اس امت کی آخریت کا آغاز جناب سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات شریف سے دوسرے ہزار سال کے شروع سے ہے کیونکہ ہزار سال کے گزرنے کو تفسیر امور میں بڑی خاصیت اور تبدیل اشیاء میں زبردست تاثیر ہے۔ چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں۔ اس لیے سابقین کی نسبت اسی تروتازگی سے متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید دوسرے ہزار میں کی گئی ہے۔ اس بات کے سچے گواہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔

فیض روح القدس ارباز فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

بھائی جان آج اکثر لوگوں پر ناگوار اور ان کی سمجھ سے دور ہے لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا مقابلہ کریں اور احوال کی صحت کو علومِ شرعیہ کی کسوٹی پر پرکھیں اور دیکھیں کہ شریعت اور نبوت کی تعظیم و توقیر کس میں زیادہ ہے۔ تو شائد اس بات کو بعید سمجھنے سے باز آجائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ کمالات ولایت کو کمالاتِ نبوت سے کوئی نسبت نہیں۔ کاش دریائے محیط سے ایک قطرہ کی نسبت رکھیں۔ اس طرح کی باتیں بہت لکھی ہیں۔ خصوصاً اس مکتوب میں (دفتر اول مکتوب نمبر ۴۴۰)

۵...... جو میں نے اپنے فرزند محمد صادق کے نام لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں اس گفتگو سے مقصود حضرت حق سبحانہ کی نعمت کا اظہار اور اس طریقت کے طالبوں کی ترغیب ہے۔ نہ کہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دینا۔ خدا جل وعلا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے چہ جائیکہ اکابر دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک
سزد بگزرانم سر از افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری
کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم
چو سوسن شکر لطفش کے توانم

(مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب نمبر ٦٢)

قطع نظر سابق دلائل کے حضور مجدد الف ثانی کا اتنا دعویٰ ہی اہل دل کے لیے دلیل کافی ہے اور یہ دعاوی قابل قبول بھی ہیں اگر ان کو ٹھکرایا جائے تو پھر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دعاوی کو بھی ٹھکرا دیں جو کہ آپ نے قصیدہ غوثیہ شریف اور دیگر قصائد مبارکہ میں فرمائے ہیں جنہیں اہل دل نے دل و جان سے مانا لیکن نہ مانا تو اعدائے غوث نے نہ مانا۔ فقیر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے قصیدہ بائیہ شریف کے چند اشعار پیش کرتا ہے۔

قوم لهم في كل مجد رتبةً
علويته وبكل جيش موكب

وہ ایسے افراد ہیں کہ ہر عزت و شرف میں ان کا بلند مرتبہ ہے اور ہر جماعت میں انہیں امتیاز حاصل ہے

انا بلبل الافراح املی دو جها
طز باوفی العلیاء باز اشهب

میں عندلیب مسرت ہوں کہ باغ طرب میں مستانہ اور چہچہار ہوں اور

عالم ملکوت کا بازِ اشہب ہوں (جو طاقت پرواز اور تیز رفتاری میں مشہور ہے)

اضحت جیوش الحب تحت مشیتی
طوعاو مهما رمته لا یعزب

عشق ومحبت کی تمام قوتیں اپنی خوشی سے میری مطیع ہوگئی ہیں اور جس وقت بھی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اس کو اپنے سے دور نہیں پاتا۔

اصبحت لا املاً و لا امنیته
ارحو ولا موعودة اترقب

اب میں کسی بات کی خواہش نہیں رکھتا اور نہ کسی مقرر وعدہ کا منتظر ہوں (یعنی میری خواہشات پوری ہوگئیں)

مازلت ارتع فی میادین الرضی
حتی وهب مکانته لاتوهب

میں رضامندی اور قرب الٰہی کے سبزہ زاروں سے اول دن سے ہی مستفید ہوں اور اب مجھ کو وہ مقام عطا کر دیا گیا جو کسی کو نہیں دیا جاتا۔

اضحی الزمان کحلة مرقومة
تزهو ونحن الطرار المذاهب

زمانہ اپنے عمدہ مزین اور منقش لباس پر ناز کر رہا ہے اور ہم ہی اس کے نقش ونگار کے جوہر حسن ہیں۔

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا علی فلک العلیٰ لا تغرب

پہلے لوگوں کا سورج ڈوب چکا ہے۔ ہمارا سورج آسمان رفعت پر درخشاں ہے جو کبھی نہ ڈوبے گا۔

دیکھیے نہ صرف اشعار بلکہ نثر میں بھی بیشمار دعاوی ہیں جو بہجۃ الاسرار اور قلائد الجواہر میں مرقوم ہیں بطور نمونہ ایک دعوٰی ملاحظہ ہو۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد شریف میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا سرور کائنات علیہ افضل الصلوۃ التسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ سوار تھے اور آپ کی ایک جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے آپ نے فرمایا۔ **یا موسیٰ افی امتک رجل ھذا** ۔ (اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ کی امت میں بھی اس شان کا کوئی شخص ہے)؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ نہیں اور حضور اکرم ﷺ نے مجھے خلعت پہنائی۔ (قلائد الجواہر صفحہ نمبر ۲۳)

اور نہ صرف ان دونوں بزرگوں کا یہ حال ہے تمام کامل ولی ایسے دعاوی تحدیث نعمت کے طور پر بیان فرماتے رہتے ہیں۔ تفصیل فقیر نے اپنی تصنیف تحقیق الاکابر فی قدم الشیخ عبد القادر میں عرض کی ہے۔

چند ایک کے دعاوی یہاں ملاحظہ ہوں۔

۱...... حضرت شیخ احمد البدوی نے فرمایا

انا الملثم سل عنی و عن همم
یتبیک عزمی بما ذاقلته بفمی
مذ کنت طفلا صغیرا نلت مرتبة
وهمتی قد علت عن سائر الهمم
انا السطوحی واسمی احمد البدوے
فجل الرجال امام القوم هی لحرم

۲...... سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا

فی کل عصر واحد یسمو به
انا الباقی العصر ذاک الواحد

۳...... حضرت سیدی عبد الغنی النابلسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

شمعتی اشرقت بنورک ربی
وعلیها حواسدی کالفراش
کلما حاو لوابان یطفؤنی
احر قوابی فکان امریی فاشی

واضائت بالحق انوار شمسی
فرا و نبیی با عین الخفاشیی
افظن الکلاب اذ بختنی
ان تغیر ھم دنس شاشیی

ایسے دعاوی اولیائے امت سے بے شمار ہیں۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے:۔ ایسے دعاوی کی اولیائے کرام کو کیا ضرورت تھی جب کہ انہیں تو تواضع وانکسار ضروری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:۔ تحدیثِ نعمت بھی تو ہے یہ تواضع وانکسار کے خلاف نہیں جب کہ اس کا حکم خداوندی بھی ہے اور سنت بھی جہاں حضور سرور عالم ﷺ نے تواضع اور انکسار کا اظہار فرمایا ہے وہاں تحدیثِ نعمت بھی فرمائی ہے۔ چند روایات حاضر ہیں:

۱..... **انا اکرم ولد آدم عند ربی ولا فخر**

ترجمہ: ''میں اپنے رب کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور میں فخر نہیں کرتا''۔

۲..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

انا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر

ترجمہ: ''میں پہلی اور پچھلی تمام مخلوق سے زیادہ عزت والا ہوں اور میں اس پر فخر نہیں کرتا''۔

۳..... حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

اتانی جبرائیل علیه السلام فقال لی قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم ار رجلا افضل من محمد ولم اربنی اب افضل من بنی هاشم.

ترجمہ: ''میرے پاس جبرائیل امین آئے انہوں نے مجھے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق ومغرب چھان ڈالے لیکن میں نے حضور ﷺ سے زیادہ فضیلت والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور کسی باپ کے بیٹے بنو ہاشم سے زیادہ فضیلت والے نہیں دیکھے''۔

۴......ابن وہب راوی ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

اے حبیب: مجھ سے مانگ لیں! میں نے عرض کیا اے پروردگار! میں تجھ سے کیا مانگوں؟ تو نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام کیا، حضرت نوح کو برگزیدہ فرمایا، حضرت سلیمان کو وہ سلطنت دی کہ ان کے بعد کسی کے لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے حبیب! میں نے جو کچھ تمہیں دیا وہ ان سب سے بہتر ہے، میں نے تمہیں حوض کوثر دیا، تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ رکھا کہ آسمانوں میں پکارا جاتا ہے۔ تمہارے لیے اور تمہاری امت کے لیے زمین کو پاک کرنے والی بنایا (اس سے تیمّم کیا جاسکتا ہے) تمہارے طفیل تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیے، تم لوگوں میں اس حال میں چلتے ہو کہ تمہارے طفیل گناہ بخش دیے گئے ہیں، یہ اعزاز واکرام تم سے پہلے کسی کو نہیں دیا، تمہاری امت کے دل مصحف بنادیے کہ وہ قرآن پاک یاد کرتے ہیں، تمہارے لیے میں نے شفاعت رکھی، تمہارے سوا کسی پیغمبر کے لیے شفاعت محفوظ نہیں رکھی“

۵......طویل حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے حضور ﷺ کو کہا:

ما اکرمک علی اللہ ان اللہ معک ملائکتہ

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی کتنی عزت ہے تحقیق اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور اس کے فرشتے۔

۶......شفا شریف میں ابو محمد مکی اور ابو اللیث سمرقندی سے منقول ہے۔

(الف) ”حضرت آدم نے اپنی لغزش کے بعد کہا اے اللہ! محمد مصطفےٰ ﷺ کے طفیل میری لغزش معاف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا تم نے محمد مصطفےٰ ﷺ کو کہاں سے پہچانا؟ آدم نے کہا میں نے جنت میں ہر جگہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)** لکھا دیکھا۔

(ب) ایک روایت میں ہے محمد عبدی ورسولی محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں اس سے میں نے جانا کہ وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزت والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آدم کی توبہ قبول کی اور ان کی لغزش معاف فرمادی، اس کلام کے قائل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ارشاد **فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ** (آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی) کا یہی مطلب ہے۔

(ج) ایک روایت ہے کہ حضرت آدم نے کہا اے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھایا، دیکھا کہ عرش مجید پر لکھا ہوا تھا "**لا اله الاالله محمد رسول الله**" پس میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک کسی کا مقام اس ذات کریم سے بلند نہیں ہے جن کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ جمع کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آدم کی طرف وحی نازل فرمائی کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم محمد ﷺ تمہاری اولاد میں سے آخری پیغمبر ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تمہیں بھی پیدا نہ فرماتا۔

(د) یعنی روایات میں ہے کہ آدم کی کنیت ابومحمد تھی ایک روایت میں ہے۔ انکی کنیت ابوالبشر تھی یعنی حضرت آدم کی کنیت میں باپ ہونے کی نسبت حضور ﷺ کے سوا کسی طرف نہ تھی۔

(ھ) شُریح بن یونس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر گشت لگاتے ہیں اور اس گھر کی کثرت سے زیارت کرتے ہیں جس میں احمد نام والا کوئی شخص ہو، یہ فرشتوں کی طرف سے تعظیم ہے۔ حضور ﷺ کی قاضی ابن قانع، ابواحمر سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب فرشتے مجھے آسمان پر لے گئے تو میں نے دیکھا عرش پر لکھا ہوا تھا

لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ.

۷..... حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے:

انی انا الله لا اله الا انا محمد رسول الله لا اعذب من قالها.

ترجمہ "بے شک میں خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، اس کلمہ کے کہنے والے کو میں عذاب نہیں دونگا")

امام جعفر صادق اپنے والد ماجد محمد باقر سے راوی ہیں کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا کہے گا کہ "جس کا نام محمد ہے اٹھے اور جنت میں داخل ہو جائے، یہ نبی اکرم ﷺ کے نام پاک کی تعظیم ہوگی"

۸..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث معراج میں حضور ﷺ کی انبیائے کرام سے ملاقات کا ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کی گفتگو بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

ان محمداً اثنی علی ربه.

ترجمہ: "نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کی تعریف کی"

فقال کلکم اثنی علی ربه و انا اثنی علی ربی.

ترجمہ: ”حضور نے فرمایا تم میں ہر ایک نے اپنے رب کی تعریف کی، اب میں اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں“۔

الحمدﷲ الذی ارسلنی رحمة للعالمین و کافته للناس اجمعین بشیراً و نذیراً.

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام انسانوں کے لیے خوشخبری اور ڈر سنانیوالا بنا کر بھیجا“۔

وانزل علی الفرقان فیه تبیان لکل شیٔ.

ترجمہ: ”مجھ پر قرآن پاک اتارا جس میں ہر شے کا بیان ہے“

وجعل امتی امة وسطا.

ترجمہ: ”اور میری امت کو بہترین امت بنایا“

وجعل امتی هم الا ولون و هم الاخرون.

ترجمہ: ”اور میری امت کو (جنت میں داخل ہونے میں) پہلی امت اور وجود کے اعتبار سے آخری امت بنایا“

وشرح لی صدری ووضع عنی وزری.

ترجمہ: ”اور میرے دل کو علوم وحکم کے لیے کھول دیا اور میرے لیے تبلیغ ورسالت کا بوجھ آسان فرمادیا“

ورفع ذکری و جعلنی فاتحا و خاتماً.

ترجمہ: ”اور میرا ذکر بلند فرمایا مجھے تمام اولین وآخرین میں فاتح (اول) اور تمام انبیاء مرسلین کا خاتم بنایا“

فقال ابراهیم علیه السلام افضلکم محمد ﷺ.

ترجمہ: ”حضرت ابراھیم نے فرمایا اے انبیاء! اسی لئے محمد ﷺ تم سے افضل ہوئے ہیں۔

۹...... یہ بھی احادیث میں وارد ہے:

(ا) **فقال له رب تعالیٰ قد اتخذتک حبیباً فهو مکتوب فی التوراة محمد حبیب الرحمٰن.**

ترجمہ: ”اللہ تعالےٰ نے فرمایا میں نے تمہیں محبوب بنالیا، توراة میں لکھا ہے محمد ﷺ اللہ تعالےٰ کے محبوب ہیں“

(ب) **وارسلنک الی الناس کافة وجعلت امتک هم الاولون و الاخرون.**

ترجمہ: ”ہم نے تمہیں تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری امت کو سعادت میں پہلی اور وجود میں آخری امت بنایا“۔

(ج) **وجعلتامتک لایجوز لهم خطبته حتی یشهدو انک عبدی و رسولی.**

ترجمہ: ''اور آپ کی امت پر لازم کیا کہ ان کے لئے کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک یہ گواہی نہ دیں کہ آپ میرے عبد خاص اور رسول ہیں''

(د) **وجعلت اول النبیّن خلقاً فاخرهم بعثاً.**

ترجمہ: ''اور میں نے تمہیں خلقت میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر بنایا''۔

(۵) **واعطیتک سبعاً من المثانی و القرآن العظیم.**

ترجمہ: ''اور میں نے تمہیں سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا''۔

آخری اور حتمی فیصلہ

حضور مجدد الف ثانی نے جب سے یہ دعویٰ فرمایا تا حال جملہ مشائخ عظام اور علمائے کرام یہاں تک اولیائے کرام کے مخالفین بھی آپ کے اس لقب کو تسلیم کرتے چلے آئے اگر اس کو اجماع امت سے تعبیر کیا جائے تو حق ہے ظاہر ہے کہ جو اجماع سے بھاگتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ حدیث پاک ہے۔

من شذشذفی النار

☆......☆......☆

حواشی

۱......علامہ سیالکوٹی کے تبحر علمی کے نہ صرف علمائے ہند معترف تھے اور ہیں بلکہ علمائے عرب آپ کی تصانیف کو قیمتی جواہر سمجھ کر زیر مطالعہ رکھتے تھے اور تا حال ہند و مصر میں آپ کی تصانیف شائع ہو رہی ہیں اور مراکز علمی اور مدارس درس نظامی میں آپ مقبول عوام و خواص ہیں۔

۲......حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے سب سے پہلے سیدنا مجدد الف ثانی کو مجدد الف ثانی لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ ''دلائل التجدید'' تصنیف فرمایا واضح رہے کہ جمعہ کا دن ربیع الاول کی دسویں تاریخ تھی جب حضرت شیخ کو تجدید کا خلعت زیب تن ہوا'' (**تذکرہ مشائخ نقشبندیه از مولانا توکلی مع اضافه اویسی غفرله**'')

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

’’مجدد الف ثانی‘‘

(ایک تحقیقی جائزہ)

ڈاکٹر مفتی ابوالخیر محمد زبیر مجددی

☆☆

یہ دستورِ قدرت رہا ہے کہ جب بھی کفر و شرک اور فسق و فجور کا اندھیرا چھا جاتا تھا تو اس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نبی کو مبعوث فرمایا کرتا تھا جو اس ظلمت کو دور کر کے رشد و ہدایت کے نور سے عالم کو روشن کر دیا کرتا تھا لیکن چونکہ ہمارے نبی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک اب کوئی نبی نہیں آنا اس لیے اب جب بھی کفر و شرک، فسق و فجور کا اندھیرا چھانے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضور کی امت میں علمائے حق کو ’’مجدد‘‘ بنا کر مبعوث فرماتا ہے۔ جو اپنے رُشد و ہدایت کے نور سے ان کفر و عصیاں کی ظلمتوں کو کافور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس پر یہ حدیث مبارک شاہد ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنّ اللہ عَز وجَل یَبعَثُ لِھٰذہ الامة عَلےٰ راس کل ماة سنة من یجدِّد لھادینھا [1]

یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر مجدد بھیجتا رہتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے یعنی اس کو ترو تازہ کرتا ہے

اس حدیثِ مبارکہ میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ جس طرح قرآن پاک میں انبیائے کرام کے لئے بعثت کا لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ’’حتیٰ نبعث رسولا‘‘ [2] دوسرے مقام

پر فرمایا ''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ''۳ تیسرے مقام پر فرمایا ''فبعث اللہ النبیّین مبشرین و منذرین ''۴ اسی طرح اس مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں ''مجدد'' کے لیے بھی بعثت کا لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا ''ان اللہ عز و جل یبعث'' اس سے پتا چلا کہ جس طرح نبوت میں کسی کی ذاتی محنت اور کسب یا کسی کی تجویز و تائید کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ ''وہ من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے'' اسی طرح مجدد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اس کے ''منصبِ مجددیت'' کے ملنے میں اس کی خود اپنی کسی کاوش یا کسی دوسرے کی کسی تجویز و تائید کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

پھر مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں اور منکرات کو دور کرنے کی جس طرح نبی سعی کرتا ہے اسی طرح مجدد بھی ان مفاسد سے معاشرہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے اور تیسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی کہ چونکہ اب نبوت کا دروازہ بند ہوگیا ہے اور مجدد اب نبی کے قائم مقام بن کر آتا ہے اور اسی کا کام کرتا ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا ''علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل '' لہٰذا جو کمالات، مراتب شانیں اور عظمتیں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عطا فرمائیں ان میں سے بعض سے مجدد کو بھی نوازا جاتا ہے۔ مثلاً نبیوں کی بعثت میں اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اولوالعزم انبیائے کرام کو ہزار سال بعد مبعوث فرمایا اسی طرح امت مسلمہ میں بھی ہر صدی میں مجدد آئیں گے لیکن اولوالعزم مجدد ہزار سال کے بعد آئیگا۔

بہرحال جس طرح اللہ تعالیٰ نے انتالیس سال کی عمر کے بعد ربیع الاول کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت نبی کے عالم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس متبع خاص یعنی حضرت امام ربانی کو بھی انتالیس سال کی عمر کے بعد اسی ربیع الاول شریف کے مہینے میں مخلوق خدا کی رہبری و ہدایت کے لیے بحیثیت مجدد مبعوث فرمایا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آپ کے زمانے تک ہزار سال ہوجاتے ہیں اس لئے اولوالعزوم انبیاء کی طرح آپ کو اولوالعزم مجدد یعنی الف ثانی بنا کر مبعوث فرمایا اور جس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت من جانب اللہ تھی اسی طرح بحیثیت مجدد آپ کی بعثت بھی منجانب اللہ تھی اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خلیفۃ اللہ ہیں اور آئینہ خدانما ہیں ان کے ذریعے آپ کو خلعتِ تجدید الف ثانی سے سرفراز فرمایا گیا، چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز دسویں ربیع الاول شریف کو آپ صبح کے وقت حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام، ملائکہ مقربین اور مقتدر اولیائے امت کے ہمراہ جلوہ افروز ہوئے اور خود اپنے دستِ انور سے ایک نہایت شاندار نورانی خلعت حضرت امام ربانی کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدید الف ثانی کی خلعت ہے ہم نے تمہیں اپنی امت کے واسطے اپنا نائب اتم مقرر کیا ہے۔ [۵]

...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مبعوث من اللہ تھے۔ اسی طرح آپ اپنی اس نبوت کے اعلان پر بھی مامور من اللہ تھے چنانچہ آپ نے اپنی نبوت کا بانگ دہل اعلان فرمایا۔ اسی طرح حضرت امام ربانی کی بطور مجدد الف ثانی بعثت بھی من جانب اللہ تھی اور آپ بطور تحدیثِ نعمت اور بغرض استفادہ مخلوق خدا اس کے اعلان پر مامور من اللہ تھے اس لیے آپ نے مکاتیب شریفہ میں کئی مقامات پر واضح طور پر اس کا اعلان فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ کے مکاتیب گرامی سے چند اقتباسات پیش ہیں اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے نام ایک مکتوب گرامی میں آپ یوں تحریر فرماتے ہیں:

> اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے میرے علم میں پورا ہو گیا ہے اور ہزار سالہ تجدید کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان صلہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا[٦]۔

میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب گرامی میں مزید وضاحت کیساتھ فرمایا:

> فقیر عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے اور عرض کرے بھی تو اسے کون سمجھے گا کون پائیگا اور کیا پائیگا۔ یہ معارف دائرۂ ولایت سے خارج ہیں۔ اربابِ ولایت علمائے ظواھر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں، یہ علوم انوارِ نبوت علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سینے سے اخذ کیے گئے ہیں جو دوسرے ہزار کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے۔ جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات وصفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں اور جو احوال و مواجید تجلیات

> اور ظہورات سے متعلق ہیں دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تو صاحبِ نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں بلکہ ان کے علوم ان علوم کی نسبت چھلکا ہیں اور وہ معارف اس چھلکے کا مغز ہیں اور اللہ سبحانہ ہی ہدایت دینے والا ہے'' اور جان لیں کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے۔ جسطرح سو اور ہزار میں فرق ہے ان دو مجددوں میں بھی اسی طرح فرق ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں اُمتیوں کو پہنچتا ہے اسکے واسطے سے پہنچتا ہے اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں اور ابدال و نجباء ہوں ''مصلحتِ عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو خاص کر لیتا ہے''۔

اپنے ایک اور مکتوب میں اپنے اسی مقام مجددیت الف ثانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں۔ اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی امتوں میں ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء کے وجود سے کفایت کی ہے اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس امت کے علماء میں ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تاکہ شریعت کو زندہ کرے خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا

> وقت ہے اور ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے اسی طرح اسی وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ اُمتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو[۸]۔

میر نعمان کے نام اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں بطور تحدیثِ نعمت اپنے اسی مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور یہ آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ”**اولھم خیر ام آخرھم**“ (ان میں سے اول بہتر ہیں یا آخر) اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتداء ہے کیونکہ الف یعنی ہزار سال گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چونکہ اس امت میں نسخ اور تبدیلی نہیں ہے اس لیے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے الف ثانی میں ازسرِنو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں۔
>
> فیضِ روح القدس ارباز مدد فرماید
> دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد
>
> (روح القدس اگر پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے)
>
> اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور انکی فہم سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دسرے کے علوم و معارف کا

موازنہ کریں اور احوال کی صحت وسُقم، علومِ شرعیہ کی مطابقت اور عدمِ مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت ونبوت کی تعظیم وتوقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے تو امید ہے کہ یہ تعجب ان کا جاتا رہیگا اور یہ بات انکو فہم سے دور معلوم نہ ہوگی۹۔

اقرارِ مجددیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ نے اس کو تسلیم کیا اسی طرح حضرت امام ربانی کے اعلان مجددیت الف ثانی کو وقت کے اکابر اولیاء اور علماء نے تسلیم کیا بشارتیں دیں اور ان کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا، چند اولیائے امت اور علمائے ملت کے ارشادات پیش خدمت ہیں:۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی

حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' بنایا ہے اگر وقت کے علماء بھی اس بات کو تسلیم کر لیتے تو پوری تائید ہوجاتی، یہ دل میں خیال آنا تھا کہ حضرت امام ربانی میرے دل کے اس وسوسہ پر مطلع ہوگئے اور فوراً میری تسلی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا علومِ نقلیہ وعقلیہ میں بڑا بلند مقام ہے، انہوں نے فقیر کو ایک خط لکھا ہے اس میں جہاں بہت سے القاب لکھے ہیں وہاں ایک لقب ''مجدد الف ثانی'' بھی لکھا ہے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ اس خط کے آنے کے بعد ایک روز علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خواب میں حضرت امام ربانی کو دیکھا کہ آپ یہ آیت پڑھ رہے ہیں ''**قل الله ثم ذرهم**'' (اللہ کہو پھر ان کو چھوڑ دو) یہ خواب دیکھتے ہی آپ چند دنوں کے بعد حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل دیے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر طریقت وحقیقت کے معارف سے فیضیاب ہوئے اور حضرت کے مخلصین میں شامل ہوگئے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجدید الف ثانی کے حامل کو اگر ان علوم ومعارف اور مراتبِ علیا سے نوازا جائے تو یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے۱۰۔

علامہ داؤد قیصری

فصوص الحکم کے شارح علامہ داؤد قیصری آپ کے تجدید الف ثانی کی پیشگوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر ایک اسم اور ستارہ کا دورہ ہزار سال بعد ہوتا ہے انبیائے اولوالعزم کی شریعتیں بھی ہزار ہزار سال رہتی تھیں۔ لہٰذا اس امت میں بھی ہزار سال بعد ایک شخص مبعوث ہوگا جو دین کی تجدید کریگا اور انبیائے اولوالعزم کا قائم مقام ہوگا۔ [۱۱]

شیخ الاسلام احمد جام

شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے ’’مقامات‘‘ میں آپ کی ولادت سے قبل آپ کی تشریف آوری اور ’’تجدید الف ثانی‘‘ کے منصب پر فائز ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہونگے جس میں سے آخری شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا اور وہ امتِ محمدی کے تمام اولیاء سے افضل ہوگا۔ [۱۲]

شیخ ابوالحسن چشتی

خاندانِ چشتیہ کے ایک کامل بزرگ شیخ ابوالحسن چشتی نے حضرت امام ربانی کی ولادت کی رات ایک خواب دیکھا کہ شہر سرہند میں تمام اولیاء امت جمع ہیں اور ان کے درمیان ایک نور کا منبر رکھا ہوا ہے جس پر ایک مرد باخدا تشریف فرما ہوکے فرما رہے ہیں کہ لوگو! تمہیں مبارک ہو آج کی رات وہ شخص پیدا ہو رہا ہے جس کی روح کی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار سال اپنی گود میں تربیت فرمائی ہے۔ اس امت کے اولیاء کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا ہوئے وہ سب اس ایک ذات میں مجتمع کر دیے گئے ہیں۔ [۱۳]

شاہ غلام علی دہلوی

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا مجدد الف ثانی کے لقب سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> آپ مجدد الف ثانی ہیں، آپکے حقائق و دقائق، معرفت کی باتوں اور آپکے فیوض و برکات نے بہت سے دلوں کی اصلاح فرمائی ہے آپ نے سچے الہامات کے ذریعے اپنے طریقے میں بلند مقامات مقرر فرمائے ہیں

جو اللہ تعالیٰ کے قُرب کے بلند مراتب ہیں[۱۴]۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بیہقی وقت کے لقب سے یاد کرتے تھے وہ اپنی تفسیر مظہری میں جا بجا قال المجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ج ۵، ص ۶۵) کہہ کے بطورِ سند آپ کے اقوال نقل فرماتے ہیں جبکہ اپنی دوسری تصنیف ''ارشاد الطالبین'' میں آپ کے اس لقب ''مجدد الف ثانی'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' جب ہزار سال گزر گئے اور اولوا العزم پیغمبر کے آنے کا وقت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادتِ قدیمہ کے مطابق دوسرے ہزار سال کے لیے ایک مجدد پیدا فرمایا۔۔۔۔ اور اس کو وہ کمالات اور مقامات عطا فرمائے جو کسی نے نہیں دیکھے[۱۵]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں آپ کو مجدد الف ثانی سمیت مندرجہ ذیل عظیم القاب سے یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> قدوۃ الاخیار، زبدۃ المقربین الابرار، قطب الاقطاب جہانیاں مآب مظہر تجلیاتِ الٰہی مصدر برکاتِ نامتناہی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

صرف یہ نہیں کہ شیخ محقق علی الاطلاق نے آپ کو مجدد الف ثانی فرمایا بلکہ اس لقب کی حقانیت پر استدلال کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں۔

> آپ کے جو معارف و حقائق سنے گئے اور آپ کی جو رشد و ہدایت دیکھی گئی وہ بلند آواز سے بتا رہی ہے کہ ان کا حامل مجدد ہے اور مجدد بھی مجدد مائۃ یعنی سو سال کا مجدد نہیں بلکہ مجدد الف ثانی یعنی ہزار سال کا مجدد ہے۔ سو اور ہزار کے درمیان کوئی چھوٹا نہیں بڑا فرق ہے۔ کاش تم اس کو جانتے ہوتے[۱۶]۔

خواجہ عبداللہ

حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے منظوم کلام میں آپ کے مجدد ہونے کو یوں بیان فرماتے ہیں:

امامِ زماں قطب اقطابِ عالم
کہ چوں او ندانم کہ بگذشت یک تن
زبس ہمت و وسعتِ فیضِ باطن
بہ تجدیدِ الفِ دوم شد معین[١٧]

مرزا مظہر جان جاناں

وقت کے ایک اور عارفِ کامل اور ولی برحق حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک مکاشفہ بیان فرمایا ہے جس سے حضرت امام ربانی کی بارگاہِ مصطفوی میں عظمت ومقبولیت کا جہاں پتا چلا ہے وہاں اس لقب مجدد الف ثانی کی حقانیت بھی آشکار ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

> ایک دفعہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء کی زیارت سے مشرف ہوا میں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ ان جیسا میری امت میں اور کون ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ان کے مکتوبات آپ کی نظر سے گزرے؟ آپ نے فرمایا اگر تمہیں کچھ یاد ہے تو اس میں سے کچھ سناؤ، میں نے حضور کو مکتوبات کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی کہ انہ اللہ تعالیٰ وراء الوراثم وراء الورائکہ اللہ تعالیٰ بلند سے بلند تر ہے۔ آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور اس سے بڑے لطف اندوز ہوتے ہوئے فرمایا اسے دوبارہ پڑھو میں نے دوبارہ یہی عبارت پڑھی تو آپ نے اس کی بڑی تحسین فرمائی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے[١٨]۔

اس کے علاوہ حضرت امام ربانی کی اولاد و احفاد اور انکے ہزاروں خلفاء اور اس وقت سے اب تک سلسلہ نقشبندیہ میں آنے والے اور دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلے ہوئے لاکھوں اولیاء اور علماء نے ہر دور میں حضرت امام ربانی کے تجدیدی کارناموں کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے تجدیدِ الف ثانی کے منصب کو تسلیم کیا اور آپ کو ''مجدد الف ثانی'' مانا اور اس کا اقرار کر کے روحانیت کے اعلیٰ مراتب حاصل کیے۔ گویا یوں سمجھ لیجیے کہ اولیاء اور علماء کا آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر اتفاق اور اجماع ہے۔

اس مقام پر بھی بعض علمائے کرام اور سوانح نگار حضرات سے کچھ تسامح ہو گئے جن کا ازالہ ضروری ہے۔

بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ مجدد صرف سو سال کا ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں صرف سو سال کے مجدد کا ذکر ہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجدد الف ثانی ہزار سال کے مجدد ہیں یہ بالکل غلط ہے اور خود ساختہ قول ہے۔ مجدد الف ثانی کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہیں تو صرف سو سال کے مجدد لیکن چونکہ آپ دوسرے ہزار سال کی ابتداء میں آئے ہیں اس لیے آپ کو مجدد الف ثانی کہہ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ہزار سال کے مجدد ہیں۔

بعض علمائے کرام اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور انہوں نے بھی مجدد الف ثانی کا استعمال مندرجہ بالا معنی میں کرتے ہوئے اس سے ہزار سال کے مجدد کے معنی لینے کا نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اس کو جاہلانہ خیال قرار دے ڈالا۔

ان علمائے کرام کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ مجدد الف ثانی جیسے امور کا دارومدار اولیائے کرام کے کشف اور الہامات پر ہے جبکہ اولیائے کاملین کے کشف اور الہامات کی حقانیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے چنانچہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ مذکور ہے کہ ''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ پریشان ہوئیں کہ فرعون پیدا ہونے والے تمام لڑکوں کو قتل کرا دیتا ہے لہٰذا اس بچہ کو بھی قتل کرا دے گا، جب وہ بہت پریشان ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ان کو الہام فرمایا کہ اس بچہ کو دریا کے حوالے کر دو چنانچہ آپ نے اس الہام پر عمل کرتے ہوئے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا اور بے فکر ہو گئیں۔ قرآن پاک کی اس آیتہ مبارکہ میں اس واقعہ کا یوں ذکر کیا گیا ہے

واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولاتخافی ولا تحزنی انارآ دوه الیکِ وجاعلوه من المرسلین ۱۹

ترجمہ: اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہوتو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے

اس طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے والی تھی اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ کی طرف سے الہام ہوا جس کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے

وھزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطبا جنیا ۲۰

ترجمہ: اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تو تمہارے اوپر تازہ پکی کھجوریں گرینگی۔ انہیں کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ سابقہ امتوں کی جو مومنہ صالحہ اور ولیہ خواتین تھیں ان پر اللہ تعالیٰ نے الہامات فرمائے تو پھر وہ امت جس کو قرآن پاک میں "کنتم خیر امة" کہہ کے اللہ تعالیٰ نے تمام امم سابقہ میں سب سے بہتر افضل اور اعلیٰ امت قرار دیا ہو اس امت کے اولیا جو سابق امتوں کے اولیا سے بھی افضل واعلیٰ ہوں وہ الہامات سے کب محروم رہ سکتے ہیں؟ ماننا پڑیگا کہ اس خیر الامم کے اولیائے کاملین کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے کشف اور الہامات سے نوازا جاتا ہے۔ بلکہ ایک اور آیت مبارکہ میں تو استقامت اختیار کرنے والے کاملین اولیاء اللہ پر فرشتوں کے نزول اور ان کی طرف سے الہامات کو واضح الفاظ میں قرآن یوں بیان فرماتا ہے۔

اِنّ الذین قالوا ربنا اللّٰه ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکة الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشرو بالجنة التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیواة الدنیا و فی الاخرة ۲۱

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر

استقامت اختیار کی تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں جو ان سے یہ کہتے
ہیں کہ ہم دنیا و آخرت میں تمہارے دوست اور مددگار ہیں۔

اس آیت کے تحت علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے نزول سے اس بندہ کو شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے اور ان کے الہام سے اس کا خوف و غم دور ہو جاتا ہے۔ امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ فرشتے انسانی روحوں میں اثر رکھتے ہیں انہیں الہام کرتے ہیں اور انہیں مکاشفہ کراتے ہیں جس طرح شیطان کا روحوں میں اثر ہے کہ وہ ان میں وسوسے اور غلط خیال دل میں ڈالتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الہام غیب کے چراغ کی روشنی ہے جو صاف اور فارغ دل پر پڑتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو قلوب دنیاوی کدورتوں اور گناہوں کی آلائشوں سے پاک وصاف ہوتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے سچے کشف والہامات سے نوازا جاتا ہے اس پر قرآن شاہد ہے۔

کشف والہامات کی صداقت احادیثِ نبویہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ سابق امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے جنہیں الہام ہوتا تھا اب میری امت میں ایسے لوگوں میں سے حضرت عمر سرِ فہرست ہیں۔ چنانچہ نہاوند کے مقام پر جس لشکر کو آپ نے بھیجا تھا اس کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر حضرت عمر نے دیکھ بھی لیا اور ”یا ساریة الجبل“ کہہ کے وہیں سے اس کی رہنمائی فرما کے اس کو فتح سے ہمکنار بھی کر دیا یہ آپ کے کشف کا بین ثبوت ہے۔ حضرت عثمان غنی کے کشف کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص راستہ میں ایک عورت کو شہوت بھری نظر سے دیکھ کر جب آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس اس حال میں آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی کشف اور الہام کی حقانیت پر بڑی واضح دلیل ہے۔ آپ فرماتے ہیں

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله[۲۲]

کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ خلوت اور ذکر کے نتیجے میں حواس کے پردے اٹھ جاتے ہیں پھر آدمی کو ان جہانوں پر اطلاع ہو جاتی ہے جس کا ظاہری حواس میں گرفتار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔

بہرحال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اولیائے کاملین کے کشف اور الہامات درست اور برحق ہوتے ہیں کیونکہ انکی حقانیت مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ سے ثابت

ہے۔ لہٰذا تجدید الف ثانی بھی چونکہ حضرت امام ربانی جیسے ایک ولی کامل کا کشف اور الہام ہے لہٰذا مندرجہ بالا آیات اور احادیث کی رو سے نہ اس کی حقانیت میں کوئی کلام کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو خلاف حدیث یا ''جاہلانہ خیال'' قرار دیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ خاص ''مجدد الف ثانی'' کا چونکہ کسی حدیث میں ذکر نہیں اس لیے یہ غلط اور جاہلانہ باتیں ہیں تو میں عرض کرونگا کہ سیکڑوں اولیائے کرام کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں مکاشفات الہامات اور مقامات ایسے ہیں کہ خصوصیت کیساتھ ان کا کسی حدیث میں کوئی ذکر نہیں پھر تو اس دلیل کی رو سے وہ بھی سارے کے سارے غلط اور جاہلانہ خیال قرار پائیں گے۔ (معاذ اللہ) مثلاً

۱...... حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

> مجھے تمام اقطاب کا حاکم بنایا گیا ہے، مہینے اور زمانے میرے پاس حاضری دے کر گزرتے ہیں، اللہ کے تمام شہروں پر میرا حکم چلتا ہے، اولیاء اللہ میں میرے مثل کوئی نہیں، میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ آفتاب اس وقت تک طلوع نہیں ہوتا جب تک کہ میری بارگاہ میں سلام پیش نہ کردے۔

۲...... حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

> میرے شیخ نے مجھے اس وقت اجازت دی جب میں زمین کے نیچے تحت الثریٰ سے لے کر عرش معلیٰ تک سب کچھ دیکھتا تھا، انہوں نے فرمایا مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا تم معین الدین اور قطب المشائخ ہو۔

۳...... حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

> روئے زمین میرے سامنے ناخن کی طرح ہے۔ اور مجھے القا ہوا ہے کہ تم جو کہو گے وہی ہو جائیگا۔

۴...... حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

> میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ فرمارہے ہیں کہ نظام الدین تم سے ملنے کا ہمیں بڑا اشتیاق ہے۔

۵.....حضرت بابا فرید شکر گنج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

> جو کوئی میری زندگی میں مجھ سے بیعت ہوگا یا میرے ساتھ مصافحہ کریگا یا میرے بیٹوں یا مریدوں یا خاندان میں سے کسی سے بیعت ہوگا' دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

٦.....حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز اعلان کروایا کہ

> مجھ پر القا ہوا ہے کہ آج کے روز جو شخص میری زیارت کریگا وہ قیامت کے دن دوزخ میں نہیں جائیگا۔

اس جیسے سیکڑوں ہزاروں اولیائے کرام کے مشاہدات اور مکاشفات ہیں جن کا خصوصیت کیساتھ کسی حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔

اسی طرح غوث اعظم، محی الدین القاب کا بھی کسی حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ لیکن آج تک کسی نے نہ ان کو غلط کہا اور نہ ان کو جاہلانہ خیال قرار دیا، لہٰذا حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجدید الف ثانی یا قیومیت یا دیگر مکاشفات اور الہامات کا خصوصیت کے ساتھ حدیث میں ذکر نہ آنے پر ان کو غلط یا جاہلانہ خیال قرار دینا کسی طرح بھی درست اور قرین انصاف نہیں۔

بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت امام ربانی نے خود دعویٰ تجدید نہیں فرمایا حالانکہ ہم نے مکاتیب شریفہ سے حضرت امام ربانی کی جو عبارات نقل کی ہیں اس سے واضح طور پر خود حضرت امام ربانی کی طرف سے اس کا ثابت ہو رہا ہے، مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ 'مری پیدائش سے جو مقصود ہے وہ پورا ہو گیا اور ہزار سال تجدید کی دعا قبول ہوگئی'' دوسرے مقام پر ''یہ علوم انوارِ نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سینہ سے تبعیت اور وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے'' ایک اور مقام پر فرمایا کہ یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ الف ثانی میں ازسرِنو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں'' خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگوں پر بھی اپنا پرتو ظاہر کیا ہے اور تبع تابعین پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے پھر یہ دولت پوشیدہ ہوگئی حتیٰ کہ آں سرور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے الف ثانی تک نوبت آ گئی اور اس وقت پھر یہ دولت تبعیت اور وراثت کے طور پر ظاہر ہوگئی ہے اور آخر (زمانے) کو اول زمانے سے مشابہہ کر دیا ہے[۲۳]۔

ان الفاظ وکلمات کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ادعا اور اعلان خود حضرت امام ربانی کی طرف سے نہیں ہوا۔

ہوسکتا ہے ان سوانح نگار حضرات نے یہ سوچ کر کہ خود تجدید کا دعویٰ اور اعلان کرنا خود بینی اور خودستائی کے زمرہ میں آتا ہے اس لیے انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ حالانکہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس طرح نبی کی بعثت من جانب اللہ ہوتی ہے اور اس کے اعلان پر نبی منجانب اللہ مامور ہوتا ہے اسی طرح مجدد کی بعثت بھی منجانب اللہ ہوتی ہے اور وہ اسی طرح اس کے اعلان پر من جانب اللہ مامور ہوتا ہے تاکہ مخلوقِ خدا اس کے مرتبہ سے آشنا ہو کر اس کی طرف رجوع کرے اور اس سے اکتساب فیض کریں۔

اس کے علاوہ نعمت کے ملنے پر بطور شکرانہ اس کے بیان کرنے کا رب نے قرآن میں اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ "**واما بنعمة ربک فحدث**" کہ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو۔ لہٰذا تجدید الف ثانی" جیسی عظیم نعمت کے ملنے پر بطور شکرانہ اس کا بیان کر کے درحقیقت حضرت امام ربانی نے قرآن پاک پر عمل کیا اور تحدیثِ نعمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا شکریہ ادا کر کے اس کے حکم کی بجا آوری فرمائی ہے۔

چنانچہ جس مکتوب میں آپ نے اپنے تجدیدِ الف ثانی کا اعلان فرمایا ہے اسی مکتوب گرامی کے اخیر میں لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ان وسوسوں کا پہلے سے تدارک کرتے ہوئے آپ نے اسی جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

> اس گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو اور اس طریقہ کے طالبوں کو ترغیب ہو نہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت و بزرگی ثابت ہو۔ خدائے تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو بزرگان دین سے اپنے آپ کو افضل جانے[۲۴]۔

علاوہ ازیں چونکہ آپ کی پوری زندگی اول سے آخر تک اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اس لیے آپ نے اس معاملے میں بھی اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کیوں نہ ہو، آپ کی بطور مجدد بعثت کا مقصد ہی بدعت کی ظلمتوں کو ختم کر کے سُنّتِ اور اتباعِ رسول کے نور سے عالم کو منور کرنا تھا۔ لہٰذا اس اعلان کے معاملے میں بھی آپ اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ ذرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نظر ڈالیے کہ اللہ نے آپ کو جن جن خصائص وکمالات سے سرفراز فرمایا آپ نے اس کا کس طرح اظہار واعلان فرمایا آپ کے اقوال کی روشنی میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ آپ نے فرمایا:

(۱) **کنت نبیاً و آدم بین الروح و الجسد**[۲۵]۔

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔

(۲) **و انا خاتم النبیّین**.[۲۶]

اور میں خاتم النبیین ہوں۔

(۳) **انا سید ولد آدم ولا فخر لی**[۲۷]

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔

(۴) **بعثت الیٰ الناس عامة واحلت لی الغنائم ولم تحل لا حد قبلی**[۲۸]

مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ غنائم میرے لئے حلال کر دیے گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے یہ کسی پر جائز نہیں تھے۔

(۵) **فضلت علےٰ الانبیاء بست**[۲۹]

مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔

(٦) **بیدی لواء الحمد ولا فخر آدم فمن دونہ تحت لوائی ولا فخر**[۳۰]

میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں آدم اور ان کے بعد جتنے انبیاء آئے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

(۷) **انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامة وانا اول من یقرع باب الجنة**[۳۱]

قیامت کے دن میرے امتی تمام انبیاء کے امتیوں سے زیادہ ہونگے اور میں سب سے پہلا شخص ہونگا جو جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا۔

ان احادیث مبارکہ میں آنحضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحدیثِ نعمت کے اپنے کمالاتِ خاصہ اور خصوصی مراتب اور مقامات کا خود ذکر اور اعلان فرمایا اسی طرح حضرت امام ربانی نے بھی اپنے ''مجدد الف ثانی'' اور قیومیت وغیرہ کا خود اعلان اور اظہار فرما کے اس معاملہ میں بھی اپنے نبی کے اتباع کی سعادت سے اپنے آپ کو بہرہ ور کرلیا۔

☆……☆……☆

حواشی

۱……سنن ابوداؤد، مستدرک للحاکم، ج ۴ ص ۵۲۲، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، مسند بزاز، معجم اوسط للطبرانی، بیہقی، کنز العمال، ج ۶، ص ۲۳۸، حلیہ ابونعیم / مسند بزاز / مسند حسن بن سفیان / کامل ابن عدی / مرقاۃ الصعود، جلال الدین سیوطی۔

۲……قرآن حکیم، الاسراء ۱۷/۵

۳……قرآن حکیم، النحل ۱۶/۳۲

۴……قرآن حکیم، البقرہ ۲/۶۱۳

۵……خواجہ محمد احسان، روضۃ القیومیہ ۱۷۰/۱۶۴

۶……مکتوب ۲ دفتر دوم حصہ اول ص ۹۵۷

۷……امام ربانی، مکتوب نمبر ۴، دفتر دوم حصہ اول ص ۹۵۴

۸……امام ربانی، مکتوب نمبر ۲۳۴، دفتر اول حصہ چہارم ۵۴۸

۹……امام ربانی مکتوب ۲۶۱، دفتر اول حصہ چہارم ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷

۱۰……خواجہ محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات، محمد ہاشم کشمی ص ۲۵۳

۱۱……خواجہ محمد احسان، روضۃ القیومیہ، ص ۱۰۱

۱۲……خواجہ محمد احسان، روضۃ القیومیہ، ص ۱۰۲

۱۳……خواجہ محمد احسان، روضۃ القیومیہ، ص ۱۲۰

۱۴……مکاتیب شاہ غلام علی دہلوی، مکتوب نمبر ۱ ص ۵

۱۵……قاضی ثناء اللہ، ارشاد الطالبین، ص ۶۳

۱۶……شیخ عبد الحق، اخبار الاخیار، ص ۳۱۴

۱۷……بدر الدین، حضرات القدس، ص ۲۶۵

۱۸......سید زوّار حسین شاہ، حضرت مجدد الف ثانی، ص ۳۶۸

۱۹......قرآن حکیم ۲۰، قصص ۷

۲۰......قرآن حکیم، پ ۱۶، سورۃ مریم، آیت ۲۵

۲۱......قرآن حکیم پ ۲۴، سورۃ حم السجدہ، ۳۰۔۳۱

۲۲......ترمذی شریف

۲۳......امام ربانی، مکتوب ۳۰۱ دفتر اول

۲۴......امام ربانی، مکتوب ۳۶۱، دفتر اول حصہ چہارم ۶۲۳

۲۵......مسند احمد ۴ ص ۳۷۹

۲۶......بخاری و مسلم شریف

۲۷......مسلم شریف، کتاب الفضائل/ترمذی کتاب التفسیر

۲۸......مسلم شریف، کتاب المساجد

۲۹......مسلم شریف، کتاب المساجد

۳۰۔ مسند احمد ص ۲۸

۳۱......مسلم شریف کتاب الایمان

☆......☆......☆

الحسد یأکل الحسنات
کما تأکل النار الحطب

بسم الله الرحمٰن الرحيم
نحمدهٗ ونصلي علىٰ رسوله الكريم

امام ربانی کا نظریۂ قیومیت اور لفظ ''قیوم'' پر امام احمد رضا کے فتوے کی فقیہانہ تحقیق

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری
(بانی ومہتمم، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

☆

قیوم' کا غیر اللہ تعالیٰ پر اطلاق صرف اسی معنی میں کفر ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اسم خاص ہے جیسا کہ تمام صفات واسماء باری تعالیٰ کا حکم ہے' صرف یوں کہا جاسکتا ہے کہ علی الاطلاق قیوم وغیرہ اسماء خاصہ کا غیر اللہ تعالیٰ پر اطلاق ممنوع ہے جبکہ ممنوع کے مراتب کثیر ہیں بلاوجہ تکفیر خطرناک معاملہ ہے کہ تکفیر کرنے والا خود مبتلاء ہوسکتا ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

> بالجملہ تکفیر اہل قبلہ واصحاب کلمہ طیبہ میں جرأت وجسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبال عظیم اور نکال کا صریح اندیشہ' والعیاذ باللہ رب العالمین' فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول وفعل کو اگرچہ کیسا ہی شنیع وفیضح ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے نعیف' نحیف سے نحیف احتمال پیدا ہو جس کی رو سے حکم اسلام نکل سکتا ہو تو اس طرف جائیں اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں' خیال میں نہ لائیں۔

(فتاوٰی رضویہ، جدید ایڈیشن، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔ ۱۲/۳۱۷)

ایک اور مقام پر آپ نے عربی فتوٰی میں فرمایا:۔

> **ان الکفر امر شدید لایحکم به مع احتمال الا سلام ولو من بعید**" (فتاوٰی رضویہ جدید، ۱۳/۴۸۸)

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

> غرض ضروریات دین کے سوا کسی شئی کا انکار کفر نہیں اگر چہ ثابت بالقواطع ہو کہ عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اسکا جس کی تصدیق نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریات دین (فتاوٰی رضویہ، ۵/۱۰۱)

نیز آپ نے فرمایا:

> علم عقائد و کلام وہاں تحقیق ہو چکا ہے کہ جب تک ضروریات دین سے کسی شئی کا انکار نہ ہو کفر نہیں (فتاوٰی رضویہ، جلد ۹ ص ۹۴۲)

ایک اور مقام میں فرمایا:

> اور ضروریات دین سے کسی شئی کا انکار نہ کرتا ہو نہ اس کے منکر کو مسلمان جانتا ہو اگر چہ اپنی خباثت سے تبراء ملعونہ شنیعہ مغضوبہ تک پہنچے صحیح مذہب معتمد مشرب پر بدعتی فاجر ہے نہ کہ مرتد کافر، کما حققہ ابی وسیدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
>
> (فتاوٰی رضویہ جلد ۱۱، ص۔ ۶۹۲)

فتاوٰی رضویہ کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکفیر کے مسئلہ میں کتنی سختی اور احتیاط فرمائی ہے کہ کفر کے ہزار احتمالات ظاہر ہوں جب تک اسلام کا ایک ’ضعیف‘ ’نحیف‘ ’بعید‘ احتمال بھی موجود ہے کفر کا حکم لگانا جہالت اور موجب وبال و نکال ہے۔

’قیوم‘ کا اطلاق غیر اللہ پر اگر لغوی معنی کے اعتبار سے کیا جائے تو ہرگز کفر نہ ہوگا، خصوصاً جبکہ یہ اطلاق کرنے والا نہ صرف عالم ہو بلکہ شیخ طریقت اور مجدد بھی ہو تو اس کا یہ علم و فضل اور شیخ طریقت و مجدد ہونا خود واضح قرینہ ہے کہ انہوں نے جواز کے پہلو کا اعتبار کیا ہے اور لغوی معنی مراد لیا ہے نہ کہ وہ معنی جو اللہ تعالیٰ کی

صفت اور اسکا اسم خاص ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات واسماء کا یہی حکم ہے مثلاً سمیع وبصیر دونوں کا اطلاق انسان پر جائز ہے تو وہ بھی اسی تاویل کے ساتھ جائز ہے نہ کہ علی الاطلاق والعموم جائز ہے' یہی حکم ''قیوم'' اور دیگر اسماء باری تعالیٰ کا ہے۔

قال ابن الاعرابی ''القیوم والقیام والمدبر واحد'' وقال الزجاج القیوم والقیام فی صفة اللہ تعالیٰ واسمائہ الحسنیٰ القائم بتدبیر امر خلقه (لسان العرب، مادہ قوم، جلد۱۲)

شرح تاج العروس میں بھی ابن الاعرابی اور زجاج کا یہی قول ذکر کیا ہے (شرح تاج العروس، مادہ قوم)

لغت کی ان کتب میں ''القیوم' القیام اور المدبر'' کو واحد کہا گیا حالانکہ المدبر کا اطلاق غیر اللہ تعالیٰ پر جائز اور زیر استعمال ہے نیز زجاج نے فی صفة اللہ تعالیٰ واسماء الحسنٰی کی قید لگا کر ظاہر کر دیا کہ غیر اللہ کیلیے یہ معنی نہیں ہے اگر غیر اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ہو تو اس معنی میں نہیں ہوگا' قید کے اس ذکر سے غیر اللہ تعالیٰ پر اطلاق کی گنجائش نکلتی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرقات میں فرمایا:

القیوم' القائم بنفسه والمقیم لغیرہ فھو علی العموم والاطلاق لا یصح الا اللہ تعالیٰ اور پھر فرمایا' **وللعبد فیه مدخل بقدر استغنائه عما سوی اللہ تعالیٰ وامدادہ للناس۔**

(مرقات شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات)

علامہ ملا علی قاری نے غیر اللہ پر اطلاق کی عدم صحت کو ''علی العموم والاطلاق'' کے ساتھ مقید فرما کر اشارہ دیا کہ اگر غیر اللہ کے مناسب کسی قید کے ساتھ مقید کیا جائے تو غیر اللہ تعالیٰ پر اطلاق صحیح ہوگا' پھر انہوں نے اسکی تصریح کر دی کہ عبد پر اسکا اطلاق اس کے مناسب معنی پر ہے۔ یعنی

استغنائه عما سوی اللہ تعالیٰ وامدادہ للناس۔

روح البیان آیۃ الکرسی کی تفسیر میں' امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام نقل کیا ہے جس میں ہے:

فھو القیوم لان قوامه بذاته وقوام کل شئی به ولیس ذالک الا للہ تعالیٰ ومدخل العبد فی ھذا الوصف بقدر

استغنائه عما سوى الله تعالىٰ وامداده للناس' انتهى

(روح البیان، تفسیر آیۃ الکرسی)

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے '**ومدخل العبد فی هذا الوصف**' فرما کر 'عبد کیلیے اس وصف کی تصریح کردی۔

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح فقہ اکبر میں ''**المضمرات عن الذخیرہ**'' کی عبارت نقل کرتے ہوئے فرمایا:

> **من قال لمخلوق یاقدوس اوالقیوم اوالرحمٰن اوقال اسمامن اسماء الخالق کفر' انتهى۔**

اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> **وهو یفید من قال یا عزیز ونحوہ یکفر ایضا، الا انه اراد بها المعنى اللغوی لا الخصوص الاسمی والا حوط ان یقول یا عبدالعزیز' یاعبدالرحمٰن ۔** (آخر شرح الفقه الاکبر)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ، کے اس کلام سے ایک فائدہ یہ ظاہر ہوا، کہ غیر اللہ تعالیٰ پر اطلاق کا عدم جواز تمام اسماء حسنیٰ میں مساوی ہے لہٰذا بعض کے اطلاق کا جواز یا عدم جواز درست نہیں جس معنی میں عدم جواز ہے وہ سب اسماء باری تعالیٰ میں ناجائز ہے، دوسرا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ، قیوم وغیرہ اسماء باری تعالیٰ کا مخلوق پر اطلاق لغوی معنی میں کیا جائے تو کفر نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر فقہی بھی نہیں ہے کیونکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فقہاء کرام کے حکم کفر کو لغوی معنی کے ارادے سے زائل فرما رہے ہیں' کفر قطعی وکلامی تھا ہی نہیں' کفر کا حکم تھا تو صرف فقہی اور ظنی تھا جب لغوی معنی مراد لیا تو اب غیر اللہ پر ان اسماء کا اطلاق کفر ظنی اور فقہی بھی نہ رہا' اسی لیے آگے فرمایا ''**والا حوط ان یقول یا عبدالعزیز یاعبدالرحمٰن**'' کہ جب غیر اللہ پر لغوی معنی کے اعتبار سے کسی طرح بھی کفر نہیں حتی کہ فقہی اور ظنی بھی نہیں تو غیر اللہ پر اس معنی میں اطلاق جائز ہوگا اگرچہ احوط نہیں۔

فقہائے کرام کے فتاوائے کفر کی حیثیت اعلیٰ حضرت کی نظر میں:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق میں فقہاء کرام کے ہاں احکام کا مدار ظاہر اور غالب امور پر ہوتا

ہے اور غلبہ ظن حاصل ہو جانے پر حکم کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں غلبہ ظن قائم مقام یقین ہے، لہٰذا ا ظنِ غالب حاصل ہو جانے پر ان کے ہاں حجت تام ہو جاتی ہے، جبکہ وہ خلاف غالب وظاہر اور احتمالات بعیدہ اور شاذہ کا اعتبار نہیں فرماتے، فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد مقامات پر اس بات کو واضح فرمایا ہے۔

فان الظن الغالب ملتحق به في الفقة (فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص ۴۹۳)

اور فرمایا ''متون نہ متون جن کی وضع اختصار پر ہے بلکہ شروح میں بھی جن کا کام ہی تفصیل وتکمیل ہے صدہا جگہ احاطہ صور نہیں ہوتا'' (فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۳ ص ۱۲۳)۔

اور فرمایا، ''فقہاء کرام نادر صورت کا اکثر لحاظ نہیں فرماتے'' (جلد نمبر ۴ ص ۱۹۶)۔

اور فرمایا، ''فقہ میں غالب ہی کا اعتبار ہے'' (فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۱۳ ص ۳۶۸)۔

اور فرمایا ''احکام فقہیہ نظر بغالب دارد'' (جلد نمبر ۱۳، ص ۵۱۷)

جبکہ اس کے برخلاف متکلمین ظاہر کے خلاف احتمال بعید اگرچہ شاذ ونادر اور ضعیف تر ہو اس کا بھی اعتبار کرتے ہیں اسی بنا پر فقہاء کرام اور اہل عقائد وکلام کے حکم کفر میں اختلاف واقع ہوا ہے فقہاء کرام امور ظاہرہ اگرچہ غیر ضروریات دین ہوں کے انکار پر بھی حکم کفر لگاتے ہیں جبکہ متکلمین صرف ضروریاتِ دین کے انکار پر کفر کا حکم لگاتے ہیں بشرطیکہ کسی طرح کا کوئی احتمال انکار کے منافی نہ پایا جائے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

> ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اس باب میں قول متکلمین اختیار کرتے ہیں اور ان میں جو ضروریات دین کا منکر نہیں، نہ ضروریات دین کے منکر کو مسلمان کہتا ہو اسے کافر نہیں کہتے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۱۱، ص ۳۸۲)

اور فرماتے ہیں:

> کتب فقہ میں باب الردۃ مذکور اور صدہا اقوال وافعال پر انہی مشائخ کے بے شمار فتوائے کفر مسطور، مگر محققین محتاط تارکین افراط وتفریط باآنکہ سچے دل سے حنفی مقلد اور ان مشائخ کرام کے خادم ومعتقد ہیں زنہار ان پر فتویٰ نہیں دیتے اور حتی الامکان تکفیر سے احتراز رکھتے، بلکہ صاف فرماتے

ہیں کہ اگر کوئی روایت ضعیفہ اگرچہ دوسرے ہی مذاہب کی دربارۂ اسلام مل جائے گی اسی پر عمل کریں گے اور جب تک تکفیر پر اجماع نہ ہو کافر نہ کہیں گے۔

اسکے بعد اسی کی تائید میں درمختار، تنویر الابصار، ردالمحتار وغیرہ کی عبارات آپ نے نقل فرمائی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۹، ص ۹۳۱)۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہاء کرام کی وہ عبارات نقل فرمائی ہیں جن میں ان حضرات نے خلافت شیخین کے انکار، انکو سب وشتم کرنے ان سے بغض کرنے والے کو کافر کہا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۱۳، ص ۲۵۰ تا ۲۵۶)۔

لیکن اس کے باوجود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

> لہٰذا خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت،
>
> **قد فصل القول فی ذالک سیدنا العلامہ الوالد رضی اللہ عنہ۔**
>
> (فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۶، ص ۱۰۱)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے غالب امر اور غالب ظن پر مبنی فقہاء کرام کے فتاوائے کفر کے متعلق فرمایا:

> وہ کلمات جن پر فتاویٰ وغیرہا میں خلاف تحقیق حکم کفر لکھ دیتے ہیں۔
>
> (فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۱۱، ص ۱۵۳)

جلد اول میں فرمایا: ''فرض اعتقادی جس کا منکر عند الفقہاء مطلقاً کافر'' فرما کر اس پر عربی حاشیہ نمبر ۳ میں فرمایا:

> **ای عند عامة مصنفیهم من اصحاب الفتاوی وغیرهم من المتاخرین اما ائمتنا الاقدمون فعلی ماعلیه المتکلمون کما حققه سیدنا الوالد قدس سره الماجد فی بعض فتاوه۔**
>
> (فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۱، ص ۱۹۱)

امام اہلسنت نے متاخرین کے ان فتاویٰ کو خلاف تحقیق، افراط و تفریط سے [illegible] عقیدہ سے بعید

قرار دیکر ان کو متقدمین ائمہ کرام کے مؤقف کے خلاف بتایا اور ان فتاوٰی کو غیر اجماعی اور اختلافی فرما کر ان سے اختلاف فرمایا، بلکہ کفر کے معاملہ میں انتہائی ثبوت کے باوجود بھی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حکم کفر کی تاویل فرمائی :

> بلاشبہ صدہا صحابہ کرام وتابعینِ عظام‘ مجتہدین اعلام‘ وائمہ اسلام علیہم الرضوان کا یہی مذہب ہے کہ قصداً تارک نماز کافر ہے اور یہی صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد‘ (اس زوردار بیان کے بعد آپ نے فرمایا) ’’زمانہ سلف صالح خصوصاً صدر اول کے مناسب یہی حکم تھا اور اس زمانہ میں ترک نماز علامت کفر تھا۔
>
> (فتاوٰی رضویہ، جلد ۵، ص ۱۱۹)

صحابہ‘ تابعین‘ ائمہ حدیث وقرآن کی نصوص ظاہرا تارک نماز کے کفر پر متفق ہیں لیکن ایک احتمال ظاہر کے خلاف بیان فرما کر کفر کے حکم سے بچایا اور فرمایا :

> جب وہ زمانۂ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترک نماز فی نفسہ کفر نہیں جب تک اسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیت سے منکر نہ ہو‘ یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، جلد نمبر ۵، ص ۱۱۹)

اب سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہاء متاخرین کے ان فتاوائے کفر پر شدید ردعمل ظاہر فرمانے کے باوجود ان کو اپنے فتاوٰی میں کیوں نقل فرمایا !

جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فقیہ ہیں فقہاء کرام کی عادت ہے کہ وہ بحث وتحقیق میں تمام متعلقہ اقوال کو نقل کرتے ہیں اس لیے آپ نے بھی اپنی ابحاث میں یہ اقوال ذکر کیے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر جگہ ’’عند الفقہاء‘‘ لکھنے کا التزام فرمایا اور پھر اکثر مقامات پر بطور تنبیہ اپنے مؤقف کو بھی واضح فرما کر کفر کے حکم کو رد فرمایا۔ نیز آپ بطور زجر وتحذیر فقہاء کرام کے اس قول کو بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ آپ نے حکم کفر کو زجر سے تعبیر فرمایا (تارک نماز کافر ہے)۔

> زید نے یہ الفاظ اگر زجراً کہے تو حرج نہیں‘ محل زجر میں ایسا استعمال ہر

> قرن وطبقہ کے ائمہ وعلماء بلکہ خود سرکار رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بکثرت ثابت اور اگر اعتقاد تکفیر رکھتا ہے تو اس سے باز آئے اور قول صحیح امام اعظم اختیار کرے۔ (فتاوٰی رضویہ، جلد نمبر ۵، ص ۱۲۰)

خلاصہ یہ کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاوائے کفر کے معاملہ میں فقہاء متاخرین کے مسلک کو رد کر کے فقہاء متقدمین اور متکلمین کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو اس امر کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخلوق پر قیوم کا اطلاق کرنے کے بارے میں صرف فقہاء متاخرین کا قول نقل فرمایا ہے نہ کہ انہوں نے اس پر فتوی دیا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر مشائخ نقشبندیہ نے بعض اولیاء کرام پر جو قیوم کا اطلاق کیا ہے وہ امامت، نیابت اور خلافت کی قیود کے ساتھ لغوی معنی کے اعتبار سے مستعمل ہے نہ کہ اس معنی کے اعتبار سے جو اللہ تعالیٰ کا اسم خاص ہے لہٰذا امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سکر یا تحریف پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کا یہ اطلاق امام غزالی اور حضرت ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ کی اس قید کے مطابق ہے۔

بقدر استغنائه عما سوی الله تعالیٰ وامداده للناس۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سچے صوفیہ کرام جن میں شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدد الف ثانی شامل ہیں کے مکاشفات کے بارے میں فرماتے ہیں:

> وحدۃ الوجود وحقائق ودقائق تصوف جس طرح صوفیہ صادقہ مانتے ہیں (نہ وہ جسے متصوفہ زنادقہ جانتے ہیں) ضرور حق وحقیقت ہے مگر اُس میں اکثر ذوق ہے کہ اُن مقاماتِ عالیہ پر وصول کے بعد منکشف ہوتا ہے، زبانی تعلیم وتعلم سے تعلق نہیں رکھتا، اور بہت وہ ہے جسے عوام تو عوام آج کل کے بہت مولوی کہلانے والے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ (فتاوٰی رضویہ جلد دہم جزء اول قدیم ص ۲۱۵)

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کئی جگہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کو مجدد مطلق فرما کر ان کے ارشادات بطور حوالہ نقل کرتے ہیں، ایک جگہ یوں عقیدت کا اظہار فرماتے ہیں:

شیخ طریقت' آقائے نعمت' خداوند دولت خاندان دہلی حضرت شیخ مجدد۔

(فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، جلد ۱۵، ص ۲۰۵)

مخالفین کے غلط پراپگنڈے کارد کرتے ہوئے ''تمہید ایمان'' میں فرماتے ہیں :

> ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار' یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں (اس کے بعد متعدد علماء کے نام گنوا کر فرماتے ہیں) پھر جو پورے ہی حد حیا سے اونچے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذا باللہ عیاذا باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا۔ (تمہید ایمان مع حسام الحرمین، مکتبہ نبویہ، لاہور، ص ۱۵۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،
(مفتی) محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
۷ جمادی الثانی، ۱۴۲۱ھ

☆......☆......☆

من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کا مرتبۂ قیومیت

مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی

☆☆

قیومیّت کا درجہ کیا ہے، اور اس مقام پر کس شان کا برگزیدہ بندہٗ اللہ کے فضل و کرم سے فائز ہوتا ہے؟ اس کے متعلق کتاب برکاۃ الاحمدیہ الباقیہ معروف بہ زُبدۃ المقامات کی عبارت قلمی نسخہ کے صفحہ ۵۳۳ تا ۵۳۴ سے نقل کی جاتی ہے۔ اس نسخہ کی حضرت سیّدی الوالد قبلۃ الاماثل والا ماجد حضرت شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر فاروقی مجددی قدس اللہ سرہ الاقدس نے ۱۳۰۰ھ میں لکھوایا ہے۔ اور پھر اپنے دستِ مبارک سے تصحیح فرمائی ہے:

> باید دانست کہ قیّوم دریں عالم خلیفۂ حق است جل وعلیٰ ونائب منابِ او اقطاب وابدال در دائرۂ ظلالِ او مندرج اند وافراد اَوتاد در محیط کمالِ او مندمج۔ افرادِ عالم ہمہ بہ وے روے دارند وقبلۂ توجہ جہانیان اوست، دانند یا نہ دانند۔ بلکہ قیامِ عالمیان بہ ذاتِ اوست چہ افرادِ عالم چوں کہ مظاہرِ اسماء وصفات اند ذاتے درمیانِ شان کائن نیست۔ ہمگی اعراض واوصاف اند واعراض واوصاف را از ذات و جوہر چارہ نیست تا قیامِ شان بہ آن بود۔ سُنۃ اللہ جاری است کہ بعد از قرونِ مُتطاولہ عارفے را نصیبے از ذات ارزانی داشتہ۔ وے را ذاتے عطامی فرمایند کہ بحکم نیابت وخلافت قیّوم اشیاء می گردد اشیاء بوے قائم می باشند۔ الخ‘‘

قیوم کے متعلق یہ بیان حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ سرہ العزیز کا تحریر کردہ ہے۔ اور اس کو حضرت

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوب شریف نمبر ۸۰ (دفتر سوم) کا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔ جس کو آپ کے زمانے سے اب تک ہزار ہا جلیل القدر علماء دیکھ چکے ہیں۔ ان کے لیے سر انقیاد خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس عبارت کے پڑھنے سے چند حقائق کا اظہار ہوتا ہے۔

(۱)...... اس عالم میں پروردگار جل شانہٗ کا خلیفہ اور نائب قیوم ہے۔

(۲)...... عالم کے تمام افراد اسماء وصفات کے مظاہر اور ظلال ہیں۔ اسماء وصفات کا قیام ذات سے ہوتا ہے۔ ان افراد کے لیے جو اسماء وصفات کے مظاہر اور ظلال ہیں ایک ایسی مبارک ہستی اور وجود کی ضرورت ہے جو تجلیاتِ ذاتیہ سے بہرہ مند ہو۔ تا کہ ان کا قیام اس سے ہو۔

(۳)...... ایسی برگزیدہ ہستی کا وجود کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ از روزِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ایسا فردِ کامل ہوتا چلا آیا ہے اور سنت اللہ یہی ہے۔

(۴) جو بھی اس مبارک مقام پر فائز ہوتا ہے وہ قبلۂ عالمیان اور سردارِ اقطاب وافراد وابدال واوتاد ہوتا ہے۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ اس عبارت میں کون سی بات قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے۔ خلیفۂ اجل واکمل وافضل سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع صفات ہے، جو کہ سیّد الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اور نبوت آپ کو اس وقت سے بھی پیشتر ملی تھی جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پُتلا نہ بنا تھا۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ جب تک آپ کا ظہور نہ ہوا۔ آپ کی نیابت انبیاء کرام علیہم السلام کرتے رہے۔ لیکن آپ کے بعد یہ منصب آپ کی امّت کے جلیل القدر افراد کے سپرد ہوا۔ یہ مقام اور یہ رتبہ از روزِ اوّل موجود ہے۔ اور اس کے شایانِ شان افراد بھی ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے۔ غایت فی الباب اس نام سے یہ رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب تک وظیفۂ خلافت حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق رہا۔ اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ نبوت کا مقام ان تمام مراتبِ عالیہ کو لیے ہوئے ہے۔ ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی۔ اور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتبِ عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو، چنانچہ جب بھی جس عہدہ کے ظہور کا وقت آیا وہ عہدہ ظاہر ہوا۔ یعنی قطب غوث وغیرہ۔ اور قیومیت کا ظہور حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ السامی کی مبارک ذات سے ہوا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عربی زبان موجود تھی، لیکن اس کی تدوین کا شرف ائمۂ لغت کو ملا۔ نحو وصرف کا وجود تھا لیکن ایک فن کی شکل میں خلیل، سیبویہ، کسائی، اخفش وغیر ہم نے اس کو ظاہر کیا۔ علم کلام کا ظہور شیخ ابوالحسن اشعری، شیخ ابو منصور، ماتریدی وغیر ہما سے ہوا، علمِ فقہ کا ظہور امامِ اعظم، امام شافعی وغیر ہما سے ہوا۔ آدابِ طریقت کا بیان اور طُرقِ موصلہ الی اللہ کا اظہار اور اولیاء اللہ کے مراتب غوث، قطب فرد وغیرہ کی نشان دہی حضرت جنید بغدادی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت معین الدین سجزی اجمیری، حضرت شیخ احمد بدوی، حضرت نجم الدین کبریٰ، حضرت محمد بہاء الدین نقشبندی بخاری، دامثالہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم وافاض علینا من برکاتہم ومعارفہم سے ہوا۔ یہ تمام علوم اور معارفِ عالیہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ومعارف کا ظہور ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے اُوتِیتُ عِلمَ الاَوَّلِینَ وَالاٰخِرِینَ۔ قیومیت کے اظہار کے لیے ایسے فردِ کامل کی ضرورت تھی کہ علمِ ظاہر وباطن میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہو۔ صاحبِ صحو اور ہوش ہو۔ خداوندِ عزم اور قوی العمل ہو۔ اِن صفاتِ جلیلہ سے پروردگار نے حضرت امام ربانی کو پوری طرح متصف فرمایا تھا۔ لہٰذا اس کام کے لیے آپ ہی سزاوار ہوئے ......

قرعۂ فال بنامِ مَنِ دیوانہ زدند

آپ کے علمِ ظاہر وباطن کا کمال کسی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کو کچھ تردد ہو مکتوباتِ شریفہ کو اٹھا کر دیکھ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کا یہ عاجز کیا بیان کرے۔ برکات الاحمدیۃ الباقیہ معروف بہ زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کا مطالعہ اگر کیا جائے اور مکاتیبِ قدسی آیات کو بدقت مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ ہر کام میں اور ہر فعل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے "عمل وکارِ ما چہ باشد و ہرچہ بما عطا کردہ اند محض فضل وصرف کرم می دانیم۔ امّا اگر مثلاً امرے بہانۂ کرم باشد آن متابعت سید الاولین والآخرین ﷺ خواہد بود کہ مدارِ کارِ خود را بران می دانیم۔ ہرچہ بما دادہ اند از راہِ ایں اتباع دادہ اند۔ جزئیاً اَو کلیاً۔ و ہرچہ

نداده انداز اں نداده اند کہ از ما در اتباعِ اتم نقصانے بہ حکمِ بشریت رفتہ باشد‘‘ (صفحہ۲۰۳ قلمی نسخہ) آپ ہی کے اتباعِ سنت کا کرشمہ ہے کہ خالص تصوف اسلامی نبوی کا ظہور بہ درجۂ اتم ہوا۔ جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

جب سے آپ بتوجہاتِ پیرو مرشدِ کامل وبعنایاتِ ذوالجلال والاکرام مرتبۂ کمال کو پہنچے، آپ کی زبانِ مبارک یا نوکِ قلم پر ایک لفظ بھی ایسا نہیں آیا جو سُکر کا ثمرہ ہو۔ اور یہ کہا جاسکے کہ یہ صَحو کے منافی ہے۔ آپ کے پورے احوالِ مبارکہ، ملفوظاتِ شریفہ، تحریراتِ بدیعہ سب کے سب سامنے ہیں۔ اور اس مدعا پر شاہدِ عدل ہیں۔ آپ ہر کام میں ہر فعل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ پروردگار جل شانہٗ وعم احسانہٗ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو صحوِ محمدی علیٰ صَاحِبِہٖ اَلْفُ اَلْفِ صَلَاۃٍ وَتَحِیَّۃٍ سے سرفراز کیا۔ فَطُوبیٰ لَہٗ ثُمّ طُوبیٰ لَہٗ قَدَّسَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ

آپ کے عزمِ کامل اور قوی العمل ہونے کے متعلق نہ صرف آپ کے مخلصین اور متبعین کے اقوال کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ آپ کے پیرو مرشد قدس سرہ کا مکتوب شریف موجود ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> ’’شیخ احمد نام مردیست در ہند کثیر العلم وقوی العمل، روزے چند فقیر باو نشست وبرخاست کردہ عجائب بسیار از روزگار واوقاتِ او مشاہدہ کردہ بہ آن می نماید کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردند۔ بحمد اللہ تعالیٰ احوال کاملۂ او مرا بہ یقین پیوستہ الخ۔ (رقعہ نمبر ٦٥)

حضرت نے جب آپ کے عَزْم اور کمالات کو ذروۂ الکمال پر پایا تو مریدوں کو آپ کے حوالے کردیا۔ اس سلسلے میں حضرت کا رقعہ شریف نمبر ۸۳، قابلِ دید ہے۔ تحریر فرمایا ہے:

> ’’وَلِلاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبُ
>
> پیر انصاری قدس سرہ می فرمودند کہ من مریدِ خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود باوجود پیریش مُریدی من می کرد۔

جامع رقعاتِ شریفہ نے اس مکتوب شریف کے بعد لکھا ہے:

> آخر نفس حضرت ارشاد پناہی خود را مبتدی می دیدند ونظر در حاصلِ خود نمی انداختند۔

حضرت میر محمد نعمان قدس سرہ کو یہ فرما کر آپ کی خدمتِ بابرکت میں ارسال کیا:

میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثلِ ماہزاراں ستارہ درضمنِ ایشاں گم اند

(زبدہ قلمی صفحہ ۲۳۹)۔

یہ ہے خدا کی دَین جس کو چاہے عطا کرے۔

قیومیت ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے۔ قیوم کے سمجھنے کے لیے ضرورت اس بات کی کہ پہلے وَلی کو پہچانا جائے۔ اور اس کے مرتبے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں ایک صحیح حدیث شریف ہے جس کو امام بخاری اور دیگر ائمۂ حدیث نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث شریف از احادیث قُدسیّہ ہے۔ الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

> قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ. اِنَّ اللّٰہَ تبارَکَ وَتعَالیٰ قَالَ مَنْ عَادَنِیْ وَلِیًّا فَقَدْاٰذَنْتُہ، بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بَشَیِّءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا اَفْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ بَتقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلُ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہ، کُنْتُ سَمِعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرُہُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِہٖ وَیدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِہَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِہَاوِانْ سَألَنِیْ اَعْطِیْتُہٗ وَلَانْ اِستَغَاذَبِیْ لَاُعِیْذَ نَّہٗ.

جائے فکر اور محلِ خیال ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی ولی سے عداوت کرتا ہے وہ فی الحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے اَلعِیَاذُ بِاللّٰہ لڑائی مول لے رہا ہے۔ جب ولی مدارجِ عالیہ طے کرتا ہے تو وہ ایسے مقام پر فائز ہوجاتا ہے کہ اس کے افعال اللہ سے منسوب ہوجاتے ہیں۔ نہ اس کی اپنی سماعت رہتی ہے نہ دِید اور نہ اس کی اپنی گرفت رہتی ہے اور نہ حرکت۔ اس وقت "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنّ اللّٰہَ رَمیٰ۔" اور "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُونَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ" کے اسرار واضح ہوتے ہیں، جن کو پروردگار اعلیٰ درجاتِ ولایت پر پہنچا کر خلعتِ قیومیت سے سرفراز کرتا ہے۔ اِن کی وہ شان ہوتی ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے بیان کی ہے اور صاحب زُبدہ نے اس کو نقل کیا ہے۔

قیومیت کے لیے وہ مبارک ذات صلاحیت رکھتی ہے جو مظاہرِ عبدیت اور مراتبِ خشیّت میں بدرجۂ اتم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے۔ سردارِ دو جہان آقائے کُل کائنات بِأَنفُسِنَا ھُوَ وَبِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَاَوْلَادِنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنے پروردگار سے یہ مژدۂ عالی مل چکا ہے۔

لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ لیکن آپ پروردگار جل شانہٗ کی اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پائے نازنین پر ورم آ جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ علیک صلوٰۃ اللہ آپ اتنی محنت کیوں فرماتے ہیں، آپ سے تو کسی بات کی پوچھ نہ ہوگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اَفَلَا اَکُوۡنُ عَبۡدًا شَکُوۡرًا۔ مراتب کمال اسی کو ملتے ہیں جو مظاہرِ عبدیت بہ درجۂ اتم ظاہر کرتا ہو۔ جس کے تن کا رواں رواں بزبانِ حال کہتا ہو۔

بے تو جاناں قرار نہ توانم کرد
احسان ترا شمار نہ توانم کرد
گر برتنِ من زباں شود ہر موے
یک شکرِ تو از ہزار نہ توانم کرد

جو ہر وقت اور ہر حال متوجہ الی اللہ رہے۔ جس کی بیداری مشاہدہ ہو اور خواب بیداری۔ جس پر تَنَامُ عَیۡنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلۡبِی کی کیفیت بہ طفیلِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم طاری ہو۔

عام طور پر کرامات اور خوارق عادات کو سراہا جاتا ہے اور اس کو ولایت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ ہدایت الطالبین میں قیومِ وقت حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہ فرماتے ہیں:

> جذب وحضور جمعیت وواردات وکشفِ کونی وکشفِ ازواح وکشفِ عالمِ مثال وسیر عالم مُلک کہ عبارت از تحتِ افلاک است وملکوت کہ عبارت از ملائکہ وارواح وبہشت است وآنچہ مافوقِ آسمانہا است ہمہ داخلِ دائرۂ امکان است بلکہ در نصفِ سافلِ آن دائرہ ایں چنین شعبدہ ہا بنظر درمی آید الخ (صفحہ ۳۸۔ قلمی)

حضرات عالی قدر کے نزدیک یہ بمنزلۂ شعبدہ اور طفل تسلی کے ہے۔ حضرت خواجۂ خواجگان سرکردۂ طائفۂ نقشبندیان حضرت موید الملۃ والدین الرضی ابوالوقت محمد الباقی المعروف بہ خواجۂ بیرنگ باقی باللہ قدسنا اللہ باسرارہٖ اپنے رقعۂ شریفہ نمبر ۵۳، کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:

> خواجۂ ما در فقرات قدسی آیات خود می فرمایند کہ بریدہ شدن وتہی گشتنِ دل از ماسوٰی حق سبحانہٗ دلیل است بر مظہریت مر تجلیِ حق سبحانہٗ رابنعتِ احدیت

کہ نیلِ معارف بحقائقِ اسماء وصفاتِ بے ایں معنٰی متعذر است۔ واضح باشد کہ گرفتارِ مشاہدہ نیز گرفتارِ غیر است ایشان در عینِ مُراد از مُراد نامُراد اند۔

حضرت شاہ نقشبند قدس اللہ سرہ السامی نے بالفاظِ مختصرہ حقیقت بیان کردی ہے۔

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی   آخرِ ما جیبِ تمنا تہی

ولایت کے لیے خشیت اور تقوٰی کی ضرورت ہے، نہ کشف وکرامت کی، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ اَوْلِیَاءُ ہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْن۔ (ترجمہ) اس کے اولیا وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ السامی کے صرف ایک دو واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کے مظاہرِ عبدیت اور کمالِ خشیت کا کچھ اندازہ ہوسکے:

> برزبانِ مبارک راندند کہ یک روز بسہو در در آمدن بخلا اوّل پائے راست نہادم آن روز چندیں احوال برمن بستہ شد۔ راقم گوید روزے در خدمت آنحضرت نشستہ بودم وایشان در تحریرِ معارف بودند ناگاہ ازغلبۂ تقاضائے بول بہ سرعت متوجہ متوضا شدند ہمچناں کہ بہ سرعت بمتوضا رفتہ بودند بہ سرعت ہرچہ تمام تر برآمدند۔ بندہ را حیرت روے داد کہ بہ ایں سرعت در آمدن وبہ ایں تعجیل برآمدن چہ بود۔ بمجرد برآمدن از خلا ابریقِ آب طلبیدہ ناخنِ ابہامِ یسار را شستہ باز بہ خلا درآمدند۔ چون بعد از ساعتے بیرون شدند فرمودند کہ تقاضاے بول استیلا نمود۔ بہ سرعت بمتوضا درآمدم ونشستہ بودم کہ نظر بر پشتِ ناخن افتاد کہ نقطۂ سیاہی برو بود کہ برائے امتحانِ قلم نہادہ بودم باآں نقطۂ سیاہی کہ از اسباب کتابت حروف قرآنی است آنجا نشستن رالائق وبہ رعایتِ ادب مطابق ندیدم باوجود کہ ازغلبۂ آن محنت داشتم لیکن آن محنت پیشِ این محنتِ ترکِ ادب بس حقیر نمود۔ بیرون آمدہ آن نقطۂ سیاہی راشستم وباز درآمدم۔ وقتِ دیگر کہ ایں بندہ درخدمت حاضر بود مولانا صالح ختلانی راامر نمودند کہ چند قرنفل ازخریطہ برآوردہ حاضر کن۔ وے شش قرنفل حاضر ساخت۔ درِ عتاب

> رفتہ فرمودند۔ ''اینک صوفی ما آن قدر نہ شنیدہ اَللّٰہُ وِترٌ وَیُحِبُّ الْوِتْرَ۔ رعایتِ وتر از مستحبات است۔ مستحب را مردم چہ دانستہ اند۔ مستحب دوست داشتۂ اوست سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اگر چہ دنیا وآخرت را بہ یک عملے کہ دوست داشتۂ حق عزوجل باشد بدہند ہیچ ندادہ باشند الخ
>
> (صفحہ۳۰۴، ۳۰۵، زبدہ قلمی)

کتاب حضرات القدس کے حضرت سادسہ، مکاشفہ نمبر۲۴ کو قلمی نسخہ مُحررہ ۱۰۹۹ء سے نقل کیا جاتا ہے:

> روزے حضرت ایشان قدس سرہٗ بہ جہت قضائے حاجت بمُسترَاُح درآمدند ودیدند کہ آن جا کاسیۂ ناتمام ازِ سفالین است کناس بہ آں نجاسات برمی داشت واسم اللہ بر آن نقش کردہ اند وملوث بہ قاذورات شدہ۔ آن حضرت کاسہ رابدستِ خود گرفتہ ازانجا برآمدند وخادم را فرمودند کہ آفتابہ بآب بیار۔ آورد۔ آن کاسہ رابدست خود از قاذورات پاک ساختند۔ ہر چند خدام التماس نمودند کہ، آں را پاک کنیم قبول نہ فرمودند بعد از پاک کردن آن را بر طاقِ بلند بجامۂ سفید پیچیدہ بتعظیمِ تمام نگاہ داشتند۔ وہرگاہ می خواستند کہ آب بیاشامند ورہماں کاسہ می آشامیدند۔ دریں اثنا از درگاہ ربُّ الارباب خطابِ مستطاب بہ آن حضرت دررسید کہ چنانچہ تو نام مرا بزرگ داشتی ما نامِ ترا در دُنیا وآخرت بزرگ گردانیم۔ وی فرمودند کہ اگر صد سال ریاضت ومجاہدہ می کشیدم فیوض وبرکات کہ ازیں عمل یافتم اَزآں مجاہدات سنین بہ حصول نہ می پیوست۔ الخ۔

ان واقعات کو خوب دقیق نظر سے مطالعہ کیا جائے سیاہی کے نقطہ کی وجہ سے باوجود بول کی تکلیف کے آپ فوراً تشریف لے آئے۔ آپ نے یہ تکلیف صرف اس وجہ سے برداشت کی کہ سیاہی سے کلامِ پاک الٰہی لکھا جاتا ہے۔ کیا ایسے تقوٰی اور ادب کی مثال مل سکتی ہے؟ مولانا صالح چھے دانے کالی مرچ کے لے آئے ان سے ایک امر مستحب رہ گیا۔ آپ کو رنج ہوا۔ اور ارشاد فرمایا لوگوں نے مستحب کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ مستحب وہ امر ہے جو پروردگار جل شانہ کو پسند ہے۔ اگر دنیا وآخرت کو ایک ایسے امر کے لیے دے دیا جائے

جو پروردگار کو پسند ہو تو کچھ بھی نہیں دیا گیا ہے۔ اتباعِ سنّت اور عمل بر عزیمت کی ایسی مثال کوئی پیش کر سکتا ہے؟ آپ نے اس مٹّی کے پیارے کو جو کہ ناتمام تھا اور مہتر اس سے نجاست اٹھاتا تھا اپنے دستِ مبارک سے پاک کیا اور پھر بہ ادب اس کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر اوپر طاق میں رکھا۔ اور جب پانی نوش فرماتے اس مٹی کے ناتمام پیالے میں نوش فرماتے۔ یہ صرف اس لیے کہ اس پر رب العزۃ کا مبارک نام کندہ تھا۔ پروردگار جل شانہٗ کے اسمِ مبارک کی ایسی تعظیم وہی کر سکتا ہے جس پر پروردگار کا خاص کرم ہو۔ یہ احوال مبارکہ وقتی نہیں تھے۔ بلکہ آپ کی سرشت میں بس گئے تھے۔ اور بمنزلہ جبلّی عادات کے ہو گئے تھے۔ **لِمثْلِ هٰذا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُون**۔ حضرات کرام نے فرمایا ہے۔ **اَلْاِسْتِقَامَةُ فَرْقُ الْكَرَامَةِ**۔ ایسی مبارک اور برگزیدہ ہستیاں بارِ خلافت و نیابت و قیومیت اٹھاتی ہیں۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب روضۂ قیومیہ کا ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ قیومیت کے سلسلہ میں بعض افراد اس کتاب کی عبارت سے متحیر رہ گئے ہیں۔ اور ان کا متحیر ہونا اپنی جگہ صحیح ہے۔ یہ کتاب جناب محمد احسان مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ حضرت خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے۔ اور وہ اپنے دادا حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ کے اور وہ اپنے پدرِ بزرگوار حضرت خواجہ محمد معصوم کے قدس الاسرارہم۔ ان کو اپنے پیر و مرشد سے کامل عقیدت تھی۔ دقائقِ علمیہ سے پوری طرح باخبر نہ تھے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہ نے ان کو ایک خط لکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> آں چہ از احوالِ شہود نوشتہ اند کہ ہر ذرّہ ظہور ذاتِ تعالیٰ و تقدس معلوم می شود۔ و این را توحید متعارف دانستہ اند غلط است۔

روضۂ قیومیہ میں بھی ان سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ بعض واقعات بھی صرف از وجہ سماع قلمبند کر دیے ہیں۔ حالاں کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔ بنا بریں حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ قیومیت کے سلسلے میں ان کا مسلک جادۂ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے، ”قیوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماتحت تمام اسماء وصفات، شیونات، اعتبارات، اور اصول ہوں۔ اور تمام گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کے۔ عالمِ موجودات۔ انسان، وحوش، پرندہ، نباتات، ہر ذی روح، پتھر، درخت، بر و بحر کی ہر شے عرش، کرسی، لوح، قلم، ستارہ، ثوابت، سورج، چاند، آسمان، برج سب اس کے سایہ میں ہوں۔ الخ“

قبل اس کے کہ اس عبارت پر نظر ڈالی جائے۔ مناسب ہے کہ اسماء وصفات وظلال واصولِ افرادِ انسان کے متعلق حضرات کرام کی تحقیق بیان کر دی جائے۔

فرماتے ہیں کہ تمام عالم کا ظہور پروردگار جل شانہٗ وعز برہانہٗ کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا کی تجلیات سے ہوا ہے۔ پروردگار کی ہر صفت بمنزلہ ایک کلی کے ہے۔ ہر صفت کی بے شمار تجلیات ہیں اور ہر تجلی کے بے انداز ظلال اور ہر ظل کے بے حساب نقاط۔ حضرات انبیاء اور ملائکہ کا تعلق اور ارتباط تجلیاتِ صفات سے ہے۔ ان کی تربیت کلیات سے ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا تعلق صفتِ تکوین سے ہے، اور یہی صفت ان کی مربی ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء اور ملائکہ کا تعلق کسی ایک صفت سے ہے اور وہی ان کی مربی ہے۔ ان حضرات کا مبدأ تعین صفات باری جل شانہٗ ہیں اور باقی تمام کائنات کی تعلق صفات ظلال سے ہے۔ تمام کائنات میں صدیقین، شہداء، قیوم، قطب غوث، فرد ابدال، اوتاد، صالحین اور سب شامل ہیں۔ ان سب کا مبدأ تعین دائرۂ ظلال ہے۔ اللہ کا کوئی بھی نیک بندہ جب مدارجِ قرب طے کرتا ہے پہلے اس نقطہ تک پہنچتا ہے جو دائرۂ ظلال میں ہے اور پھر اگر پروردگار کا فضل وکرم شاملِ حال ہوتا ہے تو دائرۂ تجلیاتِ صفات میں قدم رکھتا ہے یعنی ظل سے اصل میں اور پھر اگر توفیق الٰہی مدد فرماتی ہے تو اصل سے اس کی اصل کی طرف **وَهٰكَذَا من اصل الی اصل الاصل الیٰ اَنْ يَّبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَه**۔

محمد احسان صاحب بموجب اس اُردو ترجمہ کے جو پیش نظر ہے۔ نہ حضرات عالی قدر کے کلام کو سمجھے ہیں اور نہ قیوم کے مرتبہ کو۔ انہوں نے اسماء صفات، شیونات، اصول اور تمام گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کے متعلق لکھ دیا کہ سب اس کے سایہ میں ہوں۔ **العیاذ باللہ من هٰذا القَولُ الفاسد**۔ بھلا اسماء باری تعالیٰ اور اس کی صفات وشیونات کس کے سایہ میں آ سکتے ہیں۔ اصل کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ انبیاء اور ملائکہ کے لیے تجلیِ صفات اصل ہے۔ باقی افراد کونی کے لیے تجلی صفات پر کون حاوی ہو سکتا ہے۔ استغفر اللہ۔ اور لکھا ہے تمام گزشتہ اور ائندہ مخلوقات الخ۔

یہ اللہ کے بندے اتنا نہ سمجھے کہ گزشتہ مخلوقات میں صحابہٴ کرام، انبیاء عظام، ملائکہ عالی مقام، اور سردارِ دو جہاں محبوبِ کبریا جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والملائکہ وجمیع عباد اللہ الصالحین وبارک وسلم بھی شامل ہیں۔ حالاں کہ بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ صحابی رضی اللہ عنہ کے خاکِ پا کی برابری نہیں کر سکتا، چہ جائے کہ انبیاء علیہم السلام۔ محمد احسان صاحب نے حضرت امام ربانی سے شروع کر کے اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ محمد زبیر تک قیومیت کا سلسلہ قائم رکھا ہے۔ یہ چار حضرات ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم اور

اپنے پیرو مرشد کو قیوم رابع اور ختم القیومیہ قرار دیا ہے۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ بجز نبوت کے اور کسی مرتبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ مَثَلُ اُمَّتِی اَلْمطرُ لَا یُدْرَیٰ اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرات عالی قدر یعنی فرزندان حضرت خواجہ محمد معصوم اور ان کے بعد کے دوسرے حضرات میں سے یہ بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض حضرات کو پروردگار جل شانہٗ وعم احسانہٗ نے اپنے فضل وکرم سے یہ مقامِ عالی دیا ہے۔ اور انہوں نے اظہار بھی فرمایا ہے۔ حضرت سیدی الوالد قدس سرّہٗ جو اپنے وقت کے قیوم تھے فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم
ان کی اولاد مبارک قیوم

حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہٗ رسالہ ہدایت الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں:

> بلی ایں منصب عظیم الشان دریں امت مرحومہ اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی را وحضرت ایشان وبعضے فرزندان وخلفائے ایشان رضی اللہ عنہم سرفراز فرمودہ۔ چنانچہ دریں وقت حضرت پیر دستگیر قیومِ زماں وقطبِ دوران ہستند۔

حضرت ایشان سے مراد حضرت خواجہ محمد معصوم ہیں۔ اور پیر دستگیر سے مراد حضرت شاہ غلام علی قدس سرہما ہیں۔ پروردگار جل شانہٗ نے اسی منصب ممتاز پر حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہٗ کو بھی سرفراز کیا تھا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

پروردگار جل شانہٗ نے اس مقامِ عالی کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ پر ظاہر فرمایا۔ اور آپ کو عنایت کیا۔ آپ قیوم اوّل بلا منازع ہیں۔ اور سنۃ اللہ یہ ہے کہ جب وہ نعمت دیتا ہے تو اس کا دروازہ بند نہیں کرتا ہے۔ بندے اگر خود اپنی بدبختی سے کفرانِ نعمت کرکے راہ مسدود کردیں تو یہ اور بات ہے۔ جیسا کہ آیت شریفہ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۔ اس پر دال ہے۔ حضرت کے بعد چندیں حضرات کو یہ رتبہ ملا ہے۔ اور اِن شاءاللہ آخر زمانہ تک برگزیدگان کو ملتا رہے گا۔ حضرت کے بعد جو بھی اس مقام پر فائز ہوا ہے یا ہوگا اس کے پیش رو اور سردار آپ ہی ہیں اور از روے حدیث صحیح مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَعَمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ کُتِبَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِمَنْ عَمِلَ

بِهَا وَلَا يَنقُصُ مِنْ اُجُوْرِ هِم شَئٌ۔ ہر قیوم کے ظاہر ہونے پر آپ کے مدارج عُلیا میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ کتاب حضرات القدس دفتر دوم کے حضرتِ سادِسہ میں مکاشفہ ۲۸ / ان الفاظ سے ہے:۔

> می فرمودند کہ بر ما مکشوف شدہ کہ حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ بریں نسبت عُلیّہ مخلوق خواہد بود۔ اشارت بہ نسبت خاصہ خویش می نمودند۔ چنانچہ در بعضے رسائل و مکاتیب خود بہ آن تصریح نمودہ اند انتہی۔

اِن شاء اللہ تعالیٰ مہدی بھی اسی نسبتِ عالیہ اور درجۂ کامل سے پوری طرح متجلی ہوں گے۔

آپ نے نسبتِ نبویہ علیٰ صاحبہا اَلُف اَلُفِ صَلوٰۃٍ وتحیہ کو فروغ دیا۔ بدعات کو مٹایا۔ ہزاہا مردہ دلان کو نورِ ایمان سے زندۂ جاوید کیا۔ اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کو اعماقِ نفوس میں بٹھایا۔ علماءِ سوء کی خبر لی، جاہل صوفیہ سے اللہ کے بندوں کو بچایا۔ اولیاء اللہ کی تعظیم سکھائی۔ دینِ متین کو جاہل سلاطین کے دَستِ عدوان سے محفوظ کیا۔ جو وظائف خلیفہ کے ہونے چاہییں وہ آپ میں تھے۔ آپ خلیفۃ اللہ فی العالم و نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قطبِ جہاں و قیومِ زمان تھے۔ آپ کے پیر و مرشد قدس اللہ العزیز فرماتے ہیں:۔

> روزے فرمودہ اند کہ امروز در زیرِ فلک ازیں طائفۂ عُلیہ چوں ایشان نیست۔ وقتے دیگر برزبانِ مبارک راندہ اند بعد از صحابہ و کمل تابعین و مجتہدین چوں ایشان معدودے چندے اخص الخواص بنظر می در آیند الخ۔
>
> (صفحہ ۲۴۲ زبدہ قلمی)

پروردگار آپ کے درجات کو اعلیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر فرمائے۔ آپ کے نغماتِ سَنِیَّہ وَنَسَمَاتِ قدسیّہ کی برکت بفضل اللہ وکرمہ واحسانہٗ اب تک بہ صورتے و نوعے و کیفیتے پائی جاتی ہے۔ اور اِن شاء اللہ یہ فیضِ باطنی آخر زمانہ تک جاری رہے گا۔ اور قیوم ہا کا ظہور ہوتا رہے گا۔ اور یہ عہدہ نیک بندوں کو ملتا رہے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مراتب میں کمی و بیشی ہو۔ دیکھو حضرات انبیاء علیہم السلام نبوت کے اعتبار سے ایک زمرہ میں ہیں۔ لیکن مراتب اور فضیلت کے اعتبار سے فرق موجود ہے۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ سے حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّالصَّلوٰةُ عَلٰی رَسُولِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کا منصبِ قیومیّت

پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی

☆☆

منصبِ قیومیّت کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ 'قیوم کا مفہوم بیان کیا جائے (کیونکہ قیومیت کا معنی ہے قیوم ہونا) قرآن حکیم کی آیت الکرسی میں یہ لفظ اللہ جل مجدہ کی شان میں وارد ہوا ہے۔ مفسرین کرام علیہم الرضوان کیا فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے آیئے علامہ رازی کا قول دیکھیں:

> اِمّـا قَـوْلُـه' اَلْحی الْقَیُّوْمُ فَاِنَّهٗ یَدُلُّ عَلَی الْکُلِّ لاَنَّ کَوْنَهٗ قَیُّوْمًا یَـقْـتَـضِـیْ اَنْ یَّکُوْنَ قائماًبذاتہٖ وَاَنْ یَّکُوْنَ مُقَوِّمًا لِغَیْرِهٖ وَکَوْنِهٖ قَـائِـمًـا بِـذَاتِـهٖ یَـقْـتَـضِـیْ الْـوَحْـدَةُ بِمَعْنَی الْکَثْرَةِ فِیْ حَقِیْقَتِهٖ وَذٰلِکَ یَـقْـتَـضِـیْ الْوَاحُدَةُ بِمَعْنَی نَفْیِ الضِّدِّ وَ النِّدِّوْیَقْتَضِیْ نَفْیَّ التَّحَیُّزِ وَ بَوْاسِطَتِهٖ یَقْتَضِیْ نَفْیَ الْجَهَةِ وَاَیْضاً کَوْنُهٗ قَیُّوماً بِـمَـعْـنٰـی کَـوْنِـهٖ مُـقَـوِّمَا لِغَیْرِهٖ یَقْتَضِیْ حَدُوثَ کُلِّ مَا سِوَاهُ جِسْـمـاَ کَـانَ اَوْرُوْحاً عَقَلاً کَانَ اَوْنَفْساً یَقْتَضِیْ اِسْنَادُ الْکُلِّ اِلَیْهِ وَ اِنْتَهَا جُمْلَةِ الْاَسْبَابِ وَالْمُسَبَّبَاتِ اِلَیْهُ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان الحی القیوم کل پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قیوم ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ خود قائم اور دوسرں کو قائم کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کا خود قائم ہونا کثرت کی نفی کر کے وحدت یعنی واحد یکتا ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ وحدت کے ضمن

میں ضد و ند کی نفی بھی آجاتی ہے، اس سے تحیّز اور ساتھ ہی جہت کی نفی بھی ہو جاتی ہے اور اسی طرح اس کا قیوم یعنی دوسروں کا مقوم ہونا اس بات کا مقتضی بھی ہے کہ اس کے سوا حادث ہوں خواہ کوئی جسم ہو یا روح، عقل ہو یا نفس (یعنی جاندار) یہ بھی اسی کا تقاضا ہے کہ سب کا اسناد اُسی کی طرف ہو۔ تمام اسباب ونتائج کی انتہا بھی اسی پر ہو۔

صاحب تفسیر جمل فرماتے ہیں۔

وَالْقَيُّوْمُ فَيْعُوْلٌ مَنْ بِالْاَمْرِ يُقَوِّمُ بِهٖ اِذَااَدْبَرَهٗ[۲]

ترجمہ: قیوم فیعول کے وزن پر ہے۔ جو قائم بالامر ہے وہ جب کسی چیز کو قائم رکھنے کی تدبیر کرتا ہے (جمل)

اَلْقَيُّوْمُ اَىِ الدَّائِمُ الْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِ الْخَلْقِ وَ حَفْظِهٖ فِيْهِ اِثْبَات لِاِسْتِقْلَالِهٖ[۳]

ترجمہ: قیوم یعنی جو ہمیشہ مخلوق کی تدبیر اور اس کی حفاظت میں قائم ہو، اس میں اس کے مستقل ہونے کا بھی ثبوت ہے۔

علامہ خازن کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

قَالَ الْمُجَاهِدُ الْقَيُّوْمُ الْقَائِمُ عَلٰى تَاْوِيْلُهٗ اَنَّهٗ اَنَّهٗ تَعَالٰى قَائِمٌ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ فِىْ اِيْجَادِهِمْ وَ اَرْزَاقِهِمْ وَجَمِيْع مَا يَحْتَا جُوْنَ اِلَيْهِ وَقِيْلَ هُوَ الْقَائِمُ الدَّائِمُ بِلَازَوَالِ الْمَوْجُوْدِالَّذِىْ يَمتنِعُ عَلَيْهِ التَّغَيُّرِ وَقِيْلَ هُوَ الْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ الْقَيُّوْمُ فَيْعُوْلُ مِنَ الْقِيَامِ وَهُوَ لَعَتٌ لِلْقَائِمِ عَلَى الشَّیٔ ○[۴]

ترجمہ: حضرت مجاہد نے کہا ہے، قیوم وہ ہے جو ہر شے پر قائم ہو۔ اس کی تاویل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو موجود کرے، اسے رزق دینے اور ہر اس چیز پر جس کی اُسے (یعنی مخلوق کو) ضرورت ہے، قائم ہے اور کہا گیا ہے قیوم وہ ہے جو ہمیشہ قائم لازوال اور تغیر وتبدل سے پاک ہو۔ اور یہ

بھی کہا گیا ہے کہ قیوم سے مراد وہ ذات ہے جو ہر نفس کے افعال پر قائم (نگہبان) ہو، اور قیوم 'فیعول' کے وزن پر ہے، اور ہر کسی شے پر قائم ہونے والے کا وصف ہے۔ (خازن)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْمُجَاهِدُ الْقَيُّوْمُ الْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَالَ الْكَلْبِيُّ الْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ قِيْلَ هُوَ الْقَائِمُ بِالْاُمُوْرِ قَالَ اَبُوْ عُبَيْدَه الَّذِیْ لَا يَزُوْلُ وَقَالَ الْبَيْضَاوِیُّ الدَّائِمُ الْقِيَامِ بِتَدْبِيْرِ الْخَلْقِ وَحِفْظِهٖ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ بِالْاَمْرِ اِذَا حَفِظَهٗ وَ قَالَ السَّيُوْطِیُّ الدَّائِمُ الْبَقَاءِ قُلْتُ مَرْجَعُ الْاَقْوَالِ اِنَّهٗ دَائِمُ الْوُجُوْدِ الْقَائِمُ بِنَفْسِهٖ وَ قَيِّمُ الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا لَا يَتَصَوَّرُ قِيَامُ شَيْئٍ وَبَقَاءُهٗ اِلَّا بِهٖ فَمُقْتَضٰى هٰذَا الْاِسْمِ اِنَّ مَاسِوَاهُ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ فِیْ بَقَاءِهٖ كَمَا يَحْتَاجُ اَلَيْهِ فِیْ وُجُوْدِهٖ كَالظِّلِّ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْاَصْلِ ۝[5]

ترجمہ: حضرت مجاہد نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر شے پر قائم ہو، کلبی نے کہا (قیوم ہے وہ) جو ہر جاندار چیز اور اس کے اعمال پر قائم ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ (قیوم وہ ہے) جو تمام امور پر قائم ہو۔ ابو عبیدہ نے کہا (قیوم وہ ہے) جو لازوال ہو، بیضاوی نے کہا (قیوم وہ ہے) جو ہمیشہ رہے اور مخلوق کی تدبیر و حفاظت پر قائم ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ امر پر قائم ہونے سے مراد اس کی حفاظت کرنا ہے۔ سیوطی نے کہا (قیوم وہ ہے) جو ہمیشہ زندہ رہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمام اقوال کا نچوڑ یہی ہے قیوم ہمیشہ رہنے والا ہے اور اشیاء کو قائم کرنے والا۔ کسی بھی چیز کے قیام اور بقا کا اس کے اس کے بغیر تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ سو اس نام (قیوم) کا مقتضی یہی ہے کہ سب ماسوا اپنی بقا کے لیے اس کے اسی طرح محتاج ہیں جیسے وجود کے لیے جس طرح سائے کی نسبت اصل کے ساتھ ہے۔

علامہ ابن اثیر کی تحقیق ملاحظہ ہو:

> قَیُّوْمُ وَهِیَ مِنْ اَبْنِیَةِ الْمُبَالِغَةِ وَهِیَ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ مَعْنَاهُ الْقَائِمُ بِاُمُوْرِ الْخُلْقِ وَمُدَبِّرُ الْعَالِمَ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِهٖ وَمِنْهُ الْحَدِیْثُ حَتّٰی یَکُوْنَ لخَمْسِیْنَ اِمْرَاَةٍ قَیِّمٌ وَاحِدٌ قَیِّمُ الْمَرْاَةِ زَوْجُهَا لِاَنَّهُ یُقَوِّمُ بِاَمْرِ هَاوَمَاتَحْتَاجُ اِلَیْهِ٥[٦]

ترجمہ: یہ مبالغہ کے اوزان میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بھی ہے۔ اس کا معنی ہے مخلوق کے امور کو قائم رکھنے والا اور عالم کی ہر حال میں تدبیر فرمانے والا۔ ایک حدیث کے یہ الفاظ بھی اسی معنی میں ہیں۔ ـ ی یکون لخمسین امراقیم واحد (یعنی یہاں تک کہ قیامت کے نزدیک پچاس عورتوں کے امور کی نگرانی کرنے والا ایک مرد ہوگا) چنانچہ اسی معنی میں عورت کے خاوند کو قیم المراۃ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے معاملہ اور اس کی ہر حاجت جس کا تعلق اس خاوند کے ساتھ ہو کی نگرانی کرتا ہے۔

یہ ہیں لفظ قیوم کے معانی اور تقاضے جب اسے اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات یکتا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یعنی یہ کہ وہ تمام مخلوق کے امور کا نگراں، اس کی بقا کا کفیل، اس کی تمام حاجات کو پورا فرمانے والا، مدبر امر، واحد، یکتا، باقی ولازوال، مستقل بالذات، قدیم زمان ومکان، تغیر وتبدل اور جہت وحیز سے پاک ضد وند سے بالاتر، سب اسباب ونتائج کا منتہی وغیرہ اس کے سوا سب حادث محتاج۔

اگر کوئی شخص قیوم کے اسی مفہوم ومعنی کو کسی اور شخص کے لیے جائز ٹھہراتا ہے اور خدا یعنی واحد وقیوم کی طرح اسے بھی باقی ولایزال مستقل بالذات، قدیم، تغیر وتبدل اور جہت وزمان ومکان سے پاک سمجھتا ہے تو یقیناً کافر بلکہ مشرک ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے دور میں ایک پیر کو اس کے مرید خدا کی صفات میں خدا کی طرح ہی متصف سمجھتے تھے اور اس نقطہٗ نظر سے اُس کے لیے ایسے الفاظ والقاب استعمال کرتے تھے جو حضور ﷺ بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جاتے ہیں۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے اسے اور اُس کے مریدوں کو کافر قرار دیا۔ استفتاء اور اعلیٰحضرت کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ: مسئولہ عبدالرحمٰن علم مدرسہ چھپوں احمد آباد گجرات: ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص کی موجودگی میں ایک مرید نے اپنے پیر کی شان میں یہ قصیدہ پڑھا اور پیر نے اس قصیدے کوسن کر پڑھنے والے کو کہا کہ تو میرا حبیب ہے اور اس کے بعد یہ قصیدہ منبر پر پڑھا جاتا ہے اور اس کے جواز کا حکم پیر نے دیا ہے۔ آیا شرعاً یہ قصیدہ جائز ہے یا نہیں، قصیدہ مذکور ہے......

مرحبا مرحبا یا شاہِ لواری مرحبا   نورالہدیٰ خیر الوریٰ یا شاہ لواری مرحبا
یا امام العالمین وانتخابِ اوّلین   ختم ولایت مقتدا یاشاہ لواری مرحبا
پیشوائے اولیا تو برگزیدہ ذوالجلال   شافع ہر دوسرا یا شاہ لواری مرحبا
کن عطا فضل وکرم امروزفردا اے کریم   صامع بجز تو نیست کس یا شاہ لواری مرحبا
یا بشیرو یا نذیرو اے شہِ اولوا العزم   ملجائے والا صفا یا شاہ لواری مرحبا
منعم ومسجود قیوم و جہاں بہر کرم   طالب ومطلوب ومصدر یا شاہ لواری مرحبا
ذاتِ تو احدولے میم موجودات او   خلق تو عالم را سبب یا شاہ لواری مرحبا
قاب قوسین توئی گفت مازاغ البصر   جائے تو رشکِ مدینہ یا شاہ لواری مرحبا
سیدِ کونین سالارِ رسل گنج نہاں   یا محمدن الزماں یا شاہ لواری مرحبا
ہست مدعا مظہر ذات تو مسند نشیں   لایموت ولم یزل یا شاہ لواری مرحبا
مشکل کشا احمد زماں الصاہ اللہ بہرما   آوارہ پرور حافظا یا شاہ لواری مرحبا

الجواب: یہ خالص کفر ہے اور اس کا قائل، اس کا اجازت دہندہ، اس کا پسند کنندہ' سب مرتد ہیں، امتی کوآں سرورِ عالم کہنا، علیہ الصلوٰۃ کہنا، مسجودِ مخلوق کہنا، خیر الوریٰ کہنا، انتخاب اوّلین کہنا، شافعِ ہر دوسرا کہنا، سید کونین کہنا تو حرام و جزاف تھا ہی یوں ہی خلق عالم را سبب اور قاب قوسین اور مازاغ البصر اور جائے تو رشکِ مدنیہ کہنا، ان میں بہت کلمات موہم کفر یا منجر بکفر ہیں، مگر ذات تو احد اور سالار رسل اور مسند نشین لم یزل

کہنا قطعاً یقیناً کفر ہے، یوں ہی فقہائے کرام نے قیوم جہاں غیر خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی مجمع الانہر میں ہے، **اِذَاالحق علی المخلوق من الا سماء المختصة بالخالق جل وعلانحو القدوس والقیوم والرحمٰن وغیر ھایکفر واللہ تعالیٰ اعلم ۔**

دیکھیے یہ ہے مذکورہ نظم میں پیر کے بارے میں مرید کے نظریات، وہ ایسے القاب جن سے حضور پُر نور شافع یوم النشور ﷺ کی ذاتِ یکتا مختص ہے، اپنے پیر کے لیے لا رہا ہے۔ بلکہ خدا کی طرح اُسے احد، لایموت ولم یزل اور قیوم بھی کہہ رہا ہے تو اعلیٰ حضرت نے بعض کلمات کو موہم کفر ومنجر بکفر اور بعض کو کفر قرار دیا ہے۔ مجمع الانہر کی جس عبارت کا حوالہ اعلیٰ حضرت نے دیا اس کا مقصود مفہوم یہی نظر آتا ہے کہ خداوند کریم کے لیے جو اسماء مختص ہیں اگر اُنھیں اُسی مفہوم میں مخلوق کے لیے استعمال کیا جائے تو کفر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن قال لمخلوق: یا قدوس اوالقیوم اوالرحمٰن اوقال اسماً من اسماء الخالق کفر انتھی وھو یفیہ انہ من قال لمخلوق یا عزیز ونحوہ یکفر ایضاً الا ان ارادبھما المعنی اللغوی لاالخصوص الاسمی، والا حوط ان یقول: یا عبدالعزیز ویا عبدالرحمٰن ۔

ترجمہ: اور جس نے کسی مخلوق سے (مخاطب ہوکر) کہا یا قدوس، یا قیوم یا رحمٰن، یا خالق کے ناموں میں سے کوئی نام لیا، کافر ہوگیا (انتہی) اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جس نے مخلوق کو 'یا عزیز' وغیرہ کہہ کر خطاب کیا تو اسی طرح وہ بھی کافر ہو جائے گا، مگر یہ کہ ان سے لغوی معنی مراد لے نہ کہ اسمی خصوصیت (یعنی لغوی معنی ملحوظ رکھ کر خدا کے کسی (صفاتی) نام کا اطلاق مخلوق پر کرے گا تو کافر نہیں ہوگا، ہاں احتیاط اسی میں ہے کہ (یا عزیز یا رحمٰن کہنے کے بجائے) یا عبدالعزیز یا عبدالرحمٰن کہے۔

لغوی معنی کی اہمیت کیا ہے اور اس میں فتویٰ کا رخ کس حد تک بدل جاتا ہے، اعلیٰ حضرت کا ایک اور

فتوی اسی جلد ششم سے پیش خدمت ہے۔ مسئلہ از کراچی بندر گاڑی کھاتہ آرام باغ حجرہ اسلامیہ مولوی احمد صدیق نقشبندی ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کے شروع میں عربی عبارت اس طرح لکھی ہے، **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الٰھنا محمد وھو معبود جل شانہ و عز برھانہ ورسولنا محمد وھو محمود** صلی اللہ علیہ وسلم، ان الفاظ کی کوئی تاویل ہوسکتی ہے یا نہیں اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعاً کیا حکم ہے اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے اعتقاد والے سے نکاح وغیرہ پڑھوانا شرعاً کیسا ہے بینوا توجروا جواب مع عبارات تحریر فرمائیں۔

الجواب: ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام محمول کیا جائے، جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو پہلے جملہ میں محمد بفتح میم کیوں پڑھا جائے محمد بکسر میم کہا جائے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار بکثرت حمد وثنا کیے گئے اور ان کا رب عزوجل ان کا محمد بار بار بکثرت ان کی مدح وتعریف فرمانے والا، اب یہ معنی صحیح ہوگئے اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا اور اگر بفتحِ میم ہی پڑھیں اور معنی لغوی مراد ہیں یعنی ہمارا رب عزوجل بار بار بکثرت حمد کیا گیا ہے۔ جب بھی عنداللہ کفر نہ ہوگا مگر اب صرف نیت کا فرق ہوگا، بہر حال ناجائز ہونے میں شبہہ نہیں ردالمحتار میں ہے۔ **مجرد ابھام المعنی فی المحال کاف فی المنع۔** مصنف کو توبہ چاہیے اور اسے متنبہ کیا جائے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ کہ کوئی حالت خاصہ داعی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیت کے فرق سے وہ الفاظ تراکیب جو خاص رب العزت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ انھیں دوسروں کے لیے استعمال کرنے کی مثالیں اور تو اور خود قرآن مجید میں بھی بکثرت مل جاتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت

بریلوی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب مستطاب ''الامن والعلی'' میں تفصیل سے اس نکتے پر بحث فرمائی مثلاً ایک ترکیب سے خیرالمنزلین (سب سے بہتر اتارنے والا) سورۂ یوسف میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے فرماتے ہیں:

> اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْ اُوْفِ الْکَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۝[٧]
>
> ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا پیمانہ عطا فرماتا ہوں اور میں سب سے بہتر اتارنے والا ہوں (کہ جو میرے سایہ رحمت میں آکر اترتا ہے اُسے وہ راحت بخشتا ہوں کہ کہیں نہیں ملتی) یوسف علیہ السلام نے تو یہ فرمایا اور رب عزوجل حضرت نوح علیہ السلام سے فرماتا ہے۔
>
> وَقُلْ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلاً[٨]
>
> ترجمہ: (اے نوح جب تو اور تیرے ساتھ والے کشتی پر ٹھیک بیٹھ لیں تو میری حمد بجالانا) اور یوں عرض کرنا کہ اے میرے رب مجھے برکت والا اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے یہ اللہ عزوجل کی خاص صفت نبی صدیق (یعنی حضرت یوسف) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لیے کیسی ثابت فرمائی۔

اسی کتاب کے ایک دو ذیلی عنوان دیکھیے اور ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کے قرآنی دلائل ملاحظہ فرماتے جایئے۔

وَاِذَا حَضَرَ [٩] (النساء۔٨) (جب ترکہ بانٹتے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین آئیں تو انھیں ان میں سے رزق دو اور ان سے اچھی بات کہو) ان آیات میں (اعلیٰ حضرت نے اس کے ساتھ نمبر۵ کا بھی حوالہ دیا ہے لہٰذا آیات میں) بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ تم رزق دو۔

(عنوان نمبر۸۲) مجاہدین کو فرشتے ثابت قدم رکھتے ہیں، اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الملائکۃِ اَنِّی[١٠] (الانفال۔١٢) (یعنی جب وحی بھیجی تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ثابت قدم رہو۔ ایمان والوں کو)

(عنوان نمبر۸۳) کاروبار دنیا کی فرشتے تدبیر کرتے ہیں:۔

(عنوان نمبر۸۴) اولیائے کرام بعد انتقال تمام عالم میں تصرف کرتے اور کاروبار جہاں کی تدبیر فرماتے ہیں:۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے دونوں عنوانوں پر آیت ۳۲ لکھ کر دلیل قائم کی ہے

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا[11] (النازعات نمبر ۵) (قسم ہے اُن فرشتوں کی کہ تمام کاروبار دنیا اُن کی تدبیر سے ہے) پہلی تفسیر کے مطابق آپ نے ان سے فرشتے اور دوسری کے مطابق اولیاءِ کرام کی ارواح کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔

ان دونوں تفسیروں کی روشنی میں بحث فرما کے آخر میں لکھتے ہیں۔

> ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ صفت حضرت عزت کی ہے نہیں نہیں ہے خاص صفت اسی کی ہے رب عزوجل فرماتا ہے۔
>
> قُلْ مَن يَّرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ.[12]
>
> (اے نبی، ان کافروں سے فرماؤ وہ کون ہے جو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردے سے اور نکالتا ہے، مُردے کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کام کی، اب کہہ دیں گے کہ اللہ تو فرما، پھر ڈرتے کیوں نہیں قرآن عظیم خود ہی فرماتا ہے کہ یہ صفت اللہ عزوجل کے لیے ایسی خاص ہے کہ کافر مشرک تک اس کا اختصاص جانتے ہیں۔ ان سے بھی پوچھو کہ کام کی تدبیر کرنے والا کون ہے تو اللہ ہی کو بتائیں گے، دوسرے کا نام نہ لیں گے اور خود ہی اس صفت کو اپنے مقبول بندوں کے لیے ثابت فرماتا ہے کہ قسم اُن محبوبانِ خدا کی جو عالم میں تدبیر و تصرف کرتے ہیں۔ ایمان سے کہنا وہابیت کے دھرم پر قرآن عظیم شرک سے کیونکر بچا۔

دیکھیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر محبوبانِ خدا کے اختیارات و فضائل و کمالات کا انکار کرنے کی بنا پر منکرین کا تعاقب کرتے ہوئے قرآن کی آیات اور پھر حدیث کی روایات سے کتنا مدلل و مضبوط جواب دے رہے ہیں، ان آیات ہی کو دیکھ لیں، رزق دینا، زندہ کرنا، وفات دینا، بیٹا دینا، مدد کرنا، ولی و مولا ہونا، شفاعت کا اللہ کے حضور مالک ہونا، کسی پر انعام کرنا، مادرزاد اندھوں اور برص والوں

کو اللہ کے حکم سے شفا دینا۔ مٹی کے پرندے بنانا، کسی بندے کا مالک ہونا، بیڑیاں کھولنا، بوجھ اتارنا وغیرہ جیسی صفات اللہ کے پاک بندوں کے حق میں مذکور ہوئی ہیں مگر کیسے بالعطا' یعنی یہ صفات و کمالات ان کے ذاتی نہیں، اللہ کے بخشے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ' نے اسی کتاب کے مقدمے میں ایک قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

> **اقول وباللہ التوفیق** نسبت و اسناد دو قسم ہے حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو اور مجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں، جیسے نہر کو جاری یا جالس سفینہ کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقتاً آب و کشتی جاری و متحرک ہیں۔ پھر حقیقی بھی دو قسم ہے ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اُسے حقیقتاً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو۔

پھر فرق ذاتی و عطائی' کے تحت فرماتے ہیں۔

> قرآن عظیم میں جابجا اولوا العلم و علماء بنی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کی نسبت لفظ وارد۔ یہ حقیقت عطائیہ ہے۔ یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقتاً متصف بعلم ہیں اور مولیٰ عزوجل نے اپنے نفس کریم کو علیم فرمایا۔ یہ حقیقت ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے، سخت احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائل استعانت و امداد و علم غیب و تصرفات و ندا و سماع فریاد اسی فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔ (ص ۵۸، ۵۹)

لفظ قیوم کے بھی دو مفہوم ہیں:

اسی طرح لفظ قیوم کے دو مفہوم ہیں جب اسے اللہ جل مجدہ' کے لیے بولا جائے تو وہ مراد ہوگی جو تفسیرات کی روشنی میں اوپر گزر چکی یعنی اللہ کے قیوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ واحد یکتا ہے۔ سارے عالم کا مدبر و نگران اور قیام و بقا کا ضامن ہے، وہ ہمیشہ سے قائم، لازوال اور تغیر و تبدل بلکہ مکان و زمان اور جہت و تحیز سے بھی پاک ہو۔

مگر یہ مفہوم ایک ہی ذاتِ باری کے لیے مختص ہے۔

اگر مخلوق کے کسی فرد پر اس کا اطلاق کیا جائے تو وہاں اس کا معنی ہوگا دنیا کی بقا کا ذریعہ ووسیلہ۔ یعنی کوئی بندہ روحانیت میں ترقی کرتے کرتے اللہ کی خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے تو رب کریم اُسے اپنی شانِ قیومیت کا مظہر بنا کر دنیا کے لیے بقا کا ذریعہ ٹھہرا دے۔ یہ تصور بھی متعدد آیات و احادیث میں موجود ہے۔ بعض کا ذکر تو اوپر آ چکا ہے۔ انھیں دوبارہ ملاحظہ فرمالیجیے۔ ان کے علاوہ چند روایات احادیث بھی ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔ یہ بھی اسی ''الامن والعلی'' سے لی گئی ہیں (تاکہ سند رہے)

۱ : اَلنُّجُوْمُ اَمَنَةٌ'' السَّماءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَی السَّمَاءَ مَاتُوْعَدَوَ اَنَا اَمَنَةٌ لِّاَصْحَابِیْ فَاذَا ذَهَبْتُ اَتَی اَصْحَابِیْ مَایُوْعَدُوْنَ وَاَصْحَابِیْ اَمَنَةٌ لِّاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِیْ اَتٰی اُمَّتِیْ مَایُوْعَدُوْنَ○ [۱۳]

ترجمہ: ستارے امان ہیں آسمان کے لیے جب ستارے جاتے رہیں گے، آسمان پر وہ آئیگا۔ جس کا اس سے وعدہ ہے یعنی شق ہونا فنا ہو جانا اور میں امان ہوں۔

اپنے اصحاب کے لیے جب میں تشریف لے جاؤں گا، میرے اصحاب پر وہ آئے گا جس کا اُن سے وعدہ یعنی مشاجرات اور میرے صحابہ امان ہیں امت کے لیے۔ جب میرے صحابہ نہ رہیں گے، میری امت پر وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہے یعنی ظہورِ کذب و مذاھبِ فاسدہ و تسلطِ کفار.

۲ : اَلنُّجُوْمُ اَمَانٌ' لِّاَهْلِ السَّمَاءِ وَاُهْلَ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِّاُمَّتِیْ [۱۴]

ترجمہ: ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کی پناہ۔

۳: اَلْاَبْــدَالُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَـلٰثُوْنَ بِهِـمْ تَـقُـوْمُ الْاَرْضُ وَ بِهِـمْ
تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ ۱۵
(طبرانی عن عبادہ رضی اللہ عنہ بسند صحیح) ترجمہ: ابدال میری امت میں تیس
ہیں، انھیں سے زمین قائم ہے، انھیں کے سبب تم پر مینہ اترتا ہے، انہیں
کے سبب تمہیں مدد ملتی ہے۔

اس حدیثِ پاک کے ان الفاظ پر پھر غور کیجیے۔ بِهِـمْ تَـقُـوْمُ الْاَرْض انہیں سے زمین قائم ہے۔ جن کے ذریعے زمین قائم ہے۔ انہیں قیوم کہہ لیا جائے تو آخر کیا حرج ہے۔ ہاں اس مفہوم میں نہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ بلکہ وجہِ قیام ارض کے طور پر اور اللہ کے فضل و کرم سے۔ یہ لفظ، تقوم، قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔

وَلا تُـؤلَـوّ السُّـفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰه قِیَاماً وَ ارْزُقُوْهُمْ
فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْالَهُمْ قَوْلاً مَعْرُوْفاً (النساء. ۵)
ترجمہ: نادانوں کو اپنے مال کہ خدا نے تمہاری ٹیک بنائے ہیں نہ دو اور
انہیں ان میں سے رزق دو اور کپڑے پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو۔

آیت کے اس حصے پر غور فرمایے۔

اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیَاماًo
یعنی: وہ تمہارے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیام (یعنی
ٹیک یا گزارہ) بنایا ہے۔

اگر مال، وجہ قیام ہیں تو مردانِ کامل جنہیں قرآن کی آیات میں مدبرات امر اُفرمایا گیا ہے، دنیا کے لیے وجہ بقاو قیام کیوں نہیں ہو سکتے بالخصوص جب یہ تصریح (متعدد احادیث میں) او پر گزر چکی ہے۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں اللہ کے برگزیدہ بندوں کو قیوم کہا جاتا ہے، چنانچہ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کا اپنا بیان ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”ثُمَّ اَوْرَثْـنَـا الْكِتَابَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰه "

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں سب سے بڑھنے والا ہے اور فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يحملنها وَاشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا o

ترجمہ: ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے پیش کی لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ہم تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوگئی ہے۔ رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْ نَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَانَا (یا اللہ تو ہمارے بھول چوک پر مواخذہ نہ کر)

جاننا چاہیے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ صورت سے پاک اور برتر ہے۔ پس آدم کا اس کی صورت پر پیدا ہونا اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ اگر مرتبہ تنزیہہ کی صورت عالمِ مثال میں فرض کی جائے تو بیشک یہ صورت جامع صورت ہوگی جس پر یہ انسان جامع موجود ہوا ہے دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور اس کا آئینہ بن سکے۔ یہی باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے۔ کیونکہ خلیفہ جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شے کا خلیفہ اس کا خلف اور قائم مقام ہوتا ہے۔ چونکہ انسان رحمٰن کا خلیفہ بن گیا۔ اس لیے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا۔ **لا یحمل عطاء الملک الا مطالیاہ** (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) آسمان اور زمین اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے لاتے تاکہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اس کی خلافت کے لائق ہو کر بار امانت کو اٹھا سکتے۔

محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے حوالے ہی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے۔ جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی انسان کے دل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقا اس کے ذریعے پہنچاتے ہیں اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اس وسیلہ کو پکڑتا ہے۔ غرض حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں۔ فرمایا۔ انہ کان ظلوماً۔ یعنی اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام ونشان اور اثر وحکم باقی نہیں چھوڑتا۔ واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بارامانت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ جھولا۔ یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب کا علم وادراک نہیں۔ بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے۔ یہ عجز و جہل اس مقام میں کمالِ معرفت ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف ہوگا۔ وہی بارِ امانت کے لائق ہوگا۔ یہ دونوں وصف گویا بارامانت کے اٹھالینے کا باعث ہیں یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے۔ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں۔ انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن وزیر کے ذریعے سے پہنچتے ہیں۔

اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگواروں کی وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں گے۔

برکریماں کارہا دشوار نیست
کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

ترجمہ: وارثانِ کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔ یہی ظالم لنفسہٖ ہیں جو منصوب ولایت و قیومیت سے مشرف ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے، وہ لوگ ہیں جو دولتِ خلت سے مشرف ہیں اور

> صاحب سر اور اہل مشورت ہیں۔ اگرچہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشیں، غمخوار اور انیس ہوتا ہے۔ یعنی خلیل اپنے آرام کے لیے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کے لیے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

اس مقام عالی یعنی خلت کے سر حلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوۃ والسلام ہیں یا وہ لوگ جو اس مقام عالی سے مشرف ہوئے ہیں' یار وندیم اور ہوتا ہے اور محبّ ومحبوب اور۔ وہ اسرار و معاملات جو محبّ ومحبوب کے درمیان گزرتے ہیں، یار وندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں۔ اگرچہ کمال الفت وانس کے وقت محبت کے خفیہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اس کو محبّ ومحبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔ محبوں کے سر حلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سر گروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام ہیں یا ان بزرگواروں کی وراثت اور تبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرمائیں۔ اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں۔ اس فقیر کے کسی مکتوب میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان میں بھی صدر نشیں محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں۔

> رَبَّنَا اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَةً وَّ هَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا
> (اے ہمارے رب تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بھلائی ہمیں مہیا فرمادے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی (دفتر دوم: مکتوب ۴۷)

شیخ المجد دین رضی اللہ عنہ کی اس تصریح کے بعد زیادہ بحث وتمحیص کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ نے اسے منصب خلافت سے تعبیر فرمایا ہے جو قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے ہر انسان کو یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ انسان کامل سے مختص ہے۔ ذرا ان لفظوں پر بھر غور فرمایئے۔

> ترجمہ: وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسانِ کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلیفہ ہونے کی وجہ سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقا

اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ ملک العلماء علامہ عبدالعلی لکھنوی علیہ الرحمۃ اپنے رسالے وَحْدَۃُ الْوُجُوْدِ وَشُھُوْدُ الْحَقِّ فِیْ کُلِّ مَوْجُوْدٍ میں فرماتے ہیں:

انسان کامل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے اللہ نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے تا کہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائناتِ عالم کو باقی رکھے اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے۔ اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسان کامل ہے۔ ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ ہی ہے، انسانِ کامل صرف وسیلہ بنا ہے۔

تمام خلائق میں انسانِ کامل اور اللہ کے خلیفۂ اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دنیا میں آپ کی آمد سے پہلے انبیاء اور رسول آپ کے نائب اور اللہ کے خلیفہ تھے آپ کے وصال کے بعد قطب الاقطاب آپ کے نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی مہر ہے۔

حضرت العلام مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''حضرت مجدد اور ان کے ناقدین'' میں یہ حوالہ درج کر کے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''انسانِ مال اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا حضرت مجدد نے بھی وہی کہا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کے دفتر دوم کا مکتوب نمبر ۸ اور دفتر سوم کا مکتوب نمبر ۸۰ ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قیوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ چونکہ قیوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور فرد اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہٰذا وہی صفت اس کے منصب کا نام ہونی چاہئے۔ اَلْقَیُّوْمُ مُدَبِّرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَکُلِّ شَیْئٍ قَائِمٌ بِاَمْرِہٖ (قیوم آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے اور ہر شے کا قیام اس کے امر سے، ص ٦٥)

''جو بات شیخ اکبر اور حضرت مجدد نے کہی ہے تمام مشائخ نے کہی ہے۔ فرق صرف نام میں ہے۔ کسی نے غوث کا نام رکھا، کسی نے قطب الاقطاب کا، کسی نے قطب مدار کا، کوئی مشکل کشا کہتا ہے، کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم، حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے، حضرت شاہِ نقشبند مشکل کشا، حضرت مجدد قیوم، منصب ایک ہے نام مختلف'' اس کی مزید تصدیق، ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، سے ہو جاتی ہے۔

ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

عرض	غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟
ارشاد	بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے
عرض	غوث کے مراقبے سے حالات منکشف ہوتے ہیں؟
ارشاد	نہیں بلکہ انہیں ہر حال یونہی مثلِ آئینہ پیش نظر ہے۔

اعلیٰ حضرات کے الفاظ، بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے پر غور فرمائیے، اگر یہ بات سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو ہماری اس تحریر پر شاہد عادل ہے۔ ہاں ہاں جس کے بغیر زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے اگر اسے قیوم یا قیوم عالم کہہ لیا جائے تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ قائم رکھنے والا قیوم حقیقی خالقِ ارض وسما ہے اور جس کے ذریعے اور واسطے سے اس نے انہیں قائم رکھا ہے۔ وہ اس کا سچا نائب، غوث اور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں خلیفہ ہونے کی وجہ سے قیوم عالم ہے۔ یہ قیوم، قیومِ حقیقی کی طرح خالق، واجب الوجود، قدیم اور زمان و مکاں سے پاک نہیں بلکہ اس کا بندہ، مخلوق، ممکن الوجود، حادث اور زمانی و مکانی ہے۔ ہاں بندگی اور قرب کے اس مقام پر فائز ہو چکا ہے کہ قیوم حقیقی کی ذات وصفات کا مظہر کامل ہے (جب کہ ہر مخلوق اپنے خالق کی شان تخلیق کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مظہر ہے) رہ گئی یہ بات کہ ''قیوم'' اور ''قیومیت'' کی اصطلاح سب سے پہلے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہی نے کیوں اختیار فرمائی۔ اس کا جواب بھی حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی (فاضل ازہر) علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ وہ آپ کے نظریہ قیومیت پر یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

اب خیال کرنا چاہیے کہ اس عبارت میں کون سی بات قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ خلیفہ اجل واکمل وافضل سرور دو عالم ﷺ کی ذاتِ جامع صفات ہے، جو کہ سید الانبیاء والمرسلین ہیں اور نبوت آپ کو اس وقت سے بھی پیشتر ملی تھی۔ جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پُتلا نہ بنا تھا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد.**

جب تک آپ کا ظہور نہ ہوا آپ کی نیابت انبیاء کرام علیہم السلام کرتے رہے۔ لیکن آپ کے بعد یہ منصب آپ کی امت کے جلیل القدر افراد کے سپرد ہوا۔ یہ مقام اور یہ رتبہ از روزِ اول موجود ہے۔ اور

اس کے شایان شان افراد بھی ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے۔ غایت مافی الباب اس نام سے یہ رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب تک وظیفہ خلافت حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق رہا ہے۔ اظہار کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ نبوت کا مقام ان تمام مراتب عالیہ کو لیے ہوے ہے۔ ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی اور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتب عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو، چنانچہ جب بھی جس عہدہ کے ظہور کا وقت آیا وہ عہدہ ظاہر ہوا یعنی قطب، غوث وغیرہ اور قیومیت کا ظہور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ السامی کی مبارک ذات سے ہوا۔ **ذالک فضل اللہ یؤیته من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

☆......☆......☆

حواشی

۱......تفسیر کبیر ج۲ ص۳۰۹
۲......جمل
۳......تفسیرات احمدیہ
۴......خازن
۵......مظہری
۶......نہایہ جلد۴ ص۱۳۵
۷......ص۔۱۹۳
۸......المومنون۔۲۹
۹......الامن والعلیٰ ص۸۶، مطبوعہ بریلی شریف
۱۰......الانفال۔۱۲۔
۱۱......النازعات نمبر۵
۱۲......یونس۔۳۱
۱۳......احمد، مسلم عن ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ
۱۴......مسند ابویعلی مستدرک حاکم عن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ
۱۵......مسند ابویعلی مستدرک حاکم عن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

☆......☆......☆

اس کے شایان شان افراد بھی ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے۔ غایت مافی الباب اس نام سے یہ رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب تک وظیفہ خلافت حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق رہا ہے۔ اظہار کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ نبوت کا مقام ان تمام مراتب عالیہ کو لیے ہوئے ہے۔ ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی اور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتب عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو، چنانچہ جب بھی جس عہدہ کے ظہور کا وقت آیا وہ عہدہ ظاہر ہوا یعنی قطب، غوث وغیرہ اور قیومیت کا ظہور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ السامی کی مبارک ذات سے ہوا۔ **ذالک فضل اللہ یؤیتہ من یشآء و اللہ ذو الفضل العظیم۔**

☆......☆......☆

حواشی

۱......تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۰۹

۲......جمل

۳......تفسیرات احمدیہ

۴......خازن

۵......مظہری

۶......نہایہ جلد ۴ ص ۱۳۵

۷......ص۔ ۱۹۳

۸......المومنون۔ ۲۹

۹......الامن والعلیٰ ص ۸۶، مطبوعہ بریلی شریف

۱۰......الانفال۔ ۱۲۔

۱۱......النازعات نمبر ۵

۱۲......یونس۔ ۳۱

۱۳......احمد، مسلم عن ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

۱۴......مسند ابویعلی مستدرک حاکم عن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

۱۵......مسند ابویعلی مستدرک حاکم عن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کی شانِ قیومیت

علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی
(شیخ الحدیث، جامعہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور)

☆☆

سیدنا امام ربانی حضور مجدد الف ثانی نے مجدد رضی اللہ علیہ کے ساتھ الف ثانی ہونے کا دعوٰی منجانب اللہ فرمایا یونہی قیومیت کا دعوٰی بھی منجانب اللہ ہے۔

روضۂ قیومیہ میں ہے۔ کہ ایک روز آپ نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ آپ نے اپنے اوپر ایک خلعتِ نورانی پایا

ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت تمام ممکنات کی قیومیت کا ہے۔ جو بوراثت وتبعیت ختم الرسل ﷺ عطا ہوا ہے اتنے میں حضرت سید المرسلین ورحمۃ للعالمین ﷺ تشریف لائے، اور اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارکباد دی۔ قیومیت کی کیفیت حضرت کے مکتوبات[1] میں درج ہے، طوالت کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کی گئی۔

واضح رہے کہ دوشنبہ کا دن ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ تھا کہ حضرت شیخ کو خلعتِ قیومیت عطا ہوا۔

قیومیت کے دوسرے سال شاہ سکندر قادری جو شاہ کمال کیتھلی کے پوتے اور خلیفہ تھے کیتھل سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کے سلسلے میں بطورِ امانت چلا آتا تھا آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ آپ اس وقت یاروں کے ساتھ مراقبے میں تھے جب آپ نے آنکھ کھولی تو شاہ صاحب کو دیکھ کر تواضع سے معانقہ کیا۔ شاہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے معاملہ میں کئی دفعہ میرے دادا شاہ کمال نے حکم دیا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچا دو اگرچہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لیے مشکل تھا، لیکن جب مجھے تاکیدی حکم ملا میں نے ناچار تعمیل کی حضرت

شیخ اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے کچھ دیر کے بعد جو نکلے، تو اپنے بعض محرمانِ اسرار سے کہا کہ اس خرقہ کے پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔ جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام خلفاء حضرت شیخ کمال تک حاضر ہوئے۔ حضرت غوث ربانی نے میرے دل کو اپنے تصرف میں کرلیا اور خاص نسبتوں کے انوار واسرار سے منور کردیا ان انوار کے غلبہ میں میرے دل میں یہ بات آئی، کہ تو اکابرِ نقشبندیہ کا تربیت یافتہ ہے اب یہ صورت پیش آئی ہے اس خیال کا آنا تھا کہ مشائخِ سلسلہ نقشبندیہ خواجہ عبدالخالق سے لے کر خواجہ باقی باللہ تک حاضر ہوئے اور مشائخ ہر دو سلسلے کی نسبت مباحثہ ہوا۔ اکابرِ نقشبندیہ نے کہا کہ یہ ہمارا تربیت یافتہ ہے اور ہماری تربیت سے کمال کو پہنچا ہے۔ اکابرِ قادریہ نے کہا کہ بچپن سے ہماری نظر اس پر ہے اور ہم سے بہرہ ور ہے اور اب بھی ہمارا خرقہ پہنے ہوئے ہے۔ دونوں فریق اسی مباحثہ میں تھے مشائخ کبرویہ چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے دونوں میں صلح کرادی یعنی تمام اکابر نے اپنا مقبول بنانے میں اتفاق کیا اور ہر ایک نے اپنی نسبت سے سرفراز فرمایا۔

مرتبہ قیومیت حق ہے اور اس کا دعویٰ بھی حق اور اولیائے کاملین کی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے دعاوی کریں اور انکا اظہار بھی فرمائیں۔ پھر یہ بھی قدیمی شیوہ ہے کہ ان کے مخالفین اسے اچھالیں اور ہمارے جیسے نیازمندان اولیاء ان کا جواب دیں تاکہ اولیائے کرام کی محبوبی شان کا زیادہ سے زیادہ چرچا ہو۔

قرآن مجید میں یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہوا:۔

(ا) سورۃ البقرہ میں ہے **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم**
(آیت: ۲۵۵)

(ب) سورۃ آل عمران میں ہے **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم**
(آیت: ۲)

ترجمہ: اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں آپ زندہ اوروں کو قائم رکھتا ہے۔

(ج) سورۃ طٰہٰ شریف میں ہے **وعنت الوجوہ للحی القیوم،**

ترجمہ: ''اور سب منہ جھک جائیں گے اس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور''

القیوم بمعنی اوروں کو قائم رکھنے والا، اور یہ صرف اور صرف اللہ کی شان ہے قرآنی لغات کے ماہر و محقق امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں **القیوم حافظ لکل شیٔ والمعنی لہ باب قوامہ**[۲] قیوم کا معنی ہے

ہر چیز کی حفاظت کرنیوالا اور ہر چیز کو قیام کے اسباب عطا کرنے والا۔

امام راغب کی طرح جلالین، تفسیر مدارک، تفسیر خازن، تفسیر صاوی، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی وغیرہ نے قیوم پر بحث کرتے وقت کچھ کمی بیشی کے ساتھ مندرجہ ذیل دلائل و معانی لکھے ہیں:

۱ ......اما قوله الحی القیوم فانه یدل علی الکل لان کونه قیوما یقتضی ان یکون قائما بذاته وان یکون مقوما لغیره هو کونه قائما بذاته یقتضی الوحدة بمغی اکثرة فی حقیقته وذلک یقتضی الوحدة بمعنی نفی الضد والند و یقتضی نفی التحیز و بواسطته یقتضی نفی الجهة وایفا کونه قیوما یمغی کونه مقوما لغیره یقتضی حدوث کل ما سواه جسما کان او روحا عقلا کان او نفسیا یقتضی استناد الکل الیه وانتهاء جملة الاسباب والمسببات الیه.[3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ''الحی القیوم'' کل پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قیوم ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ خود قائم اور دوسروں کو قائم کرنے والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا خود قائم ہونا کثرت کی نفی کر کے وحدت یعنی واحد یکتا کا تقاضا کرتا ہے وحدت کے ضمن میں کسی اور خدا کی نفی بھی آجاتی ہے اس سے تحیز کے ساتھ ہی جہت کی نفی بھی ہو جاتی ہے اور اسی طرح اس کا قیوم یعنی دوسروں کا ہونا اس بات کا مقتضی بھی ہے کہ اس کے سوا سب حادث ہوں خواہ کوئی جسم ہو یا روح ہو عقل ہو یا نفس (یعنی جاندار) یہ بھی اسی کا تقاضا ہے کہ سب کا اشتراک اسی کی طرف ہو تمام اسباب و نتائج کی انتہا بھی اسی پر ہو۔

۲...... ''القیوم'' القائمه الذی لا بدله.[4]

یعنی قیوم اس ذات قائم کو کہتے ہیں جس کے لیے ابتدا نہ ہو۔

۳......قال مجاهد القیوم قائمه علیٰ کل شیىء وقال الکلبی القائمه علی کل نفسٍ وقال ابو عبیده الذی لا یزول۔[۵]

ترجمہ: امام مجاہد نے فرمایا قیوم وہ ذات ہے جو ہر شے پر قائم ہو اور امام کلبی نے فرمایا کہ تمام جاندار چیزوں پر قائم ہو اور حضرت ابوعبید نے فرمایا قیوم وہ ذات ہے جس کے لیے زوال نہیں۔

۴......قال مجاهد القیوم القائم علی شئی و تاویله انه تعالیٰ قائم و تد بیر خلقه فی ایجاد هم هو القائم الدائم بلا الزوال الموجود الذی یمتنع علیه التغیر و قیل هو القائم علیٰ کل نفس بما کسبت و القیوم فیعول من القیام و هو لعت اللقائم علی الشیی[٦]

ترجمہ: حضرت مجاہد نے کہا ہے کہ قیوم وہ ہے جو ہر شے پر قائم ہو۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو موجود کرنے، اسے رزق دینے اور ہر اس چیز پر جس کی اسے (یعنی مخلوق کو) ضرورت ہے، قائم ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ قیوم وہ ہے جو ہمیشہ قائم لازوال اور تغیر وتبدل سے پاک ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیوم سے مراد وہ ذات ہے جو ہر نفس کے افعال پر قائم (ونگہبان) ہو۔ اور قیوم قیام سے فیعول کے وزن پر ہے اور یہ کسی شے پر قائم ہونے والے کا وصف ہے۔

۵......اولقیوم فیعول من قام بالامر یقوم به اذا ادبره۔[۷]

ترجمہ: قیوم فیعول کے وزن پر ہے جو قائم بالامر ہے وہ جب کسی چیز کو قائم رکھنے کی تدبیر کرتا ہے۔

٦...... القیوم ای الدائم القائم بتدبیر الخلق و حفظه اثبات لا ستقلاله[۸]

ترجمہ: قیوم یعنی جو ہمیشہ مخلوق کی تدبیر اور اس کی حفاظت میں قائم ہو، اس میں اس کے مستقل ہونے کا بھی ثبوت ہے۔

۷......القیوم جو خود زندہ ہو جس پر کبھی موت نہ آئے گی اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ ابن کثیر (آیت الکرسی)

۸......قال المجاهد القیوم القائم علٰی کل شیئ قال الکلبی القائم علیٰ کل نفس بما کسبت و قیل هو القائم بالامور قال ابو عبیده الذی لا یزول و قال الیضاوی الدائم القیام بتدبیر الخلق وحفظه فیقول من قام بالامرا ذاحفظه وقال السیوطی الدائم البقاء قلت مرجع الاقوال انه دائمالو جو دالقائم بنفسه و قیم الاشیا کلها یا یتصو ر قیام شی وبقائه به فمقتضی هذا الاسم ان ما سواه یحتاج الیه فی بقائه کما یحتا ج الیه فی وجوده کا لظل بالنسبه الی الا صل.[9]

ترجمہ: حضرت مجاہد نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر شے پر قائم ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ (قیوم وہ ہے) جو ہر جاندار چیز اور اس کے اعمال پر قائم ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ (قیوم وہ ہے) جو عام امور پر قائم ہو۔ ابو عبیدہ نے کہا (قیوم وہ ہے) جو لازوال ہو۔ بیضاوی نے کہا (قیوم وہ ہے) جو ہمیشہ رہے اور مخلوق کی تدبیر وحفاظت پر قائم ہو، یہ بھی کہتے ہیں کہ امر پر قائم ہونے سے مراد اس کی حفاظت کرنا ہے۔ سیوطی نے کہا (قیوم وہ ہے) جو ہمیشہ زندہ رہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تمام اقوال کا نچوڑ یہی قیوم ہمیشہ رہنے والا ہے اور تمام اشیاء کو قائم رکھنے والا، کسی بھی چیز کے قیام اور بقا کا اس کے بغیر تصور بھی نہ کیا جاسکے۔ سو اس نام (قیوم) کا مقتضی یہی ہے کہ سب ماسوا اپنی بقا

کے لیے بھی اس کے اسی طرح محتاج ہیں جیسے وجود کے حصے، جس طرح سائے کی نسبت اصل کے ساتھ ہے۔

۹......**قیوم و ھی من ابنیه المبالغة و ھی من صفات اللّٰہ تعالیٰ و معناه القائم بامور الخلق و مد بر العالم فی جمیع احواله و منه الحدیث حتیٰ یکون لخمسین امراة قیم واحد قیم المراة زوجاً لانه یقوم یامر ھاوماتحتاج الیه**[10]

ترجمہ: یہ مبالغہ کے اوزان میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بھی ہے۔ اس کا معنی ہے مخلوق کے امور کو قائم رکھنے والا اور عالم کی ہر حال میں تدبیر فرمانے والا۔ ایک حدیث کے یہ الفاظ بھی اس معنی میں ہیں۔ **حتی یکون لخمسیس امراة قیم واحد** (یعنی یہاں تک کہ قیامت کے نزدیک پچاس عورتوں کے امر کی نگرانی کرنے والا ایک مرد ہوگا) چنانچہ اسی معنی میں عورت کے خاوند کو قیم المراۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے معاملہ اور اس کی ہر حاجت کا تعلق اس خاوند کے ساتھ ہوگا۔

قیوم کے مفسرین کے بیان کردہ معانی' ساری خدائی کا محافظ' حاجت روا اور مدبر' یکتا' لازوال' مستقل بالذات' قدیم زمان ومکان اور تغیر وتبدل اور جہت وحیز سے پاک خداوند بالاتر ہے۔ مسبب الاسباب اور نتائج کا منتہی وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ صفات وافعال اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں یہی ہمارا عقیدہ ہے یہ صفات نہ کسی نبی کے لائق ہیں اور نہ ہی کسی ولی اللہ وغیرہ کے لیے اگر کوئی شخص قیوم کے اسی مفہوم ومعنی کو کسی اور شخص نبی یا ولی اللہ کے لیے ٹھہراتا ہے اور خدائے واحد وقیوم کی طرح اسے بھی باقی ولایزال مستقل بالذات، قدیم تغیر وتبدل اور جہت وزمان ومکاں سے پاک سمجھتا ہے تو یقیناً کافر بلکہ مشرک ہے یہ فتویٰ ہمارا آج بھی ہے اور کل بھی تھا اور ہمیشہ رہے گا اپنے دعویٰ میں فقیر امام اہلسنت مجددِ دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ' کا فتویٰ مبارک پیش کرتا ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک پیر کو اس کے مرید خدائی صفات سے خدا کی طرح ہی متصف سمجھتے تھے اور اسی نقطہ نظر سے

اس کے لیے ایسے الفاظ والقاب استعمال کرتے تھے جو حضور ﷺ بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بولے جاتے ہیں اعلیٰ حضرت بریلوی نے اسے اور اس کے مریدوں کو کافر قرار دیا استفتاء اور اعلیٰ حضرت کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ۔ مسئولہ عبدالرحمٰن طالب علم مدرسہ احمد آباد گجرات ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص کی موجودگی میں ایک مرید نے اپنے پیر کی شان میں یہ قصیدہ پڑھا اور پیر نے اس قصیدہ کو سن کر پڑھنے والے کو کہا کہ تو میرا حبیب ہے اور اس کے بعد یہ قصیدہ پڑھا جاتا ہے اور اس کے جواز کا حکم پیر نے دیا آیا شرعاً یہ قصیدہ جائز ہے (سیدنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی پر اطلاقِ قیوم کے منکرین اعلیٰ حضرت کا یہی فتویٰ پیش کرتے ہیں اس کے جوابات آئیں گے منکرین کہتے ہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے فتاوٰی رضویہ میں لکھا کہ قیوم جہاں غیر خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی مجمع الانہر میں ہے کہ **اذا اطلق علی المخلوق من الا سباب المختصه بالخالق جل و علانحو القدوس والقیوم والرحمٰن** وغیرہ) قصیدۂ مذکور یہ ہے:

مرحبا یا مرحبا یا شاہ لواری مرحبا
نور الھدی خیر الوریٰ یا شاہ لواری مرحبا
یا امام العالمین و انتخاب اولین
ختم ولایت مقتدا یا شاہ لواری مرحبا
پیشوائے اولیا تو برگزیدہ ذوالجلال
شافعِ ھر دوسرا یا شاہ لواری مرحبا
کن عطا فضل و کرم امروز فردا اے کریم
صامع بجز تو نیست کس یا شاہ لواری مرحبا
یا بشیرو یا نذیرو اے شہ اولواالعزم
ملجائے والا صفیا یا شاہ لواری مرحبا

منعم و مسجود قیومِ جہاں بہر کرم
طالب و مطلوب و مصدر یا شاہ لواری مرحبا
ذات تو احد ولے میم موجو دات او
خلقِ عالم راسبب یا شاہ لواری مرحبا
قاب قوسین توئی گفت مازاغ البصر
جائے تو رشک مدینہ یا شاہ لواری مرحبا
سید کونین سالار رسل گنج نہاں
یا محمدن الزماں یا شاہ لواری مرحبا
ھست مدعا مظہر ذات تو مسندنشین
لایموت ولم یزل یا شاہ لواری مرحبا
مشکل کشا احمدالصاہ اللہ بہر ما
آوارہ پرور حافظا یا شاہ لواری مرحبا

الجواب۔ یہ خالص کفر ہے اور اس کا اجازت دہندہ، اس کا پسند کنندہ، سب مرتد ہیں، کسی امتی کا آں سرور عالم کہنا، علیہ الصلوٰۃ کہنا، مسجودِ مخلوق کہنا، خیر الوریٰ کہنا، انتخاب اولین کہنا، شاہ قاب قوسین اور مازاغ البصر اور جائے تو رشک مدینہ کہنا، ان میں بہت کلمات موہم کفر یا منجر بکفر ہیں، مگر ذات تو احد، اور سالارِ رسل، اور مسند نشینِ لم یزل کہنا قطعاً یقیناً کفر ہے، یوں ہی فقہائے کرام نے قیوم جہاں غیر خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی۔ مجمع الانہر میں ہے **اذا الخلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخلق جل وعلا نحو القدوس و القیوم والرحمن و غیر ھا یکفر** واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوٰی رضویہ، ج ٦، ص ١٩٥۔ ١٩٦ مطبوعہ، کراچی)

مذکورہ نظم میں پیر کے بارے میں مرید کے نظریات وہ ایسے القاب جن سے حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی ذاتِ یکتا مختص ہے اپنے پیر کے لیے لا رہا ہے۔ بلکہ خدا کی طرح اسے احد لایموت ولم یزل اور

قیوم بھی کہہ رہا ہے تو اعلیٰ حضرت نے بعض کلمات کو موہم کفر و منجر بکفر اور بعض کو کفر قرار دیا ہے۔ مجمع الانہر کی جس عبارت کا حوالہ اعلیٰ حضرت نے دیا ہے، اس کا مقصود و مفہوم یہی نظر آتا ہے کہ خداوند کریم کے لیے جو اسماء مختص ہیں اگر انہیں اسی مفہوم میں مخلوق کے لیے استعمال کیا جائے تو کفر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ومن قال لمخلوق یا قدوس اوالقیوم اوالرحمٰن اوقال اسماً من الخالق کفر انتهی وهو یفید انه من قال لمخلوق یا عزیز و نحوه یکفر ایضاً، الا ان اراد بهما المعنی اللغوی لا الخصوص الاسمی، والا حوط ان یقول یا عبدالعزیز ویا عبدالرحمن. (ص۱۹۳)۔

ترجمہ: اور جس نے کسی مخلوق سے (مخاطب ہوکر) کہا، یا قدوس، یا قیوم یا رحمٰن یا خالق کے ناموں میں سے کوئی نام لیا، کافر ہوگیا (انتہی) اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جس نے مخلوق کو یا عزیز، وغیرہ کہہ کر خطاب کیا تو اسی طرح وہ بھی کافر ہو جائے گا، مگر یہ کہ ان سے لغوی معنی مرد لے نہ کہ اسمی خصوصیت (یعنی لغوی معنی ملحوظ رکھ کر خدا کے کسی (صفاتی) نام کا اطلاق مخلوق پر کرے گا تو کافر نہیں ہوگا، ہاں احتیاط اسی میں ہے کہ (یا عزیز یا رحمٰن کہنے کے بجائے) یا عبدالعزیز یا عبدالرحمٰن کہے۔

خلاصہ: القیوم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے لیے مجازی معنی پر مستعمل ہوتا ہے تحقیق آگے آئیگی (ان شاءاللہ) اور یہ بھی قرآنی محاورات سے ثابت ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا اطلاق مخلوق پر جائز ہے جب کہ اللہ کے لئے حقیقی معنی مراد ہوگا اور مخلوق کے لئے مجازی نقشہ ملاحظہ ہو۔

اطلاقات الحقیقة المجاز علی الخالق والمخلوق:

فقیر ذیل میں چند نمونے قرآنی آیات کے پیش کرتا ہے جس سے واضح ہوگا کہ صفات کا اطلاق مخلوق پر خود اللہ نے فرمایا ہے۔

(نمبرشمار)	(اللہ تعالیٰ)	(مخلوق)
(۱۔۲)	سمیع بصیر	ہرانسان کے لئے فرمایا ’’فجعلنا ہ سمیعا بصیراً
۳	علیم (جل جلالہ)	**فوق کل ذی علم علیم**
۴۔	خبیر (جل جلالہ)	اپنے حبیب کے لیے فرمایا ’’فاسئل بہ خبیرا‘‘
۵۔	خیر المنزلین	حضرت یوسفؑ نے فرمایا انا خیر المنزلین
۶۔	الرزاق	بندوں کو فرمایا تھا فارز قوھم
۷۔	مدبر الامر	فرشتوں یا ولیوں کے لیے فرمایا فالمدبرات امراً

اس قسم کی آیات واحادیث بکثرت ہیں فقیر نے اپنے رسالہ ’’فنا وبقا‘‘ میں اکثر کو مذکورہ بالا طریقہ سے لکھ دیا ہے۔

جب دلائل سے ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات وصفاتی اسماء کا اطلاق اسکی مخلوق پر آتا ہے خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر فرمایا گیا ہے تو اسی پر قاعدہ اسم قیوم کا بھی غیر اللہ پر اطلاق کیے جانے میں کوئی شرک نہیں کیونکہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ اللہ کے قیوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے۔ سارے عالم کا مدبر ونگران اور قیام وبقاء کا ضامن ہے، وہ ہمیشہ سے قائم، لازوال اور تغیر وتبدل بلکہ مکان وزمان اور جہت وتحیز سے بھی پاک ہے لیکن یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے۔ کسی دوسرے کے لیے خواہ نبی علیہ السلام ہوں یا کوئی ولی اللہ اس کا اطلاق شرک ہے جس کی تفصیل گزری ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بطور قاعدہ لکھا ہے کہ ’’صفات باری تعالیٰ کا مخلوق پر اطلاق جائز ہے جبکہ خالق ومخلوق کا فرق واضح ہے‘‘۔ اسی لیے لفظ ’’قیوم‘‘ اگر مخلوق کے کسی فرد پر اس کا اطلاق کیا جائے تو وہاں اس کا معنی ہوگا دنیا کی بقا کا ذریعہ وسیلہ، یعنی کوئی بندہ اللہ کی خلافت کے منصب پر فائز ہوجائے تو رب کریم اسے اپنی شان قیومیت کا مظہر بنا کر دنیا کے لیے بقا کا ذریعہ ٹھہرادے۔ یہ تصور بھی متعدد آیات واحادیث میں موجود ہے۔ بعض آیات کا ذکر تو اوپر آچکا ہے، اب بندہ خدا پر قیوم کے اطلاق کی بحث فقیر آگے چل کر عرض کرتا ہے یہاں وہ آیات پیش کردوں جن میں قیومیت کا مفہوم واضح ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً و ارزقوھم فیھا و اکسوھم وقولوا لھم قولاً معروفاً (النساء ۵) نادانوں کو اپنے مال کہ خدا نے تمہاری ٹیک بنائے ہیں نہ دو اور

انہیں ان میں رزق دو اور کپڑا پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو۔ آیت کے اس حصے پر مزید غور فرمائیے۔ **اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً** یعنی وہ تمہارے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیام (یعنی ٹیک یا گزارہ) بنایا ہے۔

اگر مال وجہ قیام ہیں تو اولیاء کرام جنہیں قرآن پاک میں مدبرات امر فرمایا گیا، دنیا کے لئے وجہ بقاء و قیام کیوں نہیں ہوسکتے ضرور ہوسکتے ہیں اس کی مفصل و محقق ابحاث فقیر کے رسائل ذیل میں پڑھیے "(۱) **ظہور الکمال فی وجود الابدال** (عربی) (۲) **الکمال فی احوال الابدال**. (۳) **سبیل الرشاد فی تحقیق الاوتاد**" بقدر ضرورت یہاں ملاحظہ ہوں۔۔۔۔

ابدال اولیاء اللہ کے ایک گروہ کا نام ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکے وجود سے زمین کو قائم رکھا ہے اور وہ ستر ہیں چالیس ملک شام میں اور تیس دوسری جگہوں میں ان میں سے جب کسی کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا قائم کردیا جاتا ہے[۱۱]۔

احادیث صحیحہ میں ان کے وجود اور کمالات کا ذکر موجود ہے۔

عن شریح بن عبید قال ذکر اھل الشام عند علی و قیل العنھم یا امیر المومنین قال لانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الابدال یکونوا بالشام وھم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث و ینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب.[۱۲]

ترجمہ حضرت علی کے سامنے اہل شام کا ذکر ہوا تو عرض کی گئی آپ اہل شام پر لعنت بھیجیے۔ آپ نے فرمایا میں کیسے لعنت بھیجوں جبکہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہتے سنا۔ فرمایا ابدال شام کے ملک میں ہوتے ہیں وہ چالیس (۴۰) ہیں۔ جب ان میں کوئی فوت ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض دوسرا مقرر کرتا ہے۔ ان کے صدقے اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے اور دشمنوں پر فتح دیتا ہے اور ان کے طفیل اہل شام سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

حدیث مذکورہ و دیگر احادیث صحیح متواتر المعنی کا منکر بے شک انکار کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا ان ابدال کے وجود سے قائم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **لا تاتی الساعة حتی لا یقال الله الله**
ترجمہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہا جاتا رہے گا اللہ اللہ۔ ۱۳

یہ سلسلہ آدم علیہ اسلام کے زمانے سے لیکر نبی آخر الزماں ﷺ تک رہا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر ظہورِ امام مہدی و نزول عیسیٰ تک رہے گا۔ کائنات کے قیام و نظام کا دارو مدار انہی رجال الغیب پر ہے عبد و معبود کا تعلق انہی کی تعلیمات و ہدایات پر قائم ہے یہی امور تکوینیہ کے انصرام اور تصرفات کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں انکی برکات سے بارشیں برستی ہیں اور سبزیاں اگتی ہیں۔ کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات انہی کی نگاہِ کرم کے مرہون منت ہیں۔ شہری آبادیاں تقلب احوال اور سلاطین کے عروج و زوال' انقلابات زمانہ' اغنیا و مساکین کے حالات میں رد و بدل' اصاغر و اکابر کی ترقی و تنزل' نجوم و کواکب کا اجتماع و انتشار' بلاؤں اور وباؤں کا دفع ہونا وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی عطا و اذن سے بیشمار طاقتوں کا مظاہرہ انہیں کے اختیار میں ہے جس سے بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں، فقیر نے مذکورہ ''ڈیوٹیوں کے اثبات میں دلائل اپنے رسائل میں لکھ دیے ہیں ایک حوالہ بیان کرتا ہوں صاحب روح البیان نے'' والجبال اوتاداً کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

قال بعضهم الاوتاد الحقیقة سادات الاولیاء و خواص الاصفیاء فانهم جبال ثابته و بهم تبثت ارض الوجود. ۱۴

ترجمہ: بعض نے کہا اوتاد در حقیقت سادات اولیاء اور خواص اصفیاء ہیں اس لیے کہ وہ جبال ثابتہ ہیں کہ ان سے ہی ارض الوجود ثابت ہے۔

قرآنی آیات

(۱) ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات باذن الله.

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں سب سے بڑھنے والا ہے۔

(۲)۔ انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان ان الانسان کان ظلوماً جھولا۔

ترجمہ ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے ہاں پیش کی لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

فائدہ: حضور مجدد الف ثانی فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ہم تاویل یہاں بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوگئی ہے۔ **ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا** (یا اللہ ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر)۔

جاننا چاہیے کہ **ان اللہ خلق آدم علی صورتہ** (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ صورت پاک سے پاک اور برتر ہے۔ پس آدم کا اس کی صورت پر پیدا ہونا اس طرح ہوسکتا ہے کہ اگر مرتبہ تنزیہ کی صورت عالم مثال میں فرض کی جائے تو بیشک یہ صورت جامع ہوگی جس پر یہ انسان جامع موجود ہوا ہے۔ دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہوسکے اور اس کا آئینہ بن سکے۔ یہی باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے۔ کیونکہ خلیفہ جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شے کا خلیفہ اس کا خلف اور قائم مقام ہوتا ہے۔ چونکہ انسان، رحمٰن کا خلیفہ بن گیا۔ اس لئے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا۔ **یحمل عطایا الملک الا مطایاہ** (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) آسمان اور زمین اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے لاتے تا کہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اس کی خلافت کے لائق ہو کر بار امانت کو اٹھا سکتے۔

محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے۔ جو انسانِ کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسانِ کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو تمام ظاہری و باطنی کمالات کا

افاضہ اور بقا اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اسی کا وسیلہ پکڑتا ہے۔ غرض حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں۔ فرمایا انه كان ظلوما۔ یعنی اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ وجود اور توابع وجود کا کوئی نام ونشان اور اثر وحکم باقی نہیں چھوڑتا۔ واقعی جب اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہوسکتا۔ جھولا۔ یعنی اس قدر جاہل کہ اس کو اپنے مطلوب کا علم وادراک نہیں۔ بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے۔ یہ عجز وجہل اس مقام میں کمال معرفت ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے۔ اور جو سب سے زیادہ عارف ہوگا۔ وہی بار امانت کے لائق ہوگا۔ یہ دونوں وصف گویا بارِامانت کے اٹھا لینے کا باعث ہیں۔ یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے مرتبے سے مشروف ہوا ہے۔ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں۔ انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن وزیر کے ذریعے سے پہنچتے ہیں۔

اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جو بزرگواروں کی وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوں

بر کریماں کارہا دشوار نیست
کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

وارثان کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی ظالم نفسه ہیں جو منصب وزارت وقیومیت سے مشرف ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد سے تعبیر فرمایا، وہ لوگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور صاحب سر اور اہل مشورت ہیں۔ اگرچہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشیں، غمخوار اور انیس ہوتا ہے یعنی خلیل اپنے آرام کے لیے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کے لیے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

اس مقام عالی یعنی خلت کے سرحلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا وہ لوگ جن کو اس مقامِ عالی سے مشرف فرمائیں۔ مقام خلت کے اوپر مقام محبت ہے جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے

گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات ہیں، مشرف ہوے ہیں۔ یار وندیم اور ہوتا ہے اور محبّ و محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو محبّ و محبوب کے درمیان گزرتے ہیں، یار وندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں۔ اگر چہ کمال الفت وانس کے وقت محبت کے خفیہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اس کو محبّ و محبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔

محبوں کے سر حلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ان بزرگوں کی وراثت اور تبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرمائیں اور وہ مقامات جو مقامِ محبت سے اعلیٰ ہیں، اس فقیر کے کسی مکتوب میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان میں بھی صدر نشین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں **ربنا اتنا من لدنک رحمةً وَّ ھی لنا من امرنا رشدا** (اے ہمارے رب تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بھلائی ہمیں مہیا فرمادے) **والسلام علی من اتبع الھدیٰ** (دفتر دوم، مکتوب ۴۷)

سیدنا مجدد الف ثانی کی اس تشریح کے بعد زیادہ بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ نے اسے منصب خلافت سے تعبیر فرمایا ہے جو قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے ہر انسان کو یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ انسانِ کامل سے مختص ہے۔ ذرا حضرت مجدد کے ان لفظوں کو دیکھیں۔

> وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسانِ کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسانِ کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلیفہ ہونے کی وجہ سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقا اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔

ملک العلماء علامہ عبد العلی لکھنوی علیہ الرحمۃ اپنے رسالے **وحدة الوجودو شهود الحق فی کل موجود** میں فرماتے ہیں۔

> انسان کامل اللہ کے تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے۔

قیومیت اور مجدد الف ثانی

سیدنا مجدد الف ثانی بھی انہی رجال الغیب سے ہیں بلکہ انکے سالار اور سردار ہیں ہم اہل سنت کو بلکہ

منکرین اولیاء کی تمام ٹولیوں کو اعتراف اور اقرار ہے اور الحمد للہ آپ (مجدد الف ثانی) بھی اسلاف صالحین اور اولیائے کاملین کے قدم بقدم ہیں اگر کہیں ان سے اختلاف فرماتے ہیں تو صرف لفظاً اختلاف ہوتا ہے تفصیل کا موقع نہیں ان اختلافات میں سے ایک یہی اصطلاح قیومیت بھی ہے کہ یہ بھی صرف لفظاً ایک الگ اصطلاح محسوس ہوتی ہے اور حقیقت وہی ہے جو اکابر کاملین و اسلاف صالحین کا منشور و دستور ہے چنانچہ حضرت العلام مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا ہے، حضرت مجدد نے بھی وہی کچھ کہا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے دفتر دوم کا مکتوب ۱۱ اور دفتر سوم کا مکتوب نمبر ۸۰ ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قیوم کہتے ہیں اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے چونکہ قیوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فرد اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہٰذا وہی صفت اس کے منصب کا نام ہونی چاہیے۔ القیوم مدبر السمٰوٰت والارض، کل شیئ قائم بامرہٖ (قیوم آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے ہر شے کا قیام اس کے امر سے ہے) (ص ۶۵)۔ ''جو بات شیخ نے کہی ہے اور حضرت مجدد نے کہی ہے، تمام مشائخ نے کہی ہے۔ فرق تو صرف نام میں ہے۔ کسی نے غوث کا نام رکھا، کسی نے قطب الاقطاب کا، کسی نے قطب مدار کا، کوئی مشکل کشا کہتا ہے، کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم۔ حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے، حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا، حضرت مجدد قیوم، منصب ایک ہے، نام مختلف'' (ص ۶۶)

اس کی مزید تصدیق ملفوظات اعلیٰ حضرت سے ہو جاتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو!

عرض......غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟

ارشاد......بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے ؟

عرض......غوث کے مراقبے سے حالات منکشف ہوتے ہیں؟

ارشاد......نہیں بلکہ انہیں ہر حال یونہی مثل آئینہ پیش نظر ہے۔

اعلیٰ حضرت کے الفاظ ''بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے''۔ پر غور فرمایئے، اگر یہ بات سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو ہماری اس تحریر پر شاہد عادل ہے کہ جس کے بغیر زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے، اگر اسے قیوم یا قیوم عالم کہہ لیا جائے تو کونسا حرج ہے جبکہ وہ اکابر کی اصطلاح میں غوث ہے یعنی ''قائم'' رکھنے

والا قیومِ حقیقی خالقِ ارض وسماء ہے اور جس کے ذریعے اور واسطے سے قائم رکھا ہے وہ اس کا سچا نائب، غوث اور مجدد الف ثانی کے الفاظ میں خلیفہ ہونے کی وجہ سے قیومِ عالم ہے۔ یہ قیوم، قیومِ حقیقی کی طرح خالق، ممکن الوجود، حادث اور زمانی و مکانی ہے۔ ہاں بندگی اور قرب کے اس مقام پر فائز ہو چکا ہے کہ قیومِ حقیقی کی ذات اور صفات کا مظہر کامل ہے (جب کہ ہر مخلوق اپنے خالق کی شانِ تخلیق کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مظہر ہے) (تقریر علامہ آسی پروفیسر)

سوال: قیوم اور قیومیت کی اصطلاح سب سے پہلے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ ہی نے کیوں اختیار فرمائی حالانکہ اس سے انتشار ہوتا ہے اور فتنے کا خطرہ بھی۔

فقیر نے الزامی جواب مخالفین یا سیدنا مجدد الف ثانی کے القابات کے منکرین کے لیے لکھا۔ اب تحقیقی جواب ملاحظہ ہو کہ حضرت علامہ مولانا ابوالحسن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں لکھا کہ اب خیال کرنا چاہیے کہ اس عبارت میں کون سی بات قواعد شرعیہ کے خلاف ہے، جو کہ سید الانبیاء والمرسلین ہیں اور نبوت آپ کو اس وقت سے بھی پیشتر ملی تھی جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا نہ بنا تھا۔ جیسا کہا آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **کنت نبیا وادم بین الروح والجسد** جب تک آپ کا ظہور نہ ہوا تھا۔ آپ کی نیابت انبیاء کرام علیہم السلام کرتے رہے۔ لیکن آپ کے بعد یہ منصب آپ کی امت کے جلیل القدر افراد کے سپرد ہوا۔ یہ مقام اور یہ رتبہ از روز اول موجود ہے اور اس کے شایانِ شان افراد بھی ہوتے چلے آرہے ہیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے غایت مافی الباب میں اس نام سے یہ رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب تک وظیفہ خلافت حضرات انبیاء علیہم السلام سے متعلق رہا ہے۔ اظہار کی ضرورت نہ تھی کیونکہ نبوت کا مقام ان تمام مراتب عالیہ کو لیے ہوئے ہے۔ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی۔ اور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتب عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو، چنانچہ جب بھی جس عہد کے ظہور کا وقت آیا وہ عہدہ ظاہر ہوا۔ یعنی قطب، غوث وغیرہ اور قیومیت کا ظہور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ کی مبارک ذات سے ہوا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم**۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عربی زبان موجود تھی، لیکن اس کی تدوین کا شرف ائمہ لغت کو ملا۔ نحو وصرف کا وجود تھا لیکن ایک فن کی شکل میں علمائے نحو وصرف نے ظاہر کیا۔ علمِ کلام کا ظہور شیخ ابوالحسن اشعری، شیخ ابومنصور ماتریدی وغیر ہما سے ہوا علمِ فقہ کا ظہور امام اعظم، امام شافعی وغیر ہما سے ہوا۔ آدابِ طریقت کا بیان اور طرقِ موصلہ الی اللہ کا اظہار اور اولیاء اللہ کے مراتب غوث، قطب وغیرہ کی نشاندہی حضرت جنید بغدادی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت شیخ احمد بدوی، حضرت نجم الدین کبریٰ، حضرت محمد بہاؤالدین نقشبندی بخاری۔ **وامثالھم قدس اللہ اسرارھم وعلینا من برکاتھم ومعارفھم** سے ہوئی۔ یہ تمام علوم اور معارفِ عالیہ جناب رسول خدا ﷺ کے علوم ومعارف کا ظہور ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے **اوتیت علم الاولین و آلاخرین.** قیومیت کے اظہار کے لیے ایسے فرد کامل کی ضرورت تھی کہ علمِ ظاہر و باطن میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہو۔ صاحب صحو اور ہوش میں ہو۔ خداوندِ عزم اور قوی العمل ہو۔ ان صفات جلیلیہ سے پروردگار نے حضرت امام ربانی کو پوری طرح متصف فرمایا تھا لہٰذا اس کام کے لیے۔

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اپنی تصریحات اور پھر حضرت زید فاروقی علیہ الرحمۃ کی تشریحات کی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہو گیا ہے کہ حضرت مجدد کو اس معنی میں قیوم اوّل نہیں کہتے کہ آپ سے پہلے کوئی قیوم نہیں۔ قیومیت تو خلافت کا لازمہ ہے، لہٰذا قیومِ اوّل تو اس اعتبار سے حضرت ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام ہوئے بلکہ حقیقت میں وہ ذات پاک جنہیں سب سے پہلے نبوت عطا ہوئی یعنی سیدالمرسلین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ جو قادرِ مطلق کے نائبِ مطلق، اصلِ موجودات اور تاجدار لولاک لما ہیں۔ انہیں کے صدقے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت اور شانِ مسجودیت عطا ہوئی۔ انبیاء ومرسلین اپنے اپنے دور میں اس منصب پر فائز رہے انہیں قیوم کہنا اس لیے نامناسب تھا کہ یہ منصب ان کی نبوت ہی کے ضمن میں مل گیا تھا اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے مناسب اور اہم اور اعلیٰ لفظ نبی و رسول ہے اور حضور سرورِ عالم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے ساتھ سلسلہ نبوت و رسالت تو ختم ہو گیا مگر ولایت و قیومیت کا سلسلہ قائم رہا۔ صحابہ کرام، اہل بیت اور ان کے بعد بھی نمایاں افراد اس پر فائز ہوتے رہے۔ مگر اس کا ظہور حکمتِ خداوندی کے تحت حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ذریعے ہوا۔ اسی وجہ سے انہیں

قیوم اوّل کہا جاتا ہے اور پھر قیوم اوّل نے اپنے بعد آنے والے قیوم کی بشارت دی تو وہ قیوم دوم، پھر یوں ہی سلسلہ قیوم سوم اور قیوم چہارم تک پہنچا۔ یقیناً اب بھی جاری ہے اور قیامِ قیامت تک رہے گا۔ چونکہ قیوم چہارم کے بعد کوئی واضح اور حتمی تصریح نہیں تھی لہٰذا پنجم وششم کے بغیر ہی منصب چل رہا ہے اور مختلف اہل عقیدت اپنی اپنی عقیدت، محبت یا بعض اہل مشاہدہ کے اشارات کی بناء پر کسی کو قیوم قرار دیتے رہتے ہیں۔

اگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سیدنا الف ثانی کے بارے میں بدظن ہوتے تو کھلم کھلا تنقید کرتے ۱۵۔ اظہار فرمادیتے جو آپ کی شانِ مجددیت کا تقاضا بھی تھا اور فطرتِ سلیمہ کا بھی کون نہیں جانتا کہ اعلیٰ حضرت کا علم بہت وسیع تھا اور اس سے بھی زیادہ قابل تعریف آپ کا حق بات برملا کہنے کا جذبہ تھا۔ آپ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** (ان پر کوئی خوف وحزن نہیں) کی عملی تصویر اور **لا یخافون لومة لائم** (کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے) کی مجسم تفسیر تھے۔ کیا آپ نے مکتوبات شریفہ کا مطالعہ نہیں فرمایا تھا اور کیا آپ کو حضرت شیخ مجدد کے دعویٰ قیومیت کا علم نہیں تھا۔ یقیناً تھا پھر اس صورت میں آپ کا حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھنا کس معنی میں ہے۔ سوا اس کے کہ آپ کے نزدیک فقہا کا فتویٰ کفر اس شخص پر ہے جو کسی مخلوق کو خالق کی طرح قیوم مانے۔ جب شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت سلطان اورنگزیب عالمگیر، حضرت مظہر جانِ جاناں، آپ کے شیخ الشیوخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان سے پہلے ان کے والد شیخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ عنہم جو سب کے سب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ممدوحین ہیں، حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو قیوم مانتے اور لکھتے تھے تو معاذ اللہ اعلیٰ حضرت اس کو کفر کیوں کر کہہ سکتے تھے اور فقہا کے فتویٰ کفر کا وہ منشا کیوں لیتے جو دور حاضر کی انتشار پسند، منہ پھٹ اور مفسدہ پرداز طبائع کا خصوصی ہتھیار ہے (تقریر علامہ آسی)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے رمز شناس بے شمار گزرے اور اب بھی ہیں جو اعلیٰ حضرت کی تحریر مبارک اور تحقیق مقدس کو خوب جانتے ہیں انہیں میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ آپ اشرف التفاسیر یعنی تفسیر نعیمی پ ۳ میں آیۃ الکرسی کے تحت، القیوم، کے ضمن میں صفحہ ۳۰۔۳۱ میں لکھتے ہیں۔

رب تعالیٰ قیوم حقیقی ہے کہ اس کے ارادہ واذن سے عالم موجود وقائم ہے

اور بعض حضرات اولیاء قیوم بالعرض ہیں جن کے عالم کو رب نے قائم کر رکھا ہے۔ یہاں قیوم حقیقی یعنی جہاں کو رکھنے والا مراد ہے یہ رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے''۔ پھر صفحہ ۳۷۔۳۶ پر ہدایت ضروری کے ذیلی کے عنوان سے لکھتے ہیں صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ قیومیت بھی ہے اس درجہ والے لوگ قیومِ عالم کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی کتب میں بعض اولیاء کو قیومِ اول اور قیومِ دوم وغیرہ کہا گیا ہے۔ وہاں قیوم کے معنی ہی اور ہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ کسی بندہ کو قیوم کہنا کفر ہے۔ ان کا یہ مطلب ہے کہ جس معنی سے خدا کو قیوم لکھتے ہیں۔ اس معنی میں اوروں کو قیوم کہنا کفر ہے خدا تعالیٰ عالم کا قائم رکھنے والا ہے لہٰذا وہ قیوم ہے ان حضرات کے ذریعے عالم قائم ہے جیسے مرکز سے دائرہ اور دیوار سے چھت۔ لہٰذا وہ قیوم عالم ہوئے۔ چونکہ آسمان و زمین مثل دائرہ گول ہیں اور دائرہ میں مرکز قطبین وغیرہ سب ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عالم میں ابدال، اوتاد و قطب اور قیوم ہونا ضروری ہے جن سے عالم باقی رہے۔ دیکھو رب کا نام بھی علی ہے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بھی علی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے معنی میں بڑا فرق ہے ان حضرات کے نزدیک قطب عالم یا قیوم عالم سے تمام جہاں اسی طرح قائم ہے۔ جیسے خیمے کی چوب سے خیمہ یا دل سے تمام جسم کہ خیمے اور جسم کو رب تعالیٰ ہی قائم رکھے ہوئے ہے مگر ان اسباب کے ذریعے سے یہ بات ضرور خیال رکھیں کہ اسی لفظ قیوم پر بہت دھوکا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نعیمی پ ۳ الف سورۃ آل عمران لفظ قیوم کے نیچے لکھتے ہیں کہ قیوم حقیقی معانی کو قائم رکھنے والا صرف رب تعالیٰ ہے اس کے بعض بندے قیام عالم کا ذریعہ ہیں حدیث شریف میں ہے کہ تارے‘ چاند‘ سورج‘ آسمان کے بقاء کا ذریعہ ہیں اور میرے

صحابہ زمین کا وسیلہ اسی لیے صوفیہ کرام کی اصطلاح میں بعض بزرگوں کو قیومِ اول قیوم دوم کہا جاتا ہے بعض اولیاء اللہ عالم کی حاجت روائی کا ذریعہ ہیں حضور انور ﷺ چالیس ابدال کے متعلق فرماتے ہیں کہ انکی برکت سے لوگوں پر بارشیں ہونگی جنگوں میں فتح و نصرت نصیب ہوگی لہٰذا یہ حضرات مجازاً قیوم، ہیں۔

حکیم الامت اور اعلیٰ حضرت

حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جملہ اہلِ سنت کو علم ہے کہ آپ کی زندگی مبارک اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تحقیق کی اشاعت میں گزری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلاف نہیں لکھا۔ اعلیٰ درجہ کے مقرر بھی تھے تاحال بہت سے آپ کی تقریر دلپذیر اور روزانہ درس قرآن سننے والے موجود ہیں۔ کوئی بات بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلاف نہ سنی گئی نہ دیکھی گئی بلکہ عمر بھر حمایت رضا میں خود کو ایک سپاہی سمجھتے اور کہتے رہے اس کے لیے مزید کہنے لکھنے کی ضرورت نہیں۔

بہر حال امام ربانی رضی اللہ عنہ دوسرے ہزار سال کے مجدد ہیں اگر اصطلاحات کی تجدید فرماتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اگر کوئی آپ کو ہزار سال کا مجدد نہیں مانتا بطور تنزل صرف مجدد مانتا ہے تو بھی مجدد جو کہتا ہے وہ غلط تو نہیں کہتا۔ پھر مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے ولایت کے اعلیٰ مرتبہ کو پایا اور ہم ہر ولی اللہ کو معصوم نہ سہی محفوظ تو مانتے ہیں انکے اقوال و احوال اپنے لیے ارشادات ربانی سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں بلا نکیر یہی دو القاب، مجدد الف ثانی اور قیوم زمان کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ ورنہ اگر سمجھ نہ آئے تو بھی بقول علامہ

عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ

☆……☆……☆

حواشی

۱……مکتوبات امام ربانی: دفتر ثالث، مکتوب ۷۹۔۸۰

۲……امام راغب اصفہانی: مفردات جلد ۱ ص ۴۱۷،

۳……امام رازی: تفسیر کبیر ج ۲، ص ۳۰۹

۴……ابن عباس: تفسیر ابن عباس، ص ۲۹

۵......معالم التنزیل جلد اول، ص ۲۳۸

۶......تفسیر خازن ۱۲۰/۱۹۵

۷......تفسیر جمل

۸......تفسیرات احمدیہ

۹......قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری

۱۰......النھایۃ، ص ۱۳۵

۱۱......فقیر کی تصانیف کے علاوہ مندرجہ ذیل اسلاف کی تصانیف میں تفصیل پڑھیے۔

۱۔ اجابۃ الغوث از علامہ ابن عابدین۔
۲۔ المنجلی فی تطور الولی از امام سیوطی۔
۳۔ الخیر الدال وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال از امام سیوطی۔
۴۔ احوال ابدال از امام سیوطی۔

۱۲......رواہ احمد، مشکوٰۃ، ص ۵۸۳

۱۳......بخاری، مشکوٰۃ

۱۴......روح البیان ج ۲، ص ۹۶۔

نہایت افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ بعض منحوس دماغ یہ کہہ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو مجدد الف ثانی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی حالانکہ اعلیٰ حضرت کی نہ صرف دلچسپی تھی بلکہ مکمل ہم آہنگی تھی خدا بھلا کرے علامہ غلام مصطفیٰ مجددی شکرگڑھی کا کہ انہوں نے ایک ضخیم تصنیف لکھ دی بنام ”مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی“ اس کا مطالعہ ہر سنی رضوی کے لیے ضروری ہے

☆......☆......☆

ملفوظات شاہ نقشبند علیہ الرحمہ نوشتہ خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ

اگر کسی شخص میں طلب کی خواہش پیدا ہو تو چاہئے کہ اہل اللہ کی صحبت کا طالب ہو۔ یہ جذبۂ طلب بھی اس شخص کے حق میں محض فضلِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوتا ہے۔

ملک طلبش بہر سلیمان ندہند
منشور غمش بہر دل و جان ندہند

ترجمہ: ''اس (اللہ تعالیٰ) کی طلب کا جذبہ وشوق ہر سلیمان کو نہیں دیتے ہیں اور اسکے عشق (الٰہی) کا منشور ہر شخص کو نہیں دیتے ہیں۔۔۔۔'' یعنی عشق الٰہی کے سبب یادالٰہی کا شوق حاصل ہونا فضلِ الٰہی پر منحصر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کیلئے اہل اللہ کی صحبت میسر کر دیتا ہے، سالک کو چاہئے کہ اس بڑی نعمت یعنی صحبتِ اہل اللہ کی قدر کو پہچانے۔ اگر ایسی صحبت میسر آ جائے تو چند لمحات گوش دل کو اہل اللہ کی باتیں سننے کے لئے وقف کر دے اور اس کی اللہ سے توفیق طلب کرے تاکہ اس کو اسی صحبت میں تقویت و تربیت حاصل ہو۔

اہل اللہ کی نگاہ ایسے طالبان حق کیلئے جن میں یہ طلب بے اختیار ظاہر ہوتی ہے۔ بہت زیادہ بااثر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص میں ایسی طلب ان کے اختیار سے ظاہر ہوتی ہے تو ایسا اختیار مقام خطر ہوتا ہے۔ ایسے اختیار کی باطن میں نفی نہایت ضروری ہے تاکہ ان کے اختیار کے بغیر غیب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کا ظہور ہوتا رہے اور مبتدی لوگوں اور اہل طلب کیلئے اللہ تعالیٰ اور اہل اللہ کے نزدیک اس قول کا نفاذ اور تعظیم ہوتی ہے کہ

> ''اے داؤد (علیہ السلام) جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اسکا خادم ہوجا'' (حدیث قدسی) (رسالہ قدسیہ، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ پنجم

تیری ہر تحریر سے ظاہر ہے تیرا مرتبہ
عارفِ کامل ہے تو اور صاحبِ اسرار ہے
(اخترؔ)

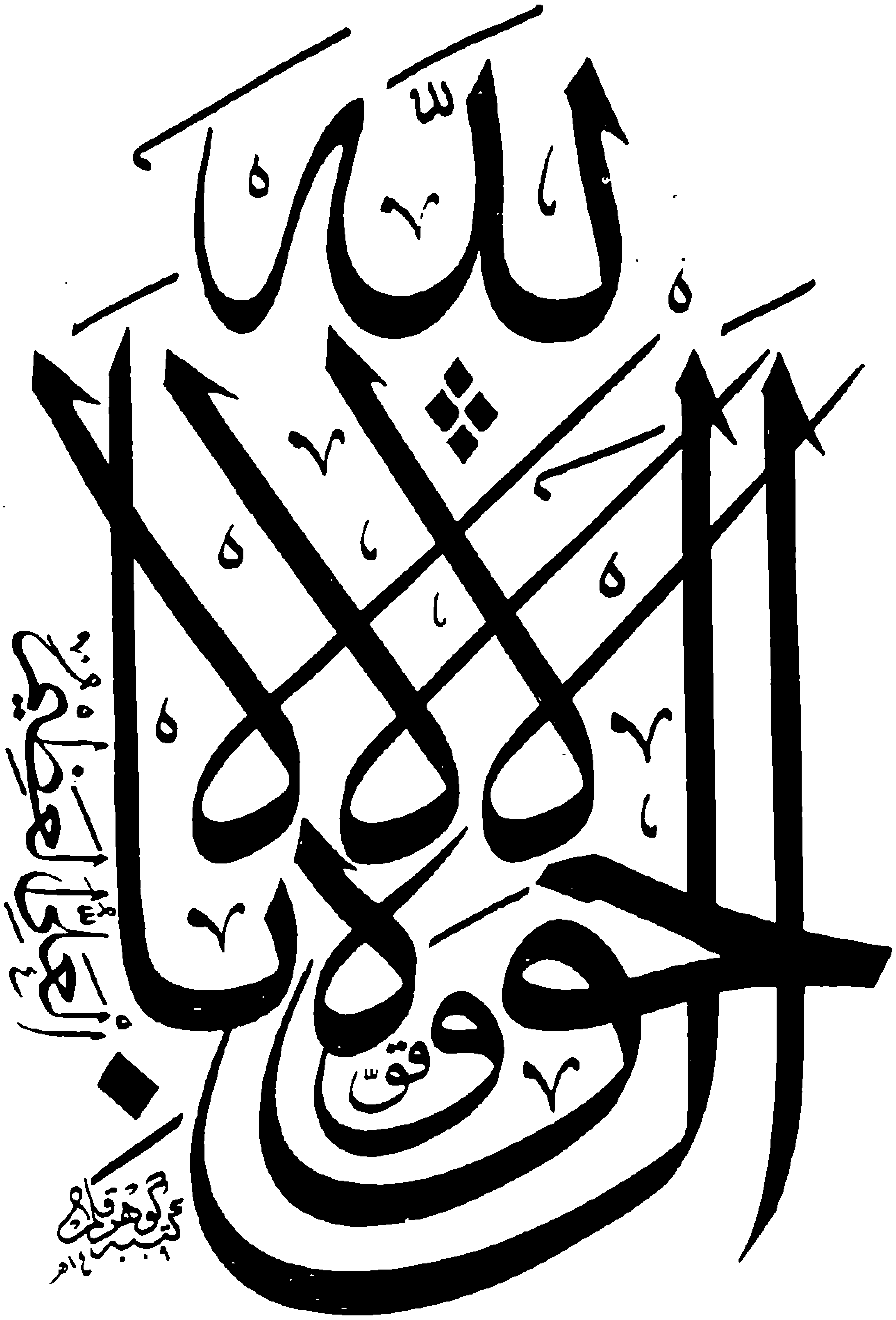
لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم
کتبہ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ' ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امام ربانی......عرفان کے مجتہدِ اعظم

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

(مانچسٹر، برطانیہ)

☆☆

امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ' وہ عظیم ہستی ہیں جنھوں نے علم وعرفان کے وہ چراغ روشن کیے ہیں جن کی ضیا پاشیاں اور تابانیاں قیامت تک آنیوالے فرزندانِ توحید اور سالکینِ راہ کو جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے ''سُبُل السَّلام'' (سلامتی کی راہوں) کو منوّر کرتی رہینگی۔ امام ربانی کے مکتوبات، علم وعرفان اور معرفتِ خداوندی کا آئینہ اور حسین مرقع ہیں۔ تین دفتروں پر مشتمل، پانچ سو سے زیادہ مکتوبات میں سے ہر مکتوب کے بارے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ

ع- ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی

علم وعرفان اور معرفتِ خداوندی کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں سے فقط ایک مکتوب میں سے چند سطور پر مشتمل ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

> درہماں مقام یک کوشکِ عالی ظاہر شد کہ زینہا نہادہ اند آنجا برآمد وآں مقام ہم در رنگ عالم بتدریج فرو رفت وساعۃ فساعۃ خود را مُتَصاعد ے یافت اتفاقاً نمازِ شکر وضو میگذارد کہ مقامے بس عالی نمایاں شدہ واَ کابر اربعہ نقشبندیہ را قدس اللہ اسرارھم درآں مقام دید، مشائخ دیگر ہم مثل سید الطائفہ وغیرہ درآنجا بودند وبعضے دیگر مشائخ بالائے آں مقام ہستند اَمّا قوائم آنرا گرفتہ نشستہ اند وبعضے پایاں علیٰ تفاوت درجاتھم وخود را بسیار دوراز ان مقام یافت بلکہ مناسبت ہم ندید ازین واقعہ اضطراب تمام

پیدا شد نزدیک بود کہ دیوانہ شدہ برآید واز فرطِ اندوہ وغصہ قالب تہی کند
چندگاہ برین نہج گذشت آخر توجہاتِ علیہ حضرت ایشان خود را مناسب
آن مقام دید اوّل سرِ خود را محاذی آنمقام یافت بتدریج رفت وبالائے
آن مقام نشست بعد از توجہ چنان مخطور شد کہ آن مقام مقامِ تکمیل تام
است کہ بعد از تمامی سُلوک باآن مقام میرسند مجذوبِ سُلوک تمام ناکردہ
را ازان مقام بہرہ نیست و نیز در آن وقت چناں متخیل گشت کہ وصول
باین مقام از نتائج آن واقعہ است کہ در مُلازمتِ حضرت ایشان دیدہ بود
وبعرض رسانیدہ کہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ میفرمایند کہ آمدہ ام تا
ترا علم سمٰوٰت تعلیم کنم[1]۔''

مکتوبِ ہفتم کے اس مختصر اقتباس پر توجہ مرکوز فرمایئے علوم ومعارف کا بحرِ زخار ہے جس کی وسعتوں کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں، ''العاقِل تکفیة الاِشارة '' کے حوالے سے چند اشارات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱......ان مقاماتِ بلند کا مشاہدہ کرنے والی عظیم ہستی، امام ربانی عظمتوں کے عروج وکمال پر نظر آتی ہے[2]۔

۲......یہ مشاہدہ شریعتِ مصطفوی ﷺ کے اتباع کی برکات سے حاصل ہوا ہے جب آپ ''نمازِ شکرِ وضو'' (تحیۃ الوضو) ادا فرما رہے تھے گویا شریعت کے سُنن ومستحبات بھی مُوجبِ صد خیر وبرکت ہیں۔

۳......اس عظیم سعادت واعزاز کے حُصول پر فخر ومباہات کا اِظہار نہیں بلکہ اسے ''بتوجّہات علیہ حضرت ایشان'' اپنے پیر بزرگوار کے فیضانِ صحبت کا ثمر قرار دیا گیا ہے۔

۴......مشائخ اکابر اربعہ نقشبندیہ ودیگر مشائخ عِظام کی زیارت' اس عظیم مقام کے حُصول کی آرزو کو مہمیز، لگا رہی ہے اور عدمِ حُصول کی وجہ سے پیدا ہونے والے اضطراب کا اندازہ محتاجِ بیان نہیں اور حُصول کے بعد سکون وطمانینت کو پیر بزرگوار کی توجہ عالی کا نتیجہ ذکر کیا ہے۔

۵......پیر بزرگوار کی تربیت کے روحانی فیضان سے ذہن وقلب میں جلا اور روشنی اُمڈ رہی ہے جس سے حکمت وبصیرت اور حصولِ سعادت کے موجبات کی نشاندہی ہو رہی ہے۔

۶......مشائخِ عظام کے درجات میں تفاوُت نظر آ رہا ہے[3]۔

۷...... یہ مقام بلکہ مقامِ تکمیل تام، طویل مجاہدے وریاضت سے حاصل ہوتا ہے۔

۸...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آپ کو ''علم سمٰوٰت'' کی تعلیم کا اعزاز بھی شیخِ طریقت اور پیر بزرگوار کی ''ملازمت'' صحبتِ بابرکت اور روحانی تربیت کا ثمرہ ہے۔

۹...... ''الطریق کلّه ادب'' کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی حکایت عروج وکمال کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ اِنکسار و تواضع کی جھلک نمایاں ہے[۴]۔

حکمت وبصیرت کے ایک غوّاص اور غوطہ زن کے لیے اس اقتباس میں سچے موتیوں کی کمی نہیں لیکن اشارۃ النّص سے عبارۃ النّص کی طرف رُخ کرتے ہوئے اب ہم امام ربانی کے مکتوبات سے ان اقتباسات کا جائزہ لیتے ہیں جو صَراحت اور وَضاحت سے اِن معانی ومطلب کے ذِکر پر مشتمل ہیں۔

امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہٗ کے مکتوبات، اسرار ومعارف کا بیش قیمت خزانہ ہیں اور عظمت وفوقیّتِ اسلام، اسلامی تصوف کی خصوصیات، عقایدِ حقّہ توحید ورسالت کو نِکھار کے ساتھ پیش کرنے، ارکان اسلام کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرنے کے دینی وعلمی مباحث میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے انہیں عالمانہ، فاضلانہ، محققانہ اور مجتہدانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ مکتوبات کا مطالعہ کرنے والے نہ صرف یہ کہ آپ کی علمی وروحانی صلاحیتوں کے معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے بلکہ انہیں یقین کی یہ نعمت اور دولت بھی میسر آتی ہے کہ حضرت مجدد واقعی درجۂ امامت ومقامِ اجتہاد پر فائز ہیں۔ آپ کے مکتوبات میں سے دفتر اوّل کو دُرّ المعرفت، دفتر دوم کو نور الخلائق اور دفتر سوم کو معرفۃ الحقائق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے تاکہ علم وعرفان اور معرفت کے ان سرچشموں کی نشاندہی عنوان سے ہی واضح ہو جائے۔

علم وعرفان کے سچے موتی اور امام ربانی کی اجتہادی بصیرت کے علمی براہین پر مبنی چند متعلقہ اقتباسات پیش کرنے سے قبل یہ مناسب ہوگا کہ ان امور کا مختصر جائزہ لے لیا جائے کہ:۔

معرفتِ خداوندی اور علم وعرفان کا مقصد کیا ہے؟ قرآن حکیم اور سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں کیا رہنمائی عطا کی ہے اور معرفتِ خداوندی اور علم وعرفان کے بارے میں مشائخِ عِظام کے ارشادات کیا ہیں؟

قرآنِ حکیم نے جو علوم ومعارف کا عظیم، غیر محدود اور لامُتناہی خزانہ ہے اور جس نے حیاتِ انسانی

کے جملہ شعبہ ہائے حیات میں جامع، کامل، روشن اور محفوظ رہنما اصول عطا فرمائے ہیں انسان کی سب سے بڑی سعادت اور نعمت' معرفتِ خداوندی کو قرار دیا ہے جس سے انسان اور مردِ مومن کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قُرب، معیّت اور رضوان کا حصول میّسر آتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قَدۡ جَآء کم من اللّٰہ نورٌ و کِتٰبٌ مُبینٌ ٥یَھدِی به اللّٰہ مَنِ اتَّبع رِضوانَه سُبُل السَّلام و یُخرجھم من الظلمٰت الی النّور باذنه ویھدیھم الٰی صراط مستقیم ٥[۵]

قرطبی نے امام حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ السّلام: اللہ عزوجل اور علامہ بیضاوی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، اَوَسُبُل اللہ (بیضاوی) یعنی معرفت الٰہی کے وہ خاص راستے جن پر چلنے سے قُربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اٹھادیے جاتے ہیں جو اپنے دِل سے تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے اور اِخلاصِ نیّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے شب و روز تڑپتا رہتا ہے تو آفتابِ محمدی ﷺ کی شعاعیں اس کے لیے ان راہوں کو منور و روشن کر دیتی ہیں جن پر چلنے سے اسے قربِ حق نصیب ہوتا ہے[۶]۔

سورۃ الانعام میں ارشادِ باری ہے:

وَمَاقَدَرُ وااللّٰہَ حَقَّ قَدرِہٖ[۷]

(اور انھوں نے نہ قدر پہچانی اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا)

صاحبِ رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ قدر کا اصلی معنی تو کسی چیز کی مقدار کو جاننا ہے لیکن اب اس کا اِطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سے پہچاننے پر ہوتا ہے اب کثرتِ استعمال سے یہی اس کا معنی حقیقی ہوگیا ہے **واصل القدر معرفة المقدار بالسبر ثم استعمل فی معرفة الشئی علی اتمّ الوجوہ حتّٰی صار حقیقةً فیه روح**[۸]۔

برِّصغیر پاک و ہند میں اسلامی تصوف کے اوّلین محسن' حجۃ الکاملین حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری

المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، فرمانِ خداوندی: **وَمـا خـلـقـت الـجنّ والانـس الالیعبدون**[9] کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

> یہاں یعبدون سے مراد یعرفون ہے یعنی میں نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی معرفت کے سوا اور کسی چیز کے لیے پیدا نہیں کیا اکثر لوگ اس سے غافل ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے دنیا کی تاریکیوں سے نجات دے دی ہے اور ان کے دلوں کو اپنی محبت سے زندہ کر دیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

> **وجعلنا له نورا یمشی به فی النّاس**[10]
> (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی مثال ہیں)
> **کمن مثله فی الظلمات**[11]
> (یعنی ابوجہل)

پس معرفت، حق کے ذریعے، دِل کی زندگی اور حق تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے منھ پھیرنے کا نام ہے، ہر شخص کی قدر و منزلت اس کی معرفت کے مطابق ہے جسے معرفت حاصل نہیں وہ بے قیمت ہے۔ علماء اور فقہاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے صحیح علم رکھنے کو معرفت کہتے ہیں۔ جبکہ صوفیائے کرام کے نزدیک معرفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے حال کا صحیح رکھنا ہے اور یہ اس لیے کہ ان کے نزدیک معرفت علم سے افضل ہے اور حال کی صحت صحیح علم کے بغیر ممکن نہیں مگر علم کی صحت حال کی صحت کی ضامن نہیں ہوتی یعنی جب تک عالم بحق نہ ہو عارف نہیں ہو سکتا مگر عالم کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ عارف نہ ہو[12]۔

سید علی ہجویری علیہ الرحمۃ نے کشف حجاب اوّل۔ معرفتِ خداوندی میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

> **"لـو عـرفـتـم اللہ حـقّ مـعـرفـتـه لـمشیتم علی البحور وزالت بدعاکم الجبال"**[13]۔
> (اگر تم اللہ تعالیٰ کو کماحقہ پہچان لیتے تو تم دریاؤں پر قسم رکھ کر گذر جاتے

اور تمہاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے)

سید علی ہجویری نے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ضمن میں یہ تحریر کیا ہے کہ جب ان سے معرفت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

عرفتُ اللہ باللہ وعرفتُ مادون اللہ بنور اللہ[۱۴]

(میں نے اللہ تعالیٰ کو خود اللہ کے ذریعے پہچانا، اور ماسویٰ اللہ کو بھی اسی کے نور سے پہچانا)

سید علی ہجویری علیہ الرحمۃ نے کشف المحجوب میں مختلف جگہوں پر نیز معرفتِ خداندی کے باب میں مشائخِ عظام کے اقوال ذکر کیے ہیں ان میں سے فقط چند ایک پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایاک ان تکون بالمعرفة مدعیاً[۱۵]۔

(خبردار معرفت کا دعویٰ نہ کرنا)

یعنی اس کی حقیقت سے اپنا تعلق قائم کرنا کہ نجات حاصل ہو.........

نیز فرمایا:

حقیقة المعرفة اطلاعِ الخلق علیٰ اسرار بمواصلة لطائف الانوار[۱۶]۔

(معرفت کی حقیقت لطائف انوار کے ذریعے مخلوق کا اسرار پر اطلاع پانا ہے)

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المعرفة انی تعرف ان حرکات الخلق وسکنا تھم باللہ[۱۷]۔

(معرفت یہ ہے کہ تو یہ بات جان لے کہ مخلوق کی حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

حقیقة المعرفة العجز عن المعرفة[۱۸]۔

(معرفت کی حقیقت معرفت سے عجز ہے)

باب کے آخر میں سیّد ہجویری رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کو بیان فرماتے ہیں:

لا احصی ثنا علیک [19]

(میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا)

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ ہر چیز سے کٹ گیا بلکہ ہر چیز کی تعبیر سے اس کی زبان گنگ ہوگئی اور اپنے اوصاف سے بھی فانی ہوگیا، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت غیبت میں تھے آپ ﷺ اَفصح العرب والعجم تھے مگر جب آپ ﷺ کو غیبت سے حضور میں لے جایا گیا تو فرمانے لگے کہ مولیٰ! میری زبان کو یہ طاقت نہیں کہ وہ تیری ثنا کا حق ادا کرسکے، میں کہوں تو کیا؟ میری زبان خاموش اور میرا حال بے حالی ہے، تو وہی ہے جو تو ہے، میری گفتار یا اپنے بارے میں ہوگی یا تیرے بارے میں، اگر اپنے بارے کچھ کہوں تو اپنی بات سے خود محجوب ہوتا ہوں اور اگر تیرے بارے میں لب کھولوں تو مقام قُرب میں اپنے اِس فعل سے حرف آتا ہے، پس میں کچھ نہیں کہتا فرمان آیا! کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کچھ نہیں کہتے تو میں کہتا ہوں:

لعمرک اذا سکت عن ثنائی فاکمل منک ثنائی

(مجھے تیری زندگی کی قسم! میری ثنا سے تیری خاموشی ہی میری سب سے بڑی ثنا ہے۔)

یعنی اگر تو میری ثنا سے سکوت میں ہے تو میں نے کائنات کے ذرّے ذرے کو تیرا نائب بنا کر حکم دیا ہے کہ میری ثنا کریں اور یہ ثنا تیری طرف سے شمار ہو[20]۔

اب ہم اپنے ممدوح امام ربانی کے علم وعرفان کے سمندر کا نظارہ، سمندر کی اُٹھتی ہوئی موجوں سے کرتے ہیں آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بعثتِ انبیا علیہم الصلوٰت والتّسلیمات رَحمت عالَمیان است اگر توسُّطِ وجودِ این بزرگواران نمے بود گُمراہاں را بمعرفت ذات وصفات واجب الوجود تعالیٰ تقدّس کہ دلالت میفرمود ومرضیّات مولاءِ ما را جلّشانہ از عدم مرضیّاتِ اوسبحانہ کہ تمیز مے نمود وعقول ناقصہَ ما بے تائیدِ نُور دعوتِ ایشان ازین معنی معزول است وَافہام نا تمامِ ما بے تقلیدِ این

> بزرگواران درین معاملہ مخذول آرے عقل ہر چند حُجت اَست اما در حُجیت ناتمام است و بمرتبہٴ بلوغ نرسیدہ، حُجت بالغہ بعثتِ انبیا است علیہم الصلوٰت والتسلیمات کہ عذاب وثوابِ اُخروی دائمی منوط بہ آنست[۲۱]......

آپ کا ارشاد ہے:

> اگر توسل وجود شریف شان نبودے عقل بشری در اثباتِ صانع تعالیٰ عاجز بودے۔ ۲۲

شیخ عبدالعزیز جونپوری کو حمد باری تعالیٰ وشانِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہوئے امام ربانی اپنے طویل مکتوب میں متکلمانہ اور محققانہ انداز میں دقیق مسائل کو حل فرماتے ہیں۔ فقط ایک مختصر اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:

> فَلا یصِلُ حمدُ حامدٍ الیٰ جَناب قُدس ذاتِہٖ بَل مُنتھیٰ جمیع المَحامِدِ دُون سُرادِقاتِ عِزّتِہٖ فَھُو الذی اِثنیٰ علیٰ نفسِہٖ وَحَمِدَ ذَاتَہ' بِذَاتِہٖ فھُوَ سُبحانہ' الحامدُ والمحمودُ وَما سِوٰہُ عَاجِزٌ عَنْ اَداء الحمدِ المقصودِ کَیفَ وَقد عجز عن حمدہ سبحانہ مَنْ ھُوَ حَامِلُ لِوَاءِ الحمدِ یوم القِیٰمۃ تحتہ اٰدمُ وَمَن ھودُونہ وھو افضلُ البَرایاَ وَاکملُھم ظُھورًاو اقبرھم منزلۃ وّ اجمعھم کمالا و اشملھم جَمالًاوّ اتمھم بدرا وارفعھم قدرا وّاعظمھم اُبَّھَۃً وَّشَرفاًوَّ اَقوَمُھم دِیناً وَّاعدَلُھم مِلَّۃً وَّاَکرَمُھم حَسَباً وَّاشرفُھم نَسَباًوَّاعرفُھم بَیْتاً لَوْلَاہُ لَماخَلَقَ اللہُ سُبحانہ الخَلْقَ وَلَما اَظھَرَ الرُبُوبِیّیہ وکان نبیاً وَّ اٰدمُ بین الماءِ والطِّین واذاکان یوم القیامۃ کان ھُوَ اِمَامَ النَّبیین وخَطِیبُھم وَصَاحِبَ شَفَاعَتِھم الذّی قال نَحنُ الْاٰخرون ونَحنُ السَّابِقُونَ یوم القیٰمۃ وَاِنّی قائِلٌ قَولًا غَیرفَخرٍ وَاَنَا حَبیبُ اللہ واَنَا خاتَم النبیین وَلَا فخر واَنا اَوّلُ النّاس خُروجاً

اِذا بُعِثُوا وَاَنَا قَائِدهم اِذا وَفَدُو! وانا خطیبھُم اذا اَلُضوُا وَاَنَا مُستشفِعُھم اِذا حُبسُوا وَأَنا مُبَشِّرُھم اذا یَئسِوا اَلکَرَامَۃُ وَالمَفَاتِیحُ یوُمئذِ بیَدِیُ [۲۳]۔

اس مختصر لیکن انتہائی وجامع، مفید، پُر اثر، مدلّل ومستند اقتباس پر توجہ مرکوز کیجیے۔ علم وعرفان کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ حمد باری اور شانِ رسالت کا عُمدہ بیان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رُوح سے اٹھنے والے جذبات قارئین کی روح کو گرما اور تڑپا رہے ہیں بقول شاعر ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ ظالم
رُوح سُنے اور روح سنائے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات کی تشریح میں ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ راقم الحروف ان چند اشارات پر اکتفار کرتے ہوئے قارئین کی توجہ کو اس ارشاد باری کی طرف مبذول کرتا ہے جو امام ربانی علیہ الرحمۃ کے جذبات وتخیّلات کا ماخذ ومرجع ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَد مَنَّ اللہُ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو اعلیھم اٰیتہٖ ویزکّیھم و یعلّمھم الکتٰب والحکمۃ وَاِن کانوا من قبل لَفِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ [۲۴]۔

یقیناً بڑا اِحسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ایک رسول اُنہی میں سے۔ پڑھتا ہے اُن پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے، اُنہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سُنت، اگر چہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

یہ کتنا عظیم اِحسان ہے' ہر شخص جس نے جس زاویے سے بھی اس پر غور وفکر کیا اسے غیر محدود اور لامتناہی اِحسان قرار دیا۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

درندہ صِفت انسان کیونکہ فرشتہ سِیرت بن گئے۔ جنہیں کوئی اپنا غلام بنانا بھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ آئینِ جہانبانی میں دُنیا بھر کے استاد ہو گئے۔ جن کی گھٹی میں شراب تھی، ظلم وستم جن کا شعار تھا، کفر وشرک اور فسق وفجور

> کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے صدیاں گزر چکی تھیں۔ ان میں یہ مکمل تبدیلی اور ہمہ گیر انقلاب کیوں کر آیا جنہوں نے بھی ان حقائق پر غور کیا ہے وہی اس نبی معظم کی شانِ رفیع کو جان سکتے ہیں تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت کے علاوہ تزکیۂ نفس اور تربیتِ صالحہ سے یہ مُبارک انقلاب رُوپذیر ہوا[۲۵]۔

سیّد قطب شہید نے اپنی شاہکار تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں محسنِ حقیقی جلّشانہ کے اس اِحسان عظیم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> **لقد كانت المنّة الالهيّة علٰى هذه الامة بهذا الرسول وبهذه الرسالة عظيمة عظيمة** [۲۶]

بہر کیف یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ پوری تاریخ عالم میں ہمیں ایسی عظیم ہستی سوائے رسول کریم ﷺ کے کوئی نہیں ملتی جو مفکّر ومدّبر بھی ہو، مُصلح وہادی بھی ہو، حکمران اور فاتح بھی ہو، جو معاشرت معیشت، سیاست، قانون، تعلیم، اخلاق اور عقائد وافکار میں عظیم اِنقلاب برپا کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ رُوحانیت کا سرچشمہ اور قیامت تک آنیوالی نسلِ انسانی کے روحانی الذہن افراد کے لیے ایک بے مثال دائمی نمونہ عمل بھی ہو۔

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ، اسی رہبرِ انقلاب، ہادی کامل کے اسوۂ حسنہ سے مُستنیر ومستفیض ہوے۔ ان کی شخصیت اوران کی تعلیمات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیض کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

امام ربانی علیہ الرحمۃ نے معرفت کے حصول کو انبیاء کرام کی بعثت بالخصوص ظہورِ قدسی محمد عربی ﷺ کا ثمر قرار دیا ہے کیونکہ یہی وہ چشمۂ فیض سے جہاں سے معرفت خداوندی اور علم وعرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

امام ربانی نے چونکہ اپنے شعور کی آنکھ ایک ایسے دور میں کھولی تھی جب کہ اسلامی تصوف میں عجمی اثرات داخل ہورہے تھے آپ نے جہاں ان عجمی اثرات کا اِزالہ فرمایا وہاں بعض دقیق مسائل جو ذہنوں میں ابھر رہے تھے، نہیں بھی شافی طور پر حل فرمایا۔

مولانا طاہر بدخشی کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: دربیانِ معرفت وایمانِ حقیقی چہ فرق است''

تحریر فرماتے ہیں:

> معرفت دیگرست وایمان دیگر۔ چہ معرفت شناختن است وایمان
> گرویدن ست شناخت بود وگرویدن نبود اہلِ کتاب را ورحقِ پیغمبرِ ما
> علیہ وعلیٰ اٰلہ الصلوٰۃ والسلام معرفت بود ومی شناختند کہ پیغمبرِ است
> کما قال اللہ تعالیٰ یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم اما بواسطہ عناد
> چوں گرویدن نبود ایمان متحقق نشد[27]

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کے نام اپنے مکتوب میں ”عدمِ معرفت“ و ”عجز از معرفت“ کے فرق و امتیاز کو اجاگر فرماتے ہوئے یُوں منکشف فرماتے ہیں:

> عجز از معرفت نصیب اکابر اولیاست۔ عدمِ معرفت دیگر است وعجز
> از معرفت دیگر ......عدمِ معرفت جہل است وعجز از معرفت علم بلکہ
> عجز متضمن دوعلم است علمِ بشے وعلم بعدم دریافتِ کُنہ آن شے از جہت
> کمال عظمت وکبریائے آن شے۔ اگر علمِ ثالث را ہم درج بکنیم گنجایش
> دارد وآن علم بعجز وقصورِ خودست کہ مؤیّد مقامِ عبدیت وعبودیّتِ خودست
> وَدر عدم معرفت جہل است بساست کہ آں جہل مُرکّب گردد جہل خود
> را جہل نداند وعِلم انگارد ودر عجزِ معرفت ازیں مرض نجاتِ تامّ است بلکہ
> ایں مرض آنجا گنجایش ندارد کہ اِعترافِ بعجزِ خود دارد واگر عدم معرفت وعجز
> از معرفت یکے باشد ہمہ نادانان عُرفا بوند......عجز از معرفت مدحے است
> کہ شباہت بذمّ دارد وعدمِ معرفت ذَمّے ست صِرف کہ رائحہ از مدح ندارد
> رَبِّ زِدْنی عِلماً بکمال العجز عن معرفتک[28]......

امام ربانی علیہ الرحمۃ نے مولانا حسَن دہلوی کو اپنے طویل مکتوب میں جو حقیقتِ محمدی علیہ من الصلوٰتِ افضلھا وَمن التسلیمات اکملھا کے بیان اور بعض دیگر دقیق مسائل کے شافی جوابات پر مشتمل ہے ضمناً وجوبِ معرفت کے مسئلہ کی گِرہ کشائی ان الفاظ میں فرمائی ہے:

> وجوبِ معرفت بآن معنی است کہ ہر چہ شرع بآن وارِد شدہ است در

> معرفتِ ذات وصفاتِ واجبی جل شانہ شناختنِ آن واجب است وہر معرفتے کہ از غیر شریعت مستفاد میگردد نزدِ فقیر آنرا معرفتِ خدا گفتن جرأت ست وبظنّ وتخمین برحق حکم کردن جَلّ وِعلا أتقولُونَ عَلَى اللهِ مالا تعلمون [29]
>
> این فقیر رابمحض فضل وکرم بآں مُہتَد ساختہ اندوآن دقیقہ آنست کہ حق معرفت آنست کہ بآن مَعارفِ شرعیّہ عارِف راعجز از معرفت لاحِق شود۔ [30]

''عجز از معرفت'' کی بحث اس قدر ''لذیذ'' ہے کہ ''درازتر گفتم'' کے باوجود ''عجز از تحریر'' کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں، مضمون طویل ہورہا ہے لہٰذا آخری گذارش پیش کرتا ہوں کہ معرفتِ خداوندی اور وہ علم جو عجز از معرفت سے مستفاد ہوتا ہے اس عرفان کے حصول کی مساعی کے لیے امام ربانی نے کن اُصول کی نشاندہی فرمائی ہے۔

حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ عِلم وعرفان کے مجتہدِ اعظم ہیں ان پر وارِدِ مَعارف واسرار مخصوصہ وہ بھی ہیں جو آپ نے کبھی بیان نہ فرمائے اور وہ بھی جو چند ایک بعض محرمانِ راز سے ذکر کیے اُن معارف کا تو ذکر ہی ممکن نہیں علاوہ ازیں آپ نے عام طالبین کی رہنمائی کے لیے جو تحریر فرمائے ان کا بھی حیطۂ تحریر میں لانا محال ہے لہٰذا راقم الحروف سمندر سے شبنم یالذّت طعام کے تناظر میں ''دیگ سے دانہ'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے اور وہ بھی اپنے علمی عجز وبے بضاعتی کے کامل اعتراف کے ساتھ بلکہ اسے جرأت پر ہی محمول کرنا ہوگا اس لیے کہ مفصل کو مجمل میں سمونا امرِ محال ہے تو مجمل کو اشارات میں سمیٹنا اس سے بھی محال تر ہے تاہم میں نے اُن میں سے زیادہ اَہم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اِشارات پر اکتفا کرنے کی سعی ضرور انجام دی ہے۔

۱۔عقائدِ حقّہ:

امام ربانی' خان جہان کو اپنے طویل مکتوب میں عقائد کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> آدمی را از تصحیحِ عقائد بموجب آرائے فرقہ ناجیہ اہلِ سنّت وجماعت

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ سوادِ اعظم وجَمّ غفیر اند چارہ نبود تا فلاح ونجات اُخروی متصور شد وخُبثِ اِعتقاد کہ مخالفِ معتقداتِ اہل سنت ست سمِ قاتل است کہ بموتِ ابدی وعذابِ سرمدی برساند...... ''بدانتہ کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ قدیم خود موجود است......

اوسبحانہ یگانہ است شریک ندارد نہ در وجوبِ وجود ونہ در استحقاقِ عبادت ......ومر اور اتعالیٰ صفاتِ کاملہ است ازانجملہ حیات وعلم وقدت وارادت وسمع وبصر وکلام وتکوین ست ......واوتعالیٰ از صفات ولوازم جواہر واجسام واعراض منزّہ است، زمان ومکان وجہت را در حضرتِ اوتعالیٰ گنجایش نیست...... بے خیر باشد کہ اور سُبحانہ فوق العرش خواند وجہتِ فوق اثبات کند عرش وماسوائے آں ہمہ حادث اند......واوتعالیٰ جسم وجسمانی نیست، جوہر وعرض نیست، محدود ومتناہی نیست ......واوتعالیٰ باہیچ چیز متّحد نشود وہیچ چیز باوے متحد نگردد ونیز ہیچ چیز دروے تعالیٰ حُلول نکند ...... باید دانست کہ اسماء اللہ تعالیٰ توقیفی اند یعنی موقوف برسماع انداز صاحبِ شرع ...... قرآن کلامِ خداست جلّ سلطانہ کہ بلباس حَرف وصوت درآوردہ برپیغمبرِ ما علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام منزّل ساختہ است۳۱......

۲۔ اوامر ونواھی واصول پنج گانۂ اسلام:

امام ربانی نے اسی طویل مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

بعد از تصحیح اعتقاد از اِمتثال اَوامر و اِنتہا از نَواہی شرعیہ کہ بعمل تعلّق دارد نیز چارہ نبود، نماز پنجوقت بے فتور باتعدیلِ ارکان...... اصلِ اوّل ایمان بخدا ورسولِ اوست جلّ شانُہ واصلِ دویم نماز ست واصل سیوم اداء زکوٰۃ است واصل چہارم روزہائے ماہِ رمضان ست واصل پنجم حج بیت اللہ است ......اصل اول بایمان تعلّق دارد واصول اربعہ باعمال تعلّق دارند۳۲......

اِتّباعِ سُنت:

امام ربانی اپنے طویل مکتوب میں، جو آپ علیہ الرحمۃ نے سید شاہ محمد کو تحریر فرمایا ہے اِتباعِ سنت کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں:

> متابعتِ آن سرور علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام کہ سرمایۂ سعادتِ دینیہ ودُنیویہ است درجات ومَراتب دارد
>
> بہ درجۂ اولیٰ برعوام اہلِ اسلام راست از اتیانِ احکام شرعیّہ ومُتابعتِ سُنّت سَنِیہ بعد از تصدیقِ قلب وپیش از اطمینانِ نفس کہ بدرجۂ ولایت مربوط است وعلماءِ ظواہر وعُبّاَ دِزُہّاَ دکہ معاملۂ شان باطمینان نفس نہ پیوستہ است ہمہ درین درجہ متابعت شریکند ودر حصول صورت اتباع برابرند...... این صورت متابعت دررنگِ حقیقت متابعت مُوجبِ فلاح ورستگاریِ آخرت است ومُنجی از عذابِ نار است ومُبشر بدخولِ جنّت ......
>
> درجہ دوم از متابعتِ اتباع اقوال واعمال اوست علیہ وعلیٰ الہ الصلوۃ والسلام کہ بباطن تعلق دارد از تہذیبِ اخلاق ودفعِ رذائل صفات واِزالہ اَمراضِ باطنیہ وعللِ معنویہ کہ بمقامِ طریقت متعلق اند......
>
> درجہ سیوم از مُتابعتِ اتباع اَحوال واَذواق ومواجیدِ آن سرور است علیہ والہ الصلوٰۃ والسلام کہ بمقام ولایت خاصہ تعلق دارند این دَرجَہ مخصوص باربابِ ولایت است...... درجہ چہارم از اتباع مخصوص بعلماء راسخین است ...... علامتے از برائے علماء راسخین بیان کنم تاہر ظاہردانے دعوی رسوخ نہ نماید درجہ پنجم از متابعت دراتّباع کمالاتِ آن سرور است علیہ وعلی الہ الصلواۃ والسلام کہ عِلم وعمل رادرحُصول آن کمالات مَد خلے نیست بلکہ...... درجہ ششم افاضۂ کمالات اَمن بہ مجرّدِ محبت است...... درجہ ہفتم از متابعت آنست کہ تعلق بنزول وہُبُوط دارد

واین درجہ سابع از متابعت جامع جمیع درجاتِ سابق است[۳۳]......

ذرا غور وفکر فرمایے توجہ مبذول کیجیے۔ متابعت کے ساتوں درجات کی خصوصیات سے کامل طور پر آگاہ وباخبر ہستی، امام ربانی کو اگر عِرفان کا مجتہدِ اعظم، نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟ اگر علم وعرفان کا سمندر موجزن نظر آتا ہے تو دوسری طرف عرفان مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں سے مُستنیر و مُستفیض ہونے کی سعادت سے بہرہ یاب تھے۔ اور تیسری طرف عِرفان کے انوار وتجلیّات کو اَطراف واکنافِ عالم تک پہنچانے کے لیے سرگرم رہے سبحان اللہ۔

شریعت سے کامل وابستگی:

قاضی موسیٰ کو التزامِ شریعت کی ترغیب دیتے ہوئے امام ربانی تحریر فرماتے ہیں:

> ”النصیحة هِیَ الدینُ ومتابعةُ سیّد المرسلین علیه وعلیهم الصلوٰة والتسلیمات غَایَةُ مافی الباب متابعت را اقسام ست یک قسمِ آن ریتانِ اَحکام شرعیہ است......[۳۴]

امام ربّانی شیخ محمد چتری کو اپنے مکتوب میں شریعت کی اہمیّت وافادیّت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”مخدوما بعد از طیِ منازلِ سلوک وقطعِ مقامات جذبہ معلوم شد کہ مقصود ازین سَیر وسُلوک تحصیلِ مقام اخلاص است کہ مربوط بقضائے الٰہ آفاقی وانفسی است واین اِخلاص جزویست از اجزائے شریعت چہ شریعت راسہ جزواست علم وعمل واخلاص۔ پس طریقت وحقیقت خادمِ شریعت اند در تکمیلِ جزو اوکہ اِخلاص است۔ حقیقت کار این است اما فہم ہر کس اینجا نرسد اکثر عالَم بخواب وخیال آرمیدہ اند......از کمالاتِ شریعت چہ دانند......[۳۵]

خواجہ شرف الدین حسین کو اپنے مکتوب میں نصیحت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> فرزند عزیز با تمیز زنہار بمزخرفاتِ دَنیہ راغب نشوی و بطمطراقات فانیہ فریفتہ نگردی وسَعی نمائی کہ در جمیع حرکات وسکنات بمقتضائے شریعت غرّا عمل نمودہ آید وبروفقِ ملّت زہرا زندگانی کردہ شود......[۳۶]

شیخ نظام تھانیسری کو فرض ونوافل کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ربانی تحریر فرماتے ہیں:

مقربات اعمال یا فرائض اند یا نوافل......نوافل را در جنبِ فرائض ہیچ اعتبار نیست۔ ادائے فرضی از فرائض در وقتی از اوقات بہ از ادائے نوافل ہزار سالہ است...... مثلاً تصدّق دانگی در حسابِ زکوٰۃ ہمچنانکہ از تصدقِ جبالِ عظام از ذہب بطریق نفل بمراتب بہتر است...... اِمام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بواسطۂ ترک اَدبے از آدابِ وضوئے نمازِ چہل سالہ را قضا فرمودند[۳۷]

امام ربانی اور اَحکام شرعیّہ کے علم کا حُصول:

احکامِ شرعیہ کے علم کی تحصیل کی اشد ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے امام ربانی فرماتے ہیں:

> اَعمال را تصحیح وقتی میّسر شود کہ اعمال را بشناسد و کیفیت ہر عمل بداند و آن علمِ اَحکام شرعی است از نماز و روزہ و سائر فرائض و علم مُعاملات و نکاح و طلاق و مُبایعات و علم ہر چیز کہ حق سبحانہ وتعالیٰ برو واجب ساختہ است و او را بدان دعوت فرمودہ است و ایں عُلوم اکتسابیہ است از آموختن آن ہیچ کس را چارہ نیست و علم میان دو مجاہدہ است یکے مجاہدہ در طلبِ آن قبل از حصول و مجاہدۂ دوم در استعمال آن بعد از حصول پس باید ہمچنانکہ در مجلسِ شریف از کتبِ تصوّف مذکور میشود از کتبِ فقہیہ نیز مذکور شود[۳۸]

شریعت وطریقت وحقیقت کا حَسین اِمتزاج:

امام ربانی نے میر محمد نعمان کو مجاہدات کی ترغیب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

> از کسل بعمل آمدہ و از فراغت بمجاہدہ رُو آوردہ۔ وقتِ کشت وکار است نہ موسم خور و خواب[۳۹]۔

شیخ محمد یوسف کو نصیحت فرماتے ہوئے آپ نے لکھا:

> ظاہر را بظاہرِ شریعت و باطن را بباطنِ شریعت کہ عبارت از حقیقت است متجلّی و متزیّن دارند چہ حقیقت وطریقت عبارت از حقیقتِ شریعت است وطریقت اَن حقیقت نہ آنکہ شریعت امری دیگرست وطریقت

وحقیقت دیگر کہ آن الحاد و زندقہ است[۴۰]۔

میر محمد نعمان کے سوال کہ دُعا و تضرع وزاری و دوام التجا و تلاوتِ قرآن و نماز کس پر ترجیحی عمل کیا جائے؟ جواباً تحریر فرماتے ہیں:

> از ذکر گفتن چارۂ نیست باین ہر چیز جمع شود دولتست مدارِ وصول بر ذکر نہادہ اند چیز ہائے دیگر در رنگِ ثمرات ونتائج ذکر اند...... ذکر نفی و اثبات در رنگِ وضو است کہ شرطِ نماز است تا طہارت درست نشود شروع در نماز ممنوع است...... تمتعات دنیوی و مُزخرفاتِ فانی لاشے محض است عاقل بآن مفتون نشود و مُبتلا نہ گردد و پیشِ نظر باید کہ احوالِ آخرت بود و دوام بذکر مشغول باشد[۴۱]۔

امام ربانی‘ خانِ اعظم کو طریقہ علیہ نقشبندیہ کی اہمیّت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

> ”طریقِ حضراتِ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم مبنی بر اندراج نہایت در بدایت است، حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمودہ اند کہ ما نہایت را در بدایت درج می کنیم و این طریق بعینہ طریق اصحابِ کرام است......[۴۲]

قاضی موسیٰ کو صحبت اربابِ جمعیت، صحبت شیخ کی تلقین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بالجملہ مدارِ افادہ و استفادۂ این طریقہ بر صحبت[۴۳] بگفتن و نوشتن کفایت نمیشود حضرت خواجہ نقشبند فرمودہ اند قدس سرہ کہ طریقۂ ما صحبت ست و اصحاب کرام بدولتِ صُحبتِ خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات از اولیاء اُمّت افضل آمدند[۴۴]
>
> ”بلکہ گویم کہ فی الحقیقت وجودِ اہل اللہ کرامتے ست از کراماتِ و دعوتِ ایشان مر خلق را حق جلّ سلطانہ رحمتے ست...... الخ[۴۵]

ترویجِ اسلام:

امام ربانی علیہ الرحمۃ، اپنے مکتوب میں لالا بیگ کو دو قومی نظریہ، مسلم قومیّت اور ملّی تشخص کو اجاگر

کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> غربت اسلام نزدیک بیک قرن است بر نہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرایٔ احکامِ کفر برملا در بلادِ اسلام راضی نمی شوند میخواہند کہ اَحکامِ اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند واثرے از مسلمانان ومسلمانی پیدا نشود وکار را تا بآن سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانی از شِعارِ اسلام اظہار نماید بقتل میرسید...... درابتدا پادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت ومسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ درتوقف افتاد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد الغیاثُ الغیاث ثُمّ الغیاثُ الغیاث......[۴۶]

میر محمد نعمان کو اپنے طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> اَلشرعُ تحتَ السیّفِ رواج شریعت غرّا مربوط بحُسنِ اہتمام سلاطینِ عظام ست...... ناچار اسلام ضعیف گشتہ کفّارِ ہند بے تحاشی ہدمِ مَساجد میمایند...... نیز کفّار برملا مراسمِ کفر بجاے آرند ومسلمانان در اجرائے اکثر اَحکامِ اسلام عاجز اند...... افسوس صد ہزار افسوس بادشاہِ وقت از ماست وما فقیراں بایں زبونی وخرابی......الخ[۴۷]

گویا سلاطینِ عالَم کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ وہ عظمت وصداقتِ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے میدانِ عمل میں آئیں اور شریعتِ مصطفوی کو قانون کی صورت میں نافذ کریں اور اسلامی اقدار کو مقدور بھر فروغ دیں۔

خُلاصہ کلام یہ ہے کہ سلاطینِ عالم سے قطع نظر، عامۃ المسلمین کے لیے امام ربانی کا پیغام۔

عَصر حاضر کے مسلمانانِ عَالم کے لیے نام یہ ہے جیسے اجمالاً علامہ اقبال نے امام ربانی کے افکار سے متاثر ہو کر اس شعر میں سمو دیا ہے۔ ؎

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دَمے

اس اِجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ امام ربانی علیہ الرحمۃ اپنے آقا و مقتدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُتابعت

کی سعادت کے حصول اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور فیضان سے اس قدر مُستنیر و مستفیض ہو چکے ہیں کہ ان کے روز و شب بھی انّ لک فی النّھار سبحاً طویلاہ واذکر اسم ربّک وتبتّل الیہ تبتیلا [۴۸] کے معمولاتِ نبوی اور سنّتِ مبارکہ میں ڈھل گئے ہیں اور اس عظیم مقام اور تکمیلِ تام کے حصول پر وہ مطمئن نہیں ہو گئے بلکہ اس نُور کو جملہ فرزندانِ توحید تک پہنچانے کے لیے عزمِ راسخ کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں۔

میر محمد نعمان کو تاکید فرماتے ہیں:

> نصف شب را برائے خواب مُعد سازند ونصف دیگر را برائے طاعت وعبادت...... وسعی فرمایند کہ در دَوام حصول این دولت فتور نرود......الخ [۴۹]

گویا مردِ مومن کو شریعت کے ساتھ کامل وابستگی حاصل ہو اور رات کے سُہانے سماں میں وہ معرفتِ خداوندی کے حصول کے لیے ذکر و عبادت میں مشغول ہو جائے اس طریق سے مردِ مجاد کو توکل اور یقین کی وہ نعمت نصیب ہوگی کہ بقول اقبال

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ رُوح الامیں پیدا

اور وہ حق پر استقامت اختیار کرنے میں کبھی تذبذب کا شکار نہ ہوگا۔ حُبِّ الٰہی کی تپش (اشد حُبًّا للّٰہ) [۵۰] اور حُبِّ رسول کی نعمت سے سرفراز ہو کر ''جھاد فی سبیلہ [۵۱] اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔ اس کے عزم کی چٹان سے رکاوٹیں ٹکرا کر پاش پاش ہوتی چلی جائینگی۔

یہ راستہ بڑا دشوار اور منزل بہت کٹھن ہے امام ربانی کے پسندیدہ شعر میں یہ اشارہ موجود ہے۔

كَيفَ الوُصُولُ الی سُعَادَ و دُونَهَا
قُلَلُ الجِبَالِ و دُونَهنَّ خُیوفُ

(سُعاد (محبوبہ) تک پہنچنا آسان نہیں کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور خوفناک گھاٹیاں حائل ہیں)۔

اور یہ شعر آپ کو پسند کیوں نہ ہو! آپ کی پوری زندگی اس محور کے گرد گھوم رہی ہے۔

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دِل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

ایک مکتوب میں فرمایا:

باوجود مُرادیت چندان قطع مَنازل کردہ میشود کہ مریداں رادرعمرِ نوح ہم
معلوم نیست کہ میّسر شود۵۲

عِرفان کا یہ مجتہدِ اعظم، معرفتِ خداوندی کی نعمت سے سرشار ہوکر جہاں اس بادۂ جانفزا سے خود لطف اندوز ہوتا ہے وہاں آپ علیہ الرحمۃ اپنے آقا و مقتدا، عالمی اور آفاقی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع میں عِلم و عرفان کی اس نعمت کو اَطراف و اَکنافِ عالم تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل اور مُستعدِ نظر آتے ہیں۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کردے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

چنانچہ سلاطین، شہزادوں، معزز افسروں و امراء کو وعظ و ارشاد اور مکتوبات کے ذریعے تبلیغ کا فریضہ بطریقِ احسن انجام دے رہے ہیں بیرونی ممالک میں تبلیغی وفود بھجوار ہے ہیں۔ اور مسلمانانِ عالم کی صلاحِ اعظم کے لیے نہ صرف خود سرگرمِ عمل ہیں بلکہ اپنے متوسلین اور مجاہدینِ ملّت کو حوصلہ دلا رہے ہیں کہ وہ علم و عرفان اور معرفتِ خداوندی کے حصول کے لیے بھرپور مساعی عمل میں لائیں۔

مِثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

اپنے اس مختصر مقالے کو اس دُعا پر ختم کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

وَنسئلُکَ اللّٰھُمَّ بِنُورِ وَجھِکَ الَّذِیْ مَلاَاَرْکَانَ عَرْشِکَ
اَنْ تَزْرَعَ فِیْ قَلْبِیْ مَعْرِفَتِکَ حَتّٰی اَعْرِفَکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ
کَمایَنْبَغِیْ اَنْ تُعْرَفَ بِہٖ

وَصَلّی اللہُ علیٰ سیّدنا مُحمدٍ خاتم النّبیین و امام المرسلین
وعلیٰ اٰلہٖ وصَحبہ وَسَلَّمَ تَسلیماًوَّالحمدُ للہِ رَبِّ العٰلَمین

☆......☆......☆

حواشی:

۱......دفترِ اوّل مکتوبات امام ربانی، حصہ اوّل، مکتوب ہفتم، ص۔ ۱۳، ۱۴

۲......آپ علیہ الرحمۃ پر انوار وتجلّیات کی بارش ہو رہی ہے مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مکتوب اوّل: ''در ہر طعامی و شرابی وکسوتی جُدا جُدا متجلّی شد...... خصوصیات تجلّی را بتحریر بعرض نمی تواند رسانید'' گویا نا قابلِ بیان حد تک آپ پر تجلیات وانوارِ عرفان کی بارش ہو رہی تھی، مکتوب اوّل از دفترِ اوّل مکتوبات امام ربانی حصہ اول، ص۔ ۳

نیز ملاحظہ ہو مکتوب دوم: ''از عنایاتِ خداوندی جل وعلا کہ بہ برکتِ توجہات علیّہ حضرت ایشان علی التواتر والتوالی فائضِ ووارِد اند چہ عرض نماید......

من آن خاکم کہ ابرِ نو بہاری
کند از لُطف برمن قطرہ باری
اگر بر روید ازتن صد زبانم
چو سبزہ شُکر و لطفش کے توانم

ہر چند اظہار این قسم احوال مُوہم جراُت و گستاخی است...... الحال معارفے کہ باین کمینہ فائض اِند اکثر تفصیل معارفِ شرعیّہ است وبیانِ آنہا وعلمِ استدلالی کشفی وضروری مے گردد و مجمل مُفصّل مے شود۔ ع

گر بگویم شرحِ این بے حد شود

مکتوبات امام ربّانی۔ دفترِ اوّل، حِصّہ اوّل، مکتوب دوم ص۔ ٦

۳......اس طویل مکتوب ۱۱ میں جو آپ نے اپنے پیر بزرگوار کو تحریر کیا ہے جہاں عظیم ہستیوں کے مقامات کی زیارت کا ذکر کیا ہے مثلاً خلفائے راشدین، ائمہ اہل بیت، امامین کریمین، امام زین العابدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور یہ ذکر انتہائی تواضع وانکسار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے وہاں مشائخ عِظام اور اُن کی خصوصیات کا بیان بھی فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ احرار، حضرت خواجہ نقشبند، حضرت خواجہ علاء الدین عطار، حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر حضرت شیخ علاؤ الدولہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ علاوہ ازین ان اَحباب کا بھی ذکر کیا ہے جو مختلف مقامات پر رُک گئے ہیں مثلاً شیخ نور، مولانا محمود، سید شاہ حسین، میاں شیخی، میاں جعفر، شیخ عیسیٰ، شیخ کمال، شیخ ناگوری، شیخ مزمل، خواجہ ضیاء الدین ان دوستوں کے حالات کو اپنے تبصرے کے ساتھ اپنے پیر بزرگوار کو آگاہ کیا ہے۔

اس مکتوب سے مستنبط ہوتا ہے کہ علوم و معارف میں امام ربّانی علیہ الرحمۃ کی رسائی روز بروز تعمیر و ترقی کے مراحل سے گذر رہی ہے آپ پر عظیم ہستیوں کے اعلیٰ وارفع مقامات ظاہر اور مشائخ کے مقامات عیاں ہو رہے ہیں مثلاً ''وبالائی آنمقام ہیچ مقامی مفہوم نمیشود اِلا مقامِ حضرت رسالت خاتمیّت علیہ من الصّلوٰت ومن التحیات اکملھا'' ومحاذی مقام حضرت صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ...... ومعلوم شد کہ آنمقام مقامِ محبوبیّت است ...... ودر یارانِ دیگر ہم تفاوُت ظاہر میشود۔

امام ربانی کے زیر نظر مکتوب کا مطالعہ کرنے والے قارئین اس امر کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ واقعی بجا طور پر عرفان کے مجتہدِ اعظم ہیں، عظیم ہستیوں کے مقامات سے آگاہ مشائخِ عظام کے حالات پر نگاہ رکھے ہوے اور اَحباب کے مقامات کی نگہبانی فرما رہے ہیں۔

(مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، حصّہ اول، مکتوب یازدھم ص ۲۱ تا ۲۷)

۴......عروج وکمال کے بلند مقامات پر فائز اور عِرفان کے مجتہدِ اعظم، جن کے ہر ہر مکتوب سے عِلم وعرفان کے چشمے اُبل رہے ہیں خود اِنکسار وتواضع کے پیکر نظر آتے ہیں۔ ان کے اِنکسار وتواضع کے الفاظ کو نقل کرنے سے بھی حجاب وحیا دامنگیر ہو رہی ہے لہٰذا فقط اِشارے پر اکتفا کرتا ہوں:

مُد بر سیاہ رو و مُقصّر بدخو مغرور رِوقت وحال...... حَسَنات او شایان طعن وطرد

اس اقتباس کا پڑھنے والا حضرت مجدد کے تواضع وانکسار کے جذبے کی تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا

(مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب نہم، ص۔ ۱۷)

۵......المائدۃ، ۱۵۔۱۶

۶......ضیاء القرآن، جلد اوّل، لاہور، ۱۴۰۲ھ، ص۔ ۴۵۴

۷......الانعام، ۹۱

۸......ضیاء القرآن، جلد اوّل، ص۔ ۵۸۰

۹......الذٰریٰت: ۵۶

۱۰......الانعام: ۱۲۳

۱۱......ایضاً

۱۲......کشف المحجوب، ترجمہ از سیّد محمد فاروق القادری، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۔ ۵۰۴

۱۳......ایضاً، ص۔ ۵۰۳

۱۴......ایضاً، ص۔ ۵۰۶

۱۵......ایضاً، ص۔ ۵۱۵

۱۶......ایضاً، ص۔۵۱۶

۱۷......ایضاً، ص۔۵۱۷

۱۸......ایضاً، ص۔۵۱۸

۱۹......ایضاً، ص۔۵۲۰

۲۰......ایضاً، ص۔۵۲۰

۲۱......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ چہارم، مکتوب نمبر ۲۶۶ دوصد وشصت وششم، ص ۱۱۷، پر طویل مکتوب ص۔۱۰۴ سے ص ۱۳۷ تک یعنی تیس سے زائد صفحات پر پھیلا ہوا ہے جو مبسوط علمی مباحث پر مشتمل ہے۔

۲۲......ایضاً، دفتر سوم حصہ ششم مکتوب ۲۳، ص۔۱۵ اور قدما فلاسفہ، افلاطون وغیرہ حکمائے یونانی کا رّد فرمایا ہے۔

۲۳......مکتوبات امام ربانی، فتر دوم، حصہ ششم، ص۔۳، ۴۔ یہ مکتوب ص۔۱۱ تک پھیلا ہوا ہے اور نہایت قیمتی اور مفید علمی مباحث پر مشتمل ہے۔

۲۴......آل عمران: ۱۶۴

۲۵......ضیاء القرآن، جلد اوّل، ص۔۲۹۳

۲۶......فی ظلال القرآن، ال عمران: ۱۶۴ کی تشریح میں ابتدائی الفاظ لکھے ہیں بعد میں اسکی تاریخی توجیہ پیش کی ہے۔

۲۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب ۹۱ نود ویکم، ص۔۴۲۔ آپ نے آئندہ سطور متصلہ میں مبسوط علمی گفتگو فرمائی ہے جو آپ کی علمی وروحانی صلاحیتوں کی عکاسی کرتی ہے اور آپ نے دلیل بھی قرآن حکیم کی آیت صریحہ سے ذکر کی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں "یعرفونہ" اور "یعرفون" کا مادّہ اشتقاق وہی ہے جو معرفت کا ہے۔ سبحان اللہ! جس ذاتِ کریم جلّشانہ نے امام ربانی کو ایسا عظیم فہمِ رَسا عطا فرمایا اور اُنہوں نے معرفتِ روحانی کو معرفتِ زبان وادب سے مربوط کر کے تحریر میں بھی ادبی لطافت پیدا فرمادی ہے۔

۲۸......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب نمبر ۷۷ ہفتاد وہفتم، ص۔۶۔ ذرا مکتوب پر غور وفکر اور غائر توجہ مبذول فرمایئے آپ علیہ الرحمۃ کی مجتہدانہ بصیرت اپنے اوج وکمال پر نظر آتی ہے اور ساتھ ہی مدح بصورت ذمّ اور ذم بصورتِ مدح کی مثال سے نہ صرف مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے بلکہ زبان وادب کے تناظر میں فصاحت وبلاغت کا تلاطم موجزن نظر آتا ہے۔

۲۹......سورۂ یونس، آیت نمبر ۶۸

۳۰......مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب ۱۲۲ صد وبست ودوم، ص۔۱۴۱۔ آپ کی دقیقہ رسی وفطانت اور فہم وفراست کی عظمتوں کو سلام، کتنے عمدہ پیرائے میں مسئلہ کو حل فرمایا ہے اور اِس کمال کو فضلِ خداوندی قرار دیا ہے۔

۳۱......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مکتوب نمبر ۶۷ شصت وہفتم، ص۔۴۰، ۴۳۔ امام ربانی نے سترہ عقائد

درج فرمائے ہیں جو ص۔ ۷۴ تک چلے گئے ہیں۔ ہر عقیدہ بیان کرنے کے بعد دلائل و براہین کے ساتھ مدلّل گفتگو فرمائی ہے، اٹھارواں عقیدہ علاماتِ قیامت پر ہے اور ظہورِ حضرت مہدی و نزولِ حضرت روح اللہ وخروج دجال وظہور یاجوج و ماجوج اور دیگر نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔

۳۲...... ایضاً، بعدازاں آپ علیہ الرحمۃ نے نماز کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے کہ

> اگر نماز درست آمد محاسبہ ودیگر بعنایۃ اللہ سبحانہ نیز بسہولت خواہد گذشت...... الخ

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> نماز را حسن لِذَاتِہٖ گفتہ اندر رنگ ایمان وعباداتِ دیگر وحُسن لِذَاتِھَا نیست
> (دفتر سوم حصہ نہم مکتوب ۷۷، ص ۸)

۳۳...... مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم ص۔ ۹۔ امام ربانی نے درجہ ہفتم کو تصدیق قلب، تمکین قلب، اطمینانِ نفس اور اعتدالِ اجزاء قالب کا حسین امتزاج اور موطن قرار دیا ہے گو ہر درجہ اپنے کمالات، خصوصیات کا حامل ہے لیکن تابع کامل وہ ہے جو ان ساتوں درجات سے مزّین اور آراستہ ہو۔ مکتوب کے آخر میں آپ نے اپنی تمنا اور آرزو کا اظہار فرمایا ہے کہ کاش علماء درجہ اولیٰ پر ہی خوش وخرم نہ رہیں اور ہدایہ و بزدوی کو ہی اپنا مقصود وحید نہ سمجھ لیں بلکہ آگے بڑھیں۔

بقول اقبال

> یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ، اور اس دُعا پر ختم کیا ہے **حققنا اللہ سبحانہ وایاکم بحقیقۃ المتابعۃ المرضیۃ المصطفویۃ**...... الخ (ایضاً ص۔ ۱۰)

۳۴...... مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ ہشتم، مکتوب نمبر ۶۹ شصت ونہم، ص۔ ۱۵۳

۳۵...... ایضاً، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب نمبر ۴۰، چہلم ص ۱۰۴

۳۶...... ایضاً، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مکتوب نمبر ۸۲۔ ص۔ ۸۲، نورانی طریق کے مطابق زندگی گذارنے کے لیے امام ربانی نے علماء اہلسنت کی رائے کے مطابق اعتقاد درست کرنا، فقہی علمی احکام پر عمل کرنا فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرنا اور حلال وحرام میں بہت احتیاط کرنا ذکر کیا ہے نیز بیان فرمایا ہے کہ اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں مشغول ہیں۔ کتنی عمدہ نشاندہی فرمائی ہے جو دورِ حاضر میں بھی معمول پر نظر آتی ہے۔

۳۷...... ایضاً، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب ۲۹، بست ونہم، ص۔ ۷۵، ۷۶

۳۸...... ایضاً ص۔ ۷۷، آپ نے اپنے مکتوبات میں مختلف متداول کتبِ فقہ کا ذکر بھی فرمایا ہے مثلاً ہدایہ، تلویح وغیرہما

۳۹...... ایضاً، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب نمبر ۱۰۲، صد و دوم، ص۔ ۸۲

۴۰...... ایضاً، دفتر اوّل، حصہ دوم، مکتوب ۵۷، پنجاہ وہفتم، ص۔ ۳۰

۴۱...... ایضاً، دفتر سوم، حصہ ہشتم، مکتوب نمبر ۱۲، دوازدہم، ص۔۲۲

۴۲...... ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۶۶، شصت وششم، ص۔۴۷

۴۳...... نیز دیکھیے دفتر اوّل، حصہ سوم مکتوب نمبر ۲۰۳، ص ۵، فیضان صحبت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''جلیسِ ایشان از شقاوت محفوظ ازت درحدیثِ نبوی است، نیز دفتر دوم، حصہ ہفتم مکتوب ۵۲، ص۔۴، **وھُم قومٌ لا یشقٰی جلیسھُمُ ولا یُحرمُ اَنیسُھم ولا یُخیّب میسھم** ...... **وھم اِذار اُواذُکِرَاللہ** ...... **نظرھم دواءٌ وکَلامُھم شِفاء** ...... الخ پوری عبارت ہم نشینی اولیاء کی ترغیب وتلقین ہے۔

۴۴...... مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ ہشتم مکتوب ۶۹ شصت ونہم، ص۔۱۵۳

۴۵...... ایضاً، دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۹۲، ص۔۹۳

۴۶...... ایضاً، دفتر اوّل، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۸۱، ہشتادویکم، ص ۷۵۔۷۶

۴۷...... ایضاً، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مکتوب ۹۲، ص۔۹۴، ترویجِ اسلام کے جذبات کا تلاطم آپ علیہ الرحمۃ کے سینے میں موجزن نظر آتا ہے وہ سلاطین، ستائش کے مستحق ہیں جو اولیاء اللہ سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں، آپ علیہ الرحمۃ نے امیر تیمور کے احترامِ اولیاء کا واقعہ بیان کیا ہے اور خواجہ نقشبند قدس سرہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

تیمور مُرد و ایمان بُرد، (ص۔۹۴)

۴۸...... المزمّل، ۷۔۸

۴۹...... مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب نمبر ۱۰۲، صد و دوم، ص۔۸۲

۵۰...... البقرۃ، ۱۶۵

۵۱...... التوبہ، ۲۴

۵۲...... مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، حصہ اول، مکتوب نمبر ۱۶ شانزدہم، ص۔۳۴

☆......☆......☆

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور وحدۃ الشہود

ڈاکٹر سراج احمد خان

☆☆

مکتوب ۱/۱۳ میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو تردد ہوا اور ہمہ از اوست والا پلہ ہمہ اوست کے مقولے سے غالب معلوم ہوا اور ہمہ از اوست میں کمال زائد یہ دیکھا گیا کہ تمام کشفی علوم شریعتِ ظاہری سے مطابق ہو گئے۔

بعض صوفیہ جو کشفوں کو شریعتِ ظاہری کے مخالف بیان کرتے ہیں تو یہ بیان ان کا سہو یا سکر کی وجہ سے ہے۔ عالمِ باطن کا حقیقی منتہی عالمِ باطن کو شریعت ظاہر کے موافق پاتا ہے۔ علمائے شریعت ظاہری اور منتہیان علم باطن میں یہ فرق ہے کہ وہ دلیل اور علم سے جانتے ہیں اور یہ از روئے کشف و ذوق معلوم کرتے ہیں۔

مکتوب ۱/۳۱ میں شیخ صوفی کو لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے مجھ فقیر کو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ تعلیم فرمایا اور شیخ محی الدین ابن عربی کے دقائق معارف کو کما حقہ ظاہر فرمایا۔ میں تجلی ذاتی سے بھی مشرف ہوا سکر وقت اور غلبۂ حال نے اس توحید میں مجھے اس درجے تک پہنچا دیا کہ بعض عریضوں میں جو حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت میں میں نے بھیجے تھے۔ یہ دو بیتیں بھی جو سراسر سکر ہے لکھی تھیں:

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است
ملتِ ما کافری و ملت ترسائی است

کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

یہ حال بہت مدت تک رہا۔ ناگاہ دریچۂ غیب سے اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت کا ظہور ہوا اور

بے چونی و بے چگونی کے چہرے کے چھپانے والے پردہ کو دور کر دیا۔ تو پہلے وہ علوم جو اتحاد و وحدت وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں۔ خدا، خدا ہے۔ اور عالم، عالم ہے۔ حق تعالیٰ بیچون و بے چگوں ہے اور عالم سراسر چونی اور چگونی ہے اور چگونی کے داغ سے داغدار ہے۔ بے چون کو چوں کا عین نہیں کہہ سکتے۔ واجب ممکن کا عین اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بہتر وہی ہے جو علمائے اہل سنت و جماعت نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عالم کو صفاتی کمالات کا آئینہ ہے اور اسمائے ظہورات کی جلوہ گاہ ہے۔ لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے۔ جیسا کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔ غرض کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے اور خطائے اجتہادی پر ملامت اور عتاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب کے درجوں میں سے ایک درجہ اس کے حق میں ثابت ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ مجتہد کے مقلد مجتہد کا حکم رکھتے ہیں۔ اور خطا کرنے پر بھی ثواب کا ایک درجہ پالیتے ہیں۔ لیکن اہلِ کشف کی حالت اس کے خلاف ہے کہ وہ بحالتِ خطا درجۂ ثواب سے محروم ہیں۔ کیونکہ الہام اور کشف غیر پر حجت نہیں ہے اور مجتہد کا قول، غیر پر حجت ہے۔

میں نے وحدت وجود کو جو قبول کیا تھا وہ کشف سے تھا۔ از روئے تقلید نہیں تھا۔ اب انکار ہے تو الہام کے سبب سے ہے۔ الہام میں انکار کی گنجایش نہیں اگرچہ غیر پر الہام بھی حجت نہیں ہے۔

مکتوب ۱/۴۳ میں شیخ فرید کو فرماتے ہیں کہ طریقت عین شریعت اور شریعت عین طریقت ہے۔ بال برابر بھی ان میں فرق نہیں ہے۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے شریعت کا جو مخالف ہے۔ وہ مردود ہے۔ ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ، کچھ دنوں تک توحید وجودی والوں کا مسلک رکھتے تھے۔ اور اپنے رسالوں اور خطوں میں ایسا ہی ظاہر فرماتے تھے۔ لیکن آخر کار حق تعالیٰ نے اپنے کمال عنایت سے انہیں ترقی عطا کر کے شاہ راہ پر ڈال دیا۔ اور اس معرفت کی راہِ تنگ سے خلاصی بخشی۔ میاں عبدالحق جو حضرت قدس سرہ کے مخلصین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ مرض موت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے۔ اور شاہ راہ اور ہے۔ اس سے پہلے بھی جانتا تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہوا ہے۔

مکتوب ۱/۱۲۶ میں میر محمد نیشاپوری کو لکھتے ہیں۔ کہ ”علمائے اہل سنت و جماعت واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد جانتے ہیں۔ وجود کو عین ذات کہنا اور وجود کے سوا دوسرا امر ثابت نہ کرنا قصورِ نظر ہے۔

فنافی اللہ اور بقا باللہ کے درجات حاصل نہ ہوں تو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ ممکن واجب ہوگیا۔ (یہی بات مکتوب ۲/۲ میں بھی ہے کہ ”حق سبحانہ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ وجود عین ہو یا زائد ہو اور صفات حق تعالیٰ ذات حق کے ساتھ نہ کہ وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ کیونکہ اس مقام میں وجود کی گنجایش نہیں“)۔

مکتوب ۲/۱ میں شیخ عزیز جونپوری کو لکھتے ہیں کہ ”وجود ہر جز و کمال کا مبداء ہے اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشاء ہے۔ وجود واجب جل شانہ کے لیے اور عدم ممکن کے لیے ہے۔ تاکہ تمام جز و کمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین ٹھہرانا بڑی بے ادبی ہے۔ اور داخل الحاد و شرک ہے شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبۂ علم میں ایک دوسرے سے متمیّز ہیں اور اس فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمات ہیں جو اسماء و صفات کی نقیضیں ہیں مع اسماء و صفات کے ان عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور باہم ایک دوسرے میں مل گئے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں بلکہ اس کا شبہ و مثال ہے۔ اس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ممکن کا واجب پر عمل کرنا درست ہے کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے۔ وہ عکس جو اسماء و صفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے ان اسماء و صفات کا شبہ و مثال ہے نہ کہ ان کا عین اس لیے ہمہ اوست کہنا نادرست ہے اور ہمہ از اوست کہنا درست ہے۔

مکتوب نمبر ۲/۴۵ میں میرزا حسام الدین احمد سے فرماتے ہیں کہ:

عالم اسماء و صفات کا مظہر ہے ممکن میں حیات آئینہ ہے واجب تعالیٰ کی حیات کا علم آئینہ ہے اسی کے علم کا اور قدرت آئینہ ہے اسی کے قدرت کا۔ لیکن عالم میں اس کی ذات کا نہ کوئی آئینہ ہے اور نہ مظہر بلکہ اس کی ذات کو عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں کیونکہ کسی چیز میں وہ شریک نہیں ہے نہ مناسبت اسم میں ہے نہ مشارکت صورت میں۔

مکتوب نمبر ۳/۸۹ میں قاضی اسمٰعیل کو لکھتے ہیں۔ کہ متقدمین صوفیہ سے ہمہ اوست نہیں سنا گیا لیکن اناالحق، سبحانی اور لیس فی جبتی سواہ وغیرہ الفاظ سنے گئے ہیں جو متاخرین کے الفاظ ہمہ اوست کے ہم معنی ہیں فقیر کے نزدیک ہمہ اوست کے یہ معنی ہیں کہ تمام متفرق جزئیات حادث ہیں۔ ایک ہی

ذات تعالیٰ کا ظہور ہیں۔ اگر زید کی صورت متعدد آئینوں میں منعکس ہو کر ظہور پیدا کرے اور ان صورتوں کو ہمہ اوست کہیں تو اس میں جزئیت، اتحاد، حلول اور تلون کی گنجایش نہیں۔ جہاں زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے۔ وہاں عالم کی گنجایش نہ ظہور کے قبل تھی اور نہ ظہور کے بعد ہے۔ صاحب عوارف کی رائے ہے کہ منصور کا انا الحق کہنا اور بایزید کا سبحانی کہنا حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ دقیق کی تشریح کی، پھر بھی بعض نے محی الدین ابن عربی کی مراد نہ سمجھ کر ان پر طعن وملامت کی۔ اس عبارت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ سب نیست ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں تو بندگان دین بھلا ایسا کیوں سمجھیں گے۔ ان لوگوں کے سامنے غلبہ محبت میں ماسوی اللہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ ہمہ اوست کہتے ہیں۔ یعنی جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ سراسر وہم وخیال ہے اور موجود صرف حق تعالیٰ ہے۔ لیکن یہ فقیر اس قسم کی عبارتیں پسند نہیں کرتا۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کے مرتبہ تقدس وتنزہ کے خلاف ہیں۔ اشیاء کی یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مظہر ہو سکیں۔ وہ مظہر ہیں تو اللہ تعالیٰ کے بعض کمالات ظلال کی مظہر ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات تک ہزار ظلال درمیان میں ہیں۔ **ان للہ سبعین الف حجاب من نور وظلمة** (اللہ تعالیٰ کے لیے نور وظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں)۔ حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے لیکن غلبہ سکر وحال میں چنداں مذموم نہیں'' (اسی مسئلے کو مکتوب ۱/۲۷۲، ۲/ ۹۵ اور مکتوب ۲/ ۹۹ وغیرہ میں بھی واضح فرمایا ہے)۔

مکتبہ برہان اردو بازار دہلی نے الجمعیۃ پریس دہلی سے ۱۹۶۲ء میں پروفیسر خلیق انجم کے ترجمہ وترتیب کے ساتھ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۵ھ) کے خطوط اور ان کی بعض نثری تحریریں ضروری حواشی وتعلیقات کے ساتھ پیش کی تھیں۔ ذیل میں حضرت کی بعض ان تحریروں کے ترجمے پیش کیے جا رہے ہیں جو مسئلہ وحدت وجود و وحدت الشہود سے متعلق ہیں اور بڑی حد تک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں۔

شہودی صوفیہ کے نزدیک (توحید وجود حقیقی کی) تفصیل یہ ہے کہ ممکنات کے حقائق علم الٰہی کے مرتبہ میں عدم اور وجود سے مرکب ہیں اس طرح کہ عدم اضافیہ ہیں مثلاً عدم العلم جو جہل سے عبارت ہے اور عدم القدرت جسے عجز کہا جائے گا۔ وغیرہ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ اور ان سے مرتبہ الٰہی کا ثبوت پیدا

ہوتا ہے اور صفات حقیقیہ کے آئینے ان عدمات کے مقابل ہیں۔ ان صفات کے عکس ان آئینوں میں منعکس ہوتے ہیں۔ یہ مخلوط تعینات عالم کے مبادی ہیں۔ پس ان (شہودی صوفیہ) کے نزدیک اعیان ثابتہ فی العلم اعداد اضافیہ اور صفات حقیقیہ کے پرتو سے مرکب ہیں اور خارج ظلی کے آئینوں میں جو خارج حقیقی کا ظل ہے آثار خارجیہ کے مصدر بن گئے ہیں۔ پس ان کے نزدیک اعیان خارجیہ وجود ظلی میں موجود ہیں نہ کہ وجود حقیقی میں اور خارج ظلی میں متحقق ہیں جو وجود حقیقی کے تحقق کی منزل ہے۔ دنیا میں جو کچھ موجود ہے اور اس کے توابع سب ظلاً یا انعکاساً خدا کی ذات سے مستفاد ہیں کیونکہ وجود حقیقی کے ساتھ خارج حقیقی میں سوائے خدا کے کوئی شے موجود نہیں ہے **فهذاهو التوحید** (پس یہی توحید ہے)۔

عدم، شر و نقص کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔ اور وجود، مبدأ خیر و کمال ہے اور دنیا عدم و وجود دونوں سے مرکب ہے۔ بلکہ اس کا عدم ذاتی ہے۔ اور وجود عاریتی اور وجود حق بسیط، خیر محض اور حسن محض ہے وہ عین عالم نہیں ہوسکتا۔ ناچار دنیا حسن و قبح کا مجموعہ ہوگی۔ لیکن تمام وجود حسن خدا کی ذات سے مستفاد ہیں۔ اور برائی کے پہلو عدم کی طرف سے آئے ہیں۔ پس جب سالک اپنی استعداد کی قوت سے اور جذب مشائخ سے جو جذبۂ الٰہی کا پرتو ہے سیر علمی کے ذریعے امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی کی طرف سفر کرتا ہے۔ جو ان ظلماتی اور نورانی حجابوں کے دور ہو جانے سے عبارت ہے جو حدیث کے مطابق خدا اور مخلوق کے درمیان حائل ہیں تو اس نسبت محاذات کے فیوض و برکات جو ظاہر اور مظہر کے درمیان متحقق تھے وہ ان پردوں کے ہٹ جانے سے جو سالک کے آئینہ وجود میں انوار شمس حقیقی کے منعکس ہونے میں مانع تھے دور ہو جاتے ہیں۔ اور ان انوار کا غلبہ آئینہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس حالت کو ''نسبت فنا'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور فنا کے بعد یہ لازم ہے کہ خدا کی طرف سے ہر مقام کے مطابق وجود وہبی عطا ہو جس سے سالک بشریت کے کارخانے (کاراستحکام) اور شریعت کے احکام کا قیام کر سکے۔ اسی کو نسبت بقائی کہتے ہیں۔ پس اگر سالک تمام ظلماتی اور نورانی حجابات دور کر کے صفات اور شیونات کی تجلیات سے گزر کر تجلی ذات احد سے مشرف ہو جائے اور زمانۂ نبوت باقی ہو تو (اللہ تعالیٰ کی عطا سے) نبی ہو جاتا ہے۔ اور عصمت کے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں صدور شر کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ ورنہ امکان سے وجوب کی طرف جتنی مسافت طے کی ہے۔ اس کے مطابق عدم سے جو ''شر محض'' ہے دور ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ ظلمات عدم انوار کے غلبہ سے مضمحل ہو جاتی ہے۔ اس لیے (سالک) مصدر خیر بن جاتا ہے۔ لیکن چونکہ احیاناً وقوع شر کا

احتمال باقی ہے ولی یا نائب نبی ہو جاتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کی تربیت اور اصلاح کرتا ہے۔ یہی بات ہے جسے یوں کہا گیا ہے کہ انبیاء معصوم اور اولیا محفوظ ہیں اور یہی ظہور نسبت کے معنی ہیں جو اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح ہے اور مختصراً صوفیہ شہودیہ مجددیہ کا مشرب ہے[1]۔ رحمھم اللہ (اللہ ان پر رحم کرے)۔

وہ معارف جو نامانوس ہیں جب ظاہر ہوتے ہیں تو رشک کا سبب بنتے ہیں۔ اور مادہ رشک ان معارف کے غیر متعارف ہونے کی بنا پر ہے۔ جو آپ سے قرون اولیٰ میں شیوع پذیر ہوئے۔ شہود بالخیر قرون ثلاثہ کے بعد پردہ کمون میں چلا گیا تھا۔ اور ان کی (حضرت مجدد رحمہ اللہ کی) طینت مطہرہ کی خصوصیت سے ظاہر ہوا کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طینت مطہرہ کا بقیہ تھا۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ پہلے ان مقالات کے فاعل کی طرف نظر کی جائے۔ اگر وہ کتاب اور سنت کا تابع ہے۔ اور اس کے اکثر اعمال واقوال میزانِ شریعت پر موزوں ہیں تو اس کے کلام کے متشابہات کی تاویل اس کے کلام کے محکمات کے موافق کی جائے یا اسے ڈھکی چھپی باتوں کے جاننے والے یعنی خدا پر چھوڑ دیا جائے اور اسے معذور سمجھا جائے۔ کیونکہ اس قوم (صوفیہ) کو بہت سے عذر ہوتے ہیں۔ کبھی ان کی عبادات حال کے غلبہ میں ان کی مرادات کی مساعدت نہیں کرتیں اور کبھی معلومات کشفی میں وہم اور خیال کے مخلوط ہو جانے سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اور اس خطا میں وہ اجتہادی خطا کی طرح معذور ہیں۔ اور کبھی ان کی اصلاح کی اطلاع بہتر نہیں ہوتی۔ پس ان امور کے پیش نظر اعتراض ترک کرنا لازم ہے۔ خاص طور پر حضرت مجدد کے کلام کرامت انتظام پر اعتراض کرنا بالکل فضول ہے کیونکہ ان کے طریقہ کی بنیاد اتباع سنت پر ہے۔ اور ان کی تصنیفات بھی ایسی ہی نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس فتنہ کے ہیجان کا بڑا سبب توحید وجودی سے منکر ہونا اور توحید شہودی کا ماننا۔ کیونکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر آپ کے دور مبارک تک لوگوں کے ذہنوں پر وحدت الوجود کا مسئلہ چھایا ہوا ہے۔ حضرت مجدد کا توحید وجودی سے انکار کرنا علمائے ظاہر کے انکار کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ جس مقام سے وحدۃ الوجود کے ماننے والے بات کرتے ہیں۔ آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ اصلی مقام کو اس سے زیادہ بلند بتاتے ہیں اور غیریت کو جو خدا اور مخلوق کے درمیان ہے۔ اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ وجود حقیقی (جو خارج حقیقی میں متحقق ہے) کی وحدت میں مخل نہ ہو۔ وحدت الوجود کے ماننے والوں کے برخلاف جو خلق اور خالق کے درمیان عینیت ثابت کرتے ہیں۔ وحدت وجود وشہود کا مسئلہ اور خطوط میں

علیحدہ لکھا گیا ہے والسلام[2]۔

یہ سب (واردات غریبہ اور احوال عجیبہ) لطیفۂ قلب کے آثار ہیں۔ اور یہ مقام تمکین ہے اس لطیفہ کی انتہا یہ ہے کہ یہ تنگنائے امکان سے باہر آجاتا ہے۔ اور مقدمہ وجوب کی وسعت میں آ کر دائرۂ ظلال اسماء وصفات کی سیر کرتا ہے۔ جو تعیناتِ عالم کے مبادی ہیں اور ظلِ خاص میں جو تعین امر کا مبداء ہے خالی ہو جاتا ہے۔ اور اسی ظل سے بقاء حاصل ہوتی ہے اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح میں اس کا مطلب فنائے قلب اور ولایت صغریٰ ہے۔ جو اولیاء کی ولایت ہے اور ولایتِ ظلی سے جو محل سکر ہے، وحدت وجود کے معارف پیدا ہوتے ہیں قلب کے ضمن میں اس مقام پر نفس کو فنا کی ہم رنگی حاصل ہوتی ہے۔ اس ولایت کے حصول کا اثر خدا کی ایسی دائمی حضوری ہے جس میں کبھی غفلت نہیں آتی کسی اور سے تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس مقام سے اوپر ایک اور مقام ہے۔ جس میں سالک کی سیر اس ظلال کے اصول میں ہوتی ہے۔ جس کا نام اسماء وصفات ہے۔ اور معاملہ لطیفۂ نفس پر آپڑتا ہے۔ جو عالمِ خلق سے ہے جیسا کہ پچھلے مقام میں قلب اور چاروں لطائف سے کام آپڑا تھا جو عالمِ امر میں ہیں اور جن کا عروج مرکزِ ظلال تک ہے۔ یہاں نفس کو حقیقت فنا مل جاتی ہے۔ اور نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ میں بدل جاتا ہے۔ اور مخالف دشمن موافق دوست بن جاتا ہے اور دعوت وارشاد کا حق مل جاتا ہے کیونکہ یہ مقام بعد الجمع کی چوٹی ہے۔ اس لیے یہاں پر تمیز حاصل کر کے وحدت شہودی کا راز (جو خلق سے غیریت حق کی خبر دیتا ہے) معلوم ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر ان چیزوں کی طرف راغب ہوتا ہے جنہیں خدا پسند کرتا ہے اور ان سے گریز کرتا ہے جس سے خدا کو نفرت ہے[3]۔

برخوردار تمھارے التماس کے مطابق وحدت وجود کا مسئلہ لکھا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے مراتب سنیہ کی شرح میں لکھا ہے کہ خدا اپنے علمِ قدیم میں حقائق کلیہ وجزئیہ جانتا ہے کسی شے کے علم سے اس شے کا وجود علم میں لانا لازم آتا ہے۔ اس لیے چاہیے کہ تمام موجودہ چیزیں علم ازلی میں موجود ہوں۔ اسی وجہ سے صوفیہ قائل ہیں کہ ہر چیز کا وجود علم میں ثابت ہے۔ اس مرتبہ علم میں جس کا نام اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح میں باطن وجود ہے وجودات اشیاء کو زمانے کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر حاصل نہیں۔ اس کے برخلاف وجود خارجی میں تقدیم وتاخیر بدیہی ہے۔ کیونکہ وجود علمی وجود خارجی سے الگ چیز ہے۔ اور چاہئے کہ اس سے مقدم رہے جیسا کہ اصل کو فرع پر اور ظل والی چیز کو ظل پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔ وجود علمی سے خارجی

اشیاء کے وجود میں آنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی ایسی صورت کو صورِ علمیہ سے وجود میں لائے جسے وجود منبسط کہتے ہیں اور جسے اس قوم کی اصطلاح میں ظاہر وجود کہتے ہیں اور اس صورت کے آثار مطلوبہ کو اس صورت سے ظاہر کرے تو اس صورت اور اس وجود کے نور کے درمیان ایسا رشتہ پیدا کر دیتا ہے جو ذہن میں تو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن از روئے کیفیت نہیں معلوم ہوتا اور وجود منبسط کا آئینہ اس صورت کے عکس سے منقش کرتا ہے۔ اور اس طرح کرتا ہے کہ نقش اطلاق وجود برہم نہ ہو۔ **و للہ المثل الاعلی** (اللہ کے لیے بڑی مثال ہے) جیسا کہ دیکھنے والے کا عکس آئینہ کے سامنے آ کر آئینہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے آئینہ کا نور زائل نہیں ہو جاتا۔ عقل سلیم رکھنے والا تھوڑے سے غور کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ صورت مرئیہ آئینہ میں یا آئینہ پر ہے کیونکہ وہاں نہ دخول ہے نہ ارتسام اگرچہ بظاہر اور عوام کی سمجھ کے مطابق صورت مرئیہ اور وصف مرئی ایک ظرف میں ہے جو مرات ہوتا ہے اور حقیقت کے مطابق صورت اور مرات آئینہ میں سے ہر ایک ایک دوسرے کے ساتھ ہیں یعنی شکل ولون صورت مرات سے پیدا ہوتی ہے۔ اور تقعر وتجدب آئینہ صورت سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا جامی مراتب ستہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وجود کو مرات سمجھیں تو اس میں بظاہر صورِ علمیہ کے آثار واحکام پائے جاتے ہیں۔ (**الا. ان الاعیان ثابة فی العلم ماشممت رائحة الوجود فی الخارج** (آگاہ باشید چیزیں علم میں ثابت ہیں اور میں نے خارج میں وجود کی بو نہیں سونگھی) اور اگر صور علمیہ کو مرات قرار دیں تو اس میں اسماء صفات کی تجلیات اور حضرت وجود کے شیونات ہیں نہ کہ وجود بعینہ۔ چنانچہ شان مرات خزانۂ علم کی طرح ہے جو منقوش صفحے کی طرح ہے اور وجود منبسط صیقل کیے ہوئے آئینہ کی جگہ اس کے مقابلہ میں ہے اس صفحہ میں سے نہ کوئی نقش باہر آتا ہے اور نہ کوئی صورت مرات وجود میں آتی ہے کیونکہ مرتبہ علم میں سے صورۃِ علمیہ کا خروج مستلزم جہل ہے۔ اور مرات وجود میں دخول صورت سے قیام حادث قدیم ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں مشکل ہیں۔ اس لیے باطن وجود اور ظاہر وجود کے درمیان طرفین کے آثار واحکام کے عکس سے ایک طلسم ہے جو اس قوم کی اصطلاح میں مرتبہ وہم اور دائرہ امکان کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں پانچ مشہور تنزلات میں سے تین تنزلات امکانیہ پائے جاتے ہیں یعنی تنزل روحی، مثالی اور جسدی۔ چنانچہ مرتبہ علم واجبی میں دو تنزل وجوبی ہیں یعنی وحدت و واحدیت جو مرتبۂ علم میں خدا کے شیونات صفات کو اجمالاً اور تفصیلاً ملاحظہ کرنے سے عبارت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ خارج میں وجود واحد کے

علاوہ کسی شے کی تحقیق اور اس کا ثبوت نہیں اور کثرت مرئیہ مرتبہ وہم میں ہے۔ حکمت بالغہ نے اس وہم کو تقویت دی ہے اور اس پر آثار ابدی کی بنیاد رکھی ہے نہ کہ اس وہم پر جو رفع وہم کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس مرتبہ پر اطلاق وہم سے اس قوم کی مراد یہ ہے کہ اس کثرت کی کوئی دوسری حقیقت نہیں۔ تمام وجود واحد اس مرات وجود منبسط میں تجلیات بن گیا ہے اور اس کثرت سے تجلیات شیونات سے پیدا ہوتے ہیں جو حضرت وجود میں موجود ہیں اور مرتبہ علم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے بیج سے کوئی پودا اگتا ہے۔ اس طرح حقائق ممکنات بن جاتے ہیں۔ اور ان حقائق کا عکس مرات وجود منبسط ہو کر عالم کہلاتا ہے۔ اور چونکہ وہمی اشیاء کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ وجود علمی کا عکس ہے اور نفس امر میں تمام وجود علمی کے ساتھ موجود ہے۔ مرتبہ علم سے نہیں نکلتی ہیں۔ جیسا کہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور علم حقیقی خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ وجود یہ صوفیوں کے خیال میں صفات عین ذات ہے۔ اس لیے اس تقریر کے بموجب اشیاء کا وجود عین وجود حق ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا ہے: **ان شئت قلت حق وان شئت قلت خلق** (جس چیز کو میں نے چاہا حق کہہ دیا اور جس چیز کو چاہا خلق کہہ دیا) اور ثابت ہو گیا کہ خارج میں وجود واحد کے سوا کچھ اور نہیں۔ یہی وحدت وجود کے معنی ہیں۔ اور یہی ان حضرات کا مکشوف اور شہود ہے[۴]۔

سر کردہ علمائے، فحول اور جامع معقول و منقول سید غلام یحییٰ (اللہ ان کی تمناؤں کو پورا کرے) نسبت اخوت طریقت اس ہیچمدان یعنی جانجاناں سے رکھتے ہیں (انھوں نے) میرے ایماء پر مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود کے بیان میں ایک مختصر رسالہ لکھ کر مجھے دکھایا۔

حق بات یہ ہے کہ اختصار کے باوجود انھوں نے پورے موضوع کا احاطہ کر لیا ہے۔ **جزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء** (خدا انھیں جزائے خیر دے) لیکن مسئلہ تطبیق سے الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ مکشوفین کے درمیان تطبیق کا مسئلہ تکلف سے خالی نہیں ہے۔ لیکن اس سے ایک اچھی مصلحت وابستہ ہے۔ **هی الاصلاح بين الفئتين العظيمتين** (اس سے دونوں عظیم فرقوں کے درمیان مصالحت ہو جائے گی۔ (**رحم الله عبداً انصف ولم يتعسف** (اللہ رحم کرے اس بندے پر جس نے انصاف کیا اور بے انصافی کو روکا) والسلام (دیباچہ بر حاشیہ رسالہ مولوی غلام یحییٰ)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۱۱ھ تا ۱۱۹۵ھ) کے مشہور خلیفہ مولانا سید محمد نعیم اللہ (علوی نسباً حنفی مذہباً مجددی مشرباً و بہرائچی موطناً م ۱۲۱۸ھ) نے حضرت کی تعلیمات اور خانقاہِ شمسیہ

مظہریہ کے متعلق ایک رسالہ ''معمولاتِ مظہریہ'' (مطبوعہ نظامی کانپور ۱۲۸۴ھ تصحیح نسخہ از شیخ ابوالحسن خلیفہ حضرت مولوی مراداللہ خلیفہ حضرت مولوی محمد نعیم اللہ مذکور) ترتیب فرمایا تھا۔ اسی رسالہ کے صفحات ۱۰۲ تا ۱۰۵ پر مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود سے متعلق جو بحث ہے۔ ذیل میں اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

مسئلہ توحیدِ وجودی و توحیدِ شہودی کی اعتقادی کیفیت:

حضرت مولوی غلام یحییٰ رحمتہ اللہ علیہ رسالہ ''کلمات الحق'' میں فرماتے ہیں جو انھوں نے حضرت والا (حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ) کے ایماء اور آپ کی بشارت پر تحریر فرمایا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود کا مسئلہ دین کے ان ضروری عقائد کے مسائل سے نہیں ہے جن پر ایمان و اسلام کا مدار ہو۔ اس لیے یہ دونوں مسائل حادث (یعنی خلق) کی قدیم (یعنی خالق) کے ساتھ ربط کی کیفیت سے متعلق ہیں اور جو کچھ اس بارے میں قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ تمام عالم حادث ہے اور مصنوع اور حق تعالیٰ شانہ صانع ہیں اور قدیم۔ رہی یہ بات کہ ان ہر دو صانع و مصنوع کے درمیان علاقۂ عینیت ہے یا غیریت محض، تو شریعت یہاں خاموش ہے۔ اگر چہ رموز و اشارات کے طور پر ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے کلام شارع سے استنباط کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس استنباط سے اس درجہ ثبوت نہیں بہم پہنچتا کہ ان دونوں مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ پر اعتقاد کرنا واجب ہوجائے اور وہ دین کے ضروری مسائل میں سے شمار کیا جانے لگے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ صرف حضرات اولیاء اللہ کے مکشوفات سے متعلق ہے۔ ان میں سے بعض کو دوران سیر و سلوک وحدت وجودی مکشوف ہوئی اور بعض کو وحدت شہودی واضح (حضرات) صحابہ تابعین و تبع تابعین اور اسی طرح وہ متقدمین صوفیہ جو اہل صحو و افاقہ ہوئے ہیں ان میں سے ان ہر دو مسائل میں کسی کے متعلق صراحت کے ساتھ کچھ ثابت نہیں ہے۔ مگر تلمیحاً و اشارۃً توحید وجودی حضرت شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) اور ان کے معاصرین و متبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور سے کچھ اس طرح اشاعت پذیر ہوئی۔ اس مسئلہ کے مبادی و مقاصد کی تحقیق میں کچھ اتنی زیادہ کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور اس دور میں اس کا رواج کچھ اس قدر بڑھ گیا کہ ایک نادانوں کا گروہ زمرۂ صوفیہ میں داخل ہوگیا ہے۔ جو صرف اس مسئلہ پر اعتقاد رکھنے کو ہی دین کا کمال تصور کرتا ہے اور ظاہر شریعت کو ناقابلِ اعتنا اور ظاہری رسمیں قرار دیتا ہے۔ (**نعوذباللہ من ذلک**) شریعت کا اتباع تو امتِ محمدیہ کا سب

سے بڑا کمال ہے اور سعادتِ سرمدی کی کامیابی اسی سے ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ:

> (ترجمہ) کامل سعادت تو اتباعِ شریعت ہی میں منحصر ہے ظاہراً و باطناً۔
>
> پس جو کوئی دنیا و آخرت میں سعید و نیک بخت بننا چاہے اسے لازم ہے کہ اپنے باطن کے لیے حقائق حقہ کو اور ظاہر کے لیے تقویٰ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرے۔ نفس کو خواہشات کی اتباع سے روکے اور اپنے امور و معاملات میں اپنے پروردگار کی پسند و مرضی کے مطابق مخلص ہو۔ جب ایسا ہوگا تو حقیقی معارف ربانی اور اسرارِ خفی اس کے لیے کھول دیے جائیں گے۔ جو صرف ذوق سے پہچانے جا سکتے ہیں۔

توحید شہودی ابتداءً حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی اور بعدہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمائی۔ پس طالبِ حق کو چاہیے کہ اگر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے تو ایسے شیخ کامل و مکمل کی صحبت کو اکسیر اعظم جانے جس کا ظاہر قرآن و حدیث کے موافق اور جس کا باطن موثر ہو اور اس کے فیض صحبت سے جو کچھ اس پر واضح ہو اسے ہی اپنے لیے پسند کرے۔ اور اس سے پیشتر حضرات اولیاء اللہ کے ساتھ حسنِ ظن کے پیش نظر حق کو دونوں مسلکوں (وحدتِ وجودی و وحدتِ شہودی) کے درمیان دائر جانے اور اگر اپنے مشائخ کے ساتھ کمال حسنِ ظن کی بناء پر اسے ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا پختہ یقین بھی حاصل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اسے چاہیے کہ دوسری جانب کے خلاف طعن و تشنیع کی زبان دراز نہ کرے۔ اور اپنے مشائخ کے خلاف ان کی اقتداء و پیروی کرنے پر کہ جن پر ان دو مسلکوں میں سے کسی ایک کی حقیقت کشفاً ظاہر ہوئی ہے۔ رد و انکار اور اظہار ناپسندیدگی نہ کرے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں مشاہدہ سے کہتے ہیں۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

(قلندر جو کچھ کہتا ہے مشاہدہ سے کہتا ہے)

پس خود وہ اولیاء اللہ تو اپنے کشف و مشاہدہ کے خلاف کسی شے کو رد کر دینے میں معذور ہیں نہ کہ ان کے متبعین بھی اس لیے کہ یہ ظاہری بات ہے کہ جو چیز نہ ظاہر شریعت کے خلاف ہو اور نہ ہدایت عقل سے مصادم یعنی عقل سلیم اسے جائز رکھتی ہو۔ اور مخالف مسئلہ کو حقیقی عقلی مسائل سے نہ سمجھتی ہو اس پر رد و انکار اور

اظہار ناپسندیدگی میں جلدی کرنا معقول نہیں ہے۔ اور ان دونوں مسائل (وحدتِ وجودی و وحدتِ شہودی) میں ہر ایک کی جیسا کہ واضح ہو چکا ہے یہی نوعیت ہے کہ وہ مخالفِ شرع ہے نہ مصادمِ عقل۔

بعض احباب نے اپنے بعض رسائل میں وحدتِ وجود پر جو عقلی دلیل قائم کی اور اسے برہانِ قطعی سمجھا ہے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) جو فنِ معقول میں مہارت رکھتا ہے۔ اس پر واضح ہے کہ وہ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ انصاف سے دیکھا جائے تو وہ درجہ خطابیہ کو نہیں پہنچتی چہ جائیکہ اس سے قطعیت (استحکام) حاصل ہو سکے۔ اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں جہاں حال (کشف و مشاہدہ) کا اعتبار ہو نہ کہ قال (دلیل و برہان) کا خود ان دلائل و براہین کے متعلق سوچنا۔ ایک بے مقصد کام میں عمرِ عزیز ضائع کرنا اور قیمتی وقت کا بیجا صرف کرنا ہے۔ حضرت مولانا جامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقد النصوص کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ مسئلہ توحید میں عمیق غور و فکر کے دوران اس پر نیند غالب آ گئی خواب میں اس نے ایک کتاب دیکھی جس کے حاشیہ پر تحریر شدہ چند سطور کا مضمون یہ تھا کہ:

> دریافت سرِ توحید جز بزوالِ تعینات و فنا از رسوم و عادات دست ندہد وتصرف کردن دراں بنظرِ عقل محلِ خوف سوءِ خاتمہ است۔
>
> توحید کا راز معلوم کرنا تعینات (ممکنات) کے زوال اور رسوم و عادات سے فنا کے بغیر ممکن نہیں۔ اس میں عقلی طور پر سوچنے اور تصرف کرنے سے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

اسی طرح حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

> بر طالب خیر پوشیدہ نماند کہ بمجرد حفظ مقالات اربابِ توحید و تخیل معانی آں اکتفا کردن و آں را مرتبہ از مراتبِ کمال شمردن غایت خسران ونہایت حرماں است۔
>
> طالبِ خیر سے یہ پوشیدہ نہ رہے کہ اربابِ توحید کے مقالات کو محض حفظ کر لینا ان کے معانی کے تخیل پر اکتفا کرنا اور اسی کو کمالات کے مرتبوں میں سے ایک مرتبہ شمار کر لینا حد درجہ خسران (خسارہ و نقصان) اور انتہائی

محرومی ہے)۔

اسی بناء پر حضرت والا (حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ محض تقلید کی بنا پر ان مسائل کے متعلق گفتگو کرنا اور ان کتابوں میں مشغول رہنا نہ چاہیے اس لیے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض کے لیے ضرر اور نقصان ہے۔ اس کے درس کے مقابلے میں تفسیر وحدیث کے ساتھ مشغول رہنا زیادہ بہتر ہے۔ اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا التزام کیا۔ نیز آپ نے (حضرت مظہر جان جاناں نے) فرمایا کہ ایک فاضل مولوی عبدالباعث نے جو وحدت وجود کے مشرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے والد کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک دن انھوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ایک بڑا کشادہ سا میدان ہے اور آپ علماء اور صوفیہ کی ایک جماعت کے ساتھ رونق افروز ہیں لیکن علماء کی جماعت آپ کے دائیں جانب ہے۔ اور صوفیہ کی بائیں جانب۔ اور علماء کی جماعت پوری دلیری سے صوفیہ کی جماعت کی طرف اشارہ کر کے حضور رسالت پناہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شکایت کر رہی ہے کہ انھوں نے (صوفیہ نے) شریعت کو بے رونق کر دیا ہے۔ بدعات کو رواج دیا اور وحدت وجود کے دعوٰی کی لب کشائی سے دنیا کو گمراہ کیا ہے۔ اور صوفیہ (کی کیفیت یہ ہے کہ) شرم کے باعث گردن نیچی کیے ہیں اور دم نہیں مار رہے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے (صوفیہ کے) بارے میں فرط حیاء کے باعث ان کی تقصیرات کے باوجود ان سے کچھ نہیں فرما رہے ہیں۔ علماء کا یہ جوش اصالت وحقانیت کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کے اعتماد کی بناء پر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت صوفیہ سے عشق ومحبت کے باعث۔ لیکن وہ علماء صوفیہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر وباطن کے وارث ہیں دنیا کی بہترین مخلوق ہیں۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......پروفیسر خلیق انجم: مکاتیب مرزا مظہر جان جاناں، دہلی ۱۹۶۲ء، مکتوب نمبر ۳
۲......ایضاً، مکتوب نمبر ۵
۳......ایضاً، مکتوب نمبر ۲۲
۴......ایضاً، مکتوب نمبر ۲۳

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

ابن عربی اور امام ربانی کے بعض نظریات

(ایک تقابلی جائزہ)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی

☆

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کا مسلک علامہ بحرُ العلوم رحمہ اللہ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور جدِ امجدِ عاشر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا مسلک آپ کے مکاتیب ورسائل سے اس عاجز نے بیان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف اصولی اور اہم اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے۔ فروعی اور جزئی اختلافات کو ترک کر دیا ہے۔ دونوں حضرات کے مسلک میں اصولی اور حقیقی اختلاف موجود ہے اور اس عاجز کو اُن افراد پر تعجب ہوتا ہے جو ان دونوں حضرات کے اختلاف کو صرف لفظی اختلاف سمجھتے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ عاجز تین مسائل پر تھوڑا سا تبصرہ کرتا ہے۔

ا...... شیخ اکبر صرف ایک وجود کے قائل ہیں اور وہ وجود اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو شخص دوسرے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک وہ شرک کر رہا ہے۔ اُن کے نزدیک کائنات کی حقیقت علمِ الٰہی ہے۔ چوں کہ اللہ کا علم ازلی ابدی ہے۔ اس لیے کائنات کی حقیقت بھی ازلی ابدی ہے۔ وہ کائنات کی حقائق کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں۔ اعیان کو خارج کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ کائنات کی جو شکل اور صورت نظر آ رہی ہے وہ اعیان کا مَوہُومی عکس ہے۔ اور چوں کہ موہومی عکس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے اس لیے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس پر عذاب وثواب مترتب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ظہور اس میں ہوا ہے۔ اور وہی اس میں متجلّی ہے لَامَوْجُودَ اِلَّا اللہ۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ اللہ کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے ممکن کو پیدا کیا۔ عدم ہر شر وفساد اور ظلمت وخرابی کا ماڈی ہے۔ یہ عدمی حصّہ بمنزلہ اصل اور مادِّہ کے ہے۔ اس عدمی حصّہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ظل وپرَتَو پڑا۔ جس اسم وصفت کا اصل پرَتو

پڑا وہ اس صفت سے متصف ہوا۔ اگر اسم الہادی کا پرتو پڑا ہے تو ہدایت پائی۔ اگر العلیم کا پرتو پڑا ہے تو علم سے محلّی ہوا۔ اور اگر المضل کا پرتو پڑا ہے۔ تو ضلالت میں پڑا۔ اسی طرح باقی صفات کی کیفیت ہے۔

آپ ممکن کا عدمی وجود ثابت کرتے ہیں۔ جو کہ بہ یُمنِ ظلالِ اوصافِ الٰہیّہ قائم ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ظل عین اصل نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک ممکن کا وجود نہ ازلی ہے نہ ابدیِ اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ اور اس کے لئے فنا ہے۔

حضرت محترم کے مسلک کی تائید اس حدیث حَسن سے ہو رہی ہے۔ جو جامع ترمذی کے باب افتراق ھٰذہ الائمۃ میں عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے۔

> يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَاَلْقىٰ عَلَيْهِمْ مِنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهُ ذٰلِكَ النُّوْرُ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلىٰ عِلْمِ اللهِ۔
>
> یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر اپنے نور کی تجلّی ان پر کی۔ جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہوا۔ لہٰذا میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔ یعنی جو کچھ اللہ کو منظور تھا۔ وہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔ اب ردوبدل کا خیال بے کار ہے۔

جہاں حضرتِ وجود ہے۔ وہ نُور ہی نُور ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ عدم ہی ظلمت ہے اور وہی بے نُور اور شر و فساد کا ماوٰی ہے۔ کائنات کی اصل وہی ہے اور اس پر سماء وصفات کی تجلی ہوئی۔ جس اصل پر جس اسم وصفت کا نور پڑا وہ اس صفت سے بہرہ اندوز ہوا۔ اور جس اسم وصفت کا نور نہیں پڑا اس سے بے بہرہ رہا۔ ممکن کو نقائص اپنی اصل سے اور کمالات اسماء وصفات کی تجلّیات سے ملے ہیں۔ اس طرح "مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ" کی تفسیر واضح ہوئی۔ یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو بُرائی تجھ کو پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔ ممکن کا وجود ہے اور وہ وجود اپنے اجزا سے، اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن اور حادث ہے۔ اس

کی حقیقت کے لیے وجوبی تعین کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کی حقیقت پر اسماء وصفات کا نور وظل پڑا ہے اور وہ ظل موہومی نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے۔ اور اس ظل سے اس کی حقیقت کا قیام ہے۔ اور وہ ظل عین اصل نہیں۔ ظل کو عین اصل نہیں کہا جا سکتا۔

۲...... شیخ اکبر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مرتبۂ ذات میں غنا ثابت ہے۔ مرتبہ صفات وافعال میں غنا ثابت نہیں ہے بلکہ وہ ممکنات کا محتاج ہے۔ کیونکہ موصوفات کے بغیر صفات کا ظہور نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت وہر حال میں غنی ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اس کی محتاج ہے۔

یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔

اے لوگو! اللہ کی طرف تم ہی محتاج ہو اور اللہ ہی بے پروا اور سب تعریفوں والا ہے۔

ممکنات کے اوصاف اپنے ظہور میں موصوفات کے محتاج ہیں۔ پروردگار کے اوصاف کو احتیاج سے کیا کام۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و زہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

حضرت نے آیت شریفہ۔ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن.“ اَیْ لِیَعْرِفُوْنَ کَمَاقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ سے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث کُنْتُ کَنْزًامَخْفِیًّا میں فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ میں نے خلق کو پیدا کیا تا کہ میری معرفت حاصل کی جائے۔ اور مخلوق مجھ کو پہچان لے۔

یہ عاجز کہتا ہے کہ آیت شریفہ۔ ”یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّاتَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدَاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ.“ سے بھی اسی مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے کہہ رہا ہے۔ کہ ”اے حبیب! ایمان لانے والے تم پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ اُن سے کہدو کہ تم مجھ پر احسان نہ رکھو۔ بلکہ احسان تو اللہ نے تم پر کیا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی ہے۔ اگر چہ تم سچی بات کہنے والے ہو۔“ جو لوگ اپنی جان و مال اور اولاد کو

اسلام پر قربان کریں۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ اللہ کے مرہون احسان ہیں کہ اُس نے اُن کو ہدایت کی توفیق دی اور وہ ایمان لے آئے۔ یہی کیفیت کائنات کے خلق کی ہے کہ اللہ نے اپنا کرم کیا اور کائنات کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ اُس کی معرفت حاصل کریں۔

مِنّت منہ کہ خدمتِ سُلطاں ہمی کنی
مِنّت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

شیخ اکبر کے نزدیک ولایت کا اعلیٰ مقام بحرِ وحدت میں غوطہ لگانا اور دُرِّ توحیدِ وجودی کا حاصل کرنا ہے۔ سالک اس بحرِ ناپیدا کنار میں شناوری کرتا رہے۔ بجز وحدت کے اس کو کچھ نظر نہ آئے اور اس کے تن کا ذرّہ ذرّہ ''ہمہ اوست'' کی تکرار کرے۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ توحیدِ وجودی مقامِ یک بینی ہے جو سُکر و مدہوشی کا مقام ہے۔ اور یہ ولایت کا ادنیٰ مقام ہے اور اس سے بالاتر دائرۂ ظِلال ہے۔ جب سالک اس مقام میں داخل ہوتا ہے۔ وہ اسماء وصفات کے ظلال میں سیر کرتا ہے۔ اور اس سے بالاتر مقامِ عبدیّت ہے۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ اس میں صَحو و آگاہی ہے۔

سالک کی زبان پر توحیدی کے مقام میں لامحالہ ''اَنَا الْحَق'' جاری ہوگا۔ اور دائرۂ ظلال میں سُبْحَانِیْ ما اعظم شانی کی صدا بلند ہوگی۔ اور مقام عبدیّت میں ''لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ'' کے مبارک الفاظ آئیں گے۔ یہ مقام فرق ہے۔ اس مقام میں ''اَلْعُبْدُ عَبْد'' وَالرَّبُّ رَبٌّ '' کے اسرار کھلتے ہیں۔

حضرت مجدد نے ان تینوں مقامات کا ذکر دفتر اوّل کے مکتوب ۱۶ میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تینوں مقامات کی سیر کرائی ہے۔ چنانچہ از روے کشف وبصیرت فرماتے ہیں کہ ''ہمہ اوست'' وہ شخص کہہ سکتا ہے جو مقامِ توحیدی وجودی میں ہے اور جو شخص اس مقام میں نہیں ہے وہ ''ہمہ از وست'' کہے گا۔ آپ نے لکھا ہے کہ مکتوبات ورسائل میں اس درویش سے بلکہ ہر سالک سے علوم اور معارف کے بیان میں جو تفاوت ظاہر ہوا ہے۔ وہ ان ہی مقامات متفاوتہ کے حصول کی وجہ سے ہے۔ ہر مقام کے علوم اور معارف جُدا ہیں اور ہر حال کا نیا قال ہے۔

خدائیست آن کہ ذاتِ بے مثالش
نہ گردد ہرگز از حالے بہ حالے

الٰھِیْ وَمَوْلَا یَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلیٰ نَفْسِکَ

مناجاتے اگر باید بیاں کرد
بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تو می خواہم خدا را
الٰہی از تو عشقِ مصطفیٰ را

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ آخِراً وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن ۵ ط

(ماخوذ از وحدۃ الوجود مؤلفہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۱ء، ص ۸۰-۸۴)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

وحدت الوجود

محدث اعظم ہند علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ

☆☆

ابتدائے اسلام سے تقریباً ایک ہزار برس تک اس مسئلہ کا ان اجماعیات عظمٰی میں شمار تھا۔ جس میں کسی حق پرست کو کلام نہ تھا لیکن جس طرح مسئلہ کا متفق علیہ ہونا الف اول میں بے نظیر تھا' اسی طرح الف ثانی میں یہ مسئلہ اختلافات ومباحث کا مرکز بن گیا ہے' اور اس کی نفیاً یا اثباتاً نکتہ چینی کرنا صوفیت کا طرۂ امتیاز ہوگیا۔ وحدت الوجود کی سادی ستھری حقیقت صرف حمد الٰہی ہے یعنی جس طرح ایک قدیم وازلی ہستی کو متقدمین حکماء لفظ ''واجب الوجود'' سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح قدماء صوفیہ اس ہستی کو لفظ ''وحدت الوجود'' سے سراہتے ہیں، اسی بنا پر ''لطائف اشرفی'' (ملفوظات حضرت غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ المتوفی ۸۰۸ھ) میں پہلا لطیفہ اسی مضمون سے شروع کیا گیا کہ عقیدتمندی کے حضور حمد الٰہی کو ہر مضمون پر اولیت حاصل ہے، فلسفیانہ زبان میں مسئلہ کی عام فہم تصویر کشی یوں ہوسکتی ہے کہ مثلاً ایک وجود ہے جس کے سامنے ایک آئینہ رکھا ہے۔ اس وجود کی عکسی صورت آئینہ میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کی نظر آئینہ تک ہی محدود ہے۔ وہ اس صورت کو متحرک، ساکن، ضاحک، کاتب، موجود وغیرہ وغیرہ مختلف حرکات وافعال کی بناء پر قرار دیتا ہے، اب اس آئینہ کے مقابل چند اور آئینے رکھدو تو وہی صورت انہیں حرکات وافعال کے ساتھ ان آئینوں میں نظر آئے گی جو پہلے آئینہ میں نظر آتی تھی۔ اور جن کی نگاہ کی رسائی وجود اور آئینہ اول تک نہیں ہے۔ وہ ان آئینوں کی عکسی تصاویر کو متحرک، ساکن، ضاحک، کاتب، موجود وغیرہ وغیرہ سمجھتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر آئینہ اول کو ہٹا دو تو تمام آئینوں میں اگرچہ وہ اپنی جگہ پر رکھے ہوں وہ صورت باقی نہ رہے گی، جس کو نگاہ غلط نے حرکت وسکون ووجود وغیرہ صفات سے متصف کیا تھا۔ اور اس طرح اگر وجود آئینہ اول کا مواجہہ نہ ہو تو آئینہ اول اور اس کے ساتھ تمام آئینے کی

تصاویر جن کو کوتاہ نظری نے وجود وغیرہ کا خلعت دیا تھا معدوم ہو جائیں گی۔ لیکن اگر تمام آئینوں کو وجود کے سامنے سے ہٹا دو تو وجود اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود رہے گا۔ اسی بناء پر حقیقت شناس طبیعتیں ان تمام عکسی تصاویر کو ''موجود'' کہنا ایک ناپسندیدہ غلطی سمجھتی ہیں۔ جن کو حق وصداقت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ یہی تقریر زبان شریعت میں یوں ادا کی جاتی ہے: **کان اللہ ولم یکن معہ شئی**...... اصل موجود صرف اللہ ہے۔ **اول ماخلق اللہ نوری** اور اس ذات احدیت کے آئینہ احدیت کا نام **محمد** ہے (**فداہ ابی وامی**) اس تجلی اول سے مظاہر خلقیہ کا تمام کمال وظہور ہوا۔ **انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری**۔

اگر تم اس پہلے آئینہ اور تجلی اول یعنی نور محمدی (**ارواحنا فداہ**) کو درمیان سے نکال دو تو ظلمت عدم عالمگیر ہو جائے اور تمام ظل وعکس ناپید ہو جائیں۔ چنانچہ خواص وعارفین کا ارشاد ہے کہ اگر ایک آن کے لیے کسی ذرہ میں انوار محمدی (**بابی انت وامی**) کا پرتو نہ دیکھوں تو اپنے کو مسلمان نہ سمجھوں' لیکن تمام مظاہر خلقیہ کو معدوم قرار دو تو تجلی اول کے ظہور میں کوئی فرق نہ آئے گا اور اگر اس تجلی وجود حقیقی کے روبرو نہ رکھو تو وہ اصل موجود یعنی اللہ کمالات وجود سے متصف رہے گا۔ اسی لیے صحیح طور پر اصل وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔

اس مضمون کو صوفیہ کا مقدس گروہ یوں ادا کرتا ہے کہ جب ہم آئینہ شیخ میں تجلیٔ اول کا جلوہ دیکھتے ہیں تو رفتہ رفتہ آئینہ نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے' اور نظر اس تجلی پر جم جاتی ہے۔ پھر ہم اس تجلی میں ایک وجود کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وجود کی کشش ہم کو اپنا بنا لیتی ہے' اور ہر غیر وجود پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ ہم، تم، یہ، وہ، سب اسی وجود میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اور بلا ارادہ وقصد زبان کہتی ہے کہ:
لاموجود الا اللہ

زبان حکمت ولسان شریعت کا مدار دلائل عقلیہ ونقلیہ پر ہے اور مذاق تصوف کی بنیاد ومشاہدہ پر ہے' مٹھائی کی مٹھاس ایک بدیہی امر ہے اس مٹھاس کو حکماء وغیرہ الفاظ کا جامہ پہنا کر ظاہر کریں گے اور صوفیہ صاف کہیں گے ع

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانچشی

بہر حال مسلہ وحدت الوجود کیا بر بنائے علم وعقل اور کیا بر بنائے دید ومشاہدہ ہر صورت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی ایک حمد ہے اور وجود حقیقی کی یکتائی اور صفت وجود میں بے مثلی کا بیان ہے اور یہ وہ حمد وبیان ہے جس میں

انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن جس طرح دنیا کا قاعدہ ہے کہ اچھے لفظ سے برائی پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور شراب انگور کو عرق انگور کہہ کر ہضم کیا جاتا ہے اسی طرح وحدۃ الوجود جیسی خالص توحید کو لوگوں نے شرک پرستی کا پردہ بنانا شروع کیا اور لفظ وحدۃ الوجود یا ہمہ اوست کو عملاً یا جہلاً اتحادالوجود کا مرادف کر دیا۔

اس مسئلہ کے تاریخی اوراق اور اس کے جغرافیائی حالات سے ہم کو پتا چلتا ہے کہ الف اول ہی میں کچھ لوگ اس مزاق کے پیدا ہو چکے تھے وحدۃ الوجود کے بعض حالات و کیفیات غیر اختیاریہ کو دیکھ سن کر متحمل نہ ہو سکے اور سنی سنائی یا کتابوں کی دیکھی باتوں کو ہوا و ہوس کے سانچے میں ڈھال کر خواہ مخواہ اپنے کو صوفی کہلانے لگے...... اسی توحید کو لطائف میں توحید رسمی فرمایا گیا اور ان لوگوں کی زبان درازی کا کیسا' مختصر سا رد بلیغ فرما دیا ہے کہ

> ''اے لفظ کے بندو! وحدۃ الوجود ایک حقیقت و حالت ہے نہ کہ خوبصورت اور معمہ الفاظ کی فہرست و لغت' گفت وشنید سے باز آؤ اور ذوق و دید کے میدان میں قدم رکھو۔

اسلام کے ساتھ ساتھ جب عقیدہ وحدۃ الوجود نے ہندوستان میں قدم رکھا تو یہاں کی ناگزیر صحبت نے حقیقت مسئلہ میں پورا پورا انقلاب پیدا کر دیا۔ اور بعض نادان مسلمانوں کو اس عظیم انقلاب کا احساس تک نہ ہو۔ اور آج بھی تم کو ایسے لوگ مل جائیں گے جو اپنی حرکت و صورت کو مستانی بنا کر وحدۃ الوجود کے نام سے رات دن جلوت و خلوت' تنہائی اور مجمع میں گل افشانیاں یا بکواس کرتے رہتے ہیں اور ہر وقت دعوائے الوہیت کے لیے کمربستہ نظر آتے ہیں۔ ان کی تقریر و تحریر کا کثیر حصہ تو وہ ہوتا ہے جس کو وہ خود نہیں سمجھتے اور جتنا سمجھ کر کہتے ہیں وہ اتحادالوجود کا مجسمہ بت ہوتا ہے۔ وحدۃ الوجود اور اتحادالوجود میں وہی فرق ہے جو اللہ اور معبودان مشرکین' توحید و شرک اور حق و باطل میں فرق ہے...... وحدت اس یکتائی کا نام ہے جس کو دوئی سے لگاؤ نہیں اور اتحاد اس نسبت کا نام ہے جو جانبین کے درمیان ہو اس میں ہر جانب کا مستقل وجود درکار ہے اور دوئی سے چارہ کار نہیں ہے...... اسلامی تصوف وخدارسی اور مشرکانہ جوگ اور رہبانیت کا حد فاصل یہی مسئلہ ہے...... اسلام وحدت کی تعلیم دیتا ہے اور شرک اتحاد کا درس دیتی ہے۔ کوتاہ نظروں نے حقیقت کو نہ دیکھا اور دو گناہوں میں سے ایک کے مرتکب ہو گئے' کوئی وحدت کے نام سے اتحاد پر آ رہا اور کوئی اتحاد کے نام سے وحدۃ کا منکر ہو گیا...... ان اغلاط وتغلیط وافراط وتفریط کا علاج اکابر قوم نے بہت کچھ کیا اور بہت کچھ

کامیابی حاصل کی جن میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ حصہ ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اہل زمانہ وحدت کو اتحاد کا لباس پہنا رہے ہیں اور اسلام کے بجائے شرک پسندی بڑھتی جاتی ہے اور اس کی اصلاح کی صورت صرف اتنی ہے کہ وہ حقیقت جس کے لیے لفظ وحدۃ الوجود وضع کیا گیا دوسرے لفظ مثلاً شہود سے ظاہر کیا جائے اور وحدۃ الوجود کا لفظ متروک ہو جائے...... آپ کے مکتوبات کو نظر غائر سے دیکھو تو وہ ساری حقیقتیں پاؤ گے جن کا تمام تر سبب نادانوں کی اتحاد پرستی ہے اور جس کی اصلاح آپ کے ذمہ تھی۔

یہی زمانہ ہے جب سے توحید رسمی والوں نے اتحاد کا اعلان کر دیا اور یہ سمجھ کر کہ وحدۃ الوجود کا لفظ ہمیشہ اہل حق کے عقیدہ میں مذکور ہوتا چلا آیا ہے اور اپنے مقصد اتحاد کو اس کی حقیقت خیال کر کے مجدد صاحب پر طعنہ زن بھی ہوئے۔ تم اگر دیکھو کہ کوئی وقت و بے وقت رات دن خلوت وجلوت میں ''وحدۃ الوجود'' کے نام سے زبان چلاتا رہتا ہے اور خوبی حالت سے در کنار، کامل پابندی شریعت اور تقویٰ میں خام ہے تو سمجھ لو کہ اس کے پاس توحید رسمی بلکہ توحید شرکی یعنی اتحاد وجودی کا سرمایہ ہے اور اگر دیکھو کہ کسی میں وجد وحال کا غلبہ ہے اور وہ شریعت اسلامیہ کا پورا پورا پابند ہے، ایک ایک سنت پر بلکہ مستحب پر مداوم ہے، اس پر چند ساعت کے لئے ایسی نورانی حالت وکیفیت طاری ہوتی ہے جو مرتبہ ''وحدۃ الوجود'' کا تقاضہ ہے تو اس کو اس حالت کی بنا پر وجودی صوفی سمجھو۔ اس وجود وشہود کی لفظی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم کی ایک جماعت نے عقیدۂ توحید میں توحید علمی کو منتہائے ترقی قرار دیا اور توحید حالی جو اصلی وحدۃ الوجود ہے اس کو صرف ایک خوشگوار لفاظی سمجھ بیٹھے۔ اور در حقیقت اتحادیوں نے لفظ وحدۃ الوجود کو اس قدر بدنام کر دیا کہ اس کو لوگ خوفناک باور کرنے لگے، لیکن حق پسندوں کا گروہ نہ لفظوں سے سروکار رکھتا ہے نہ معنوں میں تحریف کرتا ہے اور اس کا پورا ایمان ہے کہ توحید کی چار قسمیں ہیں:

(۱) توحید ایمانی جس کو ہر خاص وعام جانتا مانتا ہے۔

(۲) توحید علمی کہ ذوق توحید کا مقدمہ ہے اور خوب ہے۔

(۳) توحید رسمی جو بدنام کنندہ نکونامے چند ہے......

(۴) توحید حالی جو اس عقیدہ کا آخری اور بہترین درجہ ہے اسی توحید حالی کو وحدت الوجود کہتے ہیں۔ اس کا مقصود حالات وجذبات کو پیدا کرنا ہے اور اس کے لئے الفاظ کا میدان تنگ ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ آستانہ، کراچی، شمارہ ص ۱۱۳۔۱۱۵)

☆......☆......☆

ملفوظات شاہ نقشبند علیہ الرحمہ نوشتہ خواجہ محمد پارسا الرحمہ

نسبت باطنی اس طریقہ میں اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ جمعیت دل مجلس وظاہری تفرقہ کی صورت میں خلوت سے بھی زیادہ میسر ہوتی ہے۔ جمعیت کی صورت ایسے جوہر کی طرح ہوتی ہے کہ جسے جس قدر چھپایا جائے اس کی حقیقت وجوہر بہت زیادہ صاف (نکھرتی) ہوتی ہے۔ اسی موضوع پر کہا گیا ہے۔

؎ از درون شو آشنا واز برون بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می فتد اندر جہاں

ترجمہ: اندر سے آشنا یعنی یادِ خدا میں رہ اور ظاہر میں بے گانہ یعنی بے تعلق رہ ایسی اچھی روش دنیا میں بہت کم ہوتی ہے۔ یعنی دل اللہ کی یاد میں رہے اور ظاہراً بندہ دنیاوی کاموں میں مشغول رہے۔ دل بہ یار و دست بہ کار” کے طریقہ پر عمل کرنے میں بہتری وحقیقی کامیابی ہے۔

حقیقت نیت جو حقیقت میں کسی کے اختیار میں نہیں ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں یوں واقع ہوئی ہے کہ ہر عمل کی صورت کی روح تو نیت ہی ہے۔ اگر نیت نہ ہو اور اچھے نتیجہ کی امید رکھی جائے۔ تو کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ بغیر نیت کے کوئی عمل نتیجہ نہیں دیتا اگرچہ اس میں نتیجہ حاصل کرنے کیلئے کتنا ہی اخلاص برتا جائے۔

(رسالہ قدسیہ، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگارخانہ

(بعض مقالہ نگار کا مختصر تعارف)

مرتبہ

صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری مجددی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

نگارخانہ

☆☆

ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطاؔلی

ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطاؔلی بن مرزا اسلم بیگ ۲۳/ جولائی ۱۹۶۴ء/۱۳/ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ کو سیالکوٹ کے گاؤں ''کوریکی'' تحصیل ڈسکہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔ اے اسلامیات، ۱۹۹۴ء میں یہیں سے ''تخریج احادیث، مکتوبات مجدد الف ثانی'' کے عنوان سے محققانہ اور فاضلانہ مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعلیٰ سند حاصل کی (جس کا ایک باب پیشِ نظر جہاں امام ربانی میں شامل ہے) اور ۲۰۰۱ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے ''ڈاکٹر محمد اقبال وحضرت مجدد الف ثانی، افکار ونظریات'' کے عنوان سے ایم۔ فل کیا...... آپ نے ایم۔ اے عربی اور ایم۔ اے معاشیات کے علاوہ فاضل عربی اور سی۔ سی (اسلامک لاء) بھی کیا ہے...... ۱۹۸۰ء میں پیر سید علی حسین شاہ نقش لاثانی ابن پیر سید جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت حاصل کیا ۱۹۸۹ء میں عقدِ مسنونہ ہوا۔ آپ کے پندرہ مضامین ومقالات متعدد رسائل میں شائع ہو چکے ہیں جن میں اقبال اور ختم نبوت، تصانیف اقبال میں ذکرِ مجدد، اقبال کا تصور فقر اور اسلامی تصوف، پارلیمانی اجماع کا اقبالیاتی تصور اور صوفی کی لغوی حقیقت قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۶ء سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، گورنمنٹ کشمیر ہائی اسکول نیوسوہاوہ، گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ پسرور، گورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ، نارووال میں خدمات کے بعد آج کل گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ کے شعبۂ اسلامیات میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے منصب پر فائز ہیں۔

(ماخوذ از خودنوشت حالات)

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی ایک ممتاز ماہر تعلیم کی حیثیت سے معروف ہیں، وہ مشرقی پنجاب کے قصبہ کھیم کرن میں یکم ستمبر ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے...... پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔ اے اسلامیات، ایم۔ اے عربی اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی اسناد حاصل کرنے کے بعد یہیں سے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ تقریباً ۳۵ برس پنجاب یونیورسٹی میں خدمت علم کی سعادت حاصل کی، بیسیوں ملکی وغیر ملکی اسکالرز نے آپ کی زیر نگرانی مقالات لکھ کر ڈاکٹریٹ کی اسناد حاصل کیں، آپ نے علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب اور دعوۃ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں تقابل ادیان اور تدریسِ مدرسین پر اسپیشل لکچرز دیے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبۂ علوم اسلامیہ اور سیرت چیئر کے چیئر مین رہنے کے علاوہ ہمدرد فاؤنڈیشن کی مجلس شوریٰ کے رکن، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اور وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد کے مشیر اور پنجاب پبلک سروس کمیشن محکمہ تعلیم کے محکمانہ امتحانات کے ممتحن بھی رہے...... کئی اسلامی اور یورپی ممالک میں بحیثیت ماہر تعلیم مدعو کیے گئے، تقابلِ ادیان اور فقہ پر عبور آپ کی بین الاقوامی شہرت کا باعث ہیں۔ آج کل آپ مانچسٹر اور بریڈ فورڈ کے معروف اسلامی اداروں سے وابستہ ہو کر خدمتِ علم و دین کر رہے ہیں...... آپ کو حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری علیہ الرحمۃ سے شرفِ ارادت مندی حاصل ہے...... آپ نے کئی برس متواتر جامع مسجد قادریہ شیر ربانی میں ہفتہ وار درس قرآن بھی دیا۔ آپ کے مقالۂ ڈاکٹریٹ کے علاوہ گیارہ تحقیقی مقالات و کتب ایک علمی مقام رکھتے ہیں۔ جن میں تجلیات رسالت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مثالی شوہر، چانن تے سویرا (پنجابی تقریریں) تجلیات ہجویر، مقدمہ مطالعہ ادیان اور مقالاتِ صدیقی نمایاں ہیں۔ آپ کا تحقیقی معیار نہایت بلند ہے۔

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری

مترجم کتبِ احادیث حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مظہری علیہ الرحمۃ بھارت کے شہر دہلی سے بیس میل جنوب میں دریائے جمنا کے کنارے آباد علاقہ شاہجہانپور میں راجپوت خاندان کے چودھری عاشق علی خاں کے ہاں ۷/ جنوری ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے، ۱۹۵۳ء میں میٹرک کرنے کے بعد علومِ دینیہ کی تکمیل کی...... ۱۹۶۶ء میں مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل کیا،

۱۹۸۸ء میں حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ نے سند اجازت وخلافت سے نوازا......

آپ تحریر وتقریر ہر فن میں کمال رکھتے تھے، محفل میلاد ومعراج شریف اور ماہ شعبان المعظم میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ کے عرس پر خاص تقریر فرماتے جبکہ لاہور کے علاقہ والٹن روڈ پر واقع جامع مسجد غوثیہ مجیدیہ میں جمعۃ المبارک کو خطاب فرماتے......آپ کی یادگار تصانیف وتراجم میں آٹھ کتبِ احادیث کے تراجم نمایاں اور مقبول عام ہیں جن کی اکیس جلدیں اور پندرہ ہزار صفحات بنتے ہیں ان میں بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد شریف نمایاں ہیں، دیگر تصانیف میں مشعل راہ، حقانیتِ اسلام فیضان امام ربانی، تسہیل کنز الایمان، امام اعظم حضرت الف ثانی کی نظر میں، کلمہ حق، اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، خصائص کنز الایمان اور اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی معروف ہیں۔ عرصہ تک مرکزی مجلس رضا لاہور کے جنرل سیکریٹری رہے پھر ۱۹۸۵ء میں مرکزی مجلس امام اعظم لاہور قائم کر کے تقریباً اٹھاون ہزار کتب شائع اور تقسیم کیں......شوق سخن میں اختر تخلص فرماتے تھے۔ تعلیمات امام ربانی اور افکار امام احمد رضا علیہا الرحمۃ کی ترویج واشاعت کے لیے آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔

۲۸ رجمادی الاول ۱۴۱۴ھ/۱۴ رنومبر ۱۹۹۳ء کو لاہور میں وصال فرمایا، پسماندگان میں دوصاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں۔

پیر عبداللطیف نقشبندی

پیر عبداللطیف نقشبندی ۱۹۲۷ء کو بھارتی پنجاب کے شہر جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ایم۔ ایس۔ سی تک تعلیم حاصل کی۔ موصوف اپنی دینی خدمات کے باعث ملک اور بیرونِ ملک، دینی حلقوں میں خاصے معروف ہیں۔ اگرچہ آپ نے چالیس برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا ہے جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس اور فنی مہارات کے متعلقات سے رہا، مگر آپ نے اس محکمہ کی اہم ذمہ داریوں کے علاوہ اوائل شباب سے ہی دینی علوم اور تصوف کے عمیق علوم کا مطالعہ کیا اور اب تک آپ متعدد رسائل اور مکتوبات کے علاوہ بیس سے زائد دینی کتب کے مصنف ہونے کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے لاتعداد مضامین تصوف، روحانیت اور دیگر اسلامی عنوانات پر نوائے وقت، جنگ اور خبریں اخبارات کے علاوہ مختلف دینی رسالوں کی زینت بن چکے ہیں۔

آپ کی جو کتب اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، وہ ''نشان منزل، حسن نماز، بیعت کی تشکیل اور تربیت، حضور قلب، مجلس اقبال، رابطہ شیخ'' اور ''سنت مبارکہ'' ہیں جو کتابیں عنقریب شائع ہونے والی ہیں، ان میں ''متاع اخلاق، اسلام اور روحانیت، سرمایۂ ملت، تہذیبِ نفس، اور جنید و بایزید'' شامل ہیں۔ آپ کی دیگر آٹھ عدد کتب ہنوز تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔

مذکورہ بالا تصانیف واشاعت کے ساتھ ساتھ پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے تبلیغ کا ایک انوکھا سلسلہ وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ مختلف مقامات پر کچھ لوگوں کے اجتماع میں دو تین دنوں کے لیے (صرف ایک گھنٹہ یومیہ) درس کا اہتمام کرتے ہیں۔ جس میں وہ جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوبصورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو گرماتے ہیں کہ۔ آپ کے اس حسن تعلیم وتدریس اور فیض صحبت سے ہزاروں مسلمان فیضیاب ہوئے۔

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو فیصل آباد کی تحصیل گوجرہ میں پیدا ہوئے، میٹرک، ایف۔ ایس۔ سی اور بی۔ ایس۔ سی فیصل آباد ہی سے کیا' ۱۹۹۳ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایم۔ اے اسلامیات کیا اور ۲۰۰۲ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعلیٰ سند حاصل کی...... ۱۹۹۰ء میں علامہ محمد کریم سلطانی ابن مفتی محمد امین نقشبندی مدظلہ العالی کے ذریعہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا شرف حاصل کیا...... اگست ۲۰۰۲ء میں نکاح کی سنت نصیب ہوئی...... جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد، تبلیغ الاسلام ایجوکیشنل سینٹر فیصل آباد، محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف (آزاد کشمیر) میں خدمت تدریس انجام دی، آج کل گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ اسلامیات میں متعین ہیں...... آپ کی بیس کتب ورسائل اور پینتیس (۳۵) مضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ تصانیف میں سیکنڈری لیول کی سات درسی کتب کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی کی تفسیری وفقہی خدمات، عربی میں کتب سیرت، تخریج احادیث، ضعیف اور موضوع روایات، اسلام کا نظام تعلیم اور مرزائیوں کے باطل نظریات قابل ذکر ہیں۔

آپ تحقیقی ذوق کے مالک ہیں۔ آپ کی نگارشات نہایت معیاری ہوتی ہیں۔ مقالۂ ڈاکٹریٹ آپ کی اعلیٰ تحقیق کا نمونہ ہے۔

☆......☆......☆

ملفوظات شاہ نقشبند علیہ الرحمہ نوشتہ خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ

حدیث پاک میں ہے۔

''اپنے وضو کو جمع کرو اللہ تعالیٰ تمہاری جماعت کو مجتمع کر دے گا''۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باطنی وضو کو ظاہری وضو کے ساتھ جمع کر دو۔ (یعنی ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی حاصل کرو) تاکہ تمہیں باطنی استقامت حاصل ہو جائے۔ استقامت باطن اس کیفیت کا نام ہے کہ کلمۂ توحید کے بعد تمام جسمانی و روحانی تعلقات ختم ہو جاتے ہیں اور ان سب تعلقات کی نفی (انکار، رد) ہی کو استقامت احوال کہتے ہیں۔ استقامت احوال کی دلیل استقامت افعال ہے جو امر و نہی خداوندی کو اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعظیم سے میسر آتی ہے۔ استقامت افعال کے بغیر استقامت احوال معلوم نہیں ہوتی ہے۔ سالکِ طریقت کو ہر حال میں اس کی روش اور کوشش کرنا چاہئے تاکہ اپنے کام کو منزل تک پہنچائے۔ روش کا مطلب اہل اللہ کے ساتھ ادب سے پیش آنا ہے اور کوشش کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں (احکام) میں کوشش کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے جس حد تک اسے ان کے بارے میں علم ہو۔

(رسالہ قدسیہ، اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرقعات

بسم الله الرحمٰن الرحيم
نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الكريم

۱......صدر دروازہ خانقاہ عالیہ مجددیہ (سرہند شریف)
۲......مسجد شریف وروضۂ شریف حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (سرہند شریف)
۳......مزار مبارک، حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ (سرہند شریف)
۴......مسجد معصومیہ (سرہند شریف)

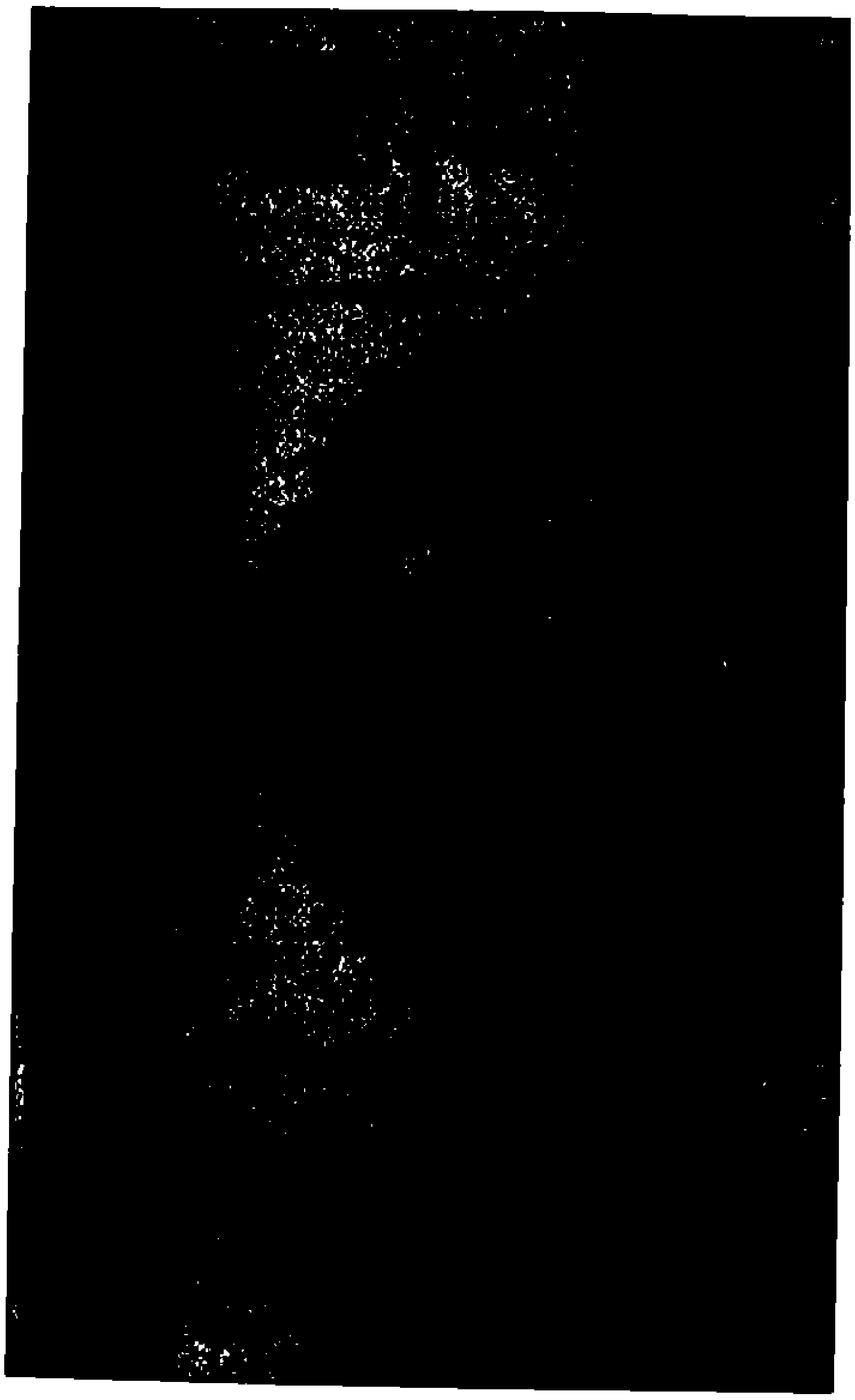

صدر دروازہ خانقاہ عالیہ مجددیہ
سرہند شریف ۔ بھارت

مسجد شریف و روضہ شریف حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

سرہند شریف ۔ بھارت

مزار مبارک حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ
سرہند شریف۔ بھارت

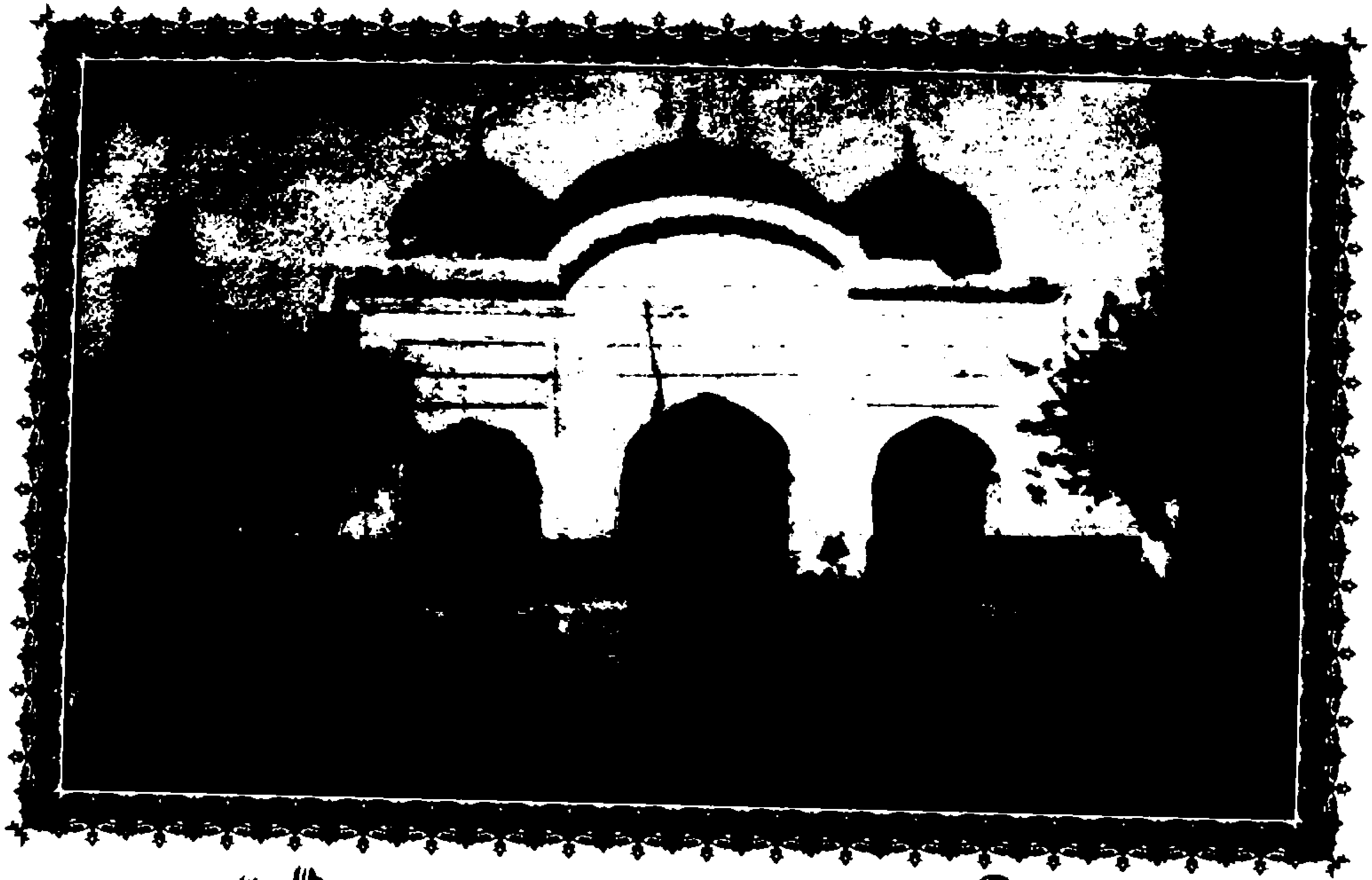

مسجد معصومیہ تعمیر کردہ خواجہ محمد عبید اللہ فرزند سوم خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ

(م۔ ۱۹ ربیع اول ۱۰۸۲ھ) تعمیر کردہ ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء (سرہند شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مختصر تعارف

جہانِ امامِ ربانی

اقلیم سوم

پہاڑوں کے قدم، دریاؤں کے دل، تری شوکت سے لرزاں یا مجدد
تو افرادِ ولایت میں یگانہ، تو ذیشانوں میں ذیشاں یا مجدد
(مصطفیٰ)

ملفوظات شاہ نقشبند علیہ الرحمہ نوشتہ خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ

معلوم نہیں کہ ہم کس صفت پر رکھے جاتے ہیں اور کس صفت پر ختم ہوتے ہیں۔ کبھی تو بے غم ہوتے ہیں اور کبھی مضطرب۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو بے تدبیر (انسانی) ہوتا ہے اور اس میں حیرت ضرور ہوتی ہے۔ جو لوگ بعض اوصاف کو حاصل کرنے کے بعد کمال کو پہنچتے ہیں۔ وہ آخر کار تحیر میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو سپرد کر دینا، تصرفات غیب کو تسلیم کرنا اور اپنے وجود کو پورے طور پر حضرت واجب الوجود (اللہ تعالیٰ) کو تفویض کرنا ضروری ہے۔ اس مقام کی ابتدا اور وسط معلوم ہوتی ہے مگر انتہا معلوم نہیں، ہوتی ہے کہ کس کیفیت اور حالت میں خاتمہ ہوگا سب اہل اللہ اسی خیال میں ہیں۔ حضرت شیخ خواجہ (فریدالدین) عطار (م۔ ۶۲۶ھ) قدس سرہ نے فرمایا ہے۔

پیشوایانی کہ رہ بین آمدند　　گاہ و بیگاہ از پی این آمدند

(رسالہ قدسیہ اسلام آباد)

(خواجہ محمد پارسا: رسالۂ قدسیہ، مرکز تحقیقات فارسی۔ ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۳۹۵ھ/۱۹۸۵ء۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اقلیم سوم

☆☆

……نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	امام احمد رضا محدث بریلوی
……مناقب	قمر یزدانی، خواجہ احمد حسین، کلیم عثمانی اعزاز الدین، عبدالحکیم اختر
……ابتدائیہ	ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
……تأثرات	ڈاکٹر محمد اقبال، ڈاکٹر غلام مصطفی خاں ڈاکٹر حفیظ ملک، ڈاکٹر زبید احمد ڈاکٹر اشتیاق حسین

کشورِ اوّل

……شیخ احمد سرہندی	ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ وسید نذیر نیازی
……مجدد نامہ	پروفیسر غلام مصطفی مجددی
……مقاماتِ مجدد	مولانا محمد [illegible]
……مقامِ مجدد الف ثانی	ڈاکٹر محمد اختر چیمہ
……حضرت مجدد الف ثانی کا مقامِ تجدید	علامہ محمد جلال الدین قادری
……حضرت مجدد الف ثانی کے مقاماتِ روحانی کی چند جھلکیاں	ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

- حضرت مجدد الف ثانی کی ملی و دینی خدمات …… پروفیسر محمد عارف اظہر

کشورِ دوم

- نبوت و رسالت کا اثبات …… حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
- شیخ احمد سرہندی کی اصلاحی و تجدیدی تحریک کا مرکز و محور نبوتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایقان و ایمان …… ڈاکٹر اے۔الف۔ایم۔ابوبکر صدیق، مترجم، ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی
- عقیدۂ ختم نبوت اور حضرت مجدد الف ثانی …… پروفیسر سید شبیر حسین زاہد
- وسیلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم …… پروفیسر عبد الباری فرنگی محل

کشورِ سوم

- ردِّ روافض …… حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
- حضرت مجدد الف ثانی اور تقلید ائمہ مجتہدین …… علامہ محمد جلال الدین قادری
- امام ربانی اور رفع سبابہ …… علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

کشورِ چہارم

- مکتوب امام ربانی در طریقِ ایصال ثواب و وسیلہ …… حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
- بعض عقائد و معمولات اہل سنت (مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں) …… پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- عقائد و تعلیمات حضرت مجدد الف ثانی …… قاضی غلام محمد ہزاروی

مسلکِ مجدد الف ثانی	صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
نماز کا جائزہ (مکتوبات و معمولات امام ربانی کی روشنی میں)	مولانا بدر الاسلام صدیقی
حضرت مجدد الف ثانی کا طریقہ نماز	مولانا بدر الاسلام صدیقی
حضرت مجدد کا انداز تعلیم و تبلیغ اور اس کے اثرات و نتائج	پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی

کشورِ پنجم

علم اور علماء حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں	مفتی محمد علیم الدین نقشبندی
حضرت مجدد الف ثانی کے تعلیمی افکار	ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
چالیس ارشادات امام ربانی	علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری
حضرت مجدد کے اوراد	مولانا بدر الاسلام صدیقی
راہِ ہدایت	صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
ملفوظات حضرت مجدد الف ثانی	مولانا جاوید اقبال مظہری
ملفوظات امام ربانی	ابوالرضا مفتی نیّر مجددی
کرامات امام ربانی مجدد الف ثانی	ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
نگار خانہ	
مرقعات	

۶۸۰

Maqāmāt -i- Ma'sūmi

Vol. I

Revivalist Movement of Mujaddid Alf-i-Sani
Shaykh Ahmed sirhindi and his successors
and a comparative study of the ideologies
of Dara Shikuh and Aurangzeb.

By
Muhammad Iqbal Mujaddidi

Zia-Ul-Quran Publications
Lahore, Karachi, Pakistan

۱۳۶۰

۶۸۱

Maqāmāt -i- Ma'sūmi

Life, works and Teachings of a prominent sufi
and reviver of seventeenth century,
Khawaja Muhammad Ma'sum Sirhindi
(c. 1007 - 1079 a.h. /1599 - 1668 a.d.)

By

Mir Sofr Ahmed Ma'sumi

Vol. (II)
Translated by

Muhammad Iqbal Mujaddidi

Zia-Ul-Quran Publications
Lahore, Karachi, Pakistan

۱۳۹۱

۷۸۲

Maqāmāt -i- Ma'sūmi

Life, works and Teachings of a prominent sufi
and reviver of seventeenth century,
Khawaja Muhammad Ma'sum Sirhindi
(c. 1007 - 1079 a.h. /1599 - 1668 a.d.)

By

Mir Sofr Ahmed Mas'umi

Vol. (III)
Text edited by

Muhammad Iqbal Mujaddidi

Zia-Ul-Quran Publications
Lahore, Karachi, Pakistan

۱۲۶۲

۶۸۳

Maqāmāt -i- Maʿsūmi

Life,works and Teachings of a prominent sufi
and reviver of seventeenth century,
Khawaja Muhammad Maʿsum Sirhindi
(c. 1007 - 1079 a.h. /1599 - 1668 a.d.)

Vol. (IV)
Explanatory Notes

By
Muhammad Iqbal Mujaddidi

Zia-Ul-Quran Publications
Lahore, Karachi, Pakistan

۱۳۶۳

۶۸۳

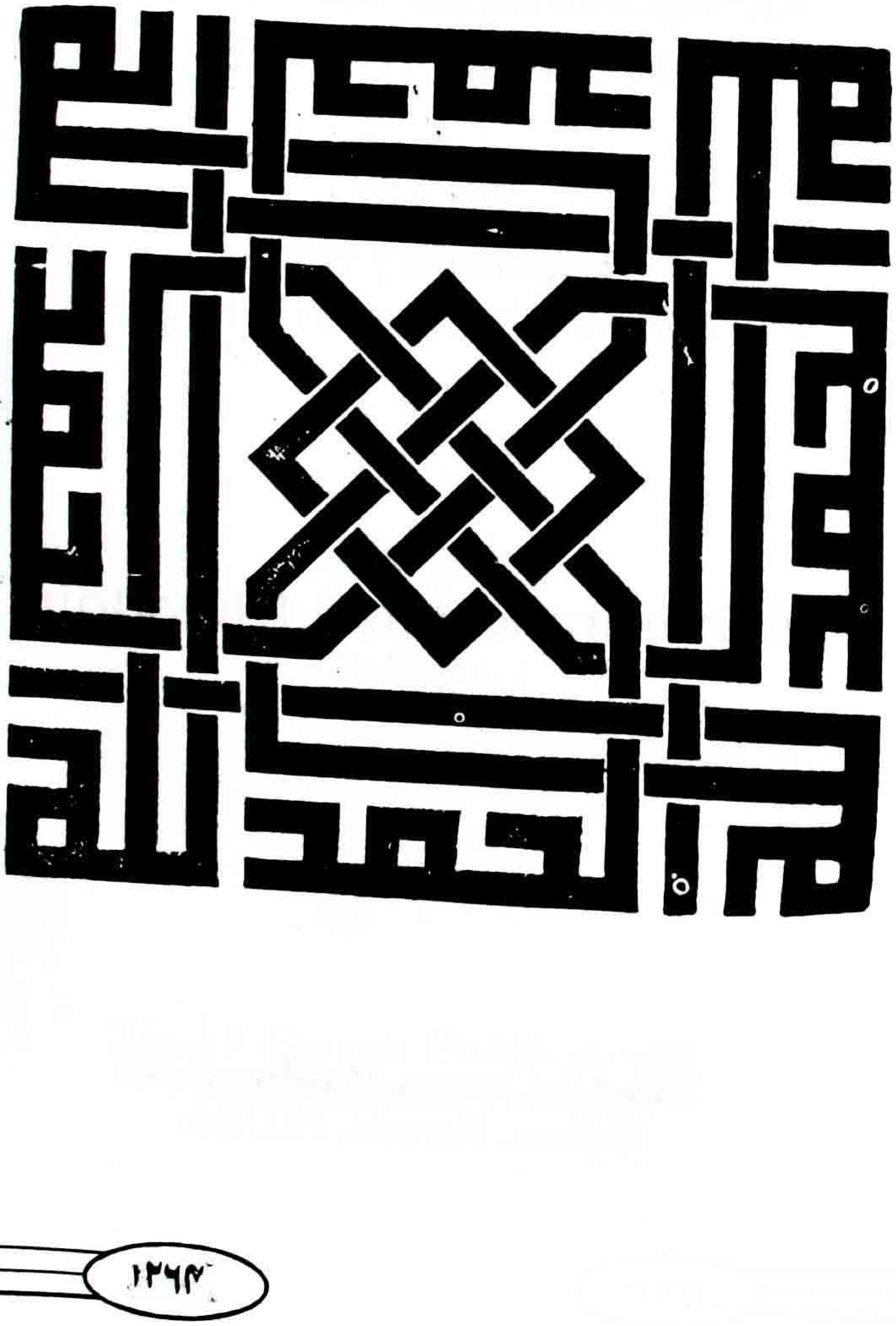

۱۳۴۳